WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

پہلی شعاع،	رضیہ جمیل	10
حمد،	تنویر پھول	11
نعت،	کاشف حسین غائر	11
نبیﷺ کی باتیں،	ادارہ	12

انٹرویو

سوہائی ابرو،	شاہین رشید	270
دستک،	شاہین رشید	22
شادی،	مسرت شاہین	20
شعاع کے ساتھ،	ادارہ	274
تھر کی صدا،	ام ثمامہ	17

ناول

رقص بسمل،	نبیلہ عزیز	36

مکمل ناول

بڑی آزمائش،	آسیہ رزاقی	68
کون جیتا ہے،	فرحین اظفر	112
تعبیر،	مریم عزیز	196

ناولٹ

بت شکن،	امایہ خان	164
محبت کب سمجھتی ہے	حنایاسمین	238

افسانے

شکستہ آئینے،	میمونہ صدف	54
پلڑا	سعدیہ عزیز	102
نیلا گلاب،	سنیعہ عمر	192
دائرہ،	یمین رضا	243

نظمیں، غزلیں

غزل،	ناصر کاظمی	262
غزل،	خمار بارہ بنکوی	262
غزل،	سلیم الرحمٰن	261
نظم،	محمد مشتاق آثم	261

زرسالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ) ----- 700 روپے
ایشیا، افریقہ، یورپ ---- 5000 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا --- 6000 روپے

انتباہ: ماہنامہ شعاع ڈائجسٹ کے جملہ حقوق محفوظ ہیں، پبلشر کی تحریری اجازت کے بغیر اس رسالے کی کسی بھی کہانی، ناول، یا سلسلہ کو کسی بھی انداز سے نہ تو شائع کیا جاسکتا ہے، نہ کسی بھی ٹی وی چینل پر ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے طور پر یا کسی بھی شکل میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ خلاف ورزی کرنے کی صورت میں قانونی کارروائی عمل میں لائی جاسکتی ہے۔

مستقل سلسلے

خط آپ کے،	رضیہ جمیل	26
مسکراہٹیں،	صباسحر	263
آئینہ خانے میں،	واصفہ سہیل	278
بالوں سے خوشبو آئے،	شگفتہ جاہ	266
تاریخ کے جھروکے،	امت الصبور	281
کھلتا کسی پہ،	خالدہ جیلانی	269
موسم کے پکوان،	خالدہ جیلانی	288
خوبصورت بنیے،	ادارہ	290

اپریل 2014
جلد 28 شمارہ 8
قیمت 60 روپے

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ شعاع، 37 - اُردو بازار، کراچی۔

رضیہ جمیل نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا - مقام: ۹۱، بی، پی ای سی ایچ ایس سوسائٹی، کراچی
Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 0092-21-32766872
Email: shuaa@khawateendigest.com website: www.khawateendigest.com

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

نگہت جہاں

پہلی شعاع

شعاع کا اپریل کا شمارہ لیے حاضر ہیں۔

جس طرح انسانی زندگی اپنے سفر کی مختلف منزلوں سے گزرتی، نت نئے تجربات سے سیکھتی ہے۔ اسی طرح قومیں بھی اپنے حالات سے تجربات سے سیکھ کر مضبوطی حاصل کر پاتی ہیں۔ کسی بھی قوم کا مزاج اس کے متعدد افراد، سربراہ، دانش ور، عالم تشکیل دیتے ہیں۔ ہم آج تک مختلف تجربات سے گزرتے رہے۔ کبھی سوشلزم کے نام پر ترقی پذیر معیشت کو سرکاری ملکیت بنا کر صنعت کا پہیہ روک دیا گیا۔ کبھی اعتدال پسند روشن خیالی نے بے راہ روی کے راستے دکھائے اور کبھی قومیت اور لسانیت کے نام پر تعصب کی آگ بھڑکائی گئی۔ ہم کبھی بھی ایک قوم نہ بن سکے۔

مذہب واحد مضبوط کڑی ہو سکتی تھی جو ہم سب کو ایک قوم بنا دیتی لیکن وہ لوگ جو خود کو بڑے فخر سے لبرل کہتے ہیں۔ اس کے نام سے بھی خوف زدہ ہیں۔ انہوں نے قوم کو مذہب کے نام پر مختلف فرقوں میں بانٹ کر نفرتوں کو ہوا دی۔ سازشیں اغیار کی تھیں لیکن ہاتھ اپنوں کے ہی استعمال ہوئے۔ نتیجہ یہ کہ آج وطن عزیز کا کوئی بھی گوشہ محفوظ نہیں ہے۔

دُنیا تبدیلیوں کی زد میں ہے۔ حالات، نظریات بدل رہے ہیں۔ ہمیں اپنے حالات بدلنے ہیں تو غور و فکر سے کام لینا ہوگا۔ ایک قوم بن کر سوچنا ہوگا۔ تھر کا حالیہ قحط ہماری آزمائش، ہمارا امتحان ہے۔

یہ بہت بڑی آبادی نہیں ہے۔ اگر حکومت توجہ دیتی تو انہیں اس آفت سے بچایا جا سکتا تھا لیکن حکومت تو کیا وہاں وہ این جی اوز بھی نظر نہیں آئیں جو پاکستان میں عورت پر مظالم کا دُنیا بھر میں ڈھنڈورا پیٹ کر کروڑوں کے فنڈز حاصل کرتی ہیں، البتہ کچھ مذہبی تنظیمیں ضرور کام کرتی نظر آ رہی ہیں۔

تھر کی مظلوم مائیں اور معصوم بچے آپ کو پکار رہے ہیں۔ آپ کی تھوڑی سی امداد اور توجہ ان کی جانیں بچا سکتی ہے جس نے ایک انسان کی جان بچائی اُس نے پوری انسانیت کو بچالیا۔

اس شمارے میں،

- آسیہ رزاقی کا مکمل ناول ۔ بڑی آزمائش،
- فرحین اظفر کا مکمل ناول ۔ کون جیتا ہے، کون ہارا ہے،
- مریم عزیز کا مکمل ناول ۔ تعبیر،
- امایہ خان اور حنا یاسمین کے ناولٹ،
- میمونہ صدف، سعدیہ عزیز آفریدی، یمین رضا اور سنیعہ عمر کے افسانے،
- نبیلہ عزیز کا ناول ۔ رقص بسمل،
- من کے موتی کی فنکارہ سوہائی ابرو سے ملاقات،
- معروف شخصیات سے گفتگو کا سلسلہ ۔ دستک،
- شعاع کے ساتھ ساتھ ۔ قارئین سے سروے،
- پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں ۔ احادیث کا سلسلہ،
- شادی مبارک ہو، خط آپ کے، آئینہ خانے میں اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں۔

اس ماہ کا شعاع آپ کو کیسا لگا؟ اپنی رائے سے نوازیے گا۔ منتظر ہیں۔

حمد
باری تعالیٰ

نہیں معبود ہے کوئی سوا اللہ کے ہمدم
وہی زندہ، وہی قائم، اسی کا نام ہے ارحم

نہ اُس کو نیند آتی ہے نہ اُس پر اونگھ کا غلبہ
زمیں اور آسمانوں میں ہے جو کچھ سب کا سب اس کا

ہے کس کو تاب جو آگے سفارش کر سکے اس کے
بجز اس کے جسے وہ حاکم مطلق اجازت دے

وہ ماضی اور مستقبل کی سب باتوں کا ہے عالم
ہمیشہ سے ہے وہ قائم، ہمیشہ ہے وہ حاکم

احاطہ کر نہیں سکتا ہے اس کے علم کا کوئی
عیاں ہوتی ہے بس وہ چیز جس میں اس کی ہو مرضی

اسی کا عرش حاوی ہے زمین اور آسمانوں پر
کہ اس کے تخت کی وسعت ہے غالب سب جہانوں پر

نگہبانی میں اس کی چل رہا یہ نظمِ عالم ہے
وہ بے شک سب سے اعلا بھول! بے شک سب سے اعظم ہے

تنویر بھول

نعت
رسول مقبول ﷺ

آنکھ اُٹھتی ہو کوئی جیسے نگینے کی طرف
آسماں دیکھتا رہتا ہے مدینے کی طرف

کھینچتی رہتی ہے مجھے سرکارِ دو عالم کی کشش
اُٹھتے جاتے ہیں مرے پاؤں مدینے کی طرف

سب کو خوش آتی ہے دربار محمدؐ کی فضا
مرنے والے بھی چلے آتے ہیں جینے کی طرف

آپؐ رستہ ہیں وہی آپؐ وسیلہ ہیں وہی
جو ہمیں لے کے چلا خُلد کے زینے کی طرف

دیکھ سیلابِ بلا اُنؐ کے غلاموں کا مقام
خود کنارا چلا آتا ہے سفینے کی طرف

ایک مدت سے مرا دھیان لگا ہے غائرؔ
اُن کی رحمت کی طرف، اُن کے خزینے کی طرف

کاشف حسین غائرؔ

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

ادارہ

پیارے نبی کی پیاری باتیں

خوابوں کی تعبیر سے متعلق آداب و احکام

مسلمان کا خود یا کسی اور کا اس کے لیے اچھا خواب دیکھنا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"نیک آدمی کا اچھا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔" (بخاری)

فوائد و مسائل :

1۔ نبی کا خواب ہمیشہ سچا ہوتا ہے کیونکہ اس پر شیطان کا اثر نہیں ہوتا' البتہ بعض اوقات وہ خواب ایسا ہوتا ہے، جس کی تعبیر کی ضرورت ہوتی ہے۔ نیک آدمی کو کبھی غلط خواب بھی آتے ہیں کیونکہ وہ معصوم نہیں ہوتا' تاہم جتنا زیادہ نیک ہو اتنا زیادہ اس کے خواب کے سچا ہونے کی امید ہوتی ہے۔

2۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ ان کے بعد کوئی آدمی نبی نہیں ہو سکتا' اس لیے خواب کو نبوت کا چھیالیسواں حصہ کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ خواب دیکھنے والا شرف نبوت میں شریک ہو جاتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ نبوت کے چھیالیس یا ستر حصے ہیں اور ان میں سے ایک حصہ اچھے خواب بھی ہیں۔ اگرچہ نبوت اب باقی نہیں رہی مگر اس کا یہ حصہ قیامت تک باقی ہے۔ اس کی ایک توجیہہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دور نبوت تیئیس سال کا ہے اور ان میں پہلے چھ ماہ تک آپ کو محض خواب آیا کرتے تھے، جو اس قدر سچے اور حقیقت پر مبنی ہوتے تھے جیسے رات کے اندھیرے کے بعد صبح صادق کا طلوع ہونا۔ چونکہ یہ چھ ماہ تیئیس سال کا چھیالیسواں حصہ ہے اس نسبت سے مومن کے خواب کے متعلق یہ کہا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

سچے خواب

حضرت ام کرز کعبیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"نبوت ختم ہو گئی اور خوش خبری دینے والی چیزیں رہ گئیں یعنی سچے خواب باقی ہیں۔" (مسند احمد)

فوائد و مسائل :

1۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں' اس لیے نبوت سے براہ راست مستفید ہونا اب ممکن نہیں۔

2۔ سچے خوابوں کو مبشرات کہا گیا ہے کیونکہ ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ مومن کو کسی ملنے والی نعمت کی خبر دیتا ہے یا کسی آنے والی مصیبت سے متنبہ کر دیتا ہے تاکہ انسان اس سے بچنے کی دعا اور تدبیر کر لے۔

3۔ اکثر خواب ایسے ہوتے ہیں جن کی تعبیر کی ضرورت ہوتی ہے' البتہ بعض خواب جیسے نظر آتے ہیں بعد میں ویسا ہی واقعہ پیش آجاتا ہے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کو صحابہ کے ساتھ عمرہ کرتے دیکھا تو اگلے سال اسی طرح عمرہ ادا کیا گیا۔

اچھا خواب

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اچھا خواب نبوت کا سترواں حصہ ہے۔" (مسلم)

خوش خبری

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' انہوں نے کہا "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے متعلق دریافت کیا۔ **لھم البشری فی الحیواۃ الدنیا و فی الاخرۃ۔**

"ترجمہ۔ ان کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی خوش خبری ہے اور آخرت میں بھی۔"

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اس سے مراد اچھا خواب ہے، جو مسلمان دیکھتا ہے یا اس کے لیے دیکھا جاتا ہے۔" (ترمذی)

فوائد و مسائل :

1۔ اچھا خواب اپنے بارے میں بھی ہو سکتا ہے اور کسی دوسرے مسلمان کے بارے میں بھی۔ دونوں صورتوں میں یہ خوش خبری ہے' مثلاً "ایک آدمی دیکھتا ہے کہ وہ کعبہ کا طواف کر رہا ہے۔ یہ اس کا اپنے بارے میں خواب ہے۔ یا دیکھتا ہے کہ اس کا والد طواف کر رہا ہے۔ تو یہ اس کے والد کے بارے میں خوش خبری ہے۔

2۔ آخرت میں مومن کو جنت میں داخلے کی خوش خبری ملے گی۔ یہ روح قبض ہوتے وقت بھی ملتی ہے اور قبر کے سوالات کے بعد بھی ملتی ہے۔ دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ ملنا بھی خوشخبری ہوگی۔ اعمال کا وزن ہوتے وقت نیکیوں کے پلڑے کا بھاری ہو جانا بھی خوش خبری ہے۔

3۔ فوت شدہ کو اچھی حالت میں دیکھنا بھی خوش خبری ہے۔

خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جس نے مجھے خواب میں دیکھا' اس نے (گویا) مجھے بیداری میں دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا۔" (ترمذی)

زیارت

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جس نے مجھے خواب میں دیکھا' اس نے مجھے دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا۔"

فوائد و مسائل :

1۔ "بعض خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں۔ یہ خواب سچے ہوتے ہیں۔ خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بھی اسی قسم میں شامل ہے۔

2۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اس حلیے کے مطابق ہو تو خواب سچا ہے' تعبیر کی ضرورت نہیں۔ اگر خواب میں حلیہ مبارک مختلف نظر آئے تو اس کی تعبیر کی جائے گی اور یہ دیکھنے والے کے دین و خلق میں نقص اور کوتاہی کا اظہار ہے۔ (فتح الباری۔ ۱۲/۴۸۴)

3۔ شرعی مسائل خواب سے ثابت نہیں ہوتے' ان کے لیے قرآن و حدیث کے دلائل کی ضرورت ہے۔

4۔ بعض لوگ جھوٹ موٹ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا دعویٰ کر دیتے ہیں' حالانکہ انہیں ایسا کوئی خواب نہیں آیا ہوتا۔ یہ بہت بڑا گناہ اور نہایت سنگین جرم ہے۔ (حدیث ۳۹۱۶)

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

خواب تین قسم کے ہوتے ہیں

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"خواب تین قسم کے ہوتے ہیں

(ایک) اللہ کی طرف سے خوش خبری۔

(دوسرے) دل کے خیالات

(تیسرے) شیطان کی طرف سے خوف زدہ کرنے کے لیے (برے اور ڈراؤنے خواب)

جب کسی کو ایسا خواب آئے جو اسے اچھا لگے تو اگر وہ چاہے تو اسے (کسی کے سامنے) بیان کردے اور اگر کوئی ناپسندیدہ چیز نظر آئے تو کسی کو خواب نہ سنائے اور اٹھ کر نماز پڑھے۔" (بخاری)

سچے خواب

حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"خواب تین قسم کے ہوتے ہیں

1۔ بعض خواب ڈراؤنے ہوتے ہیں

2۔ شیطان کی طرف سے انسان کو پریشان کرنے کے لیے (ہوتے ہیں)

3۔ بعض ایسے ہوتے ہیں کہ انسان بیداری کی حالت میں جو کچھ سوچتا رہتا ہے' وہی کچھ خواب میں اسے نظر آجاتا ہے۔

اور بعض (خواب) وہ ہیں جو نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہیں۔"

حضرت مسلم بن مشکم رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔

"کیا آپ نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (براہ راست) سنی ہے؟"

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

"ہاں' میں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنی ہے۔ ہاں' میں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنی ہے۔"

فوائد و مسائل :

1۔ اللہ کی طرف سے فرشتے کے ذریعے سے دکھائے جانے والے خواب سچے ہوتے ہیں' خواہ واضح ہوں یا ان کی تعبیر کی ضرورت ہو۔

2۔ شیطان جس طرح بیداری میں انسان کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے' اسی طرح نیند کی حالت میں پریشان کن خیالات کو خوابوں کی صورت میں پیش کرتا ہے۔

3۔ انسان دن میں جو کام کرتا ہے یا کرنا چاہتا ہے لیکن کسی وجہ سے کر نہیں سکتا' نیند میں اس قسم کے خیالات خوابوں کی صورت میں سامنے آجاتے ہیں۔ ان کی تعبیر کی ضرورت نہیں ہوتی۔

4۔ جدید علم نفسیات صرف تیسری قسم کے خوابوں کے بارے میں بحث کرتا ہے۔ یہ لوگ فرشتوں اور شیطانوں پر ایمان نہ رکھنے کی وجہ سے پہلی اور دوسری قسم پر یقین نہیں رکھتے لیکن وہ ایک حقیقت ہیں جن کی مثالیں اکثر سامنے آتی رہتی ہیں۔

5۔ انبیائے کرام اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب وحی میں شامل ہیں' لہٰذا یقینی امور پر مشتمل ہوتے ہیں۔

جو شخص برا خواب دیکھے

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جب کسی کو ایسا خواب آئے جو اسے برا لگے تو اسے چاہیے کہ بائیں طرف تین بار تھوک دے' اور تین بار شیطان سے اللہ کی پناہ مانگے اور جس پہلو پر لیٹا ہوا ہو اسے بدل دے (دوسرے پہلو پر لیٹ کر سوجائے)۔" (مسلم)

برا خواب

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اچھا خواب اللہ کی طرف سے ہوتا ہے اور برا خواب شیطان کی طرف سے' لہٰذا اگر کسی کو (خواب میں) ایسی چیز نظر آئے جو اسے ناگوار ہو تو اسے چاہیے کہ تین بار بائیں طرف تھوک دے اور شیطان مردود سے تین بار اللہ کی پناہ مانگے' اور جس پہلو پر لیٹا ہوا ہو اسے بدل دے۔" (بخاری)

فوائد و مسائل :

1۔ برا خواب شیطان کے شر سے ہوتا ہے' اس لیے اس سے حاصل ہونے والی پریشانی کا علاج اعوذ باللہ پڑھنا ہے۔

2۔ بائیں طرف تھتکارنے میں یہی حکمت ہے کہ بائیں طرف شیطان سے مناسبت رکھتی ہے' وہ اس طرف سے آکر دل میں وسوسے ڈالتا ہے۔

3۔ کروٹ بدلنا جسمانی حالت میں ظاہری تبدیلی ہے جس میں اللہ سے اس کی رحمت کی امید اور درخواست کا اظہار ہے کہ اللہ پریشانی کی حالت تبدیل فرما کر اطمینان عطا فرمادے۔

لوگوں کو نہ بتائیے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔

"میں نے (خواب میں) دیکھا کہ میرا سر اڑا دیا گیا ہے۔ میں نے دیکھا کہ وہ لڑھکتا جارہا ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"شیطان (بعض اوقات) کسی انسان کی طرف متوجہ ہو کر اسے (خواب میں) خوف زدہ کرتا ہے' پھر وہ (شخص) صبح لوگوں کو بتانے لگتا ہے (یہ مناسب نہیں ہے۔") (احمد)

فوائد و مسائل :

1۔ پریشان کن خواب کسی کو سنانا مناسب نہیں۔

2۔ انسان کو چاہیے کہ اللہ پر توکل کرتے ہوئے ایسے خواب کو اہمیت نہ دے' بلکہ گزشتہ باب کی احادیث کے مطابق عمل کرے۔ اللہ کی رحمت سے اسے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ واللہ اعلم۔

نہ بتائیے

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک آدمی آیا اور اس نے کہا۔

"اے اللہ کے رسول! آج رات میں نے خواب میں دیکھا کہ میرا گلا کاٹ دیا گیا ہے اور میرا سر (جسم سے الگ ہو کر) گر گیا ہے۔ میں نے اس (لڑھکتے ہوئے سر) کا تعاقب کرکے اسے پکڑ لیا اور دوبارہ (جسم پر) لگالیا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جب کسی کے ساتھ شیطان خواب میں شرارت کرے تو وہ یہ خواب لوگوں کو ہرگز نہ بتائے۔" (مسلم)

خواب کسی محبت رکھنے والے ہی کو سنائیے

حضرت ابورزین (لقیط بن صبرہ عقیلی) رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بے شک انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا' آپ فرمارہے تھے۔

"خواب کی جب تک تعبیر بیان نہ کی جائے اس وقت تک وہ (گویا) پرندے کے پاؤں میں ہوتا ہے۔ جب تعبیر کردی جائے تو واقع ہو جاتا ہے۔"

اور فرمایا۔

"خواب نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔" اور غالباً یہ بھی فرمایا۔

"خواب صرف اسی کو سنائے جو محبت رکھنے والا یا سمجھ دار ہو۔" (ابوداؤد)

فوائد و مسائل :

1۔ پرندے کے پنجے میں پکڑی ہوئی چیز گر بھی سکتی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ نہ گرے۔ اسی طرح خواب کی جب تک تعبیر نہ کی جائے تب تک یہ ممکن ہے کہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

خواب میں دیا ہوا اشارہ واقع ہو جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ واقع نہ ہو۔ جب تعبیر کر دی جائے پھر اس کا وہی مطلب بن جاتا ہے جو بیان کیا گیا۔

2۔ امام بخاری رحمتہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ اگر پہلے تعبیر کرنے والے نے تعبیر میں غلطی کی ہو اور اس کے بعد دوسرا شخص صحیح تعبیر کر دے تو دوسری تعبیر ہی معتبر ہو گی۔ (صحیح البخاری)' (حدیث ۷۰۴۶)

تعبیر بیان کرنے والا شخص جاہل نہیں ہونا چاہیے ورنہ وہ غلط تعبیر بیان کرے گا جو پریشانی کا باعث ہو گی جب کہ عالم اس کا اچھا محمل تلاش کرنے کی کوشش کرے گا' اسی طرح مخلص دوست اچھا مطلب تلاش کرے گا جب کہ اجنبی شخص کے دل میں وہ ہمدردی نہیں ہو گی' اس لیے ممکن ہے کہ وہ نامناسب تعبیر بیان کر دے۔

جھوٹ موٹ کا خواب بیان کرنا (سخت گناہ ہے)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جس نے جھوٹا خواب بیان کیا' اسے جو کے دو دانوں کو ایک دوسرے سے گرہ لگانے کا حکم دیا جائے گا اور (وہ ایسا نہیں کر سکے گا' چنانچہ) اسے اس وجہ سے عذاب دیا جائے گا۔" (بخاری)

فوائد و مسائل :

1۔ جس شخص نے خواب نہیں دیکھا' اپنے ہی پاس سے بنا کر بیان کر دیتا ہے' اس کا یہ جھوٹ بہت بڑا گناہ ہے۔

2۔ جھوٹا خواب بیان کرنا اس لیے زیادہ برا ہے کہ اس کی کسی طرح تحقیق نہیں کی جا سکتی کہ اس نے خواب دیکھا ہے یا نہیں۔

3۔ بعض افراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی اور اہم شخصیت کے خواب میں نظر آنے کا دعوا کرتے ہیں۔ عام لوگ اسے ان کی بزرگی کی علامت سمجھ کر محبت و احترام کا اظہار شروع کر دیتے ہیں' حالانکہ اصل شرف نیک اعمال کا انجام دینا ہے ورنہ کافر اور منافق تو حقیقی طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے تھے لیکن اس کے باوجود وہ کسی احترام کے مستحق نہیں گردانے گئے۔

4۔ خواب کسی کام کے جائز یا ناجائز ہونے کا ثبوت نہیں۔ شرعی مسائل کے لیے شرعی دلائل ضروری ہیں۔ کسی کا یہ دعوا کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں کام کی اجازت دی ہے' قابل قبول نہیں۔

زیادہ سچ بولنے والے کا خواب زیادہ سچا ہوتا ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جب زمانہ (ختم ہونے کے) قریب آجائے تو (اس زمانے میں) مومن کا خواب شاذ و نادر ہی جھوٹا نکلے گا اور زیادہ سچا خواب اس کا ہو گا جو (روزمرہ زندگی میں) بات چیت میں زیادہ سچا ہے۔ اور مومن کا خواب نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔" (بخاری)

فوائد و مسائل :

1۔ قیامت کے قریب کفر' فسق اور جہالت کا غلبہ ہو گا۔ سچے مومن بہت کم ہوں گے۔ ان مومنوں کے خواب سچے ہوں گے۔

2۔ بعض علماء نے اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا زمانہ لیا ہے' البتہ حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے۔ (فتح الباری ۱۲/ ۵۰۸) نیک آدمی کے خواب زیادہ سچے ہوتے ہیں۔

صحرائے تھر کی صدا

ام ثمامہ

ام ثمامہ ..... جھڈو سندھ

جھڈو سے لے کر ننگرپارکر تک کے سفر میں پہلا اسٹاپ نوکوٹ قلعہ کا آتا ہے' مگر اس عظیم الشان قلعے کی بدحالی دیکھ کر آپ کو احساس ہو جاتا ہے کہ تھر کا علاقہ شروع ہو چکا ہے اور یہاں سے سفر کے پیروں میں ریت کی پائلیں بندھ جاتی ہیں....

دھیرے دھیرے تھر کا مور مٹھی اور اسلام کوٹ کی طرف پرواز کرتا ہے تو ہریالی کا رنگ ماند پڑنے لگتا ہے' مگر اس ویرانی میں رب عظیم نے اک ایسا حسن پوشیدہ کر رکھا ہے جو شمالی علاقہ جات کے حسن کو بھی ماند کر دیتا ہے' یہ میرا ذاتی تجربہ ہے اور آپ اسے ماہ اگست اور ستمبر میں اپنی کسوٹی پر پرکھ سکتے ہیں اور پھر سفر کا اختتام ننگر جا کر ہوتا ہے' یہاں دنیا کے سب سے بڑے تخلیق کار نے پہاڑوں کو چیر کر ایسے ایسے نادر نمونے تراشے ہیں کہ بڑے بڑے علم والوں کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

آرٹ گیلریز میں لگی لاکھوں میں بکنے والی صحرائی تھر کی تصویریں' جن میں تھری خواتین ننگے پاؤں سر پر تین تین گھڑے اٹھائے تپتی ریت میں ایسے سفر کرتی نظر آتی ہیں جیسے ریمپ پر کیٹ واک کر رہی ہوں لیکن یہی تصویریں جب یہاں حقیقت کا روپ دھارتی ہیں تو اپنی سفاکیت کے باعث دلوں کو دکھ سے بھر دیتی ہیں' کیونکہ تھر کے کنوؤں میں سے پانی نکالنا بہت مشکل مرحلہ ہے کیوں کہ یہاں کے کنوئیں تھریوں کی طرح بہت گہرے ہوتے ہیں۔

تھرواسی جنہیں عرف عام میں تھریے کہا جاتا ہے بہت سادہ اور صابر لوگ ہوتے ہیں ان کے چہروں پر عمر سے بہت پہلے ہی جھریاں پڑ جاتی ہیں' اس لیے نہیں کہ وہ سن اسکرین لوشن استعمال نہیں کرتے بلکہ اس لیے کہ وہ سال بھر یہ سوچتے رہتے ہیں کہ اب کی بار مینہ وسے گا کہ نہیں' وہ اپنی سوکھی دھرتی سے بہت پیار کرتے ہیں' وہ اپنی کسی بھی ضرورت کے لیے کسی وزیر یا سفیر کی طرف نہیں دیکھتے بلکہ ان کی خاموش

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

نگاہیں آسمان کی طرف اٹھ جاتی ہیں۔۔۔

افسوس اور شرم کی بات تو یہ ہے کہ ثقافت کے امین تھریوں پر یہ قحط سالی کی قیامت ان ہی دنوں میں ٹوٹ رہی تھی جب اربوں روپے لگا کر مردوں کے سرہانے سندھی ثقافت کے نام پر مجرے کروائے جا رہے تھے' اس وقت سندھ کی ثقافت کے گدی نشین کو کیا یہ معلوم نہیں تھا کہ موئن جو دڑو' ٹھٹھہ اور حیدر آباد سے تھوڑی ہی دور موروں کے بعد اب انسان مر رہے ہیں اور مائی بھاگی ان کے دکھ میں درد سے کرلا رہی ہے۔۔۔

حکومت کا فرمانا ہے کہ "تھر میں تو ہر سال قحط سالی ہوتی ہے یہ روٹی کا نہیں دوائی کا مسئلہ ہے۔"

تو سوال یہ ہے صحت کی سہولیات دینا کس کی ذمہ داری ہے۔ سرکاری ہسپتالوں کی تو کیا ہی بات کی جائے' ان کا حال تو سرکار جیسا ہی ہے' تو کیا اس دفعہ ارباب اختیار نے اس ارباب کا ووٹ بینک توڑنے کے لیے تھر سے منہ موڑے رکھا جس نے اپنے دور حکومت میں اپنی جیب بھرنے کے بجائے تھر کی قسمت بھی بدل دی تھی۔۔۔ ہر گاؤں تک جاتی پکی سڑکیں' کنویں' اسکول' صحرائے تھر کی اجڑی مانگ میں آج بھی افشاں کی طرح چمک رہے ہیں۔۔۔

آج جب رنگ برنگے گھونگھٹوں میں آنسوؤں سے بھیگے چہرے چھپانے والی ماؤں کی گودیں اجڑ چکی ہیں۔ تھر میں مور کے رقص کے بجائے موت کا رقص اپنا تماشا دکھا رہا ہے تو ساری کی ساری کابینہ وہاں ڈیرے جمائے بیٹھی ہے مگر بھلا ہو میڈیا کا جس نے تھریوں کے دکھ میں دبلے ہونے والے ارباب اختیار کے پول کھول دیے ہیں کہیں کسی بیمار بچے کو سرسری ہاتھ لگا کر تصویریں کھنچوائی جا رہی ہیں تو وہیں بھوک اور پیاس سے تڑپنے والوں سے صرف چند قدم کے فاصلے پر شامیانوں میں فش فرائی' تکوں' ملائی کوفتہ اور منرل واٹر سے دعوتیں اڑائی جا رہی ہیں۔

پاکستان کے وزیر اعظم نے صحیح سوال پوچھا کہ صحرائے چولستان میں بھی کم و بیش اسی طرح کی زمینی صورت حال ہے مگر وہاں تو ہر سال قحط کی صورت حال نہیں ہوتی۔۔۔ سندھ کی ثقافت اور ووٹ کی امین سندھ حکومت کو اس سوال کا جواب دینا نہ سہی سوچنا ضرور چاہیے اور اگر سارے تھرواسیوں کو امداد اور رقوم مہیا ہو چکی ہیں تو وہ اب بھی اپنے جانوروں کے ساتھ جوق در جوق نقل مکانی کیوں کرتے نظر آرہے ہیں۔۔۔

حکومتی ارکان سے تو کچھ کہنا عبث ہے' پتھروں کے ڈھیروں میں دبی لاشوں پر' پانی میں بہتے متاع زیست پر اور اب بھوک اور بیماری سے لڑتے تڑپتے معصوم بچوں پر سیاست چمکا رہی ہے' وہ بھول گئی ہے کہ یہ زندگی چند روزہ ہے اور ابدی زندگی میں اک اک مظلوم کی آہ' آنسو' بھوک دکھ درد اور دربدری کا حساب دینا ہوگا کیونکہ یہ میرے رب عظیم کا وعدہ ہے اور اسے حساب کرتے دیر نہیں لگتی۔۔۔

ہمیشہ کی طرح غریب کا مال اور گھر سیلاب میں بہے یا عمارتیں زلزلے کے زور سے ان پر ڈھے جائیں یا بھوک ان کے رگ و جان میں موت کے پنجے گاڑ دے' اللہ کے چند نیک بندے' جماعت الدعوۃ' جماعت اسلامی کی الخدمت' پاک آرمی' خواجہ غریب نواز ٹرسٹ اور ایدھی والے اپنا کام کرتے ہیں اور اب بھی کر رہے ہیں جس کی جزا انہیں اللہ پاک کے یہاں ضرور ملے گی۔۔۔

آپ لوگوں سے میری درخواست ہے' اس کار خیر میں اپنا حصہ ضرور ڈالیں جتنی بھی استطاعت ہو' زیادہ نہ سہی تھوڑا ہی سہی۔ آپ پانی کی ایک بوتل دے کر بھی نیکیاں کما سکتے ہیں۔ آپ کی یہ معمولی امداد کسی کے لیے زندگی بن سکتی ہے اور آپ کو اجر عظیم کا مستحق بنا سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ تھر کے واسیوں پر اپنی رحمت کی بارش کر دے۔ وہاں کا قدرتی حسن' معصومیت اور ثقافت یونہی قائم رہے۔

✲

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

شیخ عثمان سعید ہمراہ فرحت

مسرت شاہین

رشتے آسمانوں پر بنتے ہیں ہمیشہ سے یہی سنتے آرہے ہیں، لیکن زمین پہ ان کو ملانے کے لیے کتنا تردد کرنا پڑتا ہے، یہ وہی جان سکتے ہیں جو رشتے ڈھونڈنے نکلتے ہیں، لیکن تلاش کی تگ و دو اور اس کے دوران پیش آنے والی مشکلات کی تکلیف یکسر دور ہوجاتی ہے جب اللہ کے بنائے جوڑے زمین پہ مل جاتے ہیں اور کیا خوب ملتے ہیں۔

جی ہاں! میں نے اپنی عزیز بہن فرحت جو میرے لیے بڑی بیٹی کا درجہ رکھتی ہے کے لیے بہترین بر تلاش کرنے میں اپنی تمام توانائیاں صرف کرلیں اور بالآخر وہ گوہر مقصود حاصل کرلیا جو میری چاند سی چھوٹی بہنا کے لیے سورج کا سا تھا۔

23 ستمبر کو ہونے والی مختصر سی تقریب میں شیخ عثمان سعید صاحب کے اہل خانہ نے فرحت کو اپنا بنانے کا عندیہ دیا اور ساتھ ہی ہنسی ہنسی میں جلد شادی کی بات کی۔ میں تو حیران ہوئی سو ہوئی، امی جان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ کھانے کے فوراً" بعد عثمان کے بہنوئی صاحب نے اکتوبر کے ابتدائی دنوں کا ما، جن دیا اور بمشکل 20 دن کا وقفہ دے کر شادی کی تاریخ طے ہوگئی۔

12 اکتوبر کو مہندی کی تقریب منعقد ہوئی۔ اس کے لیے بھائی کی بھاگ دوڑ قابل ذکر ہے۔ ہمارا ایک اکلوتا بھائی جو ہم سب میں چھوٹا ہے، لیکن چاروں بہنوں کے لیے ایک سایہ دار شجر ہے۔ ابو جان کی وفات کے بعد ہونے والا خلا کاشف نے اس طرح پورا کیا ہے کہ ابو جان کی یاد نہ آنے پائے اور ابو جان کی تمام تر ذمہ داری چھوٹے سے بھائی نے ایسی نبھائی کہ 10 اکتوبر کو جانے والا جہیز اس کی محبت کی منہ بولتی مثال بن گیا۔

عثمان کی امی بہنوں اور کزنز نے فری کو مہندی کا خوب صورت جوڑا پہنانا تھا جس کے لیے وہ بڑے سوبر انداز میں آئیں۔

13 اکتوبر چونکہ بارات ہال میں تھی تو وقت مقررہ پہ سب کو پابند کردیا گیا تھا۔ میری ذمہ داری چونکہ دلہن کو بیوٹی پارلر لے کر جانا اور پھر وہاں سے سیدھا ہال لے کر پہنچنا تھا۔ اس لیے میرے ہاتھ پاؤں پھولے ہوئے تھے۔ پارلر میں ماشاءاللہ سب سے پیاری دلہن فری لگ رہی تھی۔

وہاں ہر ایک کی زبان پر فری کے خوب صورت سراپے کی تعریف سن کر میں نے میاں صاحب کو فوراً" فون کردیا کہ آپ ہمیں گھر لے جائیں (نظر لگ جانے کا خدشہ تھا)

بہرحال وقت سے پہلے چونکہ فری صاحبہ تیار تھیں اور میرے تو کیا ہی کہنے تھے کہ اپنا انتہائی مہنگا فراک خرید کر دیکھنے کی زحمت نہ کی۔ وہ ذرا اٹائٹ تھا مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق چڑھالیا اور کیا خوب پھنسی اس میں کہ میاں صاحب نے پارلر کے باہر سے آواز دے کر بلوایا تو جب میں باہر نکلی تو فرمانے لگے۔

"محترمہ! اندر سے مسرت صاحبہ کو بلادیں۔"

جب میں نے منہ کھول کر ان کو بتایا کہ محترم! میں ہی ہوں تو ایک بھرپور نظر ڈال کر مسکرائے اور کہا۔

"بہت خوب صورت لگ رہی ہو۔"

لو جی محنت وصول ہوگئی۔ جی ہاں، بیوٹی پارلر نے کمال کردیا تھا۔ ہمارے نقش نگار ہی تبدیل نظر آرہے تھے۔ بچوں کو تو یقین ہی نہ آیا کہ یہ ان کی ماما ہیں۔

بہرحال شادی ہال پہنچے تو معلوم ہوا کہ بارات کافی دیر سے ٹریفک جام میں ہے۔ سوا آٹھ بجے بارات آئی تو عثمان شہزادوں سی آن بان لیے میری شہزادی کو لے جانے آیا تھا۔ استقبالیہ پہ موجود خالائیں اور ممانیاں عثمان کی وجاہت سے خوب متاثر ہوئیں کہ انہوں نے پہلی بار دیکھا تھا۔ سیاہ کام دار شیروانی عثمان پر بہت جچ رہی تھی۔

نکاح کے فوراً" بعد احمد صاحب نے عثمان کو برائیڈل روم میں لاکر ایک خوب صورت شوٹ کروایا کہ عثمان کے گھر والوں نے اپنے گھر پہ شوٹ کروانے سے منع کر رکھا تھا۔ (ذرا محتاط بزرگ لوگوں کی وجہ سے)

کھانا انتہائی لذیذ تھا اور خوشگوار موڈ کے ساتھ کھایا گیا اور دودھ پلائی پہ خوب ہنگامہ برپا رہا۔ عثمان کے کزنز نے جو روپیہ روپیہ پر بات شروع کی وہ پانچ ہزار پہ انجام پائی۔ ہمارا تقاضا تو دس ہزار تھا، لیکن احمد صاحب نے پانچ ہزار پر ہمیں روک دیا اور انتہائی درشت لہجے میں اسٹیج سے اترنے کے لیے کہا کیونکہ ہال کا وقت ہوچلا تھا۔

رخصتی بالکل روایتی تھی جس میں دلہن کو رخصت کرنے والے دکھی اور لے جانے والے مسکرا رہے تھے، لیکن دلہن نے بالکل روایتی ہونے کا ثبوت نہ دیا اور آنسو نہ بہائے۔ پارلر والوں کی تاکید تھی۔

14 اکتوبر کو دعوت ولیمہ تھی جس میں فری آسمان سے اتری پری لگ رہی تھی، وجہ پنک کلر کی خوب صورت میکسی اور میچنگ جیولری میک اپ میں وہ سب کی توجہ کا مرکز تھی۔ عثمان بھائی نے ہماری طرف کا براؤن کلر کا سوٹ پہن رکھا تھا جو کہ ان پہ خوب جچ رہا تھا۔ کھانے سے پہلے سب نے دولہا دلہن کو تحائف دیے اور مووی بنوائی کیونکہ بارات پہ تو موقع ہی نہیں مل سکا تھا۔ آخر میں سب سے مزے کی بات یہ ہوئی کہ شادی پہ میرے میاں چونکہ بہت آگے آگے تھے بڑے بھائی بن کر تو ویٹر نے ان کو بہت تہذیب سے ایک پانی کا گلاس پیش کیا۔ یہ بہت خوش ہوئے کہ اتنی عزت سے پانی پلا رہے ہیں تو میری ہنسی چھوٹ گئی اور انہیں بتایا کہ۔ "جناب یہ خاص گلاس ہے اس کی قیمت دینی ہے اور یہ شگن ہوتا ہے۔"

میز پہ موجود سب لوگوں کی ہنسی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی جس میں ماموں، چھوٹے بہنوئی، بابر بھائی اور کزنز وغیرہ تھے۔ پھر تو احمد صاحب نے بھی کمال سخاوت کا مظاہرہ کیا اور میرے پرس میں سے پیسے لے کر ادا کیے۔ (جی وہی چینج نہیں ہے کا مسئلہ) شادی کی تمام تر تیاری میں میرا عمل دخل ایسا تھا کہ ہر چیز بازار سے لانا اور پیک کرنا اور پھر سب کو دکھانا تو تھکن ایسی تھی کہ شادی کی خوشی میں محسوس نہ ہوئی، لیکن دعوت ولیمہ کے فوراً" بعد احساس ہوا۔ فری کے چلے جانے سے گھر کا سونا پن محسوس ہوا تو یہ گیت اور بول سچے لگے۔

"ساڈا چڑیاں دا چنبا وے بابل اساں اُڈ جانا"

اللہ دونوں کو خوش و خرم، آباد رکھے اور ایک دوسرے کی سنگت خوشگوار بنائے۔ (آمین)

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

دستک دستک دستک

شاہین رشید

آمنہ محب

میں ہمیشہ انہیں ورسٹائل فنکارہ کہتی ہوں، کیونکہ ان کی اداکاری میں جو ورائٹی ہے وہ کسی میں نہیں ہے آرٹ مووِیز کی فنکاراؤں کی طرح ان کی اداکاری میں گہرائی اور حقیقت نظر آتی ہے۔ آمنہ بہت مصروف رہتی ہیں اور کسی نہ کسی برانڈ کی ایمبسڈر (Ambasedor) بھی ہوتی ہیں تو تفصیل سے بات کرنے کی فرصت ہی نہیں ہوتی۔

"آپ پہلے دن سے میری پسندیدہ اداکارہ ہیں آپ کا اپنا ایک اسٹائل ہے۔ پھر کیوں آپ کو دوسروں سے مشابہ کہا جاتا ہے؟"

"ہاں۔۔۔ یہی تو میں بھی سوچتی ہوں کہ ایسا کیوں کہا جاتا ہے، جبکہ میں کسی کی کوئی نقل نہیں کرتی۔۔۔ آپ کو تو پتا ہی ہے "آپ تو اس وقت سے مجھے جانتی ہیں جب میں "بچے من کے سچے" پروڈیوس کیا کرتی تھی۔"

"بالکل۔۔۔ فلموں میں کام کرنے کا تجربہ کیسا رہا اور کتنی فلموں میں کام کر چکی ہیں آپ؟"

"فلموں کی بات سے پہلے میں یہ بتا دوں کہ میں نے شوبز کی ہر فیلڈ میں کام کیا ہے۔ پروڈکشن، ڈائریکشن، ہوسٹنگ، ماڈلنگ اور تھیٹر بھی، تھیٹر میں کام کرنے کا اپنا ہی ایک مزہ ہے، فوری رسپانس ملتا ہے۔ اب آیئے فلموں کی طرف تو میں نے 2013ء میں دو فلموں میں کام کیا "ارمان" اور "جوش" میں اور دونوں میں ہی مجھے بہت اچھا رسپانس ملا۔

"2014 کے لیے کیا پلاننگ ہے؟"

2014ء میں بھی کچھ فلموں میں کام کر رہی ہوں اور مجھے امید ہے کہ مجھے ان کا بھی بہت اچھا رسپانس ملے گا۔ باقی ڈرامے اور ماڈلنگ اور دیگر سلسلے بھی جاری رہیں گے ان شاء اللہ۔"

"فلموں میں شہرت مل گئی یا مصروفیت بڑھ گئی تو پھر ڈراموں کو کم کر دیں گی کیا؟"

"میں تو پہلے ہی بہت کم کام کرتی ہوں ڈراموں میں، صرف ان ڈراموں میں کام کرتی ہوں جن میں میرا کردار کافی اسٹرونگ ہوتا ہے۔ اس لیے میرا نہیں خیال کہ اگر فلموں میں مصروفیات بڑھ گئیں تو میں ڈراموں کو یا دیگر سلسلوں کو چھوڑ دوں گی۔ سب کو ٹائم دوں گی خواہ تھوڑا دوں یا زیادہ۔"

"اپنے ڈراموں میں کون سا کردار بہت پسند ہے؟"

"میں تو کام کرتی ہی ان ڈراموں میں ہوں جن کے کردار مجھے پسند آتے ہیں تو میرے لیے تو ہر ڈرامہ ہی اہم ہے۔ ہر ڈرامہ ہی میرا پسندیدہ ہے۔"

"ڈراموں کی تعداد تو خاصی ہو گئی ہو گی؟"

"جی جی۔۔۔ ماشاء اللہ پھر بھی جو یاد ہیں بتاتی ہوں "اک ہتھیلی پہ حنا" تلاش گمشدہ" اڑان" میرا سائیں" ہم نم" میں عبدالقادر ہوں" مراۃ العروس" کچھ کمی سی ہے اور مورا پیا سب ہی بہت مقبول ہوئے۔"

"ٹی وی میڈیا کے لیے آپ کیا کہیں گی؟"

"آج کل کے دور میں ٹی وی میڈیا بہت پاور فل میڈیا ہے اور مجھے تو شہرت ہی اس میڈیا نے دی۔ اسے تو چھوڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"ہوں۔۔۔ گڈ اور ازدواجی لائف کیسی گزر رہی ہے؟"

"الحمدُ للہ بہت اچھی۔"

مبین گبول

"کیسے ہیں مبین گبول صاحب؟"

"جی اللہ کا شکر ہے۔"

"کیا بات ہے" آپ کے پاس ہمارے لیے ٹائم ہی نہیں ہے۔ لوگ جاننا چاہتے ہیں آپ کے بارے میں۔"

"جی شکریہ۔ پر کیا کریں کہ مصروفیت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ چلیں آپ چلتے پھرتے کچھ باتیں کر لیں۔۔۔ ان شاء اللہ آپ کو جلد ہی تفصیلی انٹرویو دوں گا۔"

"شکریہ۔۔۔ بی این این آج کل آپ ہی کر رہے ہیں، بہت کامیاب جا رہا ہے۔ بہت اچھے پرفارمر ہیں بہت مبارک ہو۔"

"جی بہت شکریہ۔۔۔"

"فور مین شو سے بی این این کا سفر کیسا رہا۔ کیا مشکلات پیش آئیں آپ کو؟"

"سفر شروع کیا تو کامیابیاں ملتی گئیں۔ اس لیے سفر

تو بہت اچھا رہا اور کسی بھی قسم کی مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑا اور سفر ابھی بھی جاری ہے اور میرے خیال میں جب تک زندگی ہے ہمسفر جاری ہی رہے گا۔"

"آمد کیسے ہوئی" اتفاقیہ یا شوقیہ؟"

"اتفاقیہ کہہ لیں۔ کیونکہ میں نے تو کبھی سوچا ہی نہیں تھا کہ میں اس فیلڈ میں آؤں گا۔ طبیعت میں شرارت تو بچپن سے ہی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اور سب کو اس کا علم بھی تھا۔۔۔ بحریہ یونیورسٹی کا طالب علم تھا۔ پڑھائی سے تھوڑا بور ہوا تو سوچا کہ کسی ایف ایم میں فون کرتا ہوں۔ کال ملائی اور پھر اپنی شرارتی طبیعت کے تحت کبھی سندھی میں، کبھی انگریزی میں، کبھی اردو تو کبھی پنجابی میں بات کی تو نہ صرف پریزنٹر کو اچھا لگا بلکہ مجھے خود بھی احساس ہوا کہ میں تو سب لہجے بہت آسانی کے ساتھ بنا لیتا ہوں۔ بس پھر اتفاق سے فور مین شو کی ٹیم سے ملاقات ہوئی اور بس۔۔۔ پھر کامیابیوں کا سفر شروع ہو گیا۔"

"فور مین میں کام کرنے کا کوئی خاص تجربہ؟"

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"آٹھ ماہ کام کیا اور ملا کچھ بھی نہیں۔" قہقہہ۔۔۔
"مطلب پیسہ ویسہ کچھ نہیں ملا۔"
"اچھا۔۔۔ زیادتی ہوئی پھر تو کام کرنے کو دل تو نہیں چاہتا ہوگا؟"
"نہیں ایسا کچھ نہیں تھا۔ بس مزا آتا تھا اور پہچان بھی مل رہی تھی۔ شروع شروع میں تو یہی کچھ چاہیے ہوتا ہے۔"
"اب کیا صورت حال ہے؟"
"اب۔۔۔ اب تو اللہ کا بہت کرم ہے۔ بلکہ کرم ہی کرم ہے اللہ تعالیٰ کا۔۔۔ اس نے ہر چیز وافر مقدار میں عطا کی ہوئی ہے۔"
"تقریباً" ہر سیاست دان کا گیٹ اپ آپ پر بہت سوٹ کرتا ہے۔ سیاست دانوں کا کیا ردعمل ہوتا ہے؟"
"سچ بتاؤں۔۔۔ ہمارے دیگر سیلبریٹیز سے زیادہ ہمارے سیاست دانوں کا دل بڑا ہے۔ وہ کچھ نہیں کہتے بلکہ آپ کو یہ سن کر حیرانی ہوگی کہ جن کے گیٹ اپ نہیں بنتے یا جن کے گیٹ اپ ایک آدھ بار ہی بنے ہوں وہ خود ہم سے کہتے ہیں کہ کیا بات ہے "آپ ہمیں بھول گئے ہیں تو ہمارے سیاست دان بہت بڑے دل کے مالک ہوتے ہیں۔"
"اسی لیے تو وہ سیاست دان ہیں۔۔۔ فورمین شو اور پھر بی این این شو میں کوئی لڑکی نظر نہیں آتی۔ اب زبیدہ آپا کے ساتھ ایک لڑکی نظر آتی ہے۔ یہ تبدیلی پسند کی گئی ہے۔ آپ کو کیا رسپانس ملا؟"
"بالکل ٹھیک کہا آپ نے کہ اسی لیے تو وہ سیاست دان ہیں اور لڑکی کو شامل کرنے پر بہت اچھا رسپانس ملا ہے اور خواتین ہمارے ملک کا 52 فیصد حصہ ہیں تو انہیں تو نمائندگی دینی چاہیے۔"
"خواتین کے گیٹ اپ میں کیا فیل کرتے ہیں؟"
"ہاہاہا۔۔۔ فیل۔۔۔ ویسے خواتین کے گیٹ اپ میں مشکل بہت ہوتی ہے۔ مگر رسپانس بہت اچھا آتا ہے اور دلچسپ بات بتاؤں کہ میں نے جب "حنا ربانی کھر" کا گیٹ اپ کیا تو جب حنا ربانی کھر بھارت کے دورے پر گئیں تو وہاں کے میڈیا نے میرے گیٹ اپ کو بار بار دکھایا۔"
"اسکرپٹ کون لکھتا ہے؟"
"گائیڈ لائن میری ہوتی ہے' باقی سب ٹیم ورک ہوتا ہے۔"
"کس کس کا گیٹ اپ اور پیروڈی کر چکے ہیں؟"
"یہ پوچھیں کہ کس کا نہیں کیا۔۔۔ ویسے کچھ چہرے ایسے ہیں جن کا گیٹ اپ میرے چہرے پر فٹ نہیں آتا پھر اس کے لیے ادھر ادھر چہرے دیکھنے پڑتے ہیں اور اللہ کا شکر ہے کہ ٹیم میں سے ہی کوئی نہ کوئی مل جاتا ہے اور یہ سوال کہ کس کس کا کر چکا ہوں تو یہ بتاتا ہوں کہ کس کس کا گیٹ اپ بہت پسند کیا گیا۔ ان میں قائم علی شاہ صاحب' شاہ رخ خان' سید شفاعت خان' شعیب اختر' عمران خان اور بہت سی شخصیات شامل ہیں اور کامران خان۔"
"اف! کامران خان کی تو آپ بہت ہی بہترین پیروڈی کرتے ہیں۔ کبھی انہیں غصہ آیا؟"
"جی۔۔۔ سب ہی بہت پسند کرتے ہیں۔ کامران خان بہت بڑے دل کے مالک ہیں اگر برا مانتے تو شاید میں دوبارہ ان کے گیٹ اپ میں نظر نہ آتا۔"
"منگو کے سوالات بڑے انوکھے اور مزے دار ہوتے ہیں۔ منگو کس کی تخلیق ہے؟"
"یہ کردار میری ہی تخلیق ہے۔ مجھے یاد ہے کہ سپرہائی وے پر منگو خان پالاری کے نام سے بسیں چلتی تھیں تو یہ کردار ذہن میں آگیا اور اندازہ نہیں تھا کہ یہ کردار اتنا مقبول ہوگا۔"
"اور کیا ہو رہا ہے آج کل؟"
"بس بی این این۔۔۔ پڑھائی اور فلم میں کام کرنے کے لیے کچھ پروڈیوسرز کی پیشکش پر غور ہو رہا ہے۔"
"اچھا۔۔۔ گڈ۔۔۔ بالی وڈ سے ہی آفر آئی ہوگی؟"
"جی جی بالکل۔۔۔ تفصیلات ان شاء اللہ تفصیلی انٹرویو میں بتاؤں گا۔"
سبین کبول 3 دسمبر کو سندھ کے شہر "گھوٹکی" میں پیدا ہوئے اور آج کل بحریہ یونیورسٹی سے "ایم بی اے" کر رہے ہیں۔

سکینہ سموں

"کیا حال ہیں جی۔۔۔ کیا ہو رہا ہے؟"
"حال ٹھیک ہیں اور اگر گھر کے کاموں کے حساب سے پوچھ رہی ہیں کہ کیا ہو رہا ہے تو گھر کے کاموں میں مصروف تھی اور پروفیشن کے حساب سے پوچھ رہی ہیں تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ کام ہو رہا ہے پروڈکشن کا۔"
"اسیر زادی میں تو آپ نے کمال ہی کر دیا۔"
"اچھا۔۔۔ ارے آپ کو پسند آیا۔ ویسے اور لوگوں نے بھی بہت پسند کیا۔"
"جب آپ کہتی تھیں کہ کیسی لگ رہی ہوں میں۔۔۔ تو سچ میں بہت اچھا لگتا تھا۔"
"ہاں۔۔۔ بہت شکریہ۔۔۔ یہ میرا اپنا انداز تھا' کسی نے مجھے کچھ نہیں بتایا تھا۔"
"اور کیا ہو رہا ہے؟"
"صبح کا ستارہ دیکھ رہی ہیں آپ؟"
"جی جی بالکل۔۔۔ اچھا جا رہا ہے۔۔۔ مگر ایسی لڑکیاں بہت کم ہوتی ہیں بلکہ ہوتی ہی نہیں ہیں۔"
قہقہہ۔۔۔ "بھئی ہوتی ہیں تو رائٹر نے لکھا ہے۔۔۔ جو بچیاں اس طرح کے ماحول میں پلتی بڑھتی ہیں' وہ پھر شاید ایسی ہی ہوتی ہیں۔"
"آپ تقریباً" پندرہ سال لندن رہ کر آئیں' دل نہیں چاہتا کہ وہیں رہوں زندگی پرسکون تو تھی؟"
"نہیں جی۔ ایسا کچھ دل نہیں چاہتا۔ کیونکہ مجھے اپنے پاکستان سے بہت محبت ہے' میرا مرنا جینا اس کے ساتھ ہے کیونکہ اس ملک نے ہمیں نام' عزت اور پیسہ دیا ہے تو اس کو چھوڑ کر جانا تو اس کے ساتھ بے وفائی ہوگی' بس آنا جانا لگا رہتا ہے۔"
"تو کیوں رہیں اتنے سال باہر؟"
"اپنے بچوں کی اعلا تعلیم کے لیے' اچھے مستقبل کے لیے۔"
"اور لائف کیسی گزر رہی ہے؟"
"بس اللہ کا کرم ہے۔ اچھی گزر رہی ہے۔"

☆

اعتذار

کچھ ناگزیر وجوہات کی بنا پر رخسانہ نگار عدنان اس ماہ ناول کی قسط نہ لکھ سکیں۔ اس ماہ "ایک تھی مثال" کی قسط شامل اشاعت نہیں۔ آئندہ ماہ ان شاء اللہ آپ یہ قسط پڑھ سکیں گی۔

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

رضیہ جمیل

خط بھجوانے کے لیے پتا
ماہنامہ شعاع - 37 - اردو بازار، کراچی۔
Email: info@khawateendigest.com
shuaamonthly@yahoo.com

آپ کے خطوط اور ان کے جوابات لیے حاضر ہیں۔

آپ کی صحت، سلامتی اور خوشیوں کے لیے دعائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو، ہم کو، ہمارے پیارے وطن کو اپنے حفظ وامان میں رکھے۔ (آمین)

پہلا خط چکوال سے انیقہ انا کا ہے۔ لکھتی ہیں۔

سرورق قطعاً" پسند نہیں آیا۔ خصوصاً" میک اپ، مستقل سلسلوں کی ورق گردانی کی۔ شاعری اچھی، مگر کم تھی۔ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پہ آئے عذاب نے روح کو لرزا دیا۔ اللہ ہم پر رحم فرمائے۔ (آمین) فہرست میں نزہت شبانہ کا نام دیکھ کر سب سے پہلے ان کا ناولٹ پڑھا۔ مجھے ان کا انداز تحریر بہت پسند ہے۔ مذکورہ ناول بھی اچھا رہا، پر اختتام میں.... میں کچھ الجھ گئی۔ ہنیہ کا انکار، زوہیب کے لیے ہی تھا نا۔ "محبت کے مزار پر عزت کا دیا بجھ گیا تھا" غور کیا جائے تو کیا کچھ نہیں ہے اس ایک جملے میں، ساری کہانی کا نچوڑ۔ سمیرا حمید نے بہت کم وقت میں خاص مقام حاصل کرلیا ہے۔ انہیں حقیقتاً" لفظوں سے قاری کو جکڑنا آتا ہے۔ راشدہ رفعت نے ہلکے پھلکے انداز میں خوب لکھا۔ سادا سا پر مزاح انداز تحریر، راشدہ کا کمال ہے۔ امایہ خان کے ناول میں نازنین کا ماضی پڑھتے خاصی الجھ گئی میں کہ کبھی عبید الرحمن صاحب کی والدہ کا رویہ غلط لگتا، تو کبھی ناز کا۔ دیکھا جائے تو صبیحہ بیگم نے اسے دل سے قبول ہی نہ کیا تھا۔ نتیجہ تو ناز کی بدتمیزی (جبکہ وہ پہلے سے ہی جارحانہ مزاج والی تھی) ہی نکلنا تھا۔ آصفہ اعوان کا مکمل ناول اچھا رہا۔ وعدوں کی ڈور سے بندھی زاہدہ، شادی کی رسومات ہوگا کسی قبیلے کا دستور۔ لیکن زاہدہ کا چچا جان کی قسم پر شوہر کو قریب نہ آنے دینا یا اس کے سامنے تک نہ جانا، بہت عجیب بلکہ عجیب تر لگا اور اس کی پھوپھی کا نکاح کے لیے پیغام دینا جبکہ عورت اگر کسی کے نکاح میں ہو تو ایسا کہنا جو بھی ہے، آپ میری الجھن ضرور رفع کیجیے گا۔ سلسلہ وار ناول اس بار دونوں ہی مجھے کچھ خاص پسند نہیں ہیں۔ "ایک تھی مثال" پر تو کسی سوپ سیریل کا گمان ہوتا ہے۔ ناول بہت سست رفتار ہے۔ اب اس کی تیز رفتار ہو جانا چاہیے۔ نبیلہ عزیز کے ناول میں فی الحال ابھی تک کوئی چیز مجھے متاثر نہیں کرسکی۔ روایتی سی کہانی.... دیکھتے ہیں کہ روایتی سی یہ کہانی کب رخ بدلتی ہے۔ افسانے اس مرتبہ تقریباً" سب ہی خوب رہے۔ خصوصاً" پکار بہت اچھا لگا۔ بڑی پتے کی بات سمجھائی مصنفہ نے۔

ج ۔ انیقہ! ایک طویل عرصہ کی غیر حاضری کے بعد آپ کی آمد ہوا کے ایک تازہ جھونکے کی مانند خوشگوار لگی۔ ذہن میں کئی پرانی یادیں تازہ ہو گئیں۔ یہ بتائیں آپ نے لکھنا کیوں چھوڑ دیا؟ جبکہ آپ کی تحریریں شائع بھی ہو رہی تھیں۔ عزت کا دیا میں ہنیہ کا انکار زوہیب کے لیے ہی تھا۔ نازنین کے ساتھ سسرال میں جو واقعات پیش آئے۔ ہمارے ہاں زیادہ تر لڑکیوں کو سسرال میں ایسی ہی صورت حال کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ خاص طور پر اس وقت جب لڑکے نے اپنی پسند کی شادی کی ہو، دو، چار سال بعد حالات ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ جیسے کہ نازنین کے بھی ہو گئے تھے۔ پرانی رنجشوں اور جھگڑوں کو کوئی ساری عمر دل سے لگا کر نہیں رکھتا۔ نازنین علیحدہ گھر میں چلی گئی تھی۔ اپنے شوہر کو خوش رکھتی، بچوں سے پیار کرتی تو زندگی بہت اچھی گزر سکتی تھی۔ لیکن یہ اس کی فطرت کی خرابی تھی یا وہ ذہنی مریضہ تھی کہ نہ اچھی بیٹی۔ اچھی بہن بن سکی نہ ہی کامیاب بیوی اور محبت کرنے والی ماں ثابت ہوئی۔ ڈور میں پھوپھی نے رشتہ اس لیے دیا کہ انہیں اچھی طرح اندازہ تھا کہ ان کی بھتیجی مظلوم ہے اور باپ کے کہنے پر قربان ہوئی ہے اور جہاں تک زاہدہ کی بات ہے تو چچا کی قسم ہی مانع نہیں تھی۔ اس کی اپنی ذات کا مان اور انا بھی حائل تھی۔ اور شادی کی رسومات کے بارے میں آصفہ کا کہنا ہے کہ یہ ان کی روایات ہیں۔ آصفہ خود بھی پختون ہیں۔

کوثر خالد نے جڑانوالہ سے لکھا ہے۔

مارچ میں پھر سرورق پر انعم موجود ہے۔ خوشی تو ہوئی، مگر پہلے والی زیادہ اچھی تھی۔ اے پیاری ماڈلو "آپ ہمیں سادگی میں زیادہ اچھی لگیں گی، بلکہ دوپٹا لے کر، بلکہ سرورق پر کام کرنے والی محنت کش افراد کی تصویریں بھی ہمارا آئیڈیل ہیں۔ حمد.... اتنی منفرد جو آج تک دیکھی، نہ سنی، طرز بنانے میں وقت لگا۔ مگر کامیابی مقدر بنی۔ یہی حال نعت کے بارے ہوا۔ پیارے نبی کی پیاری باتیں.... اللہ ہمیں غرور اور جھوٹ سے بچائے۔ الحمد اللہ پڑوسی بھی ہم سے خوش ہیں اور رہی تحفہ کی بات.... میں نے جب بھی تحفہ دیا صرف کھانے پینے کا۔ کیونکہ صحت سے بڑھ کر کچھ نہیں۔ مجھ سے فرمائش کرکے بھی کھانا بنوایا جاتا ہے۔ خاص طور پر ساگ، قیمے والے کریلے، کچنار گوشت، کھیر، بیسن کا حلوہ، گاجر کا حلوہ.... سیر دو جہاں.... امام غزالی رحمتہ اللہ و برکاتہ کیا مثال ہے۔ علم و عمل کی۔ اپنے اعمال کی کمی سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگ گئیں۔ ان کو بار بار پڑھنے کے لیے یہ رسالہ اتنا خاص ہو گیا ہے کہ ان شاء اللہ سرہانے کے قریب کی جگہ پائے گا۔ یہ سب پڑھ کر کہانیاں لکھنا تو کیا پڑھنے کو بھی دل نہ چاہا.... مگر.... "دستک" میرا لاہور والا بیٹا ہمر جب جڑانوالہ آئے تو سہیل احمد کا مزاحیہ پروگرام ضرور دیکھتا ہے اور نمرہ کی سادگی تو پسند، مگر دوپٹا کا انداز.... "رقص بسمل" میں صرف ماورا اور اس کی دادی ہی اچھی لگتی ہیں۔ "ایک خواب جو اپنا نہ تھا" غرور کرنے والوں کے منہ پر زوردار طمانچہ ہے۔ ایسوں کے ساتھ ہونا تو ایسا ہی چاہیے۔ مگر اللہ سب کو ہدایت دے۔ ہم کون ہیں سزا پہ خوش ہونے والے۔ "پکار" حمد اس اللہ کی کہ جس نے دشمنوں کی پکار پر بھی دوڑنے کی ہمت عطا کی۔ (ویسے راز کی بات کہ نفس سے بڑا دشمن ہم کسی کو نہیں سمجھتے) تو دشمن سے مراد صرف وہ جو ہماری خدمتوں کے اعتراف کے باوجود ہمیں پسند نہ کرے۔ "کہانی ایک گھری" مزے کی رہی۔ کیونکہ سوچ مثبت تھی۔ "یک نہ شد" میرا خیال ہے سبق کے ساتھ ساتھ لطف بھی تھا۔ (ویسے ہائی داوے میں تو بیٹے کی شادی سے پہلے اپنی بہو کے لیے مرنے کے لیے تیار ہوں۔) "تم ہی ہو" دیر تک یاد رہے گی۔ اصولاً" یہی اینڈ ہونا چاہیے تھا۔ مگر اللہ ایسے امتحان میں کسی کو بھی نہ ڈالے۔ (آمین) "بات لمحہ بھر کی" اس کا دوسرا نام بات کا بتنگڑ بھی ہو سکتا ہے، جو کہ عام ہے۔ تب ہی تو کہتی ہوں کہ نمود و نمائش نہیں ہونی چاہیے۔ صرف نکاح.... چند لوگ.... ولیمہ پر.... مگر لوگ مانتے ہی نہیں، مگر ہم بچپن سے اب تک ڈٹے ہوئے ہیں۔ میں شادیوں پر بڑے آرام سے معذرت کرلیتی ہوں۔ "ڈور" صرف زاہدہ کا کردار اور نصب العین پسند آیا، جو کہ میرا بھی نصب العین ہے۔ مگر تمام رسم و رواج فضول لگتے ہیں۔ اگر صابر چاہتے تو اپنے بیٹے کو اس تمام تباہی سے روک سکتے تھے اکیلے ہی، میرا بیٹا بھی ایک لڑکی کے عشق میں گرفتار ہو گیا تھا۔ مگر میری دعا قبول ہو گئی۔ "بت شکن" اب سمجھ میں آرہا ہے۔ تبصرہ اینڈ پر کروں گی۔ غزلیات امجد اسلام کا یہ شعر۔

آنکھوں میں خون بھر گئے، رستوں میں ہی بکھر گئے
آنے سے قبل مر گئے ایسے بھی انقلاب تھے

ثمرین اکرام کی روٹین اچھی لگی۔ کاش ہماری بھی ایسی ہو جائے۔ ثمرین بارش سے مت ڈرا کریں۔ میں تو طوفان سے بھی نہیں ڈرتی۔ ایک بار بھائی کے ساتھ موسلا دھار بارش میں کوٹ عبد المالک چچا کے گھر سے چوہدری جی ای کے گھر تک موٹر سائیکل پر آئی۔ بھائی کہتا، رک لوں، مگر ہم کہتے گھر پہنچنا ہے۔ بیسیوں بار بائیک بند ہوئی، مگر گھر پہنچ کر دم لیا، جب کوئی بات ٹھان لوں تو کرکے رہتی ہوں۔ آخر میں عرض ہے کہ میرے خط کو ہی میری کہانی سمجھ لیا کریں۔ ویسے بہنوں کی فرمائش بھی ہے کہ قارئین اپنی ایکٹوٹیز ڈسکس کریں۔

ج ۔ کوثر جی! آپ کا خط اور تبصرہ ایک منفرد انداز رکھتا ہے۔ شادی بیاہ کے معاملات بہت نازک ہوتے ہیں۔ والدین اگر سمجھ داری اور بردباری سے کام لیں تو بہت سی

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

الجھنوں اور پریشانیوں سے بچا جاسکتا ہے۔ زیادہ ذمہ داری والدین پر ہی ہوتی ہے کیونکہ جوانی میں جوش زیادہ ہوتا ہے۔ ہوش کم بہت سی باتیں وقت گزرنے کے ساتھ ہی سمجھ میں آتی ہیں، لیکن عموماً" والدین ان معاملات میں ہوش مندی کا مظاہرہ کم ہی کرتے ہیں۔ بہرحال یہ خوشی کی بات ہے کہ آپ نے اپنے گھر کے معاملے کو سنبھال لیا۔

اٹک سے ثوبیہ لکھتی ہیں

بی اے کے پیپرز کے بعد میں نے باقاعدگی سے پرچہ (شعاع) منگوانا شروع کیا۔ کیونکہ بے قاعدگی سے تو میں اکثر پڑھتی ہی رہتی تھی۔ اب ماشا اللہ ایک تین سالہ بچے کی اماں جان ہوں، لیکن کرن، خواتین اور شعاع سے رشتہ اول روز کی طرح برقرار ہے، نہ صرف میں بلکہ میری بڑی بہن اور بہنوئی بھی یہ تینوں پرچے باقاعدگی سے پڑھتے ہیں۔

ج پیاری ثوبیہ! شعاع کی پسندیدگی کے لیے تہہ دل سے شکریہ۔ امید ہے آئندہ بھی خط لکھ کر اپنی رائے کا اظہار کرتی رہیں گی۔

یاسمین حنفی نے کراچی سے لکھا ہے

"رقص بسمل" ہمیشہ کی طرح بہت زبردست لگا... لیکن تیمور کا اس طرح مادرا کے آگے خود کو ڈی گریڈ کرنا اچھا نہیں لگا۔ ان دونوں بہن بھائی کو اپنی عزت کی کوئی پرواہی نہیں ہے۔ "ایک تھی مثال" بھی بہت اچھا جارہا ہے۔ اس بار افسانے تمام ہی اچھے تھے۔ سمیرا حمید کا "تم ہی ہو" ٹاپ آف دی لسٹ ناولٹ تھا۔ کرکٹر محمد عامر کا انٹرویو ضرور لیں۔

ج ۔ یاسمین! شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ آپ کی فرمائش شاہین رشید تک پہنچائی جارہی ہے۔

شازیہ ہاشم نے کھڈیاں خاص قصور سے لکھا ہے

الحمد اللہ رب باری تعالیٰ نے ہمارے علاقے کو ہر قسم کی سہولت سے نوازا ہے۔ سب سے بڑی خوبی ہمارے علاقے کی یہ ہے کہ ایجوکیشن بہت اچھی ہے۔ میں خود ایک اسکول کی نائب پرنسپل ہوں اور اس کے علاوہ اپنے ہی جامعہ فاروقیہ میں پڑھاتی ہوں۔ مارچ کا شعاع ملا سب سے پہلے حمد و نعت دل کو معطر کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں والے کارنر کی طرف گئے تو اس کو پڑھنے سے ایک دن پہلے میں نے یہ حدیثیں طالبات کو پڑھائی تھیں۔ کیونکہ میں سنن ابی داؤد اور ترمذی ثانی پڑھاتی ہوں۔ پچھلے سال مسلم شریف بھی پڑھا چکی ہوں۔ قرآن پاک کی تفسیر بھی کرواتی ہوں۔ "ایک تھی مثال" میں مثال پر بڑا ترس آتا ہے۔ نبیلہ عزیز کا ناول "رقص بسمل" بھی زبردست جارہا ہے۔ مکمل ناول "ڈور" آصفہ اعوان کا بے حد پسند آیا۔ اللہ تعالیٰ نے واقعی ۔ عورت کو صبر کی مورت بنایا ہے۔ رمیفی اور امبر، سرور خان وغیرہ کے کردار بھی پاور فل تھے۔ ان کیریکٹرز نے ناول کے اندر جان ڈال دی۔ ناولٹ کی طرف گئے۔ "بت شکن" پڑھا اس میں دو کردار اچھے لگتے ہیں۔ ایک مہرز اور دوسرا امین کا ہے۔ "کہانی ایک گھر کی" واہ راشدہ رفعت آپ نے تو ایک دم موڈ خوش گوار کردیا۔ کیسا زبردست کپل بنایا "تم ہی ہو" میں پہلے پہل ردا پر غصہ آیا۔ لیکن آخر میں بے حد پیار آیا۔ داؤد جیسا انسان ہی مریم کو سنبھال سکتا تھا۔ ردا نے اپنی محبت کی بہت بڑی قربانی دی تھی۔ لیکن اس کے یہ الفاظ پڑھ کر دل بھر آیا۔ جس دن مجھے تمہارے یقین پر یقین آگیا داؤد میں آجاؤں گی ابھی تو مجھے مریم پسند نہیں۔" "عزت کا دیا" میں نزہت شبانہ حیدر نے بڑے واشگاف اور کھلے الفاظ میں واضح کردیا ہے۔ عزت نفس بہت بڑی چیز ہوتی ہے۔ افسانے سارے ہی اچھے تھے۔ لیکن "یک نہ شد" پڑھ کر بے اختیار ہنسی آئی۔

ج ۔ پیاری شازیہ! شعاع کی بزم میں خوش آمدید۔ یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم پر بھی توجہ دے رہی ہیں اور جامعہ فاروقیہ میں قرآن و حدیث کی تعلیم دیتی ہیں۔ تفصیلی تبصرہ بہت اچھا لگا۔ اب باقاعدگی سے شرکت کرتی رہیے گا۔

ہماری مستقل قاری اور تبصرہ نگار ثمینہ اکرم کراچی سے شریک محفل ہیں

ٹائٹل بس سو سو تھا۔ دراصل ماڈل کا میک اپ کچھ اوور لگا، جبکہ لباس اچھا تھا۔ انٹرویوز میں عدیل اظہر اور تسمیہ عدیل کا انٹرویو دلچسپ لگا۔ آسیہ رزاقی کے قلم سے شادی کا دلچسپ احوال پڑھا۔ مگر یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ دولہا، دلہن سے ان کا کیا رشتہ تھا۔ افسانوں میں اس دفعہ کئی افسانے

اچھے لگے۔ قرۃ العین خرم ہاشمی کا افسانہ "پکار" ٹاپ آف دی لسٹ رہا۔ وقتاً" فوقتاً" ان کے تبصرے، سروے کے جوابات پڑھ کر اس بات کا اندازہ ہوتا تھا کہ ان میں لکھنے کے جراثیم موجود ہیں۔ اب پہلی ہی تحریر نے میدان مار لیا۔ دوسرا افسانہ بھی ان ہی کی ہم نام کا پسند آیا۔ "بات لمحہ بھر کی" اس کہانی میں اللہ پر توکل اور بھروسا کرنا اچھا لگا۔ اس طرح کے چھوٹے چھوٹے افسانے اپنے اندر بڑے بڑے پیغام پنہاں رکھتے ہیں۔ طوبیٰ فاضل کا افسانہ "یک نہ شد" ایک مزاحیہ تحریر تھی۔ مگر پڑھ کر بالکل ہنسی نہیں آئی۔ نجانے یہ آج کل کی لڑکیاں ساس کو اتنا بوجھ کیوں سمجھتی ہیں؟ رقص بسمل کی اس دفعہ کی قسط جان دار رہی۔ جبکہ ناول "ایک تھی مثال" میں نقصان سراسر مثال کا ہی ہوا۔ مکمل ناول "ڈور" آصفہ اعوان، اگرچہ ایک پرفیکٹ اسٹوری تھی اور کافی اچھی کاوش بھی... مگر مجھے یہ پھر بھی پسند نہیں آئی۔ رفیق خان جیسے مرد مجھے زہر لگتے ہیں۔ ساری زندگی تو اپنی وفا شعار بیوی کو سولی پر لٹکائے رکھا اور جب خواہشوں اور امنگوں کا زمانہ گزر گیا تو پھر جناب... لوٹ کر بدھو گھر کو آئے... آخر میں... زاہدہ پر اتنا ظلم کرنے کی اسے کچھ تو سزا ملنی چاہیے تھی۔ مگر نہ جی آخر میں سب کچھ... ہیپی ہیپی ہوگیا... مصباح نوشین کی کہانی "ایک خواب" اس لحاظ سے بہتر لگی کہ اس میں ایمان نے اپنی نسوانیت کا غرور اور ذات کا مان قائم رکھا اور پھر دنیا عدیم جیسے خود غرض شخص پر ہی تو ختم نہیں ہوجاتی نا... سمیرا حمید کا ناول "تم ہی ہو" میں داؤد کا کردار جان دار رہا۔ "باتوں سے خوشبو آئے" میں حجاج اور اعرابی کا مکالمہ بہت پسند آیا۔ "خط آپ کے" اس میں مختصر خطوط کے مختصر جوابات دینے کا سلسلہ اچھا لگا۔ "موسم کے پکوان" میں "بیسن کی کھنڈویاں" دیکھ کر اپنا بچپن یاد آگیا۔ جب امی کے ہاتھ کی بنی مزے دار کھنڈویاں بہت شوق سے کھاتے تھے۔ اب تو آج کل کے بچے یہ سب کھاتے ہی نہیں۔ میری امی کی صحت یابی کے لیے دعا کیجیے گا۔ اشعار اس دفعہ کے پسند نہیں آئے۔ جبکہ مسکراہٹیں کچھ کچھ پسند آئیں۔ فائزہ عباس فروری میں رشتہ ازدواج میں منسلک ہوگئی ہے۔ تمام قارئین اس کی خوشیوں کے لیے دعا کریں۔ فائزہ عباس کو شادی کے وقت بھی اپنے ڈائجسٹ کی فکر تھی۔ گھونگھٹ میں سے پوچھتی ہے باجی میرا کوئی شعر چھپا۔

ج ۔ ثمینہ! حسب معمول آپ کا تفصیلی تبصرہ بہت اچھا لگا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی امی کا سایہ آپ کے سر پر سلامت رکھے۔ آمین ہمیں اپنی قارئین کی محبت پر پورا اعتماد ہے۔ جہاں تک ممکن ہوسکا، ہم نے اپنی قارئین کو زیر بار نہیں کیا۔ اگرچہ دوسرے پرچوں کی قیمت میں کئی ماہ پہلے اضافہ ہوچکا تھا۔ فائزہ عباس کو شادی کی مبارک باد۔ آپ ہمیں ان کی شادی کا احوال لکھ کر بھجوائیں۔

خان پور سے شاہانہ بلوچ نے لکھا ہے

سرورق بہت پسند آیا۔ تمام ناول اور سلسلے اچھے تھے۔ تاریخ کے جھروکوں سے پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ صدف حمید آپ کہاں غائب ہیں۔ ہم آپ کو بہت مس کرتے ہیں۔

ج ۔ پیاری شاہانہ! طویل غیر حاضری کے بعد آپ کی آمد سے خوشی ہوئی یوں جیسے کسی دیرینہ دوست سے عرصہ بعد ملاقات ہو ایک زمانہ تھا آپ کے خط اور اشعار ہر ماہ موصول ہوتے تھے۔ اقبال بانو تب بھی آپ کی سب سے پسندیدہ مصنفہ تھیں۔ آج بھی ان کی کمی محسوس کرتی ہیں۔ جبکہ انہیں لکھے ہوئے عرصہ گزر گیا۔ اگست میں سالگرہ نمبر کے لیے ان سے لکھنے کی فرمائش کی تھی، انہوں نے وعدہ بھی کیا تھا، پھر شاید مصروفیات میں بھول گئیں۔ فریدہ اشفاق کو بھی یاد دلاتے رہتے ہیں مگر ہر بار مصروفیت کا عذر کرکے ٹال جاتی ہیں۔

امبر گل، جھڈو سندھ سے تشریف لائی ہیں، لکھا ہے

ٹائٹل مجھے بہت ہی عرصے کے بعد بہت ہی پیارا لگا۔ پہلی شعاع کی خوشگوار سی باتیں بہت اچھی لگیں۔ سلیم کوثر کی حمد بلاشبہ بہترین تھی اور نعیم صاحب کی نعت بھی بہت اچھی لگی۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں ہمیشہ کی طرح اچھی لگیں۔ "شادی مبارک ہو" میں آسیہ جی کا آنکھوں دیکھا حال بھی دل کو بہت بھایا۔ پیراں ہو پیراں میرا بھی فیورٹ ہے آسیہ جی سے میری ریکویسٹ ہے کہ وہ اسے اپنی کسی تحریر میں پورا لکھ ڈالیں تو مجھے بہت اچھا لگے گا۔ سب سے پہلے "رقص بسمل" کو ہی پڑھا۔ تیمور کا اتنا جھکنا بالکل اچھا نہیں لگ رہا۔ صباحت یاسمین کا افسانہ پڑھا اچھا لگا۔ مصباح کا ایک خواب جو اپنا نہیں تھا۔ صحیح کیا اینڈ میں ایمان نے۔ قرۃ العین کا "پکار" بہت اچھا

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

لگا۔ ناولٹ میں سمیرا حمید کا "تم ہی ہو" بہت پسند آیا۔ نزہت شبانہ حیدر کا "عزت کا دیا" بھی زبردست تھا۔ مگر ان کی اب کی تحریروں میں اور پہلے والی تحریروں میں مجھے بہت فرق محسوس ہونے لگ گیا ہے۔ اب والی تحریریں تو بہت سادہ فہم اور عام سی لگتی ہیں جن میں نہ الفاظ کا چناؤ مشکل والا ہوتا ہے اور نہ ہی موضوع' اب کچھ ذکر اپنی فیورٹ رائٹر راشدہ رفعت کی تحریر کا "کہانی ایک گھر کی" ہلکی پھلکی تحریر سب سے زیادہ پسند آنے والا ناولٹ جس کا ہر کردار ہی دلچسپ تھا۔ راشدہ آپ بہت کم لکھتی ہیں۔ پلیز زیادہ سے زیادہ لکھا کریں۔ مکمل ناول بالکل بھی متاثر نہ کر سکا۔ رخسانہ نگار کی تحریر بے مثال ہے۔ مگر رخسانہ جی پلیز خود کو صرف ایک قسط لکھنے تک ہی محدود نہ کریں کچھ اور بھی لکھیں۔

اچھا جی ایک اور بات جو سب بہنوں سے شیئر کرنی تھی کہ آپ سب کو مبارک ہو کہ ہماری کرکٹ ٹیم نے انڈیا کو ہرا کر ہمارے دلوں میں ٹھنڈ ڈال دی ہے۔ خصوصاً" شمینہ عظمت علی کو میری طرف سے مبارک باد کہ وہ بھی میری طرح کرکٹ کی شوقین اور شیدائی ہیں۔

ج - پیاری امبر! تفصیلی تبصرے کے لیے بہت شکریہ۔ ہمیں بے حد افسوس ہے کہ پچھلے ماہ آپ کا تبصرہ شامل نہ ہو سکا۔ متعلقہ مصنفین تک آپ کی رائے ان سطور کے ذریعے پہنچائی جا رہی ہے۔

فوزیہ ثمروٹ اور طیبہ عمران گجرات سے شریک محفل ہیں

سرورق اچھا لگا ہے۔ مسکراتی ہوئی ماڈل بہت اچھی لگ رہی تھی۔ انٹرویوز اس بار کچھ پھیکے پھیکے لگے۔ مستقل سلسلوں کے صفحات بھی کم تھے۔ شاعری حد سے زیادہ بورنگ لگی۔ مسلسل ناول میں سب سے پہلے "ایک تھی مثال" پڑھا۔ پچھلی تمام کوفت دور ہو چکی ہے' ناولٹ میں "بت شکن" اس بار قسط لاجواب رہی۔ نازنین کے بیٹے کا کوئی کردار نہیں۔ عبدالرحمان کو نازنین سے عشق مہنگا پڑا ہے۔ مکمل ناول "ڈور" موضوع پرانا تھا۔ پھر بھی اس تحریر نے خود سے باندھے رکھا۔ زاہدہ کا کردار بہت اچھا تھا۔ راشدہ رفعت کی تحریر کہانی ایک گھر کی' اچھا موضوع تھا۔ ایک اندھا ایک کانا' والا حساب تھا۔ "تم ہی ہو" سمیرا حمید کی اچھی تحریر تھی۔ داؤد کا کردار بے مثال تھا۔ "عزت کا دیا" نزہت شبانہ حیدر اچھا پیغام تھا تحریر کا۔ ہنیہ کا فیصلہ بالکل درست تھا۔ افسانے تقریباً" سب ہی اپنی اپنی جگہ سیٹ تھے۔ "ایک خواب جو اپنا نہیں" اور "پکار" بھی اچھے لگے۔

ج - پیاری فوزیہ! ہمیں بے حد افسوس ہے کہ پچھلے ماہ لیٹ موصول ہونے کی بنا پر آپ کا خط شامل نہ کر سکے۔ آپ کو شاعری پسند نہیں آئی۔ اسے مزید بہتر بنانے کی کوشش کریں گے۔ تفصیلی تبصرے کے لیے شکریہ۔

نازیہ اسلم نے بھاول نگر سے شرکت کی ہے' لکھتی ہیں

آج بادل گھر گھر کے آرہے ہیں۔ لو بارش بھی ہونے لگی۔ جیسے بارش کی بوندیں ماحول کی دھول دھو دیتی ہیں۔ کاش ایک ایسی بارش بھی برسے جس سے دل صاف ہو جائیں اور اپنے ہی وطن کے لوگوں کو ظلم کا نشانہ نہ بنائیں۔ ٹائٹل تو بہت اچھا تھا۔ پر ایک بات کہوں۔ اسٹوری اسٹارٹ تو بہت اچھی ہوتی ہے' پر نہ وہ گہرائی ہے' نہ دل سے لکھ رہا ہے کوئی۔ آہ کہاں گئے۔ وہ خوب سے خوب تر لکھنے والے۔ شعاع کا معیار پہلے جیسا نہیں رہا۔ افسوس ہوتا ہے۔ پہلے جب پڑھتے تو ڈوب ڈوب جاتے تھے۔ ہم اب پتا نہیں کیا بات ہے پلیز اس طرف دھیان ضرور دیں۔ آپ نے وہ شاعری کا سلسلہ بھی ختم کر دیا۔

ج - پیاری نازیہ! ہمیں بے حد افسوس ہے کہ شعاع پڑھنے میں آپ کو پہلے جیسا مزا نہیں آرہا ہے۔ فرحت اشتیاق اور نمرہ احمد کی کہانیاں آپ کو پسند ہیں۔ فرحت اشتیاق تو اب نہیں لکھ رہی ہیں' لیکن نمرہ احمد کی کہانیاں شائع ہو رہی ہیں۔ ابھی ان کا طویل ناول "جنت کے پتے" ختم ہوا ہے۔ مئی سے خواتین میں ان کا ناول شروع ہو رہا ہے اور بھی بہت سے نئے نام سامنے آئے ہیں۔ امایہ خان' سمیرا حمید' آصفہ اعوان وغیرہ وغیرہ۔ البتہ یہ ضرور ہے

ہماری مصنفین کی تحریروں میں اب وہ روایتی رومانس کا عنصر کم ہوتا جا رہا ہے اور ماحول کی تلخی غالب آتی محسوس ہوتی ہے۔ غالباً" اسی لیے آپ کو پہلے جیسا مزہ نہیں آتا ہم شعاع کو مزید بہتر بنانے کی کوشش کریں گے تاکہ آپ کی پسند کے معیار پر پورا اتر سکے۔

آبرو ملک نے وطولہ سے لکھا ہے

شمارہ 5 تاریخ کو ملا۔ سب سے پہلے ٹائٹل دیکھا جو کہ بہت اچھا لگا۔ خاص کر ماڈل کا فراک اور جھمکے۔ پھر پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں پڑھیں۔ اس دفعہ غرور' تکبر کے بارے میں بہت اچھی طرح روشنی ڈالی گئی۔ "رقص بسمل" میں بہت زیادہ اچھے طریقے سے کہانی آگے کی طرف بڑھ رہی ہے۔ آسیہ رزاقی صاحبہ نے یہ تو بتایا ہی نہیں شادی مبارک ہو میں کہ عاکف اور فلاح آپ کے کیا لگتے ہیں اور آپ خود کیسے تیار ہوئیں۔

ج - آبرو! شعاع کی بزم میں خوش آمدید۔ فلاح آسیہ رزاقی صاحبہ کی بھانجی سلمیٰ سلطان کی بیٹی ہیں اور عاکف کا تو آپ کو پتا ہی ہے۔ آسیہ رزاقی کیسے تیار ہوئیں۔ یہ تو ہمیں بھی نہیں پتا' کیونکہ ہم شادی میں شریک نہیں تھے۔ البتہ یہ بتا سکتے ہیں کہ انہوں نے ساڑھی پہنی ہوگی اور بہت اچھی لگ رہی ہوں گی۔ کیونکہ ان کے سرخ و سفید رنگ پر ہر رنگ اچھا لگتا ہے۔

حفصہ ناز نے وزیر آباد سے شرکت کی ہے' لکھا ہے

آپ کا رسالہ بہت اچھا ہے اور یہ پورے پاکستان میں پڑھا جاتا ہے' لیکن کبھی کبھی اس میں ایسی غلطیاں ہوتی ہیں جو بہت کھٹکتی ہیں۔ نزہت شبانہ حیدر کے ناولٹ میں صفحہ 253 پر ایک جملہ لکھا ہے۔ "ہر فرعون کے لیے کوئی تو عیسیٰ ہوتا ہے۔" جبکہ محاورہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ ہر فرعون کے لیے موسیٰ ہوتا ہے۔

ج - حفصہ! بہت شکریہ..... آپ نے ہماری غلطی کی نشان دہی کی۔ ہر فرعون را موسیٰ عام محاورہ ہے۔ نظر چوک جانے کی وجہ سے غلط شائع ہو گیا۔ بہرحال یہ خوشی کی بات ہے کہ ہماری قارئین اتنی باریک بینی سے شعاع پڑھتی ہیں۔

جھنگ صدر سے ایک بہن کا خط انہوں نے اپنا نام آدم کی بیٹی لکھا ہے

سب سے پہلے "ایک تھی مثال" پڑھا۔ اب کہانی اچھے موڑ کی طرف جا رہی ہے۔ رخسانہ آپی اپنے قلم کو حکم دیں۔ عدیل کی شادی عاصمہ سے۔ "بت شکن" ابھی پڑھا نہیں' مکمل ہونے پر پڑھوں گی۔

ج - پیاری بہن! ہم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں یہ شناخت کافی نہیں۔ نام انسان کی شناخت ہوتا ہے۔ خط میں اپنا نام ضرور لکھیں' اگر اصلی نام نہیں تو فرضی نام سہی' لیکن آپ کی کوئی شناخت ضرور ہونی چاہیے۔

آمنہ اجالا نے ڈہرکی سے شرکت کی ہے' لکھتی ہیں

سلسلے وار ناولز میں سب سے پہلے اپنا موسٹ فیورٹ ناول "رقص بسمل" پڑھا۔ کہانی سست روی کا شکار ہے اور پلیز نبیلہ آپی کہانی کا ٹیمپو کچھ تیز کریں۔ نزہت شبانہ حیدر کا ناولٹ "عزت کا دیا" نزہت شبانہ حیدر کی پچھلی تحریروں کی ہی طرح تھی۔ ہمیں ان کی ہر کہانی میں ایک عجیب سی اداسی' کچھ انجانا سا بوجھل پن اور عجیب سی بے ربطی نظر آتی ہے۔ ان کی تحریر پڑھ کر یوں لگتا ہے جیسے وہ لکھنا کچھ اور چاہ رہی ہوں اور لکھ کچھ اور رہی ہوں۔ البتہ ہنیہ کا فیصلہ پسند آیا۔ محبت کے نام پر نہ تو تذلیل برداشت کی جاسکتی ہے اور نہ ہی عزت نفس کو کچلا جاسکتا ہے۔ دوسرا ناولٹ "کہانی ایک گھر کی" راشدہ رفعت کی ہلکی پھلکی تحریر تھی۔ پڑھ کر اچھا لگا۔ افسانوں میں صباحت یاسمین کا افسانہ "ضروری نہیں۔ ایک اچھی اسٹوری تھی۔ قرۃ العین کا افسانہ بات لمحے بھر کی تھی۔ ان لوگوں کی کہانی تھی جن پر زندگی کا لمحہ لمحہ بھاری ہوتا ہے۔ حسب نسب' ذات پات' دولت و اسٹیٹس اور اونچی ذات کے شعلوں میں الجھی آصفہ اعوان کی تحریر "ڈور" کچھ خاص پسند نہیں آئی۔ شعاع کے ساتھ ساتھ میں شمائلہ نصیر عاجز اور ثمرین اکرام کے جوابات پسند آئے۔ آپی اشعار کے صفحات میں کمی ہمیں کسی طور گوارا نہیں ہے۔ اس لیے پلیز اشعار کے صفحات بڑھا دیں۔

ج - پیاری آمنہ! آپ ہماری ان قارئین میں سے ہیں جو نہ صرف باقاعدگی سے شعاع کا مطالعہ کرتی ہیں بلکہ خط لکھ کر ہمیں اپنی رائے سے بھی آگاہ کرتی ہیں۔ ہمیں بے حد افسوس ہے کہ پچھلے ماہ کسی بھی سلسلے میں آپ کا نام شامل نہ ہو سکا۔ ہر بار کی طرح اس بار بھی آپ کا تفصیلی تبصرہ بہت اچھا لگا بہت شکریہ۔

سلمیٰ قمر چیچہ وطنی سے تشریف لائی ہیں

مارچ کا خوب صورت ٹائٹل سے سجا شمارہ دیکھ کر دل

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

باغ باغ بلکہ باغ و بہار ہوگیا۔ فہرست میں سمیرا حمید کا نام دیکھ کر سب سے پہلے ان کی تحریر پڑھتی ہوں۔ "تم ہی ہو" اپنے حساس کرداروں سمیت دل کو چھو لینے والی تحریر۔ بے حد خوب صورت کردار تھا اوؤد کا۔ اب بات کروں گی "بت شکن" کی۔ امایہ خان نیا نام، مگر انداز تحریر دیکھ کر رشک آتا ہے۔ کردار نگاری بھی خوب ہے۔ یوں لگتا ہے عاصمہ اور عدیل کا ٹکراؤ ہوکر ہی رہے گا۔ "ڈور" آصفہ اعوان یقیناً کوئی نئی رائٹر ہیں۔ اس سے ملتی جلتی کہانی پچھلے شماروں میں شائع ہوچکی ہے۔ کافی یکسانیت پائی جاتی ہے دونوں تحریروں میں۔ مگر انداز بیاں بلاشبہ منفرد اور خوب صورت ہے۔ کیا پٹھانوں میں واقعی یہ ساری رسمیں ہوتی ہیں؟ "عزت کا دیا" سادہ انداز بیاں، مگر خوب صورت تحریر۔ واقعی عزت کا کوئی نعم البدل نہیں۔ ہنیہ کا فیصلہ پسند آیا۔ باقی افسانے تمام کے تمام اچھے تھے۔

ج ۔ پیاری سلمیٰ! شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ متعلقہ مصنفین تک آپ کی تعریف پہنچا رہے ہیں۔ آصفہ اعوان کا کہنا ہے پٹھانوں میں یہ ساری رسمیں ہوتی ہیں۔ کیونکہ وہ خود پٹھان ہیں۔ آپ کی کہانیاں ابھی پڑھیں نہیں۔ قابل اشاعت ہوئیں تو ضرور شائع ہوں گی۔

مریم شفقت اور ام امتل گاؤں منڈ ضلع گجرات سے شریک محفل ہیں، لکھا ہے

ہم پچھلے گیارہ سال سے شعاع کی خاموش قاری ہیں، ہم پانچ بہنیں مل جل کر (یعنی لڑ جھگڑ کر) پڑھتی ہیں، دو کی تو شادی ہوچکی ہے۔ پہلے تو شعاع چھپ چھپا کر پڑھنا پڑتا تھا، لیکن اب تو ہمارے ابو خود لا کردیتے ہیں۔ ہمارا تعلق گاؤں منڈ سے ہے جو ضلع گجرات سے پانچ کلومیٹر دور سرگودھا روڈ پر واقع ہے۔ تعلیم کی سہولت تو لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے صرف مڈل تک ہے، پھر قریبی قصبہ کنجاہ میں جانا پڑتا ہے۔ یہاں گیس کی سہولت بھی موجود ہے۔ ہمارا گاؤں بہت خوب صورت ہے۔ اس کی خوب صورتی کی ایک وجہ دائیں طرف بھمبر نالہ اور بائیں طرف نہر ہے۔ اس ماہ ٹائٹل بس گزارے لائق تھا۔ "ڈور" بہت اچھا ناول تھا۔ ویسے بھی پٹھانوں والے ناول ہمیں بہت پسند ہیں۔ یہ کیا مکمل ناول صرف ایک ۔۔۔ دو تو مکمل ناول ہونے چاہئیں۔ (باقی بہنیں بھی مجھ سے اتفاق کریں گی ہے نا) قسط وار ناول دونوں اچھے ہیں اور نبیلہ عزیز کی تو کیا ہی بات ہے تیمور حیدر اور ولید رحمان کی دوستی نبیلہ جی ایسے ہی برقرار رکھیے گا۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں، باتوں سے خوشبو آئے اور تاریخ کے جھروکے بہت خوب صورت سلسلے ہیں۔ پلیز فرحت اشتیاق جی گزارش ہے کہ وہ اپنے پیارے اور اچھے سے ہیرو کے ساتھ انٹری دیں۔

ج ۔ مریم، شفقت اور ام امتل! یہ جان کر خوشی ہوئی کہ گاؤں میں رہنے کے باوجود آپ گیارہ سال سے شعاع پڑھ رہی ہیں اور اب آپ کے ابو آپ کو خود رسالہ لا کر دیتے ہیں۔ یہ اچھی بات ہے کہ چھوٹے شہروں اور دیہات میں بھی اب سوچ بدل رہی ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ تبدیلی آرہی ہے۔ آپ کی فرمائش نوٹ کرلی گئی ہے۔ کوشش کریں گے کہ ناول ایک سے زیادہ تعداد میں شامل کیے جائیں۔

حرا خان نے ڈیرہ غازی خان سے لکھا ہے

شعاع کے سارے ہی سلسلے بہت پسند ہیں۔ احادیث اور اقوال زریں پڑھ کر دلی سکون ملتا ہے اور عمل کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔ شعر پڑھنا اور لکھنا مجھے پہلے ہی بہت پسند ہے۔ سلسلہ وار ناول میں "رقص بسمل" بہت اچھا جارہا ہے اور باقی کہانیاں بھی اچھی تھیں۔ ٹائٹل گرل بھی اچھی تھی۔ ویسے تو ساری رائٹرز ہی اچھا لکھتی ہیں، مگر مجھے زیادہ پسند فرحت اشتیاق، نایاب جیلانی، نبیلہ عزیز، نمرہ احمد وغیرہ ہیں۔ پلیز شاہد خان آفریدی کا انٹرویو تو لیں۔

ج ۔ حرا! آپ کی عمر چودہ سال ہے اور آپ 2009 سے شعاع پڑھ رہی ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ آپ نے بہت چھوٹی عمر سے شعاع پڑھنا شروع کردیا تھا۔ اپنی امی، آنٹی اور بڑی بہن کا ہماری طرف سے شکریہ ادا کردیں۔ کوشش کریں گے کہ آپ کی پسندیدہ مصنفین کی تحریریں شعاع میں شامل کی جائیں۔

اقصیٰ مریم سلطانی اسوہ مریم سلطانی کاسی اسٹریٹ کوئٹہ سے شریک محفل ہیں، لکھا ہے

نجانے کیوں آج دل بہت اداس سا ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کئی سال پہلے نادیہ جہانگیر اور ثوبیہ جہانگیر کا نام ایک ساتھ جگمگایا کرتا تھا ثوبیہ کھو گئی۔ خدا ثوبیہ کے درجات بلند فرمائے۔ لیکن نادیہ جہانگیر آپ تو لوٹ آئیں، آپ کا افسانہ "کچی روٹی" آج بھی یاد ہے۔ اسما قادری کو کہاں بھول سکتی ہوں۔ "پیا کا جیا" بھلا کون ہے جو فراموش کرسکے۔ ثروت نذیر، ام کلثوم جیسا اور عبدالقادر جیسا اچھوتا کردار کب لے کر آئیں گی۔ در ثمن، جیسی سسٹرز اور ہاں ہمارا آئیڈیل ہے۔ ترک سوم کی انیسہ کہاں ہیں۔ آپ آمنہ مفتی لوٹ آئیں اور سعدیہ حمید ہم غریبوں کو بھی یاد کرلیں۔ عائشہ فیاض سے گزارش ہے۔ آپ نے لال مسجد کے طلباء و طالبات پر لکھنے کا وعدہ کیا تھا، کب ایفا ہوگا۔

معذرت کے ساتھ کہوں گی۔ اس ماہ ناولٹ میں سمیرا حمید کے کردار داؤد نے بہت الجھایا۔ نفسا نفسی اور دھکم پیل کے دور میں کہاں ملتے ہیں ایسے لوگ۔ راشدہ رفعت نے اچھا لکھا۔ افسانوں میں مصباح نوشین بازی لے گئیں۔ اس کے علاوہ آصفہ اعوان کا "ڈور" کچھ دل کو بھایا نہیں۔ امایہ خان تو ہیں ہی بیسٹ "بت شکن" بہت اچھا جارہا ہے۔ نبیلہ عزیز کا "رقص بسمل" بھی بہت احسن طریقے سے آگے بڑھ رہا ہے۔

ج ۔ اقصیٰ اور مریم! آپ کا خط ہمارے دل کی بھی آواز ہے، ہم بھی ان لوگوں کو بہت یاد کررہے ہیں اور ہماری بھی خواہش ہے کہ یہ ہمارے لیے لکھیں۔ شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

اقرا آفرین فائزہ بلال نے جام پور سے لکھا ہے

سب سے پہلے تو میں نے یہ بتانا ہے کہ اقرا آفرین، فائزہ بلال دونوں ہی میرے نام ہیں۔ ایک نام کے ساتھ میری شخصیت ادھوری ہے۔ اقرا آفرین میرا فیملی نام ہے اور فائزہ بلال رجسٹرڈ نام ہے۔ خاندان میں بہت کم لوگ ہی میرا فائزہ نام جانتے ہیں اسکول، اکیڈمی میں بھی یہی مسئلہ ہے کہ اقرا آفرین، کوئی کوئی جانتا ہے۔ اس لیے میں دونوں نام ساتھ ساتھ لکھتی ہوں ۔۔۔ اس ماہ افسانوں میں اصلاحی پہلو کی عکاسی کی گئی ہے۔ سب سے زیادہ "پکار" افسانہ پسند آیا۔ افسانہ "بات لمحہ کی تھی" یہ سمجھا گیا کہ مایوسی کفر ہے۔ طوبیٰ فاضل کا "یک نہ شد" ہونٹوں پہ مسکان بکھیر گیا۔ امجد اسلام امجد کی غزل پسند آئی۔ جام پور میں Fm ریڈیو کا کوئی اسٹیشن ہے اور نہ ہی کوئی کھمبا سو ابھی تک ہم Fm ریڈیو جیسی سہولت سے محروم ہیں۔

حیدر آباد سے کوثر ناز لکھتی ہیں

شعاع میں، میں پیارے نبی کی پیاری باتیں بہت شوق سے پڑھتی ہوں اور یہ سلسلہ مجھے بہت پسند ہے۔ افسانے اکثر اچھے ہوتے ہیں۔ البتہ مجھے "محبت من محرم" بہت پسند آیا تھا۔

نبیلہ عزیز کا "رقص بسمل" بھی خوب صورتی سے آگے کی طرف گامزن ہے "ایک تھی مثال" دکھی کردیتا ہے لیکن اچھا ہے۔ باقی سلسلے بھی اچھے ہوتے ہیں، خاص طور پر کھلتا کسی پہ کیوں یہ میرے دل کا معاملہ سلسلہ بھی اچھا ہے اور نام نے تو چار چاند لگادیے ہیں۔

پیاری کوثر! شعاع کی بزم میں خوش آمدید آپ کا افسانہ ابھی پڑھا نہیں ہے۔ شعاع اور خواتین کا ایڈریس ایک ہی ہے۔ افسانے اور تمام سلسلوں کے لیے انتخاب اسی ایڈریس پہ بھجوائیں۔ علیحدہ لفافہ بھی ضروری نہیں

قارئین متوجہ ہوں!

1 شعاع ڈائجسٹ کے لیے تمام سلسلے ایک ہی لفافے میں بھجوائے جاسکتے ہیں۔ تاہم ہر سلسلے کے لیے الگ کاغذ استعمال کریں۔

2 افسانے یا ناول لکھنے کے لیے کوئی بھی کاغذ استعمال کرسکتے ہیں۔

3 ایک سطر چھوڑ کر خوش خط لکھیں اور صفحے کی پشت پر یعنی صفحے کی دوسری طرف ہرگز نہ لکھیں۔

4 کہانی کے شروع میں اپنا نام اور کہانی کا نام لکھیں اور اختتام پر اپنا مکمل ایڈریس اور فون نمبر ضرور لکھیں۔

5 مسودے کی ایک کاپی اپنے پاس ضرور رکھیں۔ ناقابلِ اشاعت کی صورت میں تحریر کی واپسی ممکن نہیں ہوگی۔

6 تحریر روانہ کرنے کے دو ماہ بعد صرف پانچ تاریخ کو اپنی کہانی کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔

7 شعاع ڈائجسٹ کے لیے افسانے، خط یا سلسلوں کے لیے انتخاب، اشعار وغیرہ درج ذیل پتے پر رجسٹری کروائیں۔

ماہنامہ شعاع۔ 37 اردو بازار کراچی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

۔ آپ ایک ہی لفافے میں تمام سلسلوں کے لیے بھجوائیں۔ لیکن ہر سلسلے کے لیے علیحدہ علیحدہ کاغذ پر لکھیں اور ایک لفافہ میں ڈال دیں۔ ایڈریس یہ ہے۔
شعاع۔ 37 اردو بازار کراچی

طلعت خان کوٹ فضلا سے لکھتی ہیں۔

پیلا سوٹ ماڈل پہ سرسوں کے پھول کی طرح کھل رہا

تھا' لیکن میک اپ نے مایوس کردیا' ایسے لگ رہا تھا جیسے میڈم نور جہاں کی جوانی کی تصویر ہو۔ حمد' نعت اور پیارے نبی کی پیاری باتیں پڑھ کے دل کو بہت سکون پہنچا۔ دستک میں بس سہیل احمد سے مل کے ہی اچھا لگا۔ رقص بسمل تو چیونٹی کی چال چل رہا ہے۔ اب کی بار ماورا پہ بہت غصہ آیا' خاصی بور اور بے معنی سی گفتگو کرتی رہی۔ اگر تیمور سے بات نہیں کرنی تھی تو موبائل نمبر کیوں دیا اسے اور آدھی رات کو میسج کا ریلائے کرنے کی کیا تک بنتی ہے؟ "ایک تھی مثال" میں احسن کمال مجھے ولن لگتا ہے۔ بشریٰ کو شادی نہیں کرنی چاہیے تھی' مثال تو عدیل اور بشریٰ کے ہاتھوں کھلونا بن کے رہ گئی ہے۔ بت شکن کا نام پڑھ کے لگا تھا کہ کچھ نیا اور دلچسپ پڑھنے کو ملے گا لیکن افسوس یہ تو وہی ساس بہو کی روایتی کہانی نکلی۔ "کہانی ایک گھر کی" اچھی لگی اور عون کا کردار خاصا دلچسپ تھا۔ "تم ہی ہو" بہت ایموشنل اسٹوری تھی سیدھی دل پہ لگی' سمیرا آپی نے ایک معذور انسان کے احساسات اور جذبات کو بہت اچھے سے لکھا ہے۔ ویل ڈن آپی' بہت خوب.... سب سے فضول "عزت کا دیا" لگی۔ کہانی پڑھ کے احساس ہوا کہ بہت ٹائم ویسٹ کردیا ہے۔ افسانوں میں پکار اور بات لمحے بھر کی سبق آموز تھے۔ میری طرف سے رائٹر کو شاباش۔ یک نہ شد اچھی کوشش تھی۔ "ضروری نہیں" بہت ہی غیر ضروری لگا۔ آپ کے خط میں سمیرا کنول اور ام کلثوم کا خط بالکل پسند نہیں آیا (بہت معذرت) یار اگر آپ شعاع پہ تعریف و تنقید کرتیں تو اچھا لگتا۔ ہمارا تو پورا ملک ہی بہت خوب صورت ہے آپ نے صرف اپنی گاؤں کے بارے میں ہی کیوں لکھا' یہ تو ناانصافی ہے نا۔

ج۔ پیاری طلعت 8 اپریل کو آپ کی سالگرہ ہے سب سے پہلے تو مبارک باد اور اس خط کی اشاعت ہماری طرف سے تحفہ سمجھ لیں' بت شکن کے بارے میں فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کریں۔ یہ ساس بہو کی روایتی اسٹوری نہیں ہے۔ قسط وار کہانیوں میں سب سے بڑا مسئلہ یہی ہوتا ہے کہ قارئین کے سامنے پوری تصویر نہیں بلکہ تصویر کا صرف ایک حصہ آتا ہے۔ یہ دراصل اس عورت کی کہانی ہے جو منفی فطرت لے کر پیدا ہوئی اور اس کی منفی فطرت کی وجہ سے اس سے متعلق لوگوں کو بہت کچھ سہنا پڑا پہلے ماں اور بہن بھائی پھر شوہر اور سسرال والے اور آخر میں اس کی بیٹی.... درحقیقت یہ خود پرست لوگوں کے لیے آئینہ ہے۔

عزت کا دیا آپ کو پسند نہیں آئی معذرت خواہ ہیں۔ رقص بسمل کے بارے میں آپ کا اعتراض بجا ہے اور ہم توقع کرتے ہیں کہ آئندہ اقساط میں نبیلہ اس کا جواب دیں گی۔ سمیرا کنول اور ام کلثوم کے خط کے بارے میں آپ کا اعتراض درست نہیں۔ بے شک ہمارا پورا ملک بہت خوب صورت ہے لیکن انسان جس جگہ کے بارے میں جانتا ہے۔ اسی کے بارے میں لکھتا ہے۔ ہم ہر ماہ ایک خط کسی گاؤں یا شہر کے بارے میں معلومات کا شائع کرتے ہیں تاکہ ہماری قارئین ان جگہوں کے بارے میں جان سکیں جن کا نام بھی نہیں سنا ہوتا۔ سمیرا نے شعاع پر بھی تبصرہ کیا تھا۔ ہم نے طوالت کی بنا پر اسے حذف کرکے صرف ان کے گاؤں شیرو جدید کا تعارف شامل کیا۔ آپ بھی کوٹ فضل کے بارے میں لکھیں۔ ہمیں خوشی ہوگی۔

ماہنامہ خواتین ڈائجسٹ اور ادارہ خواتین ڈائجسٹ کے تحت شائع ہونے والے پرچوں ماہنامہ شعاع اور ماہنامہ کرن میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل پہ ڈراما' ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے پبلشر سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بہ صورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

نبیلہ عزیز

رقصِ بسمل

ماورا مرتضیٰ' عافیہ بیگم کی اکلوتی بیٹی ہے۔ فارہ کے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتی ہے۔ عافیہ بیگم اس کا اپنی سہیلیوں سے زیادہ ملنا جلنا پسند نہیں کرتیں۔ اس کے علاوہ بھی اس پر بہت ساری پابندیاں لگاتی ہیں جبکہ ماورا خود اعتماد اور اچھی لڑکی ہے۔ عافیہ بیگم اکثر اس سے ناراض رہتی ہیں۔ البتہ بی گل اس کی حمایتی ہیں۔

فارہ اپنی ثمینہ خالہ کے بیٹے آفاق یزدانی سے منسوب ہے۔ دو سال پہلے یہ نسبت آفاق کی پسند سے ٹھہرائی گئی تھی مگر اب وہ فارہ سے قطعی لاتعلق ہے۔ فارہ کی والدہ منزہ رحیم اپنی بہن ثمینہ یزدانی سے ملنے کراچی جاتی ہیں۔ آفاق انہیں ایئر پورٹ لینے نہیں جاتا۔ مجبوراً "ساشا" کو جانا پڑتا ہے۔ وہ آفاق کی بدتہذیبی پر خفا ہو کر واپس چلی جاتی ہیں۔

منزہ' ثمینہ اور نیرو کے بھائی رضا حیدر کے دو بچے ہیں۔ تیمور حیدر اور عزت حیدر۔ تیمور حیدر بزنس مین ہے اور بے حد شان دار پرسنالٹی کا مالک ہے۔ ولید رحمٰن اس کا بیسٹ فرینڈ ہے۔ اس سے حیثیت میں کم ہے مگر دونوں کے درمیان اسٹیٹس حائل نہیں ہے۔ نیرو کے بیٹے سے فارہ کی بہن حسنہ بیاہی ہوئی ہے۔

عزت اپنی آنکھوں سے یونیورسٹی میں بم دھماکا ہوتے دیکھ کر اپنے حواس کھو دیتی ہے۔ ولید اسے دیکھ کر اس کی جانب لپکتا ہے اور اسے سنبھال کر تیمور کو فون کرتا ہے۔ تیمور اسے اسپتال لے جاتا ہے۔ عزت کے ساتھ یہ حادثاتی ملاقات ولید کو ایک خوشگوار حصار میں باندھ لیتی ہے۔ عزت بھی ولید کے بارے میں سوچنے لگتی ہے اور ڈھکے چھپے لفظوں میں ولید سے اپنی کیفیت کا اظہار بھی کر دیتی ہے مگر ولید انجان بن جاتا ہے۔

آفاق فون کر کے فارہ سے شادی کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ فارہ بہت روتی ہے۔ ثمینہ اور اشتیاق یزدانی کو علم ہوتا ہے تو انہیں سخت صدمہ ہوتا ہے۔ ثمینہ کی طبیعت بگڑنے لگتی ہے۔

اشتیاق یزدانی' آفاق سے حد درجے خفا ہو کر اس سے بات چیت بند کر دیتے ہیں۔ آفاق مجبور ہو کر شادی پر راضی ہو جاتا ہے۔ فارہ دل سے خوش نہیں ہو پاتی۔ عزت' تیمور کے موبائل سے ولید کا نمبر لے کر اسے فون کرتی ہے مگر ولید اس

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

[illegible]
بصد اصرار مدعو کرتی ہے۔ ماورا، عافیہ بیگم کی ناراضی کے باوجود چلی جاتی ہے۔ وہاں تیمور اور ماورا کی ملاقات ہو جاتی ہے۔ عزت اپنے دل کی کیفیات ساشا سے بیان کر دیتی ہے۔ ماورا بی گل کو بتاتی ہے کہ وہ رضا حیدر کے بیٹے تیمور حیدر سے ملی ہے۔ بی گل دم بخود رہ جاتی ہیں۔

شادی میں تیمور حیدر، ماورا کے قریب آنے کی کافی کوشش کرتا ہے مگر ماورا کا سخت اور کھردرا رویہ ہر بار اسے ناکام کر دیتا۔ تیمور، ماورا سے رضا حیدر کو ملواتا ہے۔ رضا حیدر اسے دیکھ کر چونک جاتے ہیں مگر باوجود کوشش کہ وہ سمجھ نہیں پاتے۔ فارہ کی ہی شادی میں عزت کی ملاقات قیام مرزا کے بیٹے مونس مرزا سے ہوتی ہے۔ وہ سخت بیزار ہوتی ہے جبکہ مونس خوب دلچسپی لیتا ہے۔

—١٠—
دسویں قسط

آفاق کے کمرے کا کونا کونا تازہ سرخ پھولوں سے سجا ہوا تھا۔

ان تازہ سرخ پھولوں کی دل فریب اور مسحور کن خوشبو سے پورے کمرے کا ماحول بھی اک سحر انگیز سے احساس کی لپیٹ میں آچکا تھا اور اس احساس کے باعث بیڈ پہ بیٹھی فارہ کا دل تیز تیز دھڑکنے لگا تھا اور ان دھڑکنوں کی دھک دھک اسے اپنی کنپٹیوں تک محسوس ہو رہی تھی۔

بے شک وہ آفاق سے بے پناہ محبت کرتی تھی۔ بے شک وہ اس کے لیے اجنبی نہیں تھا۔ بے شک وہ ایک پڑھی لکھی اور ماڈرن لڑکی تھی لیکن پھر بھی آج کے دن اور آج کی رات کے حوالے سے اس کی شرم وہیں کی وہیں تھی اور اس شرم کے ہاتھوں اس کی ہتھیلیاں پسینے سے بھیگی جا رہی تھیں اور چہرے کی رنگت میں بھی آہستہ آہستہ تبدیلی آرہی تھی۔ ٹھنڈی رنگت، تپش آلود ہوتی جا رہی تھی۔ دل نے الگ اودھم مچا رکھا تھا۔ فارہ سے سنبھالے نہیں سنبھل رہا تھا۔

"مے آئی کم ان۔۔۔؟" دروازے پہ ہلکی سی دستک ہوئی اور ساتھ ہی ساشا کی چہکتی ہوئی شرارتی سی آواز ابھری تھی جس پہ فارہ نے فوراً آہستگی سے سر اٹھا کر دروازے کی سمت دیکھا۔ ساشا اس کے دیکھنے پہ دروازے کا ہینڈل چھوڑ کر اندر آگئی۔

"ہیلو! کیا ہو رہا ہے۔ آفاق بھائی کے انتظار کے علاوہ۔۔۔؟" ساشا نے آتے ہی اسے چھیڑا۔

"گھبراہٹ اور پریشانی۔۔۔" فارہ اپنے دل پہ ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔

"ارے۔۔۔! وہ کیوں؟" ساشا نے حیرت کا اظہار کیا۔

"جس روز دلہن بن کر اس طرح سیج پہ بیٹھو گی نا تو تمہیں خود ہی پتا چل جائے گا کہ کیوں؟" فارہ نے کچھ بولنے کی ہمت کر ہی لی تھی۔

"ہاہاہا۔۔۔ آئی نو! یہ وقت ہی ایسا ہوتا ہے۔۔۔ سب کی بولتی بند ہو جاتی ہے۔ مگر محض ایک روز کے لیے پھر دلہن صاحبہ ساری زندگی بولتی ہی رہتی ہیں اور دولہا بے چارہ ساری زندگی سنتا ہی رہتا ہے۔" ساشا مذاق کرنا شروع ہو گئی تھی اور فارہ کے ہونٹوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

"اوہ۔۔۔! دلہن صاحبہ کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ۔ یعنی بات دل کو لگی ہے۔۔۔ ہوں!" ساشا نے دلچسپی سے فارہ کے چہرے کو جانچا۔

"یار۔۔۔! سچ پوچھو تو اس وقت کوئی بھی بات دل کو نہیں لگ رہی بلکہ دل پہ لگ رہی ہے۔ اور دل ہے کہ دھڑکا ہی جا رہا ہے۔۔۔ دھڑکا ہی جا رہا ہے۔ قابو میں ہی نہیں آرہا۔" فارہ ہنوز اپنے دل پہ ہاتھ رکھے بیٹھی تھی۔

"اٹس او کے یار۔۔۔! گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ دھڑکنے دو جتنا دھڑکتا ہے۔ ابھی تھوڑی دیر بعد اسے قابو کرنے والے ماہر لوگ بھی آجائیں گے۔ یہ اب ان ہی کے ہاتھوں قابو ہو گا۔" ساشا نے معنی خیزی سے اسے چھیڑا۔

"پلیز یار۔۔۔! مجھے ڈراؤ مت۔۔۔ آرام سے بیٹھو۔" فارہ نے خفگی سے کہا۔

"خیر۔۔۔! میں نے آرام سے کیا بیٹھنا ہے۔ تم اپنے آرام کی فکر کرو اور یہ بتاؤ کہ کھانا کھاؤ گی۔۔۔ مجھے ثمینہ آنٹی نے اسی لیے بھیجا ہے کہ میں تم سے کھانے وغیرہ کا پوچھ لوں کیونکہ تم نے وہاں فیصل آباد میں بھی کچھ نہیں کھایا تھا۔"

ساشا بالآخر اپنی آمد کے مقصد کی طرف آہی گئی تھی۔

"نہیں! کسی چیز کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ نہ بھوک ہے نہ پیاس، کچھ محسوس ہی نہیں ہو رہا۔۔۔" فارہ نے نفی میں گردن ہلائی۔

"لیکن میرا خیال ہے کہ تم کچھ کھا پی لو تو زیادہ بہتر رہے گا۔ کچھ انرجی آجائے گی۔ ورنہ اس طرح بیٹھے بیٹھے تو تمہارا بی پی لو ہو جائے گا، بیمار پڑ جاؤ گی۔" ساشا نے اسے کچھ کھانے پینے کا مشورہ دیا تھا۔

"کچھ نہیں ہوتا۔۔۔ اگر بھوک لگی تو میں کہہ دوں گی۔۔۔"

"او کے۔۔۔! چینج وغیرہ کرنا ہو تو ڈریسنگ روم میں چلی جانا تمہارا نائٹ ڈریس وہیں ہے بلکہ ڈریسنگ روم میں اور واش روم میں تمہیں ضرورت کی سب چیزیں مل جائیں گی۔ آنٹی نے تمہاری سب چیزیں خود سیٹ کروا کے رکھی ہیں۔ اس لیے اب تم ریلیکس رہو اور خوشی خوشی اپنے دولہا کو ویلکم کرو۔۔۔ میں چلتی ہوں گڈ نائٹ۔۔۔"

ساشا شرارت سے کہہ کر باہر نکل گئی۔ اس کے جانے کے چند منٹ بعد ہی دروازے پہ دوبارہ دستک ہوئی اور فارہ کا دل سنبھلتے سنبھلتے دوبارہ بے قابو اور بے اختیار ہو گیا۔

کیونکہ یہ دستک کس کی تھی یہ تو دل جانتا ہی تھا اور دل اپنی ہی بے اختیاریوں اور گھبراہٹوں پہ بوکھلا رہا تھا کہ وہ دروازہ دھکیل کر اندر آگیا اور دروازہ بند کر دیا تھا۔

دبیز قالین پہ اس کے قدموں کی چاپ بھی سنائی نہیں دی تھی۔ وہ آکر اس کے قریب بیٹھ گیا۔ اس کے بیٹھنے کی سرسراہٹ سے ہی فارہ کا دل کانپ کانپ گیا تھا۔ وہ بڑے غیر محسوس سے انداز میں سمٹ کے رہ گئی۔

"السلام علیکم۔۔۔!" فارہ کی تو آواز بھی کانپ رہی تھی اور لہجے میں بھی لرزش تھی۔

"شادی مبارک ہو۔" آفاق نے آہستگی سے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے اسے مبارک باد دی۔

"آپ کو بھی۔۔۔" فارہ نروس ہونے کے باوجود بھی بڑی ہمت اور بڑے حوصلے سے کام لے رہی تھی۔ ورنہ شرم کے مارے تو زبان سے ایک لفظ ادا کرنا بھی مشکل ہو رہا تھا۔

"ویسے آپ تو اس شادی سے خوش ہی نہیں تھے۔۔۔ پھر مبارک کس لیے۔۔۔؟" فارہ خوشی کے ان لمحات میں بھی چوٹ کرنے سے باز نہیں آئی تھی اور آفاق یک دم قہقہہ لگا کر ہنسا۔

"اف۔۔۔! سیانے سچ کہتے ہیں کہ لڑکیاں بات کا پیچھا نہیں چھوڑتیں، چاہے اس بات کے بدلے کچھ بھی ہو جائے۔" اس نے ہنستے ہوئے فارہ کا دوسرا ہاتھ بھی تھام لیا تھا۔

"کیونکہ لڑکے کچھ باتیں ایسی کر جاتے ہیں کہ لڑکیوں کے دل سے نکالے نہیں نکلتیں، دل میں پیوست ہو کے رہ جاتی ہیں۔" فارہ نے اسے جتایا تھا کہ وہ اسے پہلے کیا کیا کہہ چکا ہے؟

"او کے یار او کے! ایم سوری۔۔۔ ایم رئیلی ویری سوری۔۔۔ میں تم سے جو کچھ بھی کہہ چکا ہوں اور جو کچھ بھی کر چکا ہوں اور جو بھی باتیں تمہارے دل میں شکوے کے طور پہ موجود ہیں، میں ان سب کے لیے تم سے معافی چاہتا

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہوں۔۔۔ اس لیے پلیز مجھے دل سے معاف کردو۔۔۔ اپنا غلام سمجھ کر۔"

آفاق نے بڑی محبت اور بڑی چاہت سے کہتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ اس کے سامنے جوڑ دیے تھے اور فارہ اس کے جڑے ہوئے ہاتھوں کو دیکھ کر یکدم تڑپ اٹھی۔ اس نے بے ساختہ آفاق کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیے۔

"پلیز۔۔۔! یہ کیا کر رہے ہیں آپ۔ میں نے یہ سب کرنے کے لیے تو نہیں کہا؟"

"مگر مجھے تمہارے سامنے ہاتھ جوڑنے میں کوئی شرمندگی محسوس نہیں ہو رہی۔ بس تم معاف کردو تو میرے لیے یہی بہت ہے۔" آفاق واقعی بڑے پرسکون اور تحمل آمیز انداز میں کہہ رہا تھا۔

"مگر میں ایسا نہیں چاہتی۔" فارہ نے نفی میں گردن ہلائی۔

"لیکن میں تو پتا نہیں کیا کیا چاہتا ہوں؟" آفاق کے لہجے میں معنی خیزی آگئی۔ فارہ جھینپ گئی تھی۔ اس نے فوراً" چہرہ جھکا لیا۔

"کیا ہوا۔ تم نے چہرہ کیوں جھکا لیا ہے۔ میں کیا کیا چاہتا ہوں یہ تو میں نے ابھی بتایا ہی نہیں۔" آفاق نے اسے نروس کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ فارہ کا چہرہ سرخ پڑ گیا تھا۔

"آفاق پلیز!" فارہ کے ہونٹ کپکپائے۔

"کیا پلیز؟" وہ اسے تنگ کر رہا تھا۔

"میرا گفٹ۔۔۔؟" فارہ کو بروقت کوئی اور بات سوجھی تھی۔

"اوہ ہاں۔۔۔! مجھے تو یاد ہی نہیں تھا کہ لڑکیاں گفٹ کے بغیر تو۔" آفاق کی اس ادھوری بات پہ فارہ کے تو چھکے چھوٹ گئے تھے جبکہ آفاق نے بڑے اطمینان سے اپنی جیب سے انتہائی قیمتی اور وزنی دو کنگن نکال کر فارہ کے سامنے لہرائے۔

"مجھے پتا تھا کہ رونمائی کے بغیر تو لڑکیاں اپنا چہرا بھی نہیں دیکھنے دیتیں۔ اسی لیے میں پہلے سے ہی انتظام کر کے آیا تھا۔" اس نے کہتے ہوئے آہستگی سے اس کا بایاں ہاتھ پکڑ کر دونوں کنگن پہنا دیے اور پھر بہت ہی نرمی سے اس کے ہاتھ کی پشت پہ ایک نرم سا بوسہ دیا۔ فارہ کے جسم میں ایک عجیب سی سنسناہٹ سی دوڑ گئی۔

کیونکہ آفاق اس کی ذات پہ پوری طرح اپنا استحقاق جمانے کے موڈ میں نظر آرہا تھا۔ اور لحہ بہ لحہ اس کے قریب سے بھی قریب تر ہوتا جارہا تھا جس سے فارہ کے حواس تحلل ہونے لگے تھے۔ بیڈ روم میں پھولوں کی خوشبو کے ساتھ ساتھ تنہائی اور اندھیرا بھی رقص کرنے لگا تھا۔

☼ ☼ ☼

فارہ کو سوئے ہوئے ابھی ایک گھنٹہ ہی ہوا تھا کہ کروٹ بدلتے ہوئے اس کی آنکھ کھل گئی۔ کسی اجنبی جگہ پہ موجودگی کے احساس نے اسے پوری طرح سے جگا دیا تھا اور جاگنے کے ساتھ ہی تازہ پھولوں کی مہک نے اسے گزشتہ لمحات کی یاد دلائی تو اس کا دھیان فوراً" آفاق کی طرف گیا تھا جو اسے اپنے بازو کے حصار میں لیے سویا تھا۔

مگر یہ کیا۔۔۔ بازو کا وہ حصار تو اس کے گرد تھا ہی نہیں؟ اور وہ یک دم چونک اٹھی۔

"آفاق۔۔۔!" اس نے بے ساختہ بیڈ کی دائیں طرف ہاتھ مارا تھا مگر آفاق بیڈ پہ موجود نہیں تھا۔ بیڈ خالی تھا اور وہ اکیلی تھی اور اس اکیلے پن کے احساس نے فوراً" ہی اس کی چھٹی حس کا الارم بجا دیا تھا۔

"آفاق۔۔۔!" اب کی بار اس نے ذرا اونچی آواز میں اسے پکارا اور بیڈ سے اٹھ بیٹھی۔

"آفاق!" اس نے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پہ رکھے لیمپ کے ٹچ پیڈ کو چھوتے ہوئے اس کی روشنی بڑھا دی تھی اور

پورے بیڈ روم میں نظر دوڑانے کے ساتھ ساتھ باتھ روم کے دروازے کی طرف دیکھا تھا کہ شاید آفاق باتھ روم میں ہو گا مگر باتھ روم کا دروازہ کھلا دیکھ کر فارہ کی پریشانی میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔

"آفاق اس وقت مجھے یوں اکیلا چھوڑ کر کہاں چلا گیا۔۔۔؟" وہ خود کلامی کرتی بیڈ کے قریب رکھی چپل پہن کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ پھر اس نے اپنا وہم دور کرنے کے لیے ایک بار باتھ روم اور ڈریسنگ روم میں جھانک کر دیکھا بھی تھا مگر آفاق کہیں بھی نہیں تھا۔ فارہ کا دل بری طرح پریشان ہوا تھا۔

"آفاق کہاں گیا۔۔۔؟ کس سے پتا کروں؟" اس نے بے بسی سے سوچتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا، مگر کوئی حل سمجھ میں نہیں آیا۔

"آفاق کو کال کروں۔۔۔؟" وہ اپنے آپ سے سوال کرتے بے ساختہ بیڈ کی طرف پلٹی، لیکن بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پہ رکھا آفاق کا سیل فون دیکھ کر اس کا یہ خیال بھی ناکام رہ گیا تھا۔

باہر جا کر دیکھوں؟ شاید وہ کسی کام سے نکلا ہو۔۔۔؟ شاید کچن میں گیا ہو؟ یا شاید کسی نے اسے بلایا ہو؟" وہ خود ہی اپنے آپ سے سوال و جواب کر رہی تھی لیکن وہ بیڈ روم سے باہر جا کر دیکھنے کا حوصلہ نہیں کر سکی۔

آخر پہلے دن کی دلہن تھی اور رات کا یہ پہر بھی ایک نازک پہر تھا۔ رات ختم ہونے والی تھی اور دن شروع ہونے والا تھا، ایسے میں وہ دروازہ کھول کر باہر نکلی یا آفاق کا پتا کرتی تو یقیناً" سب کے لیے ایک اور پریشانی کھڑی کر دیتی اور اپنی سبکی کا سامان بھی خود ہی کر دیتی، اس لیے اس نے بڑی ہی سمجھ داری سے کام لیتے ہوئے خود کو صبر کرنے آمادہ کیا تھا۔ اس صبر اور اس انتظار میں فجر کی اذان ہو گئی لیکن آفاق نہیں آیا البتہ فارہ کی آنکھوں میں آنسو ضرور آگئے تھے، کیونکہ وہ اپنی نئی زندگی کی پہلی رات ہی سکون، خوشی اور سرشاری میں نہیں گزار سکی تھی۔

☼ ☼ ☼

"ایم سوری فارہ! میرے ایک دوست کے ساتھ پولیس کیس ہو گیا تھا اس لیے اس کی ہیلپ کے لیے مجھے فوری اس کے پاس جانا پڑا، تم گہری نیند سو رہی تھیں سو میں نے تمہیں جگانا مناسب نہیں سمجھا۔"

آفاق سورج طلوع ہونے سے پہلے ہی گھر لوٹ آیا تھا اور فارہ جو اس کے انتظار میں بیٹھے بیٹھے اکڑ چکی تھی، گیٹ پہ گاڑی رکنے کی آواز آئی تو فوراً" لپک کر ٹیرس کی طرف آئی تھی اور بغیر کسی ہارن کے چوکیدار کو گیٹ کھولتے دیکھ کر اس کا دماغ گھوم گیا تھا یعنی گھر والوں سے چھپ کر آنے جانے کا بھی ایک طریقہ تھا۔

البتہ ڈرائیو وے پہ گاڑی سے اترتے آفاق کی نظر سیدھی ٹیرس کی طرف اٹھی تھی اور اس کے چہرے پہ پریشانی اور تفکر کا سایہ سا لہرا گیا تھا۔

جبکہ فارہ ایک جھٹکے سے وہاں سے ہٹ کے اندر آگئی۔ چند سیکنڈز کے توقف سے آفاق بھی بیڈ روم میں آگیا۔

"ہیلو گڈ مارننگ۔۔۔!" اس نے بیڈ پہ سر جھکائے بیٹھی فارہ کو بہت ہی ست سے انداز میں وش کیا مگر جواباً" فارہ نے کوئی بھی جواب نہیں دیا۔ وہ جوں کی توں بیٹھی رہی۔

آفاق دھیمے قدموں سے چلتا ہوا بیڈ پہ اس کے برابر آکر بیٹھ گیا اور اس کے پوچھے بغیر ہی اسے وضاحت دیتے ہوئے معذرت بھی کرلی۔ مگر فارہ اس کی بات سنتے ہی اک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"فارہ پلیز۔۔۔! رکو بات سنو میری۔" آفاق اس کے پیچھے ہی یک دم اٹھ کھڑا ہوا، لیکن تب تک وہ واش روم میں گھس کر دروازہ بند کر چکی تھی اور واش روم میں اس نے اتنی دیر لگا دی تھی کہ ساشا اور ثمینہ یزدانی بھی ان کے کمرے کا ایک چکر لگا کر چلی گئی تھیں اور اس طرح رفتہ رفتہ سب کی آمد و رفت اور موجودگی کی وجہ سے دوبارہ ان دونوں کے درمیان کوئی بات ہی نہیں ہو سکی تھی اور آفاق فارہ کے سرد وسپاٹ چہرے کو دیکھ کر اندر ہی اندر پریشان ہوتا رہا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

کیونکہ اسے اندازہ تھا کہ فارہ کا ایسا خوشی سے عاری چہرہ دیکھ کر سب کو ہی پریشانی اور تشویش ہونے لگے گی اور اتنی مشکلوں سے ملنے والی سب کی خوشی ایک دن میں ہی غارت ہو جائے گی اور وہ پھر سے سب کو خوش اور مطمئن کرتا پھرے گا۔

مگر کوشش کے باوجود وہ کچھ نہیں کر سکا۔ نہ ہی فارہ سے بات ہو سکی تھی۔ اس لیے ان کے ولیمے کی تقریب یوں ہی چپ چاپ خاموشی اور بہت ہی عام سے انداز میں گزر گئی تھی۔ بہت سے لوگوں نے اس چیز کا نوٹس بھی لیا تھا مگر وہ دونوں ہی ٹال گئے تھے۔ اب ان دونوں کے دلوں میں کیا کھچڑی پک رہی تھی اور کیا کیا ابال اٹھ رہے تھے۔ یہ تو وہ دونوں ہی جانتے تھے۔

☆ ☆ ☆

ماورا دو، تین جگہوں پر جاب کے لیے انٹرویو دینے کے بعد تھکی ہاری ابھی گھر میں داخل ہوئی ہی تھی کہ اس کا سیل فون بجنا شروع ہو گیا اور اس نے تھکن اور جھنجلاہٹ کے مارے نمبر دیکھے بغیر ہی کال ریسیو کرتے ہوئے سیل فون کان سے لگا لیا۔

"ہیلو۔" اس کی جھنجلاہٹ اس کی آواز اور اس کے لہجے سے ہی نمایاں تھی۔

"کیسی ہیں؟" دوسری طرف کی آواز اور سوال سن کر ماورا کے جھنجلائے ہوئے اعصاب ایک دم ہی تن گئے۔

"میں نے آپ سے صرف حال پوچھا ہے۔ حال دل نہیں پوچھا کہ آپ سے بتایا نہیں جا رہا۔"

اس نے جان بوجھ کر اسے تنگ کرنے والی بات کی تھی اور واقعی ماورا لب بھینچ لینے پر مجبور ہو گئی تھی۔

"کیا مجھے اپنا سوال دہرانا پڑے گا۔" وہ یوں بات کر رہا تھا جیسے ان دونوں کے بیچ بڑی پرانی دوستی چلی آ رہی ہو۔

"دیکھیے مسٹر تیمور حیدر! میرا دماغ اس وقت بہت گرم ہے اور میں پہلے ہی بہت اپ سیٹ ہوں، اس لیے پلیز مجھے مزید ڈسٹرب کرنے کی کوشش مت کریں، پلیز فون بند کر دیں۔" ماورا نے بڑے ضبط سے کام لیتے ہوئے خاصے چبانے والے انداز میں بات کی تھی۔

اور تیمور چونک گیا تھا، کیونکہ اسے اس کی پریشانی کا سن کر خاصی تشویش ہوئی تھی۔

"آپ کی ڈسٹربنس کی وجہ جان سکتا ہوں؟" تیمور نے نہ چاہتے ہوئے بھی پوچھ لیا۔

"آپ صرف فون بند کر دیں۔ میرے لیے یہی کافی ہو گا۔" ماورا کا انداز ہمیشہ کی طرح تیکھا ہی تھا۔ تیمور اس کی بات سن کر مسکرا دیا تھا۔

"ریئلی۔" اس نے تصدیق چاہی۔

"آف کورس۔" جواباً اس نے لاپروائی سے کندھے اچکائے۔

"اوکے۔ یہ لیں۔ بند کر دیتا ہوں۔" تیمور نے بھی بڑے پرسکون انداز میں کہتے ہوئے فون بند کر دیا تھا اور ماورا ذرا حیرانی سے اپنے سیل فون کو دیکھتی رہ گئی تھی کہ اس نے واقعی اتنی شرافت سے اور اتنی سعادت مندی سے فون بند کر دیا ہے؟ یا مذاق کر رہا ہے۔

لیکن چند سیکنڈز کے انتظار کے بعد بھی جب اس نے دوبارہ کوئی کال نہ کی تو اسے یقین آ گیا تھا کہ اس نے واقعی سچ مچ اس کا کہا مان لیا ہے۔

"کیا کہہ رہا تھا؟" بی گل نے جائے نماز سمیٹتے ہوئے پہلا سوال یہی کیا تھا۔

"ابھی تو حال ہی پوچھ رہا تھا۔" ماورا نے سیل فون اک طرف رکھ دیا۔

"حال سے آگے نہیں بڑھا۔" بی گل کے سوال بھی نرالے ہوتے تھے۔

"وہ تو بڑھنا چاہتا ہے مگر میں نہیں بڑھنے دے رہی۔" وہ وہیں پہ دیوار کے ساتھ تکیہ رکھ کے نیم دراز سی ہو گئی۔

"مگر کب تک۔" بی گل تسبیح ہاتھ میں پکڑے اس کے برابر ہی تخت پہ بیٹھ گئیں۔

"جب تک ممکن ہو سکا۔" ماورا کے ارادے وہی تھے، جو وہ پہلے بھی بیان کر چکی تھی۔

"اور اس کے بعد۔" بی گل اب اسے وقتاً فوقتاً ٹٹولتی رہتی تھیں۔ کریدتی رہتی تھیں۔

"اس کے بعد جو ہو گا وہ آپ بھی جانتی ہیں اور بہت اچھی طرح جانتی ہیں۔ اس لیے بار بار تصدیق کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ ہو گا وہی جو رضا حیدر کا بیٹا چاہے گا۔"

ماورا نے کہتے ہوئے بات ہی ختم کر ڈالی تھی اور بی گل چپ چاپ تسبیح کے دانے گرانے لگی تھیں۔

☆ ☆ ☆

"فارہ بیٹا! تیمور تم سے ملنے کے لیے آیا ہے۔"

ثمینہ یزدانی نے دروازے پہ دستک دینے کے ساتھ ہی اسے اطلاع بھی دی تھی اور بیڈ پہ چپ چاپ ٹیک لگائے بیٹھی فارہ یک دم چونک گئی۔

"جی اچھا۔ میں آ رہی ہوں۔" وہ فوراً بیڈ سے اٹھ گئی اور آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے بال اور اپنا دوپٹا درست کرتے ہوئے بیڈ روم سے باہر نکل آئی۔

"السلام علیکم۔" اس نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہی سلام کیا۔ تیمور اسے دیکھ کر فوراً اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

"وعلیکم السلام! کیسی ہو مائی ڈیر کزن۔ کیا ہو رہا تھا۔" تیمور نے فارہ کا سر تھپکتے ہوئے کافی نرمی اور شفقت سے استفسار کیا۔

"اللہ کا کرم ہے بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں۔ بس فارغ ہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ جب سے کراچی آئی ہوں، میرے تمام کزنز نے پلٹ کر خبر بھی نہیں لی۔ یوں اگنور کر رہے ہیں جیسے جانتے ہی نہیں۔" فارہ نے لگے ہاتھوں شکوہ بھی داغ دیا اور تیمور اس کے اتنے معصوم اور اپنائیت بھرے شکوے پہ بے ساختہ مسکرا دیا۔

"ارے نہیں سویٹ ہارٹ۔ ایسی بات نہیں ہے۔ دراصل عزت اور ساشا وغیرہ کے ایگزامز اسٹارٹ ہیں اور میں خود پچھلے چند دنوں سے بہت بزی تھا۔ کل ہی اسلام آباد سے واپس آیا ہوں اور دیکھو! آج اسپیشلی تم سے ملنے کے لیے آفس سے سیدھا یہاں آ گیا ہوں۔ صبح مما اور بابا بھی تمہارا ذکر کر رہے تھے۔" تیمور نے اس کا شکوہ دور کرنے کے لیے ذرا تفصیلی جواب دیا اور اس دفعہ فارہ مسکرا اٹھی تھی۔

"آپ آج اسپیشلی مجھ سے ملنے کے لیے کیوں آئے ہیں؟ کوئی خاص بات۔" فارہ کچھ کچھ کھٹک چکی تھی۔ اس لیے کافی معنی خیزی سے بھنویں اچکا کر پوچھا۔ تیمور بھی اس کی معنی خیز انداز سمجھ گیا تھا۔

"خاص بات بھی خاص لوگوں کے ساتھ ہی ہوتی ہے، اتنا اندازہ تو تمہیں ہو گا ہی۔" وہ بھی سیدھی لائن پہ آ گیا تھا۔

"ہوں۔ جانتی ہوں اور یہ بھی جانتی ہوں کہ وہ بات بھی خاص لوگوں کی ہی ہوتی ہے۔ اینی وے آپ بات کریں، میں سن رہی ہوں۔" وہ بہت پرسکون انداز میں کہتی اپنے پورے دھیان سے اس کی طرف متوجہ ہو چکی تھی۔

"ہوں۔ تو مائی ڈیر کزن بات یہ ہے کہ میں نے آج ماورا مرتضیٰ کو کال کی تھی، لیکن وہ مجھے کچھ پریشان اور اپ سیٹ لگی ہیں۔ اس لیے مجھے بھی پریشانی ہو رہی ہے۔ کیا تمہیں کچھ اندازہ ہے کہ اس کی پریشانی کی کیا وجہ ہے۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

تیمور بڑی شرافت سے اپنے مطلب کی بات کی طرف آگیا تھا۔ کیونکہ وہ بات کو گھما پھرا کر وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا اور فارہ اس کی بات سن کر چپ سی ہو گئی تھی کیونکہ وہ ماورا کی پریشانی کی وجہ جانتی تھی۔

"پلیز فارہ۔۔۔ تم چپ کیوں ہو گئی ہو۔ بتاؤ نا ماورا مرتضیٰ کو کیا پریشانی ہے آخر؟ وہ مجھے نہیں بتائے گی' لیکن تمہیں تو پتا ہو گا ہی۔" تیمور نے فارہ کو بولنے پہ اکسایا تھا۔

"جی۔۔۔ پتا ہے مجھے کہ وہ کیوں پریشان ہے؟" اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"تو پھر بتاؤ ناں۔" تیمور اب بے صبر ہونے لگا تھا۔

"وہ دراصل جاب کی وجہ سے پریشان ہے' ہم دونوں کلاس فیلو ہیں۔ ہماری ڈگری بھی ایک ہی ہے۔ لیکن یونیورسٹی سے فری ہوتے ہی میری شادی ہو گئی۔ اور اس نے جاب کی تلاش شروع کر دی۔ اس نے دو' تین ٹیکسٹائل کمپنیز میں اپلائی بھی کیا ہے' مگر ابھی تک کہیں سے بھی اسے مثبت جواب موصول نہیں ہوا اور وہ فراغت کے دن گزارتے ہوئے تنگ آچکی ہے۔ وہ کچھ کرنا چاہتی ہے۔ اپنے پیروں پر کھڑا ہونا چاہتی ہے۔ اس لیے اتنے دنوں سے بے زار' بے زار سی لگ رہی ہے اور کافی اکتائی ہوئی سی ہے۔"

فارہ نے فوراً" ہی ماورا کی پریشانی کی ساری وجہ کھول کے سامنے رکھ دی اور تیمور کے اتنی دیر سے تنے ہوئے اعصاب ایک دم سے ڈھیلے پڑ گئے تھے' کیونکہ جاب کا مسئلہ تو کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہیں تھا۔

"اوہ۔۔۔ تو یہ پریشانی ہے اس کو؟" وہ آہستگی سے بولا۔

"ہاں۔۔۔ لیکن ایسی ہی چند اور بھی چھوٹی موٹی پریشانیاں ہیں' جو وہ حل کرنا چاہتی ہے' مگر ابھی ان کا کوئی حل نہیں نکل رہا۔

مثلاً" یہی کہ وہ کراچی آنا چاہتی ہے' یہاں رہنا چاہتی ہے' یہاں جاب کرنا چاہتی ہے' لیکن۔۔۔"

"لیکن کیا؟"

"اس کی مدر کو اپنا گھر اور اپنا شہر چھوڑ کر دوسرے شہر جانا پسند نہیں ہے۔ وہ اس کے ارادوں کے خلاف ہیں۔ وہ کراچی نہیں آنا چاہتیں۔" اس نے نفی اور مایوسی میں جواب دیا۔

"اور ماورا۔۔۔" وہ اس کی پسند کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔

"ارے تیمور بھائی۔۔۔ اسے تو جنون ہے کراچی آنے کا۔ وہ کراچی شہر کے لیے بہت کریزی ہے۔ اسے یہاں آنے کا اور یہاں رہنے کا آج موقع ملے تو وہ آج آجائے' ذرا سی دیر بھی نہ کرے۔" فارہ نے بڑے جوش و خروش سے اس کے شوق کے بارے میں بتایا تھا۔

اور تیمور کے ذہن نے لمحے کے ہزارویں حصے میں ماورا کے شوق اور اس کی ضرورت کا سارا سیٹ اپ سوچ لیا بس اب اس کا اظہار کرنا باقی تھا۔

"کیا بات ہے تیمور بھائی! آپ کیا سوچنے لگ گئے؟" فارہ کو اس کی خاموشی پہ تجسس ہوا۔

"میں سوچ رہا ہوں کہ اگر اس کی تمام پریشانیوں کا حل میں پیش کروں تو کیا خیال ہو گا تمہارا؟"

"کیا حل؟" فارہ نے چونک کر پوچھا۔

"مجھے آل ریڈی ایک فیمو کس ڈیزائنر کی ضرورت ہے' دو روز پہلے میں اخبار میں ایڈ بھی دے چکا ہوں' رہنے کے لیے ایک لگژری ڈیکوریٹڈ فلیٹ اور گاڑی کی سہولت بھی مہیا کروں گا' بلکہ اسے کسی بھی اور چیز کی ضرورت ہوئی تو اس کا پورا پورا خیال رکھا جائے گا۔ وہ کراچی آنا چاہتی ہے تو آسکتی ہے۔ میری طرف سے اس کے لیے جاب' گھر اور گاڑی تینوں چیزیں حاضر ہیں۔ چاہے وہ کل آجائے۔" تیمور نے اپنی طرف سے ایسی آفر دے کر فارہ کو بیٹھے بیٹھے شاکڈ کر ڈالا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

"آپ سچ کہہ رہے ہیں تیمور بھائی۔" اس نے جیسے تصدیق کے لیے پوچھا۔
"آف کورس سویٹ ہارٹ! میری طرف سے یہ ایک کھلی آفر ہے' تم اسے دے سکتی ہو' اور اس کا جو بھی جواب ہو مجھے فون کرکے بتا دینا' میں منتظر رہوں گا۔"
وہ کہتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور اس کی تقلید کرتے ہوئے فارہ بھی کھڑی ہو گئی۔
"لیکن آپ نے تو کچھ لیا ہی نہیں؟ چائے تو ویسے کی ویسی ہی رکھی ہے؟" فارہ کی نظر اس کے سامنے رکھے کپ کی طرف گئی تھی۔
"نو تھینکس ڈیئر! ابھی کسی چیز کی بھی طلب نہیں ہے' ان شاء اللہ جب نیکسٹ ٹائم آؤں گا تو پھر ضرور پیوں گا' پرامس۔" تیمور نے فارہ کا سر تھپکتے ہوئے کہا اور فارہ مسکرا دی۔
"یعنی آپ سچ مچ کسی خاص بات کے لیے ہی آئے تھے؟"
"ہاں بس! کیا کرتا' مجبوری تھی۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ ماورا ابھی بھی مجھے اپنی پریشانی یا اپنا مسئلہ نہیں بتائے گی۔ البتہ مسز آفاق کو ضرور پتا ہوگا کہ اسے کیا پریشانی ہے۔؟" وہ ہلکے سے مسکرایا۔
"وہ پریشان ہے اس کی وجہ تو مجھے پتا ہے۔ لیکن اس کی پریشانی پہ آپ کیوں پریشان ہیں' یہ نہیں پتا۔" فارہ ذرا شرارت سے بولی۔ شاید وہ تیمور کے منہ سے کچھ سننا چاہتی تھی۔
"تم ایک بار اسے کراچی لے آؤ' پھر وجہ بھی بتا دوں گا۔" وہ ہنسا۔
"او کے۔ ٹرائی کرتی ہوں۔" فارہ نے ہامی بھرلی اور تیمور وہاں سے نکل آیا۔

۞ ۞ ۞

"ماورا! تمہارا فون بج رہا ہے۔" ماورا کچن میں کام کررہی تھی جب اسے عافیہ بیگم کی آواز سنائی دی تو وہ تولیے سے ہاتھ پونچھتے ہوئے باہر نکل آئی۔
"آپ پلیز۔ ہنڈیا دیکھ لیجئے۔" وہ چولہے کی طرف اشارہ کرتی اپنے کمرے میں آگئی تھی اور فارہ کا نام دیکھ کر کال ریسیو کرتی ہوئی سیڑھیوں کے قریب چلی گئی۔
"ہیلو! کیسی ہو؟" اس نے چھوٹتے ہی اس کا حال پوچھا۔
"الحمد للہ! فٹ ہوں۔ فائن ہوں۔ اور فریش بھی۔ تم بتاؤ سب کیسا چل رہا ہے۔ جاب ملی؟" فارہ بڑی مشکل سے اپنی خوشی پہ قابو پاکر اس سے بات کررہی تھی۔
"نہیں۔ ابھی کہیں سے بھی کوئی ریپلائی نہیں آیا۔" اس کے لہجے میں مایوسی تھی۔
"تو کراچی آجاؤ ناں۔ یہاں جاب تلاش کرلو۔ یہاں اتنا مسئلہ نہیں ہوتا۔" اس نے فوراً" مشورے سے نوازا۔
"کراچی تو آجاؤں' لیکن وہاں آنے کے لیے اور وہاں رہنے کے لیے سب سے پہلا اور بڑا مسئلہ ہے رہائش۔ جب تک رہائش کا مسئلہ حل نہ ہو' میں بھلا کیسے آسکتی ہوں؟"
ماورا نے وہی ہمیشہ والا جواز سامنے رکھا تھا اور فارہ مسکرا اٹھی تھی۔
"اگر تمہارا یہ مسئلہ حل ہو جائے تو۔۔۔؟" فارہ بڑے طریقے اور بڑے سلیقے سے اسے اپنے مطلب پہ لانا چاہتی تھی۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ تیمور کا نام یا اس کی طرف سے ایسی پیش کش کا سن کر وہ یک دم کرنٹ کھا جائے گی اور کبھی بھی اتنی آسانی سے نہیں مانے گی۔
"وہ کیسے۔۔۔؟" معاملہ کراچی جانے کا اور وہاں رہنے کا تھا' ورنہ کسی بات میں اتنی دلچسپی وہ ذرا کم ہی لیتی تھی۔

"میرے پاس آجاؤ۔ میرے گھر میں۔" فارہ کے پاس آسان حل تھا۔
"تم اپنے ہوش و حواس میں رہ کر مجھے فون کررہی ہو نا؟" ماورا کے تیور بدل گئے تھے۔
"آف کورس یار۔ کوئی شک؟" فارہ نے حیرانی ظاہر کی تھی۔
"ہاں۔۔۔ ہے۔ کیونکہ اگر تم میری دوست ہو تو یقیناً" تم میرے مزاج اور میری طبیعت سے بھی واقف ہو گی اور اگر تم میری طبیعت اور میرے مزاج سے واقف ہو تو پھر اس چیز کا بھی تمہیں کافی اچھی طرح اندازہ ہو گا کہ میں تمہارے گھر میں رہوں گی یا نہیں۔۔۔؟"
ماورا کا لہجہ اور انداز سخت ہو چکے تھے اور فارہ کو اس کے ایسے ردعمل کا تو پہلے سے ہی اندازہ تھا وہ پہلے سے ہی تیار تھی۔
"تو پھر کیا کرو گی۔ کیسے آؤ گی کراچی؟" فارہ نے اسے الجھانے کی ایک کامیاب کوشش کی تھی۔
"جو بھی ہوا کرلوں گی۔۔۔ مگر ایم سوری۔۔۔ تمہارے گھر نہیں آسکتی۔۔۔ اور نہ ہی رہ سکتی ہوں۔" اس کا انکار سختی لیے ہوئے تھا۔
"تو کیا تم مجھے غیر سمجھتی ہو؟" فارہ کے لہجے میں ناراضی در آئی۔
"تم غیر نہیں ہو یار۔۔۔ لیکن تمہارا سسرال تو غیر ہے نا؟ اس لیے غیروں سے دور' دور کی سلام دعا ہی اچھی ہوتی ہے۔ قریب رہنے سے الٹا نقصان ہوتا ہے' ہاں۔۔۔ البتہ تم میری اتنی ہیلپ کرسکتی ہو کہ اگر تمہاری نظر میں کوئی اچھی جاب یا گھر ہو تو مجھے بتا دینا' میں اپلائی کردوں گی۔۔۔ باقی جو قسمت میں ہو گا' وہ ہو ہی جائے گا۔"
ماورا کی اس بات پر فارہ کا دل چاہا تھا کہ خوشی کے مارے چیخ مار دے۔۔۔ مگر بڑے صبر سے کنٹرول کر گئی' کیونکہ سامنے ماورا تھی۔
"ہاں۔۔۔ ایک جاب ہے تو سہی میری نظر میں۔۔۔ اگر تم کہو تو۔۔۔؟"
"کون سی جاب۔۔۔؟" ماورا کو تجسس ہوا۔
"فیبرکس ڈیزائنر کی۔۔۔ تم ایسا کرو۔۔۔ اپنی فائل کے چند ڈیزائن مجھے سینڈ کردو۔۔۔ میں دکھا دوں گی۔۔۔ پھر۔۔۔ جو بھی فیصلہ ہوا' تمہیں پتا چل جائے گا۔" فارہ لوہا گرم دیکھ کر چوٹ لگانا چاہتی تھی۔
"لیکن کس کمپنی کے لیے؟" ماورا نے بہت اہم سوال اٹھایا تھا۔
"حیدر گروپ آف انڈسٹریز کے لیے۔" فارہ کو آخر کچھ تو بتانا ہی تھا اور بتانے کے بعد انتظار کرنا تھا کہ اب اس کا کیا ردعمل ہو گا۔
لیکن یہ کیا۔۔۔ حیرت کا مقام تھا۔۔۔ ماورا نے کچھ بھی نہیں کہا تھا۔۔۔ چپ کی چپ ہی رہ گئی تھی۔
"کیا بات ہے؟ تم چپ کیوں ہو گئی ہو؟ کیا تمہیں حیدر گروپ آف انڈسٹریز کے لیے کام کرنا پسند نہیں ہے؟" فارہ نے ذرا ڈرتے ہوئے پوچھا تھا۔
"اگر ایسی بات ہے تو میں انکار کردیتی ہوں۔ وہ تو ان فیکٹ تیمور بھائی نے اخبار میں ایڈ دے رکھا تھا تو مجھے فوراً" تمہارا خیال آگیا۔۔۔ گھر۔ گاڑی اور جاب کی سہولت۔۔۔ تمہیں اور کیا چاہیے بھلا؟"
فارہ اسے آمادہ کرنا چاہتی تھی۔
"مگر میں یہ جاب نہیں کرسکتی۔" اس نے بڑے تحمل سے انکار کردیا تھا۔
"کیوں۔۔۔ کیوں ماورا۔۔۔ تم یہ جاب کیوں نہیں کرسکتیں؟ کیا تیمور بھائی کی وجہ سے؟"
"ہاں۔۔۔ یہی سمجھ لو۔" وہ خاصی لاپروائی سے بولی۔
"لیکن ماورا۔۔۔ اتنا پرکشش پیکیج تمہیں کہیں نہیں ملے گا۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

[illegible]
ہوتا تھا۔

"اف یار۔۔۔ بے وقوفی مت کرو' تیمور بھائی تو خود تمہارے لیے فکر مند ہو رہے تھے اور تم ان کی وجہ سے جاب ہی نہیں کرنا چاہتیں۔" فارہ کو جھنجلاہٹ ہونے لگی۔

"او ہ تو یہ جاب کی آفر تمہارے تیمور بھائی کی فکر مندی کا ثبوت ہے۔"

"نہیں۔۔۔ یہ بات نہیں ہے۔۔۔ وہ تو بس مجھ سے ملنے کے لیے آئے تھے تو میں باتوں باتوں میں تمہارا ابھی ذکر لے بیٹھی اور یوں ہی تمہاری جاب کی بات بھی زیر بحث آگئی' تب مجھے پتا چلا کہ انہیں بھی فیبو کس ڈیزائنو کی ضرورت ہے اور انہوں نے ایڈ بھی دے رکھا ہے۔ بس اسی لیے میں نے تمہاری جاب کے لیے کہہ دیا۔۔۔ انہوں نے یہ جاب جس کو بھی دینی ہے اس کی قابلیت کی بیس پر ہی دینی ہے۔ اگر یہ قابلیت ماورا مرتضیٰ کے پاس ہے تو انہیں بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟ اس لیے تم جب چاہو اپلائی کر سکتی ہو۔"

فارہ نے اسے قائل کرنے کے لیے بات کو ہر ممکن طریقے سے گھمانے کی کوشش کر ڈالی تھی' مگر اس کا وہی ایک جواب تھا' انکار۔۔۔

☆ ☆ ☆

"اس نے میری آفر ٹھکرا دی ہے۔۔۔ میرے پاس جاب کرنے سے انکار کر دیا ہے۔" تیمور کا لہجہ بجھا ہوا سا تھا۔

"ہاہاہا۔۔۔ یعنی کہ وہ اپنے ہی قبیلے سے ہے۔" ولید نے بے ساختہ قہقہہ لگاتے ہوئے اپنی طرف اشارہ کیا تھا۔

"وہ تو تمہارے قبیلے سے ہو گئی۔۔۔ لیکن میں کس قبیلے سے ہوں؟ کوئی میرے جیسا کیوں نہیں ہے؟" تیمور کے اندر کی اداسی اس کے لہجے اور اس کے الفاظ سے ہی ظاہر ہو رہی تھی۔

(تم عزت حیدر کے قبیلے سے ہو' وہ ہے نا تم جیسی۔۔۔) ولید دل ہی دل میں سوچ کے رہ گیا۔

"بتاؤ نا۔۔۔ میں کس قبیلے سے ہوں؟" وہ خاصا دل برداشتہ ہو رہا تھا۔

"تم محبت کے قبیلے سے ہو۔۔۔" ولید نے برملا اعتراف کیا۔

"اگر میں محبت کے قبیلے سے ہوں تو تم لوگوں کو میری ذات سے انکار کیوں ہے؟ کیوں تم لوگوں کا جواب مجھے ہمیشہ ہی نفی میں موصول ہوا ہے؟ میں جتنا تم لوگوں کے قریب آنے کی کوشش کرتا ہوں۔۔۔ تم لوگ اتنا ہی مجھ سے دور رہنے کی کوشش کرتے ہو؟ یہ تم لوگوں کی فطرت کا گریز ہے یا میرے خلوص کی کمی کا نتیجہ ہے؟" وہ بڑے مایوس سے انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"ارے نہیں یار۔۔۔ بات یہ نہیں ہے کہ تمہارے خلوص میں کوئی کمی ہے' بلکہ بات یہ ہے کہ ہم لوگ حد سے زیادہ خوددار ثابت ہوئے ہیں۔ بس اس کے علاوہ کوئی اور چکر نہیں۔"

"ولید۔۔۔ بی سیریس یار۔۔۔" وہ جھنجلایا تھا۔

"کیوں۔۔۔ سیریس کیوں؟ ایسا کون سا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے کہ ہم لوگ ہنستے ہنستے سیریس ہو جائیں؟" ولید اس سے بھی زیادہ خفگی سے گویا ہوا۔

"تمہارے لیے نہ سہی۔۔۔ لیکن میرے لیے یہ بات پہاڑ ٹوٹنے کے برابر ہی ہے۔ آخر اس نے انکار کیوں کیا ہے؟ وہ کیوں انکاری ہے میری ذات سے۔۔۔ اور میری ذات سے ریلیٹڈ ہر چیز سے؟ آخر ایسا کیوں ہے؟ میں سوچ سوچ کر پاگل ہو رہا ہوں۔" تیمور نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا تھا اور ولید اسے ایک نظر دیکھ کر ہی رہ گیا تھا۔

"اتنی ٹینشن کیوں لے رہے ہو یار۔۔۔ اس نے تمہاری آفر سے انکار کیا ہے۔ تمہارے پرپوزل سے نہیں۔"

ولید نے اب اسے ذرا نرمی اور ذرا تسلی سے سمجھانے کے بارے میں سوچا۔

"اسی لیے تو ٹینشن لے رہا ہوں۔۔۔ کہ جو لڑکی میری جاب سے انکار کر سکتی ہے۔ وہ کل کو میرے پرپوزل سے بھی انکار کر سکتی ہے اور ادھر میں ہوں کہ دن بہ دن اس کے بغیر ادھورا ہوتا جا رہا ہوں۔ میری سوچ اور میرے خیال پہ ہمہ وقت صرف وہی حاوی رہتی ہے' دیکھ لو۔۔۔ ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھا ہوں۔۔۔ ناکارہ ہو گیا ہوں۔ بس دن رات یہی سوچتا پھر رہا ہوں کہ یا وہ یہاں آ جائے یا میں وہاں چلا جاؤں۔۔۔ ایسے میں۔۔۔ میں کیا کروں۔۔۔ ٹینشن تو ہو گی۔"

تیمور اس سے بھی زیادہ خفگی کھائے بیٹھا تھا۔

"اگر ایسی بات ہے تو پھر ڈٹ جاؤ۔۔۔ سیدھے طریقے سے بات کرو اس سے۔۔۔ خود اسے جاب آفر کرو۔۔۔ اور کچھ ایسے طریقے سے کرو کہ وہ کراچی آنے پہ مجبور ہو جائے۔"

"وہ مجبور ہونے والی نہیں ہے۔۔۔ وہ صرف مجبور کر دینے والی لڑکی ہے۔" تیمور چند سرسری سی ملاقاتوں اور باتوں سے ہی جان چکا تھا کہ وہ کیسی لڑکی ہے۔

"وہ لڑکی ہو کر اتنی مضبوط ہے تو تم مرد ہو کر اتنے کمزور کیوں نظر آ رہے ہو؟"

"کیونکہ محبت نے میرے حواس گم کر دیے ہیں اور میں اس کے معاملے میں کمزور پڑ گیا ہوں۔۔۔ میں سختی سے کام نہیں لے سکتا' میرے رولز' میری ایگو۔۔۔ سب دھرے کے دھرے رہ گئے ہیں۔" وہ ولید کو مکمل طور پہ بے بس نظر آ رہا تھا۔

"اپنے آپ کو کنٹرول کرو' سب ٹھیک ہو جائے گا' پہلے اپنے آپ کو سنبھالو' پھر اس معاملے کو سنبھالنے کی کوشش کرنا' تم اپنی جگہ پہ جم کے رہو گے تو ہر چیز تمہاری مٹھی میں رہے گی۔۔۔ بے شک ماورا مرتضیٰ بہت مضبوط لڑکی ہے لیکن ہے تو ایک لڑکی ہی نا؟ کسی نہ کسی لمحے یا کسی نہ کسی بات پہ پیچ ہی جائے گی۔ بس تم یہ سوچو کہ تم نے کرنا کیا ہے؟ وہ آخر کس طریقے سے ہینڈل ہو سکتی ہے اور اگر ایک بار تمہیں وہ طریقہ سمجھ میں آگیا تو مجھے پوری امید ہے کہ تم ہمیشہ کے لیے ریلیکس ہو جاؤ گے اور کبھی بھی مجھ ناچیز سے کوئی مشورہ نہیں مانگو گے۔"

ولید اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کی کرسی کے قریب آگیا تھا اور اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے ہلکا سا دباؤ ڈالا تھا اور اس کے ہاتھ کے اس دباؤ نے تیمور کے دماغ اور اس کی سوچوں کو اک اور ہی بہاؤ دے دیا تھا اور وہ کسی الگ ہی سمت میں بہہ نکلے تھے۔

"تیمور۔۔۔" ولید نے اس کے کندھے کو ہلا کر اسے جھنجھوڑا۔

"ہوں۔۔۔" وہ فوراً" اپنے دھیان سے چونک گیا۔

"اتنی باتوں کے بعد بھی کچھ سمجھے یا نہیں؟" وہ اس کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"ہوں۔۔۔ تھینک یو۔۔۔ محبت کے قبیلے میں ابھی نیا ہوں' اس لیے اس کو قابو کرنے اور۔۔۔ سنبھالنے کے داؤ پیچ نہیں جانتا۔ لیکن امید ہے کہ رفتہ رفتہ سب سمجھ جاؤں گا۔"

تیمور آہستگی سے کہتا ہوا خود بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ تھوڑی دیر بعد ہی ولید اس سے اجازت لے کر اپنے کسی کام سے چلا گیا تیمور دھیمے قدموں سے چلتے آفس کی دیوار گیر کھڑکی کے پاس آ کھڑا ہوا' لیکن کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے بھی اس کی سوچیں کراچی سے فیصل آباد پہنچی ہوئی تھیں۔

☆ ☆ ☆

عزت یونیورسٹی سے واپس آتے ہی کھانا کھا کر سو گئی تھی۔

لیکن اس کو سوئے ہوئے ابھی ایک گھنٹہ ہی گزرا تھا کہ بیڈ روم کے دروازے پہ خاصی زوردار دستک ہوئی اور وہ

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

انتہائی گہری نیند سے ہڑبڑا کے اٹھ بیٹھی۔

"کون۔۔۔" اس نے اپنے سوئے ہوئے ذہن کو جگاتے ہوئے بمشکل استفسار کیا۔

"بی بی جی۔۔۔ میں ہوں نوری۔۔۔ وہ نیچے آپ کے کچھ گیسٹ آئے ہوئے ہیں۔ صاحب جی اور بیگم صاحبہ نے آپ کو نیچے بلایا ہے۔" نوری نے باہر کھڑے کھڑے ہی پیغام پہنچا دیا تھا۔

"کون آیا ہے؟"

"پتا نہیں بی بی۔۔۔ لیکن لگتا ہے کہ پہلی بار آئے ہیں۔" عزت اپنا شک دور کرنے کے لیے چلتی ہوئی سیڑھیوں کی ریلنگ کے قریب آئی اور اوپر سے جھانکا اور بری طرح سلگ اٹھی۔

مونس مرزا اپنے والدین کے ساتھ ان کے گھر کے ڈرائنگ روم میں براجمان تھا۔

وہ کوئی اور ہوتا تو وہ فوراً" اسے کھڑے کھڑے دھکے دے کر گھر سے باہر نکال دیتی' لیکن افسوس کہ معاملہ رضا حیدر کی دوستی کا تھا۔ آخر وہ قیام مرزا کا بیٹا تھا اور قیام مرزا اس وقت اپنے بیٹے کے ساتھ ہی ڈرائنگ روم میں موجود تھے۔

عزت ایک گہری سانس کھینچ کے رہ گئی۔ اتنے میں مونس مرزا نے بھی اسے یوں ریلنگ سے جھکے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ عزت ایک سیکنڈ کی بھی تاخیر کیے بنا فوراً" پیچھے ہٹ گئی تھی' جبکہ مونس مرزا اپنے اور اس کے والدین سے عجلت میں معذرت کرتا ایک دم اٹھ کر ڈرائنگ روم کے احاطے سے نکلا اور تیز تیز قدم اٹھاتا سیڑھیاں طے کر آیا۔

"ہیلو عزت۔۔۔ کیسی ہو؟" مونس مرزا اس کے بیڈ روم میں داخل ہونے سے پہلے ہی اس کے قریب پہنچ گیا تھا۔

"آپ یہاں۔۔۔" عزت کرنٹ کھا کے پلٹی تھی کیونکہ وہ بے تکلفی ہی اتنی دکھا چکا تھا۔

"کیوں۔۔۔ میں یہاں نہیں آسکتا کیا؟" اس نے عزت کو سرتاپا بڑی گہری اور دلچسپ نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔ میری اجازت کے بغیر آپ یہاں نہیں آسکتے۔" وہ چبا کر بولی۔

"اوہ۔۔۔ تو یہ بات ہے؟" وہ مسکرایا۔ "لیکن آپ کی اطلاع کے لیے یہ بھی بتا تا چلوں کہ میں اجازت کے بغیر یہاں تک نہیں پہنچا۔ بلکہ حیدر انکل نے خود مجھے کہا ہے کہ یہ گھر تمہارا اپنا گھر ہے۔ تمہیں جھجکنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جب چاہے آؤ' جب چاہے جاؤ' تمہیں کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔۔۔ تم اس گھر کو اپنا گھر ہی سمجھو۔۔۔ اور میں نے سمجھ لیا ہے۔ بلکہ اس گھر کے مکینوں کو بھی میں اپنا ہی سمجھ رہا ہوں۔"

مونس مرزا نے ذومعنی انداز میں کہتے ہوئے عزت کی آنکھوں میں جھانک کر دیکھا تھا اور عزت سر سے پاؤں تک تپ اٹھی۔

"انہوں نے یہ بات آج کہی ہے۔ آئندہ نہیں کہیں گے۔"

"آئندہ اجازت کی ضرورت کسے ہوگی بھلا؟" مونس مرزا نے کندھے اچکائے تھے۔

"آپ حد سے زیادہ فری ہو رہے ہیں' لیکن آپ یہ نہیں جانتے کہ آپ کے مقابل بھی کوئی اور نہیں' بلکہ عزت حیدر کھڑی ہے۔" عزت بھی ایک نڈر اور تنک کر جواب دینے والی لڑکی تھی۔ اس نے ڈرنا تو سیکھا ہی نہیں تھا۔

"میں جانتا ہوں کہ میرے مقابل کوئی اور نہیں' بلکہ عزت حیدر کھڑی ہے۔ اسی لیے تو حد سے زیادہ فری ہونے کی کوشش کر رہا ہوں' کیونکہ میرا ارادہ ہی فری ہونے کا ہے۔" کہتے کہتے اس کا لہجہ بدل گیا تھا اور عزت لب بھینچ

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

گئی۔ اسے مونس مرزا کے دیکھنے کے انداز سے ہی پتنگے لگ جاتے تھے۔ وہ شعلے کی طرح بھڑک اٹھتی۔ کیونکہ وہ اسے دیکھتا ہی کچھ ان نظروں سے تھا کہ عزت سے برداشت کرنا مشکل ہو جاتا تھا۔

"میں اس وقت محض اس لیے بے بس ہوں کہ آپ میرے گھر کی حدود میں کھڑے ہیں اور آپ قیام انکل کے بیٹے ہیں۔ ورنہ اگر مجھے ان دونوں باتوں کا خیال نہ ہوتا تو میں نجانے کب کا آپ کو یہاں سے آپ کی مطلوبہ عزت افزائی کے ساتھ رخصت کر چکی ہوتی۔"

عزت نے اسے یہ بھی جتا دیا کہ وہ یہ کچھ بھی کر سکتی ہے۔ لیکن مونس مرزا اس کی بات پہ الٹا مسکرا دیا تھا۔

"سچ کہتے ہیں لڑکی جتنی زیادہ خوب صورت اور حسین ہوگی اس کے نخرے اور اس کے تیور اتنے ہی جان لیوا اور سنگین ہوں گے۔ آپ اپنے ہاتھوں سے میری عزت افزائی کریں... مجھے اور کیا چاہیے بھلا۔ بندہ حاضر ہے۔" اس نے سینے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے ذرا سا سر خم کیا تھا۔

"نوری... نوری..." اس نے ملازمہ کو آواز دی۔

"جی بی بی جی۔" وہ فوراً حاضر ہوئی تھی۔

"مسٹر مرزا کو ڈرائنگ روم کا راستہ دکھاؤ۔" اس نے انتہائی غصے اور تلملاہٹ کا مظاہرہ کیا۔

"جو لوگ آپ کے بیڈ روم کا راستہ دیکھ لیں۔ انہیں ڈرائنگ روم کا راستہ کب اچھا لگتا ہے۔ خیر کوئی بات نہیں، کسی کے بیڈ روم تک پہنچنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے آپ ڈرائنگ روم سے گزر کر آؤ، بالکل ایسے جیسے کسی کے دل تک پہنچنے کے لیے معدے سے گزرنا پڑتا ہے۔"

مونس مرزا نے کہاں کا محاورہ کہاں لا کر جوڑا تھا اور عزت سچ مچ اپنے ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچنے لگی تھی۔

"صاحب جی... آپ کے ممی ڈیڈ آپ کو نیچے بلا رہے ہیں۔" رئیس سیڑھیاں چڑھ کے اوپر آگیا تھا۔

"اوکے... میں بھی بس نیچے ہی جا رہا ہوں، حالانکہ جانے کو دل نہیں چاہ رہا۔" اس نے ایک بار پھر عزت کو سرتاپا دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"کچی نیند سے بیدار ہونے والا پیکر اتنا نشہ آور بھی ہو سکتا ہے۔ آج سے پہلے مجھے اس چیز کا علم نہیں تھا۔" وہ عزت کی سمت جھکتے ہوئے آہستگی سے کہتا پیچھے ہٹا اور تیز تیز قدموں سے سیڑھیاں اتر گیا۔

اور عزت کا دل چاہا کہ اس کی چوڑی پشت گولیوں سے چھلنی کر ڈالے۔ وہ بڑی مشکل سے ضبط کرتی ہوئی اپنے بیڈ روم میں داخل ہوئی اور دروازہ انتہائی زوردار آواز سے بند کیا۔

✡ ✡ ✡

شام کا وقت تھا، وہ ہر کام سے فارغ تھی۔ اسی لیے کچھ دیر آرام کرنے کی غرض سے اپنے گھر کی چھت پہ آگئی چھت پہ یوں ہی بے مقصد ٹہلتے ہوئے اس کا دھیان پہلے رضا حیدر اور پھر تیمور حیدر کی طرف چلا گیا تھا۔

اور یوں ہی تیمور حیدر کو سوچتے سوچتے نجانے کتنی دیر گزر گئی تھی کہ اچانک اس کے ہاتھ میں پکڑے سیل فون کی بیل نے اسے چونکا دیا تھا۔ اس نے اسکرین کی طرف دیکھا، تیمور حیدر ہی نظر آیا تھا۔

چند سیکنڈ وہ یوں ہی دیکھتی رہی، پھر نجانے کس سوچ کے تحت اس نے کال ریسیو کر لی۔

"ہیلو۔" اس کا انداز اور اس کا لہجہ ہمیشہ کی طرح پرسکون اور پُراعتماد ہی تھا۔

"السلام علیکم۔" وہ بھی آج بڑے ٹھہراؤ میں لگ رہا تھا۔ وہی ٹھہراؤ جو ہمیشہ سے اس کی ذات کا حصہ تھا۔

"وعلیکم السلام، کیسے ہیں؟"

"احسان ہے پاک ذات کا... آپ سنائیں۔" وہ بڑے نارمل انداز میں بات کر رہا تھا۔

"الحمد اللہ... سب بہتر ہے۔" ماورا نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

"میں نے آپ سے کچھ پوچھنے کے لیے آپ کو کال کی ہے۔" وہ بات کو گھمائے پھرائے بغیر اپنے اصل مقصد کی طرف آگیا۔

"جی... پوچھیں... سن رہی ہوں۔" وہ ہمہ تن گوش ہوئی۔

"آپ نے جاب سے انکار کیوں کیا۔" اس نے وہی سوال کیا، جس کی اسے توقع تھی۔

"غیر ضروری سوال ہے۔" وہ گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولی۔

"لیکن کبھی کبھی پوچھنا ضروری ہو جاتا ہے۔"

"مگر میں چاہتی ہوں کہ آپ نہ پوچھیں۔" وہ اب بھی اسے باز ہی رکھنا چاہتی تھی۔

"مگر میں چاہتا ہوں کہ آپ بتا دیں۔" اس نے اپنی بات پہ زور دیا۔

"ضد کرنے والے بھی کبھی بڑا نقصان اٹھاتے ہیں تیمور صاحب!" وہ اسے سمجھا رہی تھی۔

"جو ٹینشن میں آج کل اٹھا رہا ہوں، اس سے بہتر ہے کہ میں نقصان اٹھا لوں۔" وہ بھی آج کل محبت کے ہتھے چڑھا ہوا تھا۔ اسے بھی آج کل نفع و نقصان کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

"تو پھر بتا دوں؟" وہ پھر تصدیق چاہتی تھی۔

"ہاں... بتا دیں، میں سننے کے لیے تیار ہوں۔" اس کی طرف سے کوئی انکار نہیں تھا۔

"میں نے آپ سے دور رہنے کے لیے اس جاب سے انکار کیا ہے، میں آپ سے مراسم بڑھانا نہیں چاہتی۔" اس کا جواب دو ٹوک تھا۔

"جبکہ میں نے آپ کے قریب آنے کے لیے یہ جاب آفر کی تھی، کیونکہ میں آپ سے مراسم بڑھانا چاہتا ہوں۔" تیمور کا لہجہ گمبھیر ہو چکا تھا۔

"نقصان اٹھائیں گے۔" وہ خبردار کر رہی تھی۔

"میں تیار ہوں۔" اسے کوئی انکار نہیں تھا۔

"سوچ لیں... ایک بار پھر سوچ لیں۔" ماورا آخری فیصلے تک اسے سمجھانا چاہتی تھی۔

"محبت سوچنے کی مہلت نہیں دیتی۔" وہ بے بسی سے بولا۔

"محبت سنبھلنے کی مہلت بھی نہیں دیتی۔" وہ طنزیہ مسکرائی تھی۔

"آپ اپنا فیصلہ سنائیں۔" وہ دھڑکتے دل کے ساتھ پوچھ رہا تھا۔

"سمجھ لیں، سنا دیا۔" ماورا نے اپنے اعصاب ڈھیلے چھوڑ دیے تھے۔

"مطلب؟" وہ سمجھا نہیں۔

"مطلب یہ کہ مجھے آپ کی آفر قبول ہے، میں اس جاب کے لیے تیار ہوں۔"

"رئیلی..." تیمور کو جھٹکا لگا تھا۔

"یس..." ماورا نے کہہ کر فون بند کر دیا تھا اور پھر اپنے آپ کو مزید مضبوط کرتے ہوئے نیچے اتر آئی تھی، جہاں اب اسے عافیہ بیگم کا سامنا کرنا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

شکستہ آئینے

میمونہ صدف

"نیت کتنی بھی اچھی ہو' دنیا تمہیں تمہارے دکھاوے سے جانتی ہے اور دکھاوا کتنا بھی اچھا ہو اللہ تمہیں تمہاری نیت سے جانتا ہے۔"

پتا نہیں کس نے کہا ہے لیکن حقیقت یہی ہے۔ دکھاوا جتنا پرکشش ہوتا ہے' اتنا ہی مرعوب کرتا ہے۔ منہ پر اچھا بننے والا ہی اچھا ہے' چاہے اندر کچھ بھی ہو اور ٹوکنے والا برا ہی ہوتا ہے چاہے وہ ہمارا کتنا بھی بھلا کیوں نہ چاہتا ہو۔

میں عاطرہ فرقان' ایک بہت عام سی لڑکی۔ لوگوں کی نظروں میں بھی اور خود اپنی نظروں میں بھی۔ مگر کبھی کبھی اللہ احساس دلاتا ہے کہ جو دوسروں کی نظروں میں بے مول اور عام ہوں' ضروری نہیں کہ اللہ کے ہاں بھی اتنے ہی عام ہوں۔ میں ایک عام لڑکی ہوں۔ بہت سی خامیوں کے ساتھ شاید چند خوبیاں بھی ہیں مگر نہ مجھے اپنی خامیوں سے آگاہی ہے اور نہ ہی خوبیوں سے۔

عام سے گھرانے کی عام سی لڑکی جس نے اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ایک پرائیویٹ اسکول میں نوکری شروع کی۔ نوکری میری ضرورت کبھی بھی نہیں تھی۔ بس وقت گزاری کا بہانہ تھا۔ نوکری کے دوران' لوگوں سے واسطہ پڑنے پر ہی آپ کو لوگوں کا پتا چلتا ہے۔ لوگ اچھے برے' ملنسار' خود سر اور مغرور ہر طرح کے ہوتے ہیں۔ اتنے لوگوں میں سے ہر ایک کا ادراک آپ کو "فورا" نہیں ہوتا۔ وقت کے ساتھ ہی لوگ آپ پر کھلتے ہیں' مگر میں نے زندگی کا ایک ہی اصول رکھا ہے کہ ہر طرح کے لوگوں کی عادات واطوار کے مطابق سمجھوتا کرنا چاہیے اور جو سمجھوتا کرنا نہیں سیکھتا' جلن اور کڑھن اس کے حصے میں آتی ہے۔

ہمارے اسٹاف روم میں ایک جملہ اکثر ہی استعمال ہوتا تھا کہ "یہ تمہاری سسرال ہے جو یہاں چل گیا سمجھو اصل سسرال میں بھی چل گیا۔" آہستہ آہستہ اس جملے کی صداقت پر میں ایمان لے ہی آئی۔ تجربہ بہترین استاد ہوتا ہے' مگر اس مکتب کی فیس بہت مہنگی ہوتی ہے۔

ایسا ہی ایک تجربہ مجھے بہت کچھ سکھا گیا۔

☆ ☆ ☆

انشراح میری ان کولیگز میں سے تھی جن سے میرا بس سلام دعا کی حد تک تعلق تھا۔ اس کی دو وجوہات تھیں۔۔۔ ایک تو میں ضرورت سے زیادہ کم گو تھی اور دوسرا اس لڑکی میں انانیت بے پناہ تھی۔ وہ ایک اچھے معقول خاندان سے تعلق رکھنے والی خود پسند سی لڑکی تھی۔ میرا اس سے کبھی نہ واسطہ پڑا' نہ ہی میں نے کبھی اس کی ذات پر بہت غور کیا تھا مگر زندگی میں ہم کبھی کسی چیز سے جتنا اجتناب کریں' جتنا بھی بھاگیں' اللہ ہمیں کبھی کبھی اس چیز میں مبتلا کر دیتا ہے کہ تمہیں اس میں رہ کر اس سے مقابلہ کر کے جیت کر دکھانا ہے اور یہی تمہاری آزمائش اور اس میں کامیابی ہی اصل جیت ہے۔ مگر مجھے یہ سب سمجھنے میں بہت وقت لگا اور جب سمجھ میں آیا میں بری طرح سے ناکام ہو چکی تھی۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب انشراح کی شادی کی تاریخ طے ہو گئی تھی۔ اس کی شادی کی تیاریاں چل رہی تھیں اور وہ بخوشی روز آکر علی الاعلان سب کے درمیان ڈسکس کیا کرتی تھی۔

باتوں باتوں میں ہی مجھے پتا چلا کہ وہ بیاہ کر ہمارے علاقے میں آرہی ہے۔ اس کی منگنی کی تصاویر دیکھ کر مجھے اندازہ ہوا کہ وہ جس گھرانے میں بیاہ کر آرہی ہے کبھی اس گھر سے چند خواتین ہمارے گھر میرے بھی رشتے کے سلسلے میں آئی تھیں۔ تصاویر میں ان خواتین کی شناخت کر کے میں نے انشراح سے ان کی بابت پوچھا تو میرا اندازہ درست ثابت ہوا۔

"آپ کیسے جانتی ہیں میرے ان لاز کو؟" اس نے مجھ سے سوال کیا۔

"میری مدر جانتی ہیں انہیں۔ آپ کی ساس اور نند سے میری ایک بار ملاقات ہوئی تھی۔" میں ملاقات کی تفصیل بتائے بغیر مختصر جواب دے کر وہاں سے ہٹ گئی۔

میری ہی کلاس میں ایک اسٹوڈنٹ رملہ تھی' جس

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

سے میری تھوڑی بے تکلفی تھی، ورنہ میں اسٹوڈنٹس کو ایک مخصوص فاصلے پر رکھتی تھی۔ رملہ پہلے انشراح کی اسٹوڈنٹ بھی رہ چکی تھی اور ان دونوں میں عام ٹیچر اسٹوڈنٹ سے بڑھ کر تعلق تھا۔۔۔ اتنا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے خاندان تک کو جانتی تھیں اور گھروں میں آنا جانا بھی تھا۔ مگر کچھ وجوہات کی بناء ان کے درمیان ناچاقی ہوگئی تھی۔ بہرحال جو بھی معاملات تھے وہ ان دونوں کے اندر کے معاملات تھے مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ رملہ سے ایک روز کسی گفتگو کے دوران میرے منہ سے نجانے کیسے نکل گیا کہ انشراح کی شادی ہمارے ہی ایریا میں ہوئی ہے۔ میرا اتنا کہنا ہی اس کے تجسس کو ہوا دے گیا تھا۔ وہ مجھ سے اب اس کے متعلق مزید جاننا چاہتی تھی۔

"میم! ان کی فیملی کو کتنا جانتی ہیں؟"

"میں زیادہ کچھ نہیں جانتی، بس ایک بار اس کی مدر ان لاء اور سسٹر ان لاء سے ملی ہوئی ہوں۔ مجھے اتنی ڈیٹیل نہیں پتا کہ ان کی فیملی میں کون کون ہوتا ہے؟" میں نے صاف گوئی سے جواب دیتے ہوئے اپنے تئیں بات ختم کردی تھی، مگر وہ خواہ مخواہ بات کو بڑھانا چاہتی تھی۔

"ان کے اتنے زبردست پروپوزلز آئے ہیں میم! کہ آپ سوچ بھی نہیں سکتیں اور اینڈ میں اتنی عام سی فیملی میں شادی ہوئی ان کی۔" افسوس سے بولی۔

"ہوں۔۔۔ آئی تھنک اس کے ہزبینڈ گورنمنٹ سیکٹر میں ہیں۔" ہم دونوں کاریڈور میں لگے بورڈ کی سجاوٹ کرتے ہوئے اس گفتگو میں منہمک تھے۔

"آپ کا انٹریکشن کیسے ہوا ان کی فیملی سے جب ان کی فیملی کو جانتی بھی نہیں ہیں؟"

"کیونکہ یہ پروپوزل پہلے میرے لیے آیا تھا۔" بے ساختہ ہی میرے منہ سے نکل گیا۔

"اوہ۔۔۔ تو پھر کیوں نہیں بات بن سکی؟"

"بس نہیں بن سکی۔" میں نے بات اس انداز سے کی کہ اسے باور کراسکوں کہ میں مزید بات نہیں کرنا چاہتی اسی لیے وہ خاموش ہوگئی تھی۔

☼ ☼ ☼

گرمیوں کی چھٹیوں کے بعد جب میں اسکول گئی تو انشراح کے انداز میں مجھے کچھ محسوس ہوا۔۔۔ ایک کھچاؤ سا مگر میں وجہ جاننے سے قاصر تھی۔ تب ہی اس نے کاریڈور سے گزرتے ہوئے مجھے مخاطب کیا۔

"عاطرہ! جب آپ فری ہوں تو مجھ سے ملیے گا۔ کچھ بات کرنا ہے۔" میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اپنے فری پیریڈ میں، میں اس کے ساتھ باہر لان میں چلی آئی۔

"عاطرہ! کچھ باتیں ہیں جو مجھے پتا چلی ہیں اور جن پر مجھے اس قدر غصہ ہے کہ میرے لیے خود کو کنٹرول کرنا بے حد مشکل تھا میں نے بڑی مشکل سے خود کو کوئی انتہائی قدم اٹھانے سے روکا ہے۔ آپ نے میرے متعلق رملہ سے بہت سی غلط باتیں کی ہیں۔ آگے رملہ نے اسے جس سے بھی شیئر کیا اس نے مجھے بتایا ہے۔"

اس کا انداز بہت چبھتا ہوا تھا، مگر میں خاموش رہی۔

"آپ نے رملہ سے یہ کہا ہے کہ میری شادی بڑی عجیب سی فیملی میں ہوئی ہے وہ لوگ بڑے بیک ورڈ ہیں۔ میرے ہزبینڈ کی کوئی پرائیویٹ جاب ہے اور میرے فادر نے مجھے جہیز میں گاڑی دی ہے۔" وہ تھوڑی دیر کو رکی تو میں بمشکل تمام بول پائی۔

"میں نے ایسا کچھ نہیں کہا ہے انشراح۔" مگر وہ میری بات سننے کو تیار ہی نہیں تھی۔

"عاطرہ! پہلی بات تو یہ کہ مجھے میرے فادر نے اگر گاڑی دی ہے تو وہ افورڈ کرسکتے تھے اس سے آپ کو کیا مسئلہ ہے؟ دوسری بات کہ میرے ہزبینڈ کی گورنمنٹ جاب ہے اور یہ بات یہاں سب کو پتا ہے کہ اب انہیں اسکالرشپ ملا ہے جس پر وہ پی ایچ ڈی کرنے جارہے ہیں اور میرے ان لاز بیک ورڈ ہیں، جسٹ اس لیے کہ میری سسٹر ان لاء (نند) پردہ کرتی ہیں، تو وہ تو آپ بھی کرتی ہیں پھر تو آپ بھی بیک ورڈ ہوئیں اور اگر میں نے اب چادر لینا اسٹارٹ کی ہے تو وہ اپنی چوائس سے کی ہے کیونکہ میرے ہزبینڈ کو پسند ہے۔" وہ ہر اس بات کی توجیہہ دے رہی تھی جو میں نے کی ہی نہیں تھی۔

"انشراح! میں نے ان میں سے کوئی بات نہیں کی۔۔۔ میں آپ کے ان لاز کو جانتی ہی کتنا ہوں جو یہ باتیں کروں گی اور مجھے پتا ہے کہ آپ کے ہزبینڈ کی گورنمنٹ جاب ہے، جہاں تک گاڑی کا سوال ہے مجھے تو آپ کے گھر کا بھی نہیں پتا پھر مجھے کیسے معلوم ہوسکتا ہے کہ آپ کے فادر نے گاڑی آپ کو جہیز میں دی ہے۔"

لیکن وہ مجھ سے وضاحت طلب کرنے نہیں آئی تھی بلکہ صرف اپنی کہنے آئی تھی۔

"عاطرہ! آپ نے یہ تمام باتیں کی ہیں ورنہ میری فیملی کے متعلق کون رملہ کو اتنی انفارمیشن دے سکتا ہے؟"

"اس کی بہت سی فرینڈز اس ایریا میں رہتی ہیں۔ ہے بی ان میں سے کسی کے ذریعے اس نے حاصل کی ہوں۔" وہ ان باتوں کا الزام مجھ پر لگا رہی تھی جو میں نے کی ہی نہیں۔

"مجھے اتنا غصہ ہے آپ پر عاطرہ! کہ میں چاہتی تو پرنسپل کے سامنے پورا معاملہ رکھ سکتی تھی آپ سمجھ سکتی ہیں کہ آپ کی پرسٹیج کا کیا بنتا۔"

اس کا لب و لہجہ بے حد تلخ تھا۔ میں تڑپ اٹھی۔

"انشراح! فار گاڈ سیک میں نے یہ سب نہیں کہا۔"

لفظوں کے دانت نہیں ہوتے، مگر پھر بھی وہ جسم میں پیوست ہوکر انسان کا خون نچوڑ لیتے ہیں۔ میرا سارا خون بھی جسم سے نچڑ گیا تھا۔

"اس بات کی تردید کے لیے میرے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے، مگر اللہ تعالیٰ وقت کے ساتھ ثابت کردے گا کہ میں نے یہ سب نہیں کہا جو آپ تک پہنچایا گیا ہے۔ ہاں اس پروپوزل کے متعلق میں نے ضرور اسے بتایا تھا، مگر اس سے زیادہ کچھ نہیں۔"

"ٹھیک ہے بس میں سب کلیئر کرنا چاہتی تھی۔" اس نے اکھڑے سے لہجے میں کہا حالانکہ وہ کلیئر کرنے سے زیادہ مجھے جتا رہی تھی۔

"ٹھیک کیا آپ نے جو ڈسکس کرلیا۔ اگر میری وجہ سے آپ کو تکلیف پہنچی تو دل سے معذرت کرتی ہوں۔ آئی ایم سوری۔" میں نے دل سے شرمندگی محسوس کرتے ہوئے کہا تھا۔ غلطی بہرحال میری تھی اور مجھے خمیازہ بھی بھگتنا چاہیے تھا۔

☼ ☼ ☼

اس روز میں گھر آکر بہت روئی تھی۔ میں بہت شرمسار تھی۔ اس روز کے بعد انشراح میری طرف دیکھتی تک نہ تھی حالانکہ میں اس سے معافی بھی مانگ چکی تھی۔

رملہ اب اسکول میں تھی نہیں۔ اس کا میٹرک مکمل ہوگیا تھا اور وہ اسکول سے جاچکی تھی۔ بہت دنوں بعد میرے موبائل پر اس کے میسجز آنا شروع ہوئے۔ میں نے اسے صاف منع کردیا کہ اب انشراح سے متعلق بھی کوئی بات نہ سننا چاہتی ہوں نہ کرنا چاہتی ہوں۔ مگر وہ پھر بھی اپنی صفائیاں دیتی رہی کہ اس سے غصے میں یہ سب ہوا۔ غصے میں اس نے انشراح کی دوست سے کہا مگر ایک بندے سے بات دوسرے بندے تک پہنچی تو کچھ کی کچھ بن گئی، مگر اس نے ایسا کچھ بھی میرے متعلق یا میری ذات سے منسوب کرکے نہیں کیا۔ وہ شرمندہ تھی۔ میں نے اس سے مزید کوئی گلہ نہیں کیا۔

اس واقعہ کو گزرے قریباً چھ ماہ ہونے کو تھے۔ ان چھ ماہ میں، میں نے دوبارہ انشراح سے تعلقات استوار کرنے چاہے، مگر وہ مائل نہ ہوئی۔

اس نے ابھی سے میٹرنٹی لیو لے لی تھی۔ اس کا کیس کچھ ٹھیک نہیں تھا۔ میں اس کے لیے دعاگو تھی اس رات میں نے خواب میں اسے بے حد پریشان دیکھا۔ وہ رو رہی تھی اور شاید مدد کے لیے بھی پکار رہی تھی۔ جب صبح میں اٹھی تو رات والا خواب ذہن سے

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

محو نہ ہوسکا۔

ہفتے بھر بعد ہی اسکول میں اطلاع آئی اس کا بیٹا ہوا تھا۔ مگر دھڑکن نارمل نہ ہونے کی وجہ سے آدھے گھنٹے بعد ہی اس کی وفات ہوگئی۔ سب کو ہی دکھ ہوا تھا' اگلے روز اسے میسج کرکے بیٹے کی تعزیت اور اس کی عیادت کی۔ اس نے شکریہ لکھ بھیجا۔ مطلب اس نے میری تعزیت اور عیادت قبول کی۔

اس سے چند روز بعد ہی میں نے پھر خواب دیکھا ۔وہ نماز پڑھ رہی تھی۔۔ اس خواب کا تذکرہ بہرحال میں نے اس سے کرنا مناسب نہ سمجھا مگر ایک ہفتے بعد پھر میں نے خواب میں اسے بہت خوش اور مطمئن دیکھا۔ پھر میں رہ نہ سکی۔ اسکول میں ملتے ہی میں نے انشراح سے دونوں خوابوں کا ذکر کیا۔ میں خود بھی کچھ پریشان ہوگئی تھی کہ مجھے اس کے متعلق خواب کیوں آتے ہیں۔

"میں حیران ہوں کہ آپ کو میرے متعلق اتنے صحیح خواب کیسے آتے ہیں؟ کل رات ہی میں نے سوچا ہے کہ میں نماز اور قرآن پڑھنا شروع کروں گی اور رات سے میں واقعی بہت خوش ہوں۔ دو سال سے میں نے کبھی نماز نہیں پڑھی۔ شاید آپ کا خواب اللہ کی طرف سے اشارہ ہے کہ مجھے اب نماز پڑھنا چاہیے۔"

"اللہ کا ہر فیصلہ کہیں نہ کہیں ہمارے لیے بہتر ہوتا ہے۔ شاید وہ آپ کو خود سے جوڑنا چاہتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ آپ اس کی طرف رجوع کریں۔ انشراح! میں ایک بار پھر آپ سے معافی مانگتی ہوں۔ حالانکہ بہت سی باتیں ایسی میں غلط تھیں۔ مگر کسی حد تک میری غلطی بھی تھی جس سے آپ ہرٹ ہوئیں۔ آئی ایم سوری۔" میں نے پھر سے اس سے معافی مانگی۔

"اٹس او کے۔ میں وہ سب بھول چکی ہوں۔" اس نے مسکرا کر جواب دیا۔ مجھے تسلی ہوئی اور دل پرسکون ہوگیا کہ اس نے مجھے معاف کردیا ہے۔

☆ ☆ ☆

اپنے خواب میں نے اپنی ایک کزن کو سنائے جو خوابوں کی تعبیر بتایا کرتی تھیں۔ انہیں میں نے صرف خواب سنائے تھے اس سے پہلے میرے اور انشراح کے درمیان جو باتیں ہوئیں وہ سب حذف کردیا تھا۔

"دیکھو عاطرہ! کچھ لوگوں کو اللہ دوسروں کی رہنمائی کے لیے مخصوص کرتا ہے اور تمہاری کولیگ اس وقت جس فیز سے گزر رہی ہے اس کو اس کا سامنا کرنے کے لیے رہنمائی چاہیے' جو اسے تم مہیا کروگی کیونکہ اللہ تعالیٰ شاید یہی چاہتا ہے۔ اس لیے وہ تمہیں سگنل دے رہا ہے۔ یہ کام اتنا آسان نہیں ہے جتنا دکھتا ہے۔ اپنے نفس کو' اپنی انا کو مارنا پڑتا ہے۔ داعی کو لوگوں کی جھڑکیاں اور طعنے سننے ہی پڑتے ہیں۔"

وہ کیا کہہ رہی تھیں میری سمجھ میں آبھی رہا تھا اور نہیں بھی۔

"وہ بہت تنک مزاج لڑکی ہے باجی! وہ اتنی آسانی سے میری رہنمائی قبول کیسے کرسکتی ہے؟"

"کرے گی۔۔۔ تھوڑا تھوڑا کرکے اسے مائل کرو۔ تم کہہ رہی ہو تم نے اسے نماز پڑھتے دیکھا جبکہ وہ کہتی ہے کہ اس نے دو سال سے نماز کے نام پر ایک سجدہ تک نہیں کیا' سو تمہیں اسے گائیڈ کرنا ہے۔ اس وقت اس کی روح تمہاری طرف جھک رہی ہے۔ اللہ جھکا رہا ہے' مگر اس کے ساتھ تمہیں خود کو بھی مضبوط کرنا ہے۔ تم میں ایسا کچھ خاص ہے جو تمہیں اللہ کے ہاں خاص بنا رہا ہے۔ اپنے اعمال کی اصلاح جاری رکھو۔ زیادہ سے زیادہ صدقات کرو کیونکہ یہ تمہاری مشکلات کو ٹالیں گے اور تمہارا دل بھی لوگوں کے لیے نرم کریں گے۔"

میں حق دق انہیں دیکھ رہی تھی۔ کیا عاطرہ فرقان جیسی عام لڑکی اللہ جیسی عظیم ذات کے لیے بھی کوئی وقعت رکھتی ہوگی جسے لوگ وقعت دینے کو تیار نہ ہوں' مگر یہی تو فرق ہے اللہ اور اس کے بندوں میں کہ وہ دل دیکھتا ہے' نیت دیکھتا ہے اور لوگ دکھاوا۔

☆ ☆ ☆

جب وہ چھٹیوں کے بعد واپس آئی تو اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے میں نے اسے ایک اصلاحی کتاب "تحفتا" دی۔ مجھے کہیں نہ کہیں لگتا تھا کہ اسے ان دنوں اس کتاب کی اشد ضرورت ہے۔

"تھینک یو عاطرہ! آپ نے میری فیلنگز کو سمجھا اور آپ کے خوابوں نے مجھے گائیڈ کیا۔" اس نے کتاب تھامتے ہوئے مجھے گلے لگا کر کہا۔

اس دن کے بعد میں اکثر و بیشتر ہی اس کے لیے دعا کرتی تھی۔ اولاد کو محسوس کرکے کھودینا اذیت ناک ہوتا ہے اور وہ اس اذیت سے گزری تھی۔

بقر عید پر بس یونہی دل چاہا کہ میں اسے کوئی کتاب تحفے میں دوں۔ میں یوں بھی دوستوں کو تحفے تحائف دیتی رہتی تھی اور ایک اچھی کتاب سے بڑھ کر کون سا تحفہ ہوسکتا ہے۔

انشراح کے لیے میں نے اچھی سی ایک کتاب کے ساتھ پرفیوم کا تحفہ منتخب کیا۔ اسے تحفہ دیتے ہوئے میں نے اس کے چہرے پر استعجاب پڑھ لیا تھا۔

"کس خوشی میں؟" میں کچھ متذبذب سی کھڑی اس کی صورت تکتی رہی۔ اس کے چہرے پر استہزائیہ مسکراہٹ نمودار ہوئی تو میں جیسے ہوش میں آئی۔

"بس یونہی۔۔۔ اچھا لگا تو لے لی۔" میں بمشکل تمام مسکرائی اس نے کندھے اچکاتے ہوئے "تھینکس" کہا اور کتاب پرس میں ڈال کر آگے بڑھ گئی۔

☆ ☆ ☆

اچانک ہی دور پرے کے ماموں زاد سے میری بات طے ہوگئی۔ وہ مسقط میں مقیم تھا اور شادی کی جلدی مچا رہا تھا۔ جب میں نے اپنی کولیگز میں یہ بات بتائی تو سب سے زیادہ خوشی کا مظاہرہ سائرہ نے کیا۔

سائرہ یونس۔۔۔ مجھ سے ڈیڑھ ماہ سینئر۔ اسے بہت بولنے کی عادت تھی اور مجھے صرف سننے کی۔ طبیعتوں اور عادات میں بے انتہا فرق کے باوجود ہم دوست تھیں۔ اس کی وجہ میڈم عمارہ کے بقول میری فرماں بردار طبیعت تھی۔ سائرہ کی فطرت میں حکم چلانا تھا۔

حاکم و محکوم کی حیثیت سے ہی سہی بہرحال ہماری دوستی چل رہی تھی۔ ہماری دوستی میں دراڑ اس وقت پڑی جب کسی کمزور لمحے میں' میں نے میڈم عمارہ سے رشتے کے سلسلے میں اپنے گھر ہونے والی ہر ہفتے کی کیٹ واک پر جھنجھلاہٹ کا اظہار کیا تھا۔ ان دنوں اپنے بھائی کے لیے لڑکی ڈھونڈ رہی تھی۔ میڈم عمارہ کے منہ سے نکل گیا۔

"عاطرہ اتنی اچھی لڑکی ہے۔ تمہاری دوستی بھی ہے۔ تم اسے اپنے بھائی کے لیے کیوں نہیں لے لیتیں سائرہ!" اور اس وقت میرا بس نہیں چلا تھا کہ میں کہیں ڈوب مروں۔ سائرہ نے انتہائی استہزا سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"دنیا میں بہت ساری اچھی لڑکیاں ہیں۔ تو کیا سب کو بھابھی بنالوں؟ ہر ایک کا اپنا ایک اسٹینڈرڈ ہوتا ہے۔ اب اگلا بندہ اس معیار پر پورا اترے گا تو ہی سوچیں گے نا۔۔"

اس دن میں گھر آکر بہت روئی تھی۔ ہم انسانوں کی سوچ کتنی محدود ہوتی ہے نا۔ ایک ڈگر پر سوچنے والی' ایک ہی مدار میں گھومنے والی۔ اس دن کے بعد سے سائرہ مجھ سے کترانے لگی تھی اور اب اچانک اس کا رویہ بے حد دوستانہ ہوگیا۔

جو میرے لیے خوشی کے بجائے دکھ کا باعث بنا تھا۔ مہینے بعد میری شادی کی تاریخ طے ہوگئی۔ ان دنوں عدیل پاکستان آئے ہوئے تھے اور ان کی چھٹی ختم ہونے سے پہلے پہلے ان کے گھر والوں نے شادی کرنا تھی۔ لہٰذا سب کچھ بہت جلدی جلدی میں ہوا۔ اسکول میں میرا ہفتہ ہی باقی بچا تھا۔ میں کلاس لے کر اپنی مخصوص نشست پر آکر بیٹھی تو قریبی ٹیبل پر انشراح میڈم فضیلت سے کچھ ڈسکس کررہی تھی۔ مجھے موضوع بحث کا قطعاً" اندازہ نہ تھا۔ میں ٹیسٹ چیک کرنے لگی جب انشراح کے الفاظ پر میں ٹھٹکی۔

"فضیلت! ٹیچرز کو پروفیشنلز ہونا چاہیے۔۔۔ اسٹوڈنٹس اور ٹیچر کے مابین ایسی بے تکلفی نہیں ہونا چاہیے کہ ٹیچر اس سے اپنے پرسنل پرابلمز ڈسکس

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

کرے یا پھر کسی دوسرے کولیگ کے پرسنل میٹر اس سے شیئر کرے۔"

مجھے لگا میرا دل بند ہونے لگا ہے۔ مجھے لگا کہ وہ مجھے سنانے کو ہی کہہ رہی ہے۔

"کچھ ٹیچرز یہ کام کرتی ہیں فضیلت! اور یہ حد درجہ چھچھورا پن ہے۔" اس کے الفاظ نے پھر سے مجھے کاٹ لیا تھا۔ مزید سننے کی مجھ میں تاب نہ تھی۔ میں ٹیسٹ ایک طرف رکھ کر جلدی سے باتھ روم میں گھس گئی۔ آنکھوں میں آئے پانی کو بہاتے ہوئے میں نے چہرے پر پانی کے چھپاکے مارے۔ کبھی کبھی صرف ایک گناہ ہماری ساری نیکیوں کو ختم کر دیتا ہے۔ کوئی ایک خامی ساری خوبیوں پر پانی پھیر دیتی ہے۔ میں کتنی بھی اچھی ہو جاتی وہ کبھی میری اس غلطی کو معاف کرنے کے لیے تیار نہ تھی۔ اس نے مجھے کہا تھا کہ وہ مجھے معاف کر چکی ہے، مگر آج پھر اس کے الفاظ نے مجھے باور کروا دیا کہ وہ اب تک نہیں بھولی۔ گھر آکر میں نماز میں بھی روتی رہی۔

میں نے سجدہ ریز ہو کر دعا مانگی۔

"مجھے لوگوں سے بے نیاز کر دے اللہ! میں لوگوں کے طعنوں، ان کی باتوں پر تجھے گواہ بناتی ہوں اور منصف ٹھہراتی ہوں۔ کوئی اگر مجھے بہروپیا سمجھتا ہے، میری نیکی اسے میری سازش یا مفاد لگتی ہے تو مجھے ایسی باتوں سے بے پروا کر دے۔ میرے دل میں کبھی کسی کے لیے میل نہ آئے۔ میں اپنا معاملہ تیرے سپرد کرتی ہوں میرے اللہ۔۔۔ مجھے لوگوں سے بے پروا کر دے۔"

سجدے سے اٹھتے ہوئے میں نے اپنے دوپٹے کے پلو سے اپنا چہرہ رگڑا گہری سانس بھر کر جائے نماز سمیٹی۔

دل اب روئی کے گالے کی مانند ہلکا تھا بہت ہلکا۔

☼ ☼ ☼

میرے اسکول میں آخری دن اسٹاف کی طرف سے پارٹی رکھی گئی تھی۔ شان دار سی پارٹی اور تحفے کے بعد پرنسپل نے الوداعیہ کلمات کے ساتھ مجھے رخصت کیا۔ میرے نکلنے سے پہلے سب مجھ سے گلے ملے اور دعائیں دیں۔ سائرہ مجھے بھینچتے ہوئے بہت مغموم دکھ رہی تھی۔ اس سے گلے ملتے ہوئے میری آنکھوں میں بھی آنسو تھے۔ میں نے سارے گلے شکوے دل سے مٹا ڈالے تھے۔ انشراح بھی مجھ سے گلے ملی۔

"ہمیشہ خوش رہیں۔۔۔ یاد رہیں گی آپ مجھے۔" میں اداسی سے مسکرا دی۔

واپسی پہ سارے راستے میں یہی سوچتی رہی کہ ان دو سالوں میں مجھے کتنے لوگ ملے جواب مجھ سے بچھڑ رہے ہیں مگر اچھے برے تجربات نے مجھے بہت کچھ سکھایا اور میری شخصیت میں بہت بدلاؤ پیدا کیا۔ جو ایک اہم بدلاؤ میری ذات میں آیا وہ یہ تھا کہ میں نے لوگوں کی امانتوں کا پاس کرنا اور اللہ کے بندوں سے بے پروا ہو کر اللہ کے لیے اپنے اعمال کو خالص بنانا سیکھ لیا تھا۔

دو ہفتے بعد میری شادی تھی۔۔۔ بارات پہ اسٹاف میں سے بہت سے لوگ آئے تھے مگر سائرہ اور انشراح نہیں آئی تھیں۔ مجھے محسوس تو ہوا مگر میں نے دل کو سمجھا لیا۔ اب میں دل کو سمجھا لیا کرتی تھی۔ شادی کے ہفتے بھر بعد عدیل واپس چلے گئے اور دو ماہ بعد میں بھی ہمیشہ کے لیے مسقط چلی گئی۔

شادی کے ایک سال بعد بھائی کی شادی پر میں پاکستان آئی تو بازار میں مجھے میڈیم فضیلت مل گئیں۔ انہوں نے بہت سے ایسے انکشافات کیے جو میرے لیے ناقابل قبول تھے۔

سائرہ کے متعلق مجھے معلوم ہوا کہ اس کی اور اس کے بھائی کی اکٹھی شادی ہوئی تھی، وٹے سٹے کی بنا پر کسی بڑے خاندان میں۔۔۔ بھائی کی اپنی بیوی سے نہ بن سکی تو اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ جس کی وجہ سے سائرہ کے شوہر نے بھی اسے طلاق دے کر بدلہ پورا کر لیا۔

انشراح کا دوبار مس کیرج ہو چکا ہے اور وہ بے سکونی کے باعث خواب آور گولیاں لینے لگی ہے۔

مجھے بہت افسوس ہوا۔ میں نے سوچ لیا کہ جانے سے قبل میں ان دونوں کو فون ضرور کروں گی۔

☼ ☼ ☼

میں انشراح فائق۔۔۔ ایک خود پسند اور بہت انا پسند لڑکی تھی۔ میں نے ہمیشہ زندگی میں ہر جگہ جیتنا اور ہر سوچا جانا سیکھا تھا۔ میری ذات کی بہت بڑی کمزوری لوگوں سے اپنی تعریف سننا تھی۔۔۔ جس کی خاطر میں کسی بھی حد تک جا سکتی تھی۔ تنقید برداشت کرنا میرے لیے ہمیشہ سے ایک تکلیف دہ عمل رہا ہے۔ کوئی بندہ اگر یہ دعویٰ کرے کہ وہ مجھے بہت اچھی طرح جانتا ہے تو وہ جھوٹا ہے۔ مجھ سے تو میرے گھر والے بھی اتنے واقف نہیں ہیں۔ لوگ میری ذات کے محض اتنے ہی رنگوں سے واقف رہے جتنے رنگ میں نے خود ان پر واضح کیے۔ اپنی عزت بنائے رکھنے کے لیے میں کچھ بھی کر سکتی تھی کیونکہ مجھے خود سے بہت پیار تھا۔

تعلیمی دور میں بھی کبھی کوئی مجھے شکست نہیں دے سکا۔ اب نوکری کے آغاز میں بھی مجھے اپنی اسی پوزیشن کو برقرار رکھنا تھا۔ اپنے سبجیکٹ پر تو مجھے پوری کمانڈ حاصل تھی اسی لیے اس سلسلے میں تو مجھے کبھی پریشانی نہیں ہوئی مگر ساتھ ہی مجھے اسٹوڈنٹس کو بھی تو ہینڈل کرنا تھا۔ میری ڈریسنگ ایسی ہوتی تھیں کہ کچی عمر کی لڑکیاں سحر زدہ ہو جاتی تھیں۔ میں اس ادا سے بچیوں سے مخاطب ہوتی کہ وہ حد میں بھی رہیں مگر میرے پیچھے بھی آئیں۔ بہت جلد ہی میں بچیوں میں بے حد مقبول ہو گئی تھی۔۔۔ اتنا کہ سارے سیکشن مجھ سے پڑھنے کے لیے آپس میں جھگڑتے تھے۔ پورے اسٹاف روم میں کسی ٹیچر کو یہ اعزاز حاصل نہ تھا۔

خود پرستی ایک نشے کی طرح ہوتی ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ جسم میں لہو کی طرح گردش کرتی ہے اور اس کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ مجھے بھی سراہے جانے کا نشہ تھا۔ میں نے بچیوں کو موبائل نمبر بھی دینا شروع کر دیے اور ان کو قریب لانے کے لیے میں نے ان سے موبائل پر بات چیت بھی شروع کر دی۔ انہی اسٹوڈنٹس میں ایک رملہ بھی تھی۔

میں رفتہ رفتہ اس سے اتنی باتیں کرنے لگی وہ میری پکی فین ہو گئی۔ کبھی کبھی باتیں کرتے ہوئے رات کے ایک دو بج جاتے۔ ان سب باتوں کا مقصد محض شہرت پانا تھا۔

رملہ اور میرا تعلق اس حد تک بڑھ گیا کہ ہمارا ایک دوسرے کے گھر آنا جانا ہو گیا۔ میری فیملی سے بھی اس کا تعارف ہوا۔ اس کا مجھے اعتراف ہے کہ یہ میری غلطی تھی بہت بڑی۔ میں نے اسے اپنے ماموں زاد سے ملوایا۔ عماد میرا بہت لاڈلا کزن تھا۔ یہ میری ایک اور بڑی غلطی ثابت ہوا۔۔۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ میرے علم میں لائے بغیر بالا ہی بالا ایک دوسرے سے میل ملاپ کر لیں گے۔ اگر مجھے ذرا بھی اندازہ ہوتا تو میں اسی وقت اس لڑکی کو اس کی اوقات یاد کرا دیتی۔ یوں بھی عماد کے لیے ہم نے ارفع (چھوٹی بہن) کا سوچ رکھا تھا مگر جب تک مجھے اندازہ ہوا، پانی سر سے اونچا ہو چکا تھا اب مجھے حالات کو پھر سے موافق کرنا تھا جو میں نے کیا۔ رملہ کے گھریلو حالات کچھ سازگار نہ تھے اور وہ اپنے والدین سے بے حد متنفر تھی۔ جب بچوں کو گھر میں محبت نہیں ملتی تو وہ اسے باہر ڈھونڈتے ہیں۔ پہلی شکل اسے محبت کی مجھ میں نظر آئی اور دوسری عماد کی صورت میں۔ میرا خیال تھا کہ وہ مکمل طور پر میرے زیر تسلط ہے مگر میرا یہ خیال اس وقت غلط ثابت ہوا جب مجھے پتا چلا ہے کہ عماد نے ارفع سے شادی سے انکار کر دیا ہے۔ وہ رملہ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ یہ جان کر مجھے سخت طیش آیا۔ پھر کس طرح میں نے عماد کو رملہ سے بدظن کیا۔۔۔ یہ مشکل مرحلہ تھا مگر میں کر گزری۔

اس کے بعد میں اپنی شادی کی تیاریوں میں مصروف ہو گئی اور رملہ بھی اپنا سیکشن تبدیل کروا کر دوسرے سیکشن میں چلی گئی۔

ہوش مجھے تب آیا، جب بہت مہینوں بعد میری ایک بہت کلوز فرینڈ کی کال آئی اور اس کے منہ سے

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

میں نے جو کچھ سنا' میرے چھکے چھڑا گیا۔ میری پرسنل لائف سے متعلق باتیں' جو رملہ نے غصے میں اس سے کیں اب وہ میرے سامنے دہرا رہی تھی اور مجھے جج کرنے میں سیکنڈ بھی نہ لگا کر یہ سب کس کے طفیل اس کو معلوم ہوا ہے۔ رملہ کو میرے سسرال کے متعلق بتانے والی کوئی اور نہیں عاطرہ فرقان تھی۔ عاطرہ فرقان۔۔۔ بظاہر معصوم دکھنے والی شاطر لڑکی۔

اپنی شادی کے بعد دوبارہ جوائننگ کے ساتھ ہی میں اپنی شادی کی تصاویر لے کر گئی تھی۔

"انشراح! آپ کی شادی شاہنواز کالونی میں ہوئی ہے نا؟" میں نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ مبہم سا مسکرا کر بولی "آپ کی یہ والی نند یار گلہ اسکول میں جاب کرتی ہیں؟" میں دوبارہ چونکی تھی۔

"ہاں۔۔۔ آپ کو کیسے پتا؟"

"میں جانتی ہوں۔۔۔ آپ کی مدران لاء اور سسٹران لاء سے ایک بار ملاقات ہوئی تھی میری۔" میں بمشکل مسکرا پائی تھی۔ مصنوعی مسکراہٹ ہونٹوں پر چسپاں کرنا کس قدر مشکل ہوتا ہے یہ مجھے تب پتا چلا ہے مگر میں خود کو کمپوز کر لینے میں کمال رکھتی تھی۔

"آپ بھی شاہنواز کالونی رہتی ہیں؟" میں نے اپنے کچھ دیر پہلے کے تاثر کو زائل کرنے کے لیے سوال کیا۔

"جی۔" وہ ہلکے سے مسکرائی تھی۔

میں کسی طور نہیں چاہتی تھی کہ کوئی میرے ان لاز کے متعلق کچھ بھی جانے۔ میرا تعلق بلاشبہ بہت اچھے گھرانے سے تھا۔ بہت کم عمری میں ہی میرے بہت سے رشتے آنے لگے تھے مگر میری خود پسند طبیعت کے باعث مجھے ڈاکٹرز اور انجینئرز کے رشتوں میں بھی نقص دکھ جاتے تھے۔ ہر رشتے پر انکار کرتے کرتے میری عمر تیس کی دہائی سے جا لگی اور تب فائق کا رشتہ آیا جو گورنمنٹ سیکٹر میں تھے۔ اس رشتے میں بھی ہزاروں نقص تھے اور کسی لحاظ سے میرے معیار پر نہ اترتا تھا مگر جب لڑکی کی عمر زیادہ ہونے لگتی ہے تو لڑکیوں اور ان کے ماں باپ کے نخروں کا گراف نیچے آنے لگتا ہے اس لیے میرے گھر والوں نے مجھ پر زور دیا کہ اب میں اس رشتے سے انکار نہ کروں۔ نجانے ابا کو اس رشتے میں کیا دکھا تھا؟ نہ ہی ان کا اپنا گھر تھا اور نہ ہی رہن سہن ہمارے مطابق تھا۔ سب سے بڑھ کر فیملی بھی بہت بڑی تھی' مگر ابا نے یہ باور کرایا کہ جلد ہی وہ اپنا گھر خرید لیں گے اور ابا مجھے جہیز میں ہر چیز دیں گے حتیٰ کہ وہ میری پسند کی گاڑی بھی مجھے دیں گے تاکہ میری لائف ایسی ہی رہے' مگر اب میں اس رشتے سے انکار نہ کروں۔ سو چار و ناچار مجھے ماننا پڑا۔

اپنے اسٹاف میں' میں نے یہی تاثر دیا تھا کہ میں ایک کھاتے پیتے گھرانے میں ہی بیاہ کر آئی ہوں۔ میں کسی طور اپنے وقار کو کم ہوتے نہیں دیکھ سکتی تھی مگر اب یہ عاطرہ نہ جانے کہاں سے ٹپک پڑی تھی' جو میرے سسرال والوں کو جانتی تھی۔

میں نے اس روز گھر آ کر اپنی ساس سے عاطرہ کی بابت استفسار کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ فائق کے لیے وہ عاطرہ کو بھی دیکھنے گئی تھیں' مگر انہیں دراز قد بہو درکار تھی لہٰذا اس کو پسند کیے بنا آ گئیں مگر میں بخوبی جانتی تھی کہ میری ساس نے میرا رشتہ کیوں کیا؟ میری فیملی کے اسٹیٹس اور میری ماڈرن لک کی بدولت۔ تب ہی وہ ہر آئے گئے کے سامنے مجھے بڑے فخر سے متعارف کرواتیں کیونکہ اس سے ان کی اپنی شان میں جو اضافہ ہوتا تھا۔ بہرحال جب میری دوست پلوشہ نے مجھے وہ سب باتیں بتائیں جو رملہ نے مجھ پر غصہ ہونے کی بدولت اس سے کیں تو مجھے عاطرہ پر اس قدر غصہ آیا کہ میرا دماغ ہی گھوم گیا۔

چھٹیوں کے بعد تو میں نے جاتے ہی اسے آڑے ہاتھوں لیا۔ سوالات کی بوچھاڑ نے اس کا رنگ فق کر دیا۔

عاطرہ کے ہر ہر انداز سے مجھ پر ظاہر ہو گیا کہ وہ ٹھیک ٹھاک دباؤ میں آ گئی ہے اور میرا مقصد بھی یہی تھا تاکہ آئندہ وہ اپنی معلومات اپنے پاس ہی رکھے۔

نجانے کتنے ماہ میں نے عاطرہ پر نگاہ غلط بھی نہ ڈالی۔۔۔ رملہ سے تو میرا کانٹیکٹ بالکل ہی ختم تھا۔

حالانکہ اس نے دوبارہ مجھ سے رابطہ کر کے معافی مانگی تھی۔ مگر معاف کرنا میری سرشت میں نہیں تھا۔ عماد نے ارفع سے شادی سے انکار کر دیا۔ اگر ارفع دنیا کی آخری لڑکی بھی ہوتی' تب بھی وہ نہیں کرے گا۔ مجھے دکھ تو ہوا بہت مگر چونکہ اس میں میرا ذاتی نقصان کوئی نہیں تھا۔ اس لیے مجھے زیادہ فرق نہیں پڑا۔

شادی کے نو ماہ گزر جانے کے بعد میں امید سے ہوئی۔ مگر ساتویں ماہ تک آتے آتے میری حالت مخدوش ہو گئی۔ اس روز میں نے ڈاکٹر سے ریگولر چیک اپ کے لیے جانا تھا' جب رات میں مجھے عاطرہ کی جانب سے ایک میسج موصول ہوا۔ اس نے میرے متعلق برا خواب دیکھا تھا اور وہ مجھے صدقہ دینے کا کہہ رہی تھی۔ میں نے اسے کچھ خاص رسپانس نہیں دیا مگر اس وقت امی کو فون کیا کہ وہ کام والی ماسی کو میرا صدقہ بھجوا دیں۔ اگلے دن ڈاکٹر نے مجھے یہ بری خبر سنائی کہ میرا کیس بہت مشکل ہے۔ میرے بے بی کی گروتھ نارمل نہیں ہے۔ اس لیے وہ جلد از جلد آپریٹ کرنا چاہتی ہے۔ یہ سب سن کر میری جو کیفیت تھی وہ ناقابل بیان ہے۔

آپریشن کے بعد میں ایک نحیف سے بچے کی ماں بنی۔ وہ نرم و نازک سا وجود جو میرے اندر سات ماہ سانس لیتا رہا' اب میرے سامنے تھا اور جس تکلیف سے تڑپ رہا تھا' اس سے کہیں زیادہ تکلیف مجھے تھی۔ بمشکل آدھا گھنٹہ ہی وہ دنیا میں جی پایا اور پھر اس کی موت کے ساتھ ہی میری ذات کا وہ پہلا بت بھی گر گیا جو میرے اندر پورے قد سے کھڑا تھا۔ دکھ اور صدمے کی شدت اتنی زیادہ تھی کہ میں اپنے گھر والوں سے بھی بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔

کچھ تکالیف ایسی بھی آتی ہیں جو بانٹنے سے بھی ذرا کم نہیں ہوتیں۔ میرے سارے گھر والے' سسرال والے' میرے شوہر سب میرے سرہانے کھڑے تھے مگر کوئی میری اس تکلیف کا ایک لمحہ بھی کم نہیں کر سکتا تھا۔ اس وقت تو جو میری حالت تھی مجھے اپنا آپ اتنا اکیلا محسوس ہو رہا تھا کہ مجھے اپنی ماں کے بھی اپنے پاس ہونے سے کسی قسم کی ڈھارس نہ مل رہی تھی۔ زندگی میں کوئی نہ کوئی لمحہ ایسا ضرور آتا ہے جب سب کچھ ہوتے ہوئے بھی ہم خالی ہو جاتے ہیں۔ میں بھی خالی ہو گئی تھی۔۔۔ کوکھ سے بھی اور دل سے بھی۔

اگلے روز شام میں میرے موبائل پر عاطرہ کا میسج آیا۔ وہ میرے بچے کا افسوس کر رہی تھی اور میری طبیعت کے بارے میں استفسار کر رہی تھی۔

ہاتھ میں نعمت آ کر چھن جانا کبھی نہ ملنے والی نعمت سے کہیں زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔ مجھے اللہ سے بہت سے شکوے تھے' شکایات تھیں۔ اس رات میں نے فیصلہ کیا کہ میں اللہ کے ساتھ وقت گزاروں گی۔ میں نماز کے ساتھ ساتھ قرآن پڑھنا شروع کروں گی۔ وہ فیصلہ نجانے کیسے ہوا' مگر مجھے مطمئن کر گیا تھا۔

اس رات میں خوش تھی اور اگلے ہی روز صبح ہی صبح مجھے عاطرہ کا میسج آیا۔ اس نے پھر مجھے خواب میں دیکھا تھا۔۔۔ نماز پڑھتے اور بے حد خوش۔

میں اس کا میسج پڑھ کر گنگ رہ گئی تھی۔ بارہا میں نے اس کا میسج پڑھا۔ ایسا کیسے ہو سکتا تھا کہ جو میرے ساتھ بیت رہی ہوتی تھی' وہ اسے خواب میں دکھا دیا جاتا تھا۔ آخر ایسا کیا تھا اس لڑکی میں' جو اللہ اسے میرے متعلق مطلع کرتا تھا۔

مجھے خود کیوں یہ خواب نہ آتے؟ اور اسے ہی کیوں؟ کوئی اور کیوں نہیں؟

مگر اتنا تھا کہ اس کے ذریعے مجھے وہ راستہ دکھ رہا تھا جو میری آنکھوں میں دھندلا گیا تھا۔ اس نے مجھ سے پھر معافی مانگی تو میں نے کہہ دیا کہ میں بھول گئی ہوں سب۔۔۔ مگر سچ تو یہ تھا کہ میں بھولی نہیں تھی۔ میں نے کہا تاکہ میں ان لوگوں میں سے ہوں جو نہ معاف کرتے ہیں اور نہ ہی کوئی رعایت دیتے ہیں اور ابھی میری ذات کا محض ایک بت گرا تھا۔ باقی بت اسی طرح ایستادہ تھے۔

☼ ☼ ☼

ایک ماہ بعد جب میں دوبارہ اسکول گئی تو اس نے

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

مجھے ایک کتاب تحفے میں دی تھی۔ گھر آکر میں نے اس کتاب کو پڑھنا شروع کیا۔ اس کے بہت سے جملے دل میں اترتے محسوس ہوئے۔ کبھی کبھی جو بات انسان خود کو نہیں سمجھا پا رہا ہوتا وہ کسی دوسرے کے لکھے جملے سے سمجھ آجاتی ہے۔

میں کتابوں کی رسیا نہ تھی، مگر اس کتاب سے جیسے میرا دل بندھ گیا تھا اور شاید عاطرہ سے بھی... میں نے اسے تھینکس کا میسج کردیا۔

میری اور اس کے درمیان اب سب کچھ نارمل ہونے لگا تھا، مگر نجانے کیوں میں اسے دیکھتی تو مجھے رملہ یاد آتی اور وہ سب کچھ جو سب میری زندگی میں ہوا۔ رملہ کو میں کسی طور معاف نہیں کرسکتی تھی۔ مگر عاطرہ کے ساتھ میرا رویہ ویسا نہیں رہا تھا شاید ان خوابوں کی وجہ سے میرے دل میں اس کے لیے جو میل تھا، وہ کم ہوگیا تھا۔ میں اکثر اسے نوٹ کرنے لگی تھی۔ وہ نہایت کم گو اور لیے دیے رہنے والی لڑکی تھی۔ کبھی کبھی مجھے لگتا کہ جتنا میں اسے غلط سمجھتی ہوں وہ اتنا غلط نہیں ہے مگر اس نے تھوڑی ہی سہی غلطی تو کی تھی نا۔

انہی دنوں بڑی عید سے قبل اس نے مجھے کتاب اور پرفیوم کا تحفہ دیا۔

"کس خوشی میں؟"

میرے وجہ پوچھنے پر وہ کچھ دیر خاموش رہی تو خود بخود میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ یعنی وہ واقعی مجھ سے مرعوب ہوگئی تھی اور اپنی اس اہمیت پر تو میرا دل ویسے ہی بڑا خوشی محسوس کرتا تھا۔ اپنی ذات کے زعم میں یہ سمجھ ہی نہ پائی کہ وہ میری اصلاح کے لیے مجھے ایسی کتابیں گفٹ کرتی ہے۔ میری روح کی بالیدگی کے لیے۔

☼ ☼ ☼

وقت بہت بڑا مرہم ہوتا ہے، وقت کے ساتھ ساتھ انسان وہ سارے وعدے بھول جاتا ہے جو وہ خود سے کرتا ہے یا جو وہ خدا سے کرتا ہے۔ میں بیٹے کا دکھ نہیں بھولی، مگر میں اس دکھ میں کیے وہ سارے وعدے بھول گئی جو میں نے اللہ سے کیے تھے۔ وہ وقت کبھی نہیں آیا جب میں قرآن پڑھنا شروع کرتی اور اللہ کے آگے سجدہ ریز ہوتی۔ جب میں اللہ کی شکر گزار نہ بن سکی تو اس شخص کی کیسے بنتی جو مجھے اللہ سے جوڑنے کی سعی کرتی رہی۔

اپنی ذات کے زعم میں، میں نے ایک بار وہ سب پھر دہرا دیا جو مجھے نہیں دہرانا چاہیے تھا۔ اس دن میں اور فضیلت اسٹوڈنٹس ٹیچر ریلیشن شپ پر بات کررہے تھے اسی دوران عاطرہ کلاس کے کربرابر والی ٹیبل پر آکر بیٹھی تھی۔ میں نے جان بوجھ کر بات کا رخ اس طرح سے موڑا۔

"فضیلت! ٹیچرز کو پروفیشنل ہونا چاہیے... اسٹوڈنٹس اور ٹیچر کے مابین ایسی بے تکلفی نہیں ہونا چاہیے کہ ٹیچر اس سے اپنے پرسنل پرابلمز ڈسکس کرے یا پھر کسی دوسرے کولیگ کے پرسنل میٹرز اس سے شیئر کرے۔" میرے ان الفاظ کا اثر اس کے سرخ پڑتے، جھکے ہوئے چہرے سے ہویدا تھا۔

"کچھ ٹیچرز یہ کام کرتی ہیں فضیلت! اور یہ حد درجہ چھچھورا پن ہے۔" میں وہ سب کہہ رہی تھی جو ایک زمانے میں، میں خود کرتی آئی تھی۔ جتنا میرا اسٹوڈنٹس سے کلوز انٹریکشن رہا تھا، شاید ہی کسی کا رہا ہو۔ وہ وہاں سے اٹھ کر چلی گئی اس دن کے بعد اس کے چہرے پر ہردم سنجیدگی چھائی رہتی۔ مگر میرے اندر کسی شرمندگی کا نام و نشان نہ تھا۔ وہ اس کا آخری ہفتہ تھا۔ اسکول میں...

جاتے ہوئے وہ مغموم سی مجھ سے گلے ملی تو میں نے اسے دعا دی تھی کہ خوش رہیں یاد رہیں گی آپ مجھے۔"

اس کے لبوں پر ایک اداس کی مسکراہٹ آکر ٹھہر گئی تھی جو مجھ سے بہت کچھ کہہ رہی تھی۔ اس کی شادی پر میرا دل ہی نہ چاہا جانے کا اور پھر دو ماہ بعد مجھے معلوم ہوا کہ وہ مسقط چلی گئی ہے۔ اور اس کے چلے جانے کے بعد پے در پے اللہ نے میرے منہ پر ایسے تھپڑ مارے کہ میرے اندر کھڑے سارے بت پاش پاش ہوگئے انانیت، تکبر، حسد، بغض، خود پرستی، خود پسندی سارے بت ایک ایک کرکے زمین بوس ہوتے گئے۔

اسی رات مجھے خواب نظر آیا اور خواب میں، میں نے ایک پیارا سا چھوٹا سا بچہ دیکھا جو میرے قریب آتے آتے مجھ سے دور بھاگ گیا۔ میری آنکھ کھلی تو میں پسینے میں شرابور تھی اور میرا پورا وجود کانپ رہا تھا۔ اگلا پورا ہفتہ بہت اذیت ناک گزرا۔ میں نے وہ دونوں کتابیں نکال کر پھر سے پڑھنا شروع کردیں جو وہ مجھے تحفتاً دے گئی تھیں۔

"یہ کتابیں تمہیں عاطرہ نے دی ہیں؟" قدسیہ کتابوں کی ورق گردانی کرتے مجھ سے پوچھنے لگی تو میرے اثبات میں سر ہلا دینے پر وہ مسکرا دی۔

"بہت مخلص لڑکی تھی وہ۔ مجھے بھی اس نے یہ کتابیں تحفے میں دی تھیں، جب اماں کی ڈیتھ ہوئی تو۔ بڑی ڈھارس ملی تھی مجھے ان کتابوں سے۔ میں نے نماز پڑھنا شروع کی۔ قرآن شروع کیا تو خود بخود دل مطمئن ہوتا گیا اس نے اس سارے میں بڑی ہمت بندھائی تھی میری۔"

"بہت سادہ سی اللہ لوک بندی تھی۔ اماں نذیراں کو میرے طفیل پیسے بھجواتی تھی تاکہ اماں کو اس سے لیتے شرمندگی نہ ہو۔ اسے سچے خواب آتے تھے انشراح... اس کے اپنے متعلق نہیں دوسرے کے متعلق۔ اسے جیسے اللہ نے لوگوں کو گائیڈ کرنے کے لیے ایک قوت دی تھی۔"

میرا دل بہت نیچے کہیں ڈوب سا گیا۔ اللہ نے مجھے اس کے ذریعہ راستہ دکھانے کی کوشش کی تھی اور میں... وہ انسان کے روپ میں میرے لیے فرشتہ بن کر آئی تھی۔ اور میں نے کیا کیا۔ اس کی ایک غلطی کو سزا بنا ڈالا۔

ایک بات جو میں بیچ میں گول کرگئی ہوں، وہ یہ تھی کہ رملہ نے مجھ سے معافی مانگتے ہوئے مجھے بتایا تھا کہ اس نے بہت سی انفارمیشن میری کسی اور دوست کے توسط سے لی تھی۔

اب آپ سوچ رہے ہوں گے کہ یہ سارا ہنگامہ میں نے کیوں کھڑا کیا؟ وہ اس لیے کہ میں عاطرہ کو دباؤ میں رکھنا چاہتی تھی کیونکہ وہ میرے سسرال والوں کو جانتی تھی اور وہ کسی بھی وقت کسی کولیگ یا اسٹوڈنٹس سے کچھ بھی کہہ کر میرا امپریشن خراب کرسکتی تھی جو مجھے گوارا نہ تھا اور بہت سے اقدام تو میں نے اس حسد کی بدولت اٹھائے جس میں، میں مبتلا تھی۔ مجھے ہر جگہ چھا جانے کی عادت تھی اور وہ میرے سحر کو کم کرنے نجانے کہاں سے آن ٹپکی تھی۔ کیا تھا اس بکل بار عام سی لڑکی میں جو وہ میرے مدمقابل آکھڑی ہوئی تھی۔

جوں جوں فضیلت بولتی جارہی تھی، میرے منہ پر تھپڑ پڑتے جارہے تھے۔ میرے اندر ایستادہ بت ایک ایک کرکے گر رہے تھے۔ میں کیا تھی آخر اور خود کو کیا سمجھتی تھی؟ میں چھٹی کے وقت اماں نذیراں سے ملنے اسکول کے پچھواڑے ان کے کمرے میں گئی۔

"اماں جی! آپ جانتی ہیں، آپ کو پیسے کون بھجواتا تھا میڈم قدسیہ کے ذریعے؟"

اماں کا ہنستا مسکراتا چہرہ ایک دم مرجھا گیا۔

"ہاں... میں جانتی ہوں میڈم جی! میری وہ بیٹی جو اندھی ہے، اس نے مجھے بتایا تھا کہ وہ کون سی میڈم ہے۔ اسے خواب میں نظر آتا تھا۔ وہ صبح اٹھ کے مجھے بتاتی کہ وہ اس طرح ہے۔ اس کے بال اس طرح ہیں۔ وہ اس طرح لگتی ہے۔ جب میں نے غور کیا تو مجھے پتا چل گیا وہ میڈم عاطرہ تھیں۔"

مجھے لگا کہ میں جہاں تھی، وہیں منجمد ہوگئی۔ کیسے عجب کھیل تھے جو میرے سامنے قدرت رچا رہی تھی۔

میں نے کاغذ میں لپٹے چند ہزار ان کی طرف بڑھائے تو اماں نے ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔

"نہیں میڈم جی! نہیں۔ میڈم عاطرہ اب بھی ہمارا خرچا بھیجتی ہیں۔ ہمیں زیادہ ضرورت نہیں ہے۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

میں ناکام و نامراد لوٹ آئی اندر کی بے چینی میں یک دم اضافہ ہو گیا۔ اللہ نے مجھے اس قابل ہی نہ سمجھا تھا کہ میں اس کے کسی بندے کی خدمت کر سکوں۔۔۔ اس مقصد کے لیے اس نے مجھے چننے سے انکار کر دیا تھا تب ہی تو اماں نذیراں نے مجھ سے مدد نہیں لی تھی اور عاطرہ۔۔۔ وہی کیوں چنی جاتی تھی ہر بار۔۔۔ کیوں آخر؟

رات میری حالت بگڑ گئی جس کا نتیجہ میرے مس کیرج کی صورت میں آیا۔ میں پھر سے خالی ہو گئی تھی۔ اس روز میری ذات کا آخری بت بھی گر گیا تھا۔

انسان کا دل پتھر کی مانند ہوتا ہے اور بعض کا دل پتھر سے بھی بدتر، پتھروں سے پھر بھی خیر پھوٹ سکتی ہے۔۔۔ نہریں پھوٹتی ہیں جو علاقوں کو سیراب کرتی ہیں کچھ پتھر خشک اور بنجر ہوتے ہیں، مگر اللہ کی خوف کے باعث وہ بھی شق ہو جاتے ہیں، مگر انانیت اور بغض کے دل ان پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہو جاتے ہیں۔ حالات کے زلزلے بھی ان دلوں کو پھاڑ نہیں پاتے۔۔۔ نرم نہیں کر پاتے۔ میرا دل شاید ایسا ہی تھا۔ سخت، پتھر سے بھی سخت۔ اتنے زلزلوں سے بھی شق نہ ہوا۔ میری انا نے مجھے جھکنا نہیں سکھایا تھا، رحم کرنا نہیں سکھایا تھا۔ میں بھول گئی تھی کہ اللہ کی محبت تو انسانوں کی محبت سے ہو کر گزرتی ہے۔ میں بھول گئی کہ گناہ ہمارے دل کو اندھیرا کر دیتے ہیں۔۔۔ سخت کر دیتے ہیں۔ مجھے دوسروں کے گناہ یاد رہے اور اپنے گناہ بھول گئے۔ میں تو خود کو بھی دکھاوے کی مار مارنے کی عادی ہو گئی تھی۔ جب دل سخت ہو جاتے ہیں تو آپ جو چاہیں کریں۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ معاملہ اللہ کا ہے یا اس کے بندے کا۔

دوسری بار اپنا بچہ اپنی کوکھ میں ہی کھو جانے پر میں دوبارہ نارمل نہ ہو سکی۔ میں نے سائیکاٹرسٹ کے پاس جانا شروع کر دیا ہر مہینے ایک سیشن ہوتا تھا۔ اتنی ہیوی ڈوز لے کر بھی مجھے سکون نہیں مل رہا تھا۔ سکون شاید نہ ملتا۔ اگر اس روز عاطرہ کا فون نہ آتا۔

☼ ☼ ☼

"السلام علیکم۔۔۔ میں انشراح سے بات کر سکتی ہوں؟"

میں چونکی تھی۔ چونکنے کی وجہ وہ لب و لہجہ تھا جس پر مجھے کسی کا شائبہ گزرا تھا۔

"میں بول رہی ہوں۔" میں نے اٹکتے ہوئے کہا۔

"میں عاطرہ ہوں انشراح۔" شائبہ یقین میں ڈھل گیا۔

"کیسی ہیں آپ انشراح؟" اس نے پوچھا اور میں اسے کیا بتاتی کہ میں کیسی ہوں؟ لبالب آنکھیں بھر آئی تھیں۔

"میں ٹھیک ہوں۔ آپ کیسی ہیں؟" آواز کو رندھنے سے باز رکھتے میں نے بمشکل پوچھا۔

"اللہ کا کرم ہے بہت۔ میں پاکستان آئی ہوئی تھی بھائی کی شادی پر تو دل چاہا آپ سے بات کروں۔ پرسوں فلائٹ ہے میری۔"

میرا دل چاہا وہ میرے سامنے ہو اور میں اس سے لپٹ جاؤں۔۔۔ اس سے پوچھوں کہ پھر اسے کبھی کوئی خواب نہیں آیا میرے متعلق؟ اب اللہ اسے میرے متعلق نہیں آگاہ کرتے کہ اب میں کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟ کہاں سے سکون پاؤں؟

میں رو رہی تھی بے آواز آنسوؤں سے۔

"جاب کیسی جا رہی ہے؟"

میں بول نہیں پا رہی تھی۔ وہ بھی خاموش ہو گئی۔ خاموشی اتنی طویل ہوئی کہ مجھے لگا، رابطہ منقطع ہو گیا ہے۔ میں اسے سننا چاہتی تھی۔ میں نے گھبرا کر ہیلو کہا تو وہ بولی۔

"جی۔۔۔ میں یہیں ہوں۔ آپ کہیں جو کہنا چاہتی ہیں۔" پھر میں ضبط نہ کر سکی۔

"عاطرہ! میں ڈپریشن کا شکار ہو گئی ہوں۔ میں کیا کروں کہ مجھے سکون ملے؟" مجھے لگا وہی میری ڈاکٹر ہے۔ وہی علاج کرے گی میرا۔

"اللہ کے ذکر سے دلوں کو سکون ملتا ہے۔ اللہ کا ذکر کیا کریں۔" بہت ٹھہرا ہوا لہجہ تھا۔

"میں کرتی ہوں۔ میں نے نماز شروع کی ہے، مگر پھر بھی میں ٹھیک نہیں ہو پا رہی میں اور کیا کروں؟" میں زار و قطار رو رہی تھی۔

"میں انشراح فائق کیا کبھی کسی کے سامنے یوں کھل کر رو بھی سکتی تھی؟ وہ تھوڑی دیر خاموش رہی اور جب وہ بولی تو اس کی آواز بھیگی ہوئی تھی۔

"مجھے اور رملہ کو معاف کر دیں انشراح!"

میں سن ہو گئی۔

"دل سے معاف کر دیں۔"

جسم میں کرنٹ سا دوڑ گیا۔

"ہمارے گناہ اتنے بڑے نہیں تھے، جتنی آپ نے ہمیں سزا دی۔"

میں نے سزا دی تھی انہیں۔۔۔ میں نے؟ میں تھی کون بھلا۔۔۔؟ خدا تھی میں جو انہیں سزا دیتی؟

ہاں۔۔۔ انشراح فائق تم نے خود کو خدا ہی سمجھ رکھا تھا۔ جو شخص خود کو "سب کچھ" سمجھتا ہے وہ خود کو خدا ہی تو سمجھتا ہے۔ صرف خدائی کے دعوے دار ہی خدا نہیں بن بیٹھتے انا پرست اور خود پرست انسان بھی اپنی ذات میں خدا بننے کی کوشش کرنے لگتے ہیں۔

"رب دلوں میں بستا ہے انشراح! اور دلوں کو توڑا نہیں کرتے۔"

وہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔ دل میرا نہیں ٹوٹا تھا۔ دل تو مجھ سے ٹوٹا تھا بہت سوں کا۔۔۔

میں ہی تھی جس نے رملہ کو دوسروں کی نظروں سے گرایا۔

میں ہی تھی جس نے عاطرہ کو دوسروں کے ساتھ ساتھ اس کی اپنی نظروں میں بھی گرانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ میں نے رحم نہیں کیا تو میں خود کے لیے کیوں رحم چاہتی تھی؟

میں روتی رہی اور وہ بھی خاموشی سے مجھے، میری سسکیوں کو سنتی رہی۔

"انشراح! میں جب جب اپنے لیے دعا کرتی ہوں آپ کے لیے بھی کرتی ہوں تاکہ جو غلطی مجھ سے ہوئی اُس کا ازالہ ہو سکے۔"

میں جانتی تھی کہ وہ سچ کہہ رہی ہے۔

"میں نے معاف کیا عاطرہ۔۔۔ اللہ گواہ ہے کہ اس بار میں نے معاف کیا۔ آپ دونوں کو۔۔۔ آپ بھی مجھے معاف کر دیں۔"

"میں تو کبھی آپ سے خفا تھی ہی نہیں۔ آپ نے مجھے زندگی میں بہت کچھ سکھایا ہے۔ جن لوگوں کے دل لوگوں کی وجہ سے ٹوٹتے ہیں اُن کے دلوں کو اللہ خود جوڑنے کے اسباب پیدا کر دیتا ہے۔ مجھے کوئی شکوہ نہیں کوئی شکایت نہیں۔"

"میرے لیے دعا کرتی رہیے گا۔" برستی آنکھوں سے میں نے التجا کی۔

"ضرور کروں گی۔ اللہ پاک آپ کو خوش رکھے ہمیشہ۔" میں نے گہری سانس خارج کی۔

انسانوں کی رہنمائی کے لیے انسانوں میں سے ہی کسی کو چنا جاتا ہے۔ ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرنے والے ہی کامیاب ہیں۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ میری زندگی میں اک فرشتہ بس مجھے تھوڑی سی رہنمائی دینے آیا تھا۔ آگے کا رستہ تو یوں بھی صاف تھا۔

"اور پتھروں میں ایک قسم ہوتی ہے کہ جو بے حد سخت ہوتے ہیں، مگر اللہ کا حکم آنے پر گر جاتے ہیں، پھٹ پڑتے ہیں پھر ان سے بھی خیر پھوٹ سکتی ہے۔"

اور میں ان ہی پتھروں میں سے تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

آسیہ رزاقی

بڑی دل آزمائش

مکمل ناول

خلاف معمول خالہ کا کمرہ خالی تھا۔ نہ جانے کدھر چلی گئی تھیں۔ دوپہر کو تو وہ اپنے کمرے میں ہی رہتی تھیں۔ آرام کی دلدادہ۔ ان کے بیڈ کے ساتھ دوسرا بیڈ خالو کا ہوتا تھا۔ جواب موجود نہ تھا۔ گھر کے دوسرے لوگ بھی نظر نہ آئے۔ کچھ دیر انتظار کے بعد وہ باہر نکل آیا۔ لاؤنج میں آہٹ سن کر جھانک کر دیکھا۔ خالہ وہیں تھیں۔ آگے بڑھ کر دیکھا۔ وہ کونے میں کھڑی تھیں۔ خالو کی تصویر دیوار پر آویزاں تھی۔ خالہ اپنے دوپٹے کے آنچل سے تصویر کا شیشہ صاف کر رہی تھیں۔ کھنکار کر آگے بڑھا۔ خالہ نے مڑ کر دیکھا۔

"السلام علیکم خالہ۔۔۔ کیسی ہیں آپ اپنے کمرے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

سے کیوں نکل آئیں؟ یہ تو آپ کے آرام کا وقت ہے۔"

خالہ نے سرد آہ بھر کر کہا۔ "جیتے رہو بیٹا۔ آرام اب قبر میں ہی ملے گا۔"

ارے۔۔۔ خالہ کے لہجے میں مایوسی۔۔۔ آواز میں نقاہت۔۔۔ ارے یہ کون سا انداز تھا۔ وہ دو سال پہلے کی دبنگ منہ زور خالہ کہاں گئیں۔ دو سال پہلے تک۔۔۔ ان کے اشارے پر سب گھر والے سر جھکاتے تھے۔ ان کی زبان سے نکلا ہر لفظ حکم کا درجہ رکھتا تھا۔ ان کی کڑکتی ہوئی گونج دار آواز۔۔۔ غصیلا لہجہ۔۔۔ اتنا مرجھایا ہوا کیوں تھا۔

"خالہ! خیر ہے؟ آپ اتنی کمزور کیوں ہو رہی ہیں۔ چلیے کمرے میں۔" آگے بڑھ کر انہیں تھام لیا۔ نہ جانے اتنی جلد کیوں ہمت ہار گئیں۔ افسوس ہوا۔ کمرے میں لا کر بٹھایا۔

"بس بیٹا! اب عقل آئی ہے۔ اندازہ ہی نہ تھا کہ ریاست کا سربراہ نہ رہے تو وزیروں کی حکومت بھی نہیں رہتی۔" ہائیں۔۔۔ سربراہ۔۔۔ وزیر۔۔۔ خالہ کو بھلا امور سلطنت سے کیا واسطہ بہک گئی ہیں کیا؟

"خالہ! کیا بات ہے؟ کس سربراہ کا ذکر کر رہی ہیں آپ۔۔۔ کس کی حکومت ختم ہو گئی؟" ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر محبت بھرے انداز میں پوچھا۔

"تمہارے خالو تھے سربراہ۔۔۔ حکومت میری تھی۔ میں سلطنت کی وزیراعظم تھی۔ میرا سکہ چلتا تھا۔ سب عارضی تھا۔ میں بھول گئی تھی۔ میں محض کارندہ ہوں۔ حکومت تو سربراہ کی ہوتی ہے۔ وہ مالک مختار تھے گھر کے تمام امور کے۔ میں۔۔۔ اب ناکارہ وجود ہوں۔۔۔ جس کی کوئی حیثیت نہیں۔"

خالہ ہاتھ جھٹکتی باتھ روم میں چلی گئیں۔ وہ حیران کھڑا رہ گیا۔ پھر کمرے سے باہر نکل آیا۔ کتنا اجنبی رویہ تھا خالہ کا۔ کھوئی کھوئی سی۔۔۔ کیا ہو گیا ہے خالہ کو؟

انور بھائی نے پکارا۔

"آؤ۔۔۔ آؤ۔۔۔ چائے بن رہی ہے اور سموسے بھی گرم ہیں۔" انہوں نے اسے گلے لگایا۔ "کب آئے اور کب سے یہاں کھڑے ہو؟"

"کچھ دیر پہلے آیا تھا۔ خالہ سے ملا' انور بھائی! خالہ بہت ست اور کمزور لگیں' اداس سی۔"

"بس یار۔۔۔" افسردگی سے بولے۔ "امی پر ابو کی فوتگی کا بہت اثر ہے۔ خاموش ہو کر رہ گئی ہیں۔ ہم تو بہت چاہتے ہیں کہ وہ پہلے کی طرح سب سے کھل مل کر رہیں۔ مگر وہ چپ سی ہو گئی ہیں۔" انور بھائی متفکر تھے۔

اشعر آ کر ملا۔ عادل نے اس سے بھی خالہ کا ذکر کیا کہ وہ ست اداس سی ہو گئی ہیں۔ اشعر لاپروائی سے بولا۔

"بھئی عمر کا تقاضا ہے۔ اب وہ بوڑھی ہو گئی ہیں۔ کیا لان میں کد کڑے لگائیں۔ اللہ اللہ کرنے کے دن ہیں اب۔ مگر وہ ابو کی تصویر کے شیشے صاف کرتی رہتی ہیں۔ حالانکہ اس پر تو کوئی داغ بھی نہیں ہے۔ مگر وہ۔۔۔ اپنی محبت کا اسی طرح اظہار کرتی ہیں' بڑھاپے کی محبت۔۔۔"

"یار۔۔۔ ان کے سامنے بڑھاپے کا ذکر نہ کیا کرو۔"

"اچھا۔۔۔" وہ طنز سے ہنسا۔ "تو کیا جوانی یاد دلایا کروں؟"

"بھئی۔۔۔ بزرگ ہیں۔۔۔ ان کا احترام کرو۔۔۔ عزت سے پیش آؤ۔۔۔ اسی طرح جیسے پہلے کرتے تھے۔ تاکہ انہیں اپنی اہمیت کا احساس ہو۔ انہیں خوش کرنے کی کوشش کرو۔"

"او چھوڑو گزری ہوئی باتیں۔ جب تک ابا رہے وہ سب پر حکم چلاتی رہیں۔ ہم پر بھی۔ ابا پر بھی اب ابا تو رہے نہیں ۔۔۔ کون ان کا حکم مانے گا؟ انسان کو اپنی حیثیت کا خود احساس ہونا چاہیے' مگر وہ نہ جانے ہم سے کیا چاہتی ہیں کہ ہم پہلے کی طرح ان کے غلام بنے رہیں۔ ابا پر بھی ہمیشہ حکم چلایا۔"

عادل کو افسوس ہوا۔ "نہیں وہ صرف محبت چاہتی

ہیں اور یہ تو ہر ذی روح کی خواہش ہوتی ہے۔ بہرحال ان کا بلند مقام ہے۔ وہ جو چاہتی ہیں۔ انہیں تم نہیں دو گے تو کون دے گا؟"

اشعر سموسہ کھاتا رہا۔ چائے پیتا رہا۔ انور بھائی بھی متاسف سے تھے۔

عادل اٹھ کر خالہ کے پاس آگیا۔ چپ چاپ چائے پی رہی تھیں۔ پہلے وہ اتنی دیر خاموش کب رہتی تھیں۔ بولتی رہتی تھیں یا کسی پر خفا ہوتی رہتیں' مگر۔۔۔ اب وہ وقت گزر چکا تھا۔ عادل ان سے باتیں کرنے لگا' امی کی ابا کی بھائی بہن کی' اپنی تنہائی کی۔

خالہ نے سرد آہ بھر کر کہا۔ "اب میں تم سے یہ تو کہہ نہیں سکتی کہ تم یہیں آجاؤ۔ میرے پاس میرے ساتھ رہو' وہاں اکیلے پڑے ہو۔"

عادل نے لگاوٹ سے کہا۔ "کیوں خالہ۔۔۔ کیوں نہیں کہہ سکتیں۔ آپ حکم کریں' لیکن خالہ! دراصل میں اسے مناسب نہیں سمجھتا' ٹھیک ہے' آپ میری خیر خواہ ہیں' آپ کے ساتھ رہ کر مجھے خوشی ہوتی' لیکن میں نے جو مکان لیا ہے۔ وہ آفس کے نزدیک ہے۔ یہاں سے آفس دور پڑے گا۔ یہاں سے سواری ملنا بھی مشکل ہے' اس لیے وہیں ٹھیک ہوں۔"

خالہ نے سرہلایا۔ "سچ کہا' خیر۔۔۔ آتے رہا کرو' اتنے عرصے بعد تو اتفاق سے یہاں آگئے ہو۔ نوکری کی وجہ سے' چھٹی کے دن میرے پاس آجایا کرو' اشعر تو دوستوں کے ساتھ چھٹی گزارتا ہے۔ انور کے بیوی بچے کہیں چلے جاتے ہیں' میں گھر میں اکیلی۔۔۔ بولایا کرتی ہوں کہ کیا کروں؟"

"تو خالہ! نازلی کو بٹھایا کریں اپنے پاس۔ وہ ہے کہاں؟ نظر نہیں آئی۔"

"ہو گی کمپیوٹر میں غرق۔۔۔ اے بھئی' ان کے الگ نخرے ہیں۔ چھٹی کے دن کالج کا کام ہوتا ہے۔"

"خالہ! آپ اسے اپنے پاس بلا لیا کریں۔ کمپیوٹر سمیت۔۔۔ یہیں بیٹھ کر کرلے جو بھی کام ہو۔"

"ارے بیٹا! وہ تو میرے کمرے میں جھانکتی تک نہیں کہ کہیں میں اسے کوئی کام نہ بتا دوں۔"

"پھر بھی اسے ساتھ بٹھایا کریں۔ ڈانٹ کر کچھ سیکھ لے گی آپ سے دراصل ان لڑکیوں کو اہمیت جتانے کا شوق ہوتا ہے۔ آپ اسے اہمیت دیں گی' تو وہ خوش ہوگی۔"

"بیٹا! ماں' بیٹی کو اپنی اہمیت کا احساس دلائے؟ ایسا کہیں ہوتا ہے۔ اسے خود میری اہمیت کا احساس ہونا چاہیے۔"

عادل جھینپ گیا۔ واقعی' پھر بھی اس نے نازلی کو سمجھایا۔ اشعر کا لہجہ بھی کھٹک رہا تھا۔ خالو کے بعد اولاد کو ماں کی دل دہی کرنا چاہیے۔ دراصل زیادہ نقصان تو خالہ کا ہوا تھا۔ مگر کسی کو احساس ہی نہ تھا۔ ہر ماں کو اولاد سے توقعات ہوتی ہیں۔ یہ کیسی اولاد تھی۔ ماں کو تنہا چھوڑ دیا۔

کیا رعب اور دبدبہ تھا۔ شوہر بیوی پر نثار' اولاد تابع فرمان اب قلعی اتر گئی تھی۔ خالہ تنہا رہ گئی تھیں۔ روز اس توقع کے ساتھ صبح کرتی ہوں گی کہ کوئی بیٹا' بیٹی ان کی دل دہی کے لیے پاس آ کر بیٹھے گا۔ ان کی تنہائی رفع کرنے کی کوشش کرے گا مگر نہ بیٹی کو خیال تھا' نہ اشعر کو' بلکہ اشعر تو مضحکہ اڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔ انور بھائی حساس آدمی تھے۔ مگر ان کا زیادہ وقت آفس میں گزرتا۔ ان کی بیگم گھر میں مصروف' بچے دادی کے رعب سے قریب نہ آتے۔ ان کو خبر نہ تھی کہ اب دادی سخت مزاج نہیں رہیں۔ سب کے ساتھ چائے پی کر وہ چلنے لگا تو خالہ نے دل گیر لہجے میں کہا۔

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"بیٹا! چھٹی کے دن میرے پاس آجایا کرو۔" وہ خاصی اداس تھیں۔

وہ باہر نکلا' بچے کھیل رہے تھے۔ ان سے چند پیار بھری باتیں کرکے انہیں دادی کے ساتھ کہانی سننے کی ترغیب دے کر بولنگ بیٹنگ میں کچھ دیر لگا کر گھر آگیا۔ مگر رات تک خالہ کی تنہائی کھٹکتی رہی۔

وہ روز ان کے پاس نہیں جاسکتا تھا۔ آفس کے کام گھر اور آفس سے خالہ کا گھر کافی فاصلے پر' گھر آنے کے بعد کہیں بھی جانے کی ہمت نہ ہوتی۔ فکر بہت تھی۔ کیا دبدبہ تھا ان کا۔ خالو بھی ان کے حکم کو سراہتے تھے اور خالو کی محبت کو وہ چاپلوسی کہہ کر مسکراتیں۔ اولاد بھی تابع فرمان' مگر اب تو۔۔۔ جیسے ان کا سایہ ہی باقی رہ گیا تھا' کیا نیرنگی زمانہ ہے۔

بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے۔

☼ ☼ ☼

پنڈی سے امی کی کال آئی تو عادل نے خالہ کا حال بتایا تو بولیں۔

"بس بیٹا! دنیا اسی کا نام ہے۔ اب شوہر نہیں رہا۔ جس کی وجہ سے راج کررہی تھی۔ ابھی صدمے میں ہے۔ کچھ دن گزریں گے صبر آجائے گا۔"

ہاں واقعی۔۔۔ صبر بھی آتے آتے آئے گا۔ بقول شخصے۔ عادل نے ایک لڑکا ملازم رکھ لیا تھا۔ گھر کے سب کام کرلیتا تھا۔ شریف' ایمان دار لڑکا تھا۔ شام کی کلاس میں پڑھنے جاتا تھا۔ رات کو آکر بقیہ کام کرلیتا۔ عادل بھی اس کی پڑھائی میں مدد کردیتا تھا۔ وہ ممنون ہوتا عادل نے تنہائی سے عاجز آکر ٹی وی لے لیا۔ اب شامیں بور نہیں رہیں۔

جاب بہت اچھی تھی۔ مکان بھی آفس کی طرف سے ملا تھا۔ دو کمروں کا گھر تھا۔ آفس کا ایک اور ساتھی بھی عادل کے ساتھ رہائش پذیر تھا۔ اس لڑکے کی نائٹ ڈیوٹی ہوتی تھی۔ وہ صبح آکر ناشتا کرکے سوجاتا' تو سہ پہر سے پہلے نہیں جاگتا تھا۔ کبھی تو عادل آکر اسے جگاتا' وہ بھی شام کو ٹی وی دیکھتا رہتا' پھر کام پر چلا جاتا۔

جمشید رحمان اس کا بچپن کا دوست تھا۔ چند سال پہلے وہ انگلینڈ چلا گیا تھا۔ پچھلے ہفتے اس کا فون آیا۔ واپس آگیا تھا۔ اس نے فون کیا۔ "ملنے ملانے سے فراغت ملی تو تم سے ملنے آؤں گا یا تم کو آنا پڑے گا۔"

عادل کو اس کی واپسی کی خبر سے بہت خوشی ہوئی۔ بہت ہی اچھا' خیر خواہ' وفادار' غم گسار' جگری دوست اسکول سے کالج تک دوستی رہی۔ پھر انگلینڈ سے بھی برابر فون کرکے اپنے مشاغل اور مصروفیات سے آگاہ کرتا رہتا۔ اس کی فیملی کی رہائش خانیوال میں تھی۔ مگر وہ خود اپنے بے اولاد چچا کے ساتھ لاہور رہتا تھا۔ اس کے انگلینڈ جانے کے بعد چچا بھی فوت ہوگئے۔ اس لیے جمشید اب خانیوال ہی چلا گیا۔

عادل کے والد کی جاب لاہور میں تھی۔ اس لیے سب یہیں رہے۔ لیکن دو تکلیف دہ واقعات ایسے ہوئے کہ عادل کے والد واپس پنڈی اپنے آبائی گھر چلے گئے۔

عادل کی چھوٹی پھپھو صالحہ دوران تعلیم ایک نوجوان سے متعارف ہوئیں۔ وہ بھی انہیں پسند کرنے لگا۔ پھپھو کے کہنے پر لڑکا رشتہ لایا۔ ابا کے اصرار پر اپنے والدین کو بھی لے آیا۔ ابا کو یہ رشتہ پسند نہ تھا۔ لیکن صالحہ پھپھو۔۔۔ ان کی خواہش وہ بہت سادگی' بلکہ بددلی سے انہیں رخصت کرنے پر مجبور ہوگئے۔ دوسری جانب بھی ایسا ہی اکھڑا ہوا رویہ تھا۔ نکاح کے لیے چند مرد آئے اور صالحہ پھپھو ان کے ساتھ رخصت ہوگئیں۔

شادی کے بعد دوبارہ وہ ملنے آئیں شوہر کے ساتھ۔ گھر والوں کی بے اعتنائی دیکھ کر دلبرداشتہ ہوگئیں اور پھر ان کی کوئی خیر خبر نہ آئی۔ نہ جانے وہ کہاں چلی گئیں۔ ابا' اماں بھی پنڈی چلے گئے۔

لیکن۔۔۔ ایک واقعہ اور بھی ان لوگوں کے جانے کا باعث بنا۔ وہ تھا بڑی آپا ارم' جو کالج کے زمانے میں ایک پیر کی مرید بن گئیں۔ ہر وقت ان کے لبوں پر پیر صاحب کا ذکر ہوتا۔ عجیب سی باتیں کرنے لگیں۔ سمجھانے کا بھی کوئی اثر نہ ہوا۔ ابا گھبرا گئے۔ غرضیکہ

وہاں جاکر آپا کی شادی بھی کردی۔ مگر۔۔۔ پنڈی میں بھی کوئی دوسرا پیر مل گیا۔ دوسرے کے بعد تیسرا بھی۔ پنڈی سے باہر بھی کئی پیران کے شناسا ہوگئے۔ یہ سلسلہ چلتا رہا۔ اب بھی چل رہا تھا۔ نہ جانے ان پر کس پیر نے ایسا جادو کیا کہ وہ شوہر اور بچوں سے بھی لاپروا رہنے لگیں اور اب تو۔۔۔ میکے میں رہائش اختیار کرلی تھی۔ بلکہ اب بہت بااختیار ہوگئی تھیں۔ ان کے مشاغل سے سب گھر والے نالاں تھے۔ جب جی چاہتا یا بقول ان کے 'پیر صاحب کا حکم ہوتا۔ وہ کہیں بھی چلی جاتیں۔

ابا نے بہت سمجھایا۔ گھر اور شوہر کے فرائض یاد دلائے' لیکن ان پر اثر نہ ہوا۔

اب تو خاندان کے سب لوگ ان سے واقف ہوچکے تھے اور اکثر ان سے ملنے میں پہلوتہی کرنے لگے۔ وہ خود بھی کسی سے مل کر خوش نہ ہوتیں۔

☼ ☼ ☼

جمشید کا فون آگیا۔ "فوراً" چھٹی لے لو اور روانہ ہوجاؤ۔ میری شادی میں تمہاری شرکت لازمی ہے۔ تفصیل آکر معلوم کرنا۔ شدید ٹینشن اور مصروفیت ہے۔"

عادل نے بھی زیادہ تفصیل نہیں پوچھی۔ شادی' بس یہ کافی تھا کہ اس کی شرکت ہونی لازمی ہے۔ دوست سے ملاقات کی خوشی' وہ "فوراً" روانہ ہوگیا۔

اسٹیشن پر جمشید موجود تھا۔ گھر پہنچنے تک وہ کافی باتیں کرچکے تھے۔ گھر کے مردانے میں کئی کمرے تھے۔ وہیں ایک کمرہ اسے مل گیا' اسے دو نوجوانوں کے سپرد کرکے جمشید اندر چلا گیا۔ نہا دھو کر تیار ہوا۔ چائے لوازمات کے ساتھ آگئی۔ جمشید بھی آگیا۔ کچھ الجھا ہوا پریشان سا۔

"کیا پریشانی ہے؟ شادی سے پہلے فکریں۔"

"نہیں۔۔۔ مسئلہ کچھ اور ہے۔" دبی زبان سے بولا۔ "معاملہ کچھ بگڑ گیا ہے۔"

"ہیں؟ کیا مطلب۔" عادل کو خاصا الجھا ہوا سا لگا۔

"یار۔۔۔ شادی کھٹائی میں پڑگئی ہے۔" اس نے پراسرار طور پر آواز نیچی رکھی۔

"ارے۔۔۔ کیا ہوگیا۔۔۔ یعنی کہ۔۔۔"

"پریشان نہ ہو۔۔۔ شادی جہاں ہونی تھی وہاں نہیں ہورہی۔ مگر ہونی ہے' کل ہی۔"

"اچھا۔۔۔ یہ کیسے؟"

"یہی تو الجھن ہے۔ جہاں طے ہوئی تھی۔ وہ زمین دار لوگ ہیں۔ انہوں نے شرط لگادی کہ نکاح سے پہلے ان کی لڑکی کو پراپرٹی میں حصہ دیا جائے۔ یہ بات ابا کو منظور نہیں' اس لیے ابا کا اصرار ہے کہ میں ان کی یتیم بھتیجی سے شادی کرلوں۔ جس کی ساری عمر ہمارے گھر میں گزری ہے' مجھے یہ منظور نہیں' دراصل میں کسی اور کو پسند کرتا ہوں۔ ابا نے مجھ سے رائے لیے بغیر اپنی مرضی سے شادی ٹھہرادی تھی۔ میں نے شکر ادا کیا کہ ٹوٹ گئی' مگر اب یہ تجویز بھی ناقابل عمل ہے۔"

عادل کو گھبراہٹ ہونے لگی۔ گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔

جمشید سوچ کر بولا۔ "ابا سے بات کرتا ہوں۔" اور متفکر سا باہر نکل گیا۔

رات ہوگئی' نہ جانے اندر کیا کھچڑی پک رہی تھی۔ پھر جمشید آگیا' بکھرے بال فق چہرہ۔

"انہوں نے پارے کو مہندی لگادی ہے۔" بوکھلایا ہوا تھا۔

"پارے کیا؟" عادل ہونقوں کی طرح اسے دیکھنے لگا۔

"ماہ پارہ۔ پارے کہتے ہیں ہم اسے' وہی کزن' جس کی قسمت میرے ساتھ پھوڑنے کی تیاری ہورہی ہے۔ جو مجھے ہرگز پسند نہیں۔ ابا نے کہا۔ اس کی شادی تو ہونی ہے۔ چاہے تم پسند کرو یا نہیں کرو۔ اب بھلا اس کا مطلب کیا ہے؟"

"یار کزن ہے' کرلو' کیا چیز ناپسندیدہ ہے' اس کی؟"

"ناپسند تو کچھ نہیں' وہ ہے ہی سلجھی ہوئی خاموش طبع' محنتی' شرمیلی' اطاعت گزار' مگر۔۔۔ بطور بہن' اب

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

شادی کے لیے تو بہت چھوٹی ہے مجھ سے۔ میرا دل اس پر راضی نہیں۔"

"یار۔۔۔ ان لوگوں کو سمجھاتے' جہاں طے ہوئی تھی شاید بات بن جاتی۔"

"اوہ چھوڑو اچھا ہوا ختم ہوا' مجھے تو ابا نے مجبور کردیا' ورنہ ابھی تو۔۔۔" وہ رک گیا۔

"کیا ابھی تو۔۔۔"

"جو لڑکی مجھے پسند ہے' ابھی اس سے بات نہیں ہوئی اور ادھر ابا پارے کو میرے لیے پسند کرچکے' رشتے داروں میں واہ واہ بھی ہوجائے گی اور یتیم بھتیجی کے فرض سے سبکدوش بھی ہوجائیں گے' مگر۔۔۔ وہ نہیں جانتے' بیٹے کا دل اجڑ جائے گا۔" وہ منہ سجا کر گردن موڑ کر بیٹھ گیا۔ غالباً" آنسو ضبط کررہا تھا' عادل کو ترس آگیا۔

"آخر مجبوری کیا ہے؟ وہ کزن تمہیں پسند کیوں نہیں' جبکہ اتنی خوبیوں کی مالک ہے۔"

"بہت پسند ہے' مگر بطور کزن' بہن کی طرح' بچپن سے ساتھ رہی ہے' بہت معصوم اور نازک سی۔ مجھے اس سے بہت محبت ہے' مگر اس پر ترس زیادہ آتا ہے۔ وہ ہر ایک کو خوش رکھنا جانتی ہے اور خود اداس رہتی ہے' میں چاہتا ہوں وہ کسی دوسری اچھی سی جگہ چلی جائے' جہاں اس کی قدر ہو۔ اسے بہت زیادہ محبت ملے' یہاں تو وہی مثل ہے گھر کی مرغی دال برابر' وہ اس قابل ہے کہ اس کی بے حد عزت کی جائے۔ اسے اتنا چاہا جائے کہ وہ اپنی محرومیاں بھول جائے۔"

"پھر تو یار! تمہیں ہی یہ کام کرنا چاہیے۔ تم اسے سمجھتے ہو' اللہ نے موقع دیا ہے' تم اس سے فائدہ اٹھاؤ۔"

عادل پرجوش لہجے میں بولا' جمشید نے اسے بغور دیکھا۔

"اچھا۔۔۔ اور اگر میں کہوں کہ یہ موقع تمہیں مل رہا ہے' فائدہ اٹھالو' بولو؟" جمشید نے حیران کردیا۔

عادل چونک گیا۔ "کیا۔۔۔ میں۔۔۔ لیکن۔۔۔" ہکلا گیا۔

"ہاں تم۔۔۔ یار۔۔۔ میں اپنی دوستی کا واسطہ دیتا ہوں۔ تم اس سے شادی کرلو' عادل از برائے خدا۔ تم اس کو وہ محبت اور ماحول دے سکتے ہو۔ جس کی اسے ضرورت ہے۔ تم اس سے شادی کرلو۔ ورنہ۔۔۔ میرے انکار کے بعد ابا کسی بھی نتھو خیرے سے اس کی شادی کرکے رخصت کردیں گے۔ جہاں وہ ساری زندگی روتے ہوئے گزارے گی' دوست دیکھو' میں تم سے بھیک مانگ رہا ہوں۔"

وہ عادل کی خوشامد کررہا تھا۔ تقریباً" رونے کو تھا اور عادل۔۔۔ دم بخود۔۔۔

"یار عادل! میں اسے محبت نہیں دے سکتا۔ ہمدردی کرسکتا ہوں' لیکن اس بے چاری کا قصور کیا ہے کہ وہ پوری زندگی اس پنجرے میں گزار دے۔ شادی کے بعد آزادی کے بجائے قیدی بن جائے۔ اسے بھی حق ہے اپنی زندگی بنانے کا۔ اپنا گھر مرضی سے سنوارنے کا اور یہاں۔۔۔ اسے دوسروں کے اشاروں پر چلنا پڑے گا۔ اسے بھی خوشیوں کا حق ہے۔ یہاں نہ اسے کوئی حق ملے گا' نہ وہ اپنی مرضی کی زندگی گزار سکے گی۔ یہ ایک معصوم اور یتیم لڑکی کی زندگی کا سوال ہے۔"

وہ گھگھیا رہا تھا اور عادل۔۔۔ پریشان۔

"یار جمشید! میں بھی کیسے؟ آخر میرے اماں ابا کی بھی مرضی۔۔۔ اتنا بڑا قدم اٹھانے سے پہلے مجھے اجازت تو لینی ہوگی ابا سے۔۔۔ میں۔۔۔"

"یقین کرلو دوست' تم کبھی نہیں پچھتاؤ گے۔ میں گارنٹی دیتا ہوں' تم کبھی مایوس نہیں ہوگے اور تمہارے والدین کہیں شادی کردیں' ہرگز کوئی گارنٹی نہیں دے سکتے۔ اتنی باوصف باحیا۔۔۔ خوب صورت لڑکی تمہارا نصیب بننے والی ہے۔ اس دوست نے کبھی تمہیں دھوکا نہیں دیا۔ تمہیں علم ہے نا' میں نے کوئی غلط مشورہ نہیں دیا۔ ہمیشہ تمہاری بھلائی چاہی ہے۔ اب بھی مجھے تمہارا ہی مفاد عزیز ہے۔ میری خود غرضی اگر ہے تو صرف اتنی کہ اس معصوم بے قصور لڑکی کو بہتر مستقبل ملے۔ میں اسے وہ نہیں دے سکتا جو تم

دے سکتے ہو۔ وہ مجھے سگی بہن سے زیادہ عزیز ہے۔"

وہ اب رو رہا تھا۔ عادل کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھے سسک رہا تھا۔ عادل مضطرب ہوگیا۔ جمشید کے ساتھ برسوں گزارے تھے۔ ساتھ کھیلتے' ساتھ پڑھتے۔ وہ بے حد خوش مزاج تعاون کرنے والا لڑکا تھا۔ احسان کرکے بھول جانے والا۔

کئی بار اس نے عادل کی مدد کی۔ اس کی فیس کا منی آرڈر وقت پر نہ ملا تو جمشید فیس ادا کرتا اور کئی بار تو واپس بھی نہ لیتا۔ عادل کو شرمندگی ہوتی تھی' لیکن وہ دوسروں کے بھی اسی طرح کام آتا تھا اور ہنسی مذاق میں ٹال جاتا۔ وہ بے لوث اور بے غرض دوست تھا اور آج وہ عادل سے مدد کا طالب تھا۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا۔ جمشید کی اداسی اور تفکر بڑھ رہا تھا۔

"تم جمشید یار اگر یہاں شادی نہیں کروگے تو پھر کہاں کروگے؟ آخر لوگ تمہاری شادی کے لیے ہی جمع ہوئے ہیں۔" عادل نے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ "وہ۔۔۔ وہ بھی ہو ہی جائے گی۔ میں ابا کو بالکل مایوس نہیں کروں گا۔ میری پھپھو ہیں۔ ان کی بیٹی سے ہوسکتی ہے۔ میں دراصل سیما سے ہی۔۔۔" وہ چپ ہوگیا۔

عادل کی سمجھ میں بات آگئی۔ اچھا تو یہ قصہ ہے۔

☼ ☼ ☼

رات کے دو بجے تھے جمشید آنکھیں پھاڑے چھت گھور رہا تھا۔ اچانک جمشید کے ابا دندناتے ہوئے اندر آئے۔ انہوں نے جمشید کو کالر سے پکڑ کر گھسیٹا اور گالیاں' تھپڑ' مکے مار مار کر جمشید کی خوب عزت افزائی کی۔ لوگ اندر آگئے۔ بیچ بچاؤ شروع ہوگیا۔ جمشید نے تھک کر کہہ دیا۔

"صبح۔۔۔ صبح بتادوں گا۔"

والد صاحب بھی مارپیٹ کر نڈھال ہوچکے تھے۔ ہاتھ جھاڑ کر بکتے جھکتے چلے گئے۔ عادل' جمشید کو ان کے غیظ و غضب سے بچانے کی کوشش میں خود بھی ان کے مضبوط' طاقت ور ہاتھوں کے جھانپڑ کھاچکا تھا۔

ان سب کے جاتے ہی جمشید کو سہلایا۔ بستر پر لٹایا۔ خود بھی سونے کی کوشش کی۔ بمشکل نیند آئی۔ آنکھ کھلی جمشید کی سسکیوں سے' بے چارہ بھلا اس کا کیا قصور' اسے سیما سے محبت ہے اور پہلے تو بغیر اس کی مرضی کے شادی طے کردی' پھر زبردستی کزن کے سر منڈھنا چاہتے ہیں۔

ابا کی زیادتی پر اسے بہت غصہ آرہا تھا۔ کس بے چارگی سے پٹتا رہا۔ عادل کے اپنے بازو میں ابھی تک دکھن ہورہی تھی اور جمشید پر تو تابڑ توڑ بیس پچیس مکے برسے تھے۔ اس کا کیا حال ہوا ہوگا۔ سارا بدن دکھ رہا ہوگا۔ تب ہی رو رہا ہے' مگر اس وقت اس کو چھیڑنا مناسب نہ تھا۔ لہٰذا پھر نیند میں گم ہوگیا۔ صبح کافی دیر سے آنکھ کھلی' جمشید بھی جاگ رہا تھا۔ اس کی شکل دیکھ کر تاسف ہوا۔ پورا چہرہ سوج کر غبارہ بنا ہوا تھا۔ آنکھیں اندر کو دھنس گئی تھیں۔ یقیناً" جسم بھی سوج چکا ہوگا۔

نظر چرا کر باتھ روم چلا گیا۔ آکر دیکھا تو جمشید بھی بیٹھا ہوا تھا۔ عجب صورت حال تھی۔ دونوں ایک دوسرے سے نظریں چرا رہے تھے۔ شرمندہ شرمندہ۔

جمشید بستر سے اٹھا۔ پھر کراہ کر بیٹھ گیا۔ ہاں۔۔۔ جانے کہاں کہاں چوٹ آئی ہوگی۔ آخر ہمت کرکے باتھ روم چلا گیا۔ کچھ دیر بعد ایک لڑکا ناشتا لے آیا۔ عادل نے آداب میزبانی نبھانے کی کوشش کی۔ جمشید کو پلیٹ پکڑائی' انڈے پراٹھے' جیم' ڈبل روٹی' مکھن' سب ہی کچھ تھا' مگر کھایا نہیں گیا۔ جمشید کراہتا ہوا لیٹ گیا۔ واقعی۔۔۔ دل میں کوئی امنگ ہو۔ نہ خوشی' تو بھوک مٹ جاتی ہے۔ عادل کا دل بھی اچاٹ ہوگیا۔

پھر جمشید کے بڑے بھائی آگئے۔

"ہائیں۔۔۔ ایک لیٹا ایک بیٹھا اور ناشتا بیچ میں رکھا ہے۔ کیا معاملہ ہے؟"

عادل نے جھینپ کر سلام کیا۔ انہوں نے ہنس کر کہا۔ "ناشتا کرو بھئی۔۔۔ رزق کو انتظار نہیں کراتے۔ وہ روٹھ جاتا ہے۔ چلو شاباش۔"

جمشید یکدم اٹھا اور بھائی کے گلے لگ کر رونے لگا'

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

بھوں بھوں کر کے۔ بھائی نے اسے الگ کیا، مگر تھپکی۔
"بات کیا ہے۔ لڑکیوں کی طرح رونا شروع کر دیا؟"

"بھائی! میں پارے سے شادی نہیں کر سکتا۔ میں اسے بہن سمجھتا ہوں۔ یہ غلط کام ہو گا۔ میں اس کو وہ محبت نہیں دے سکتا۔ جس کی حق دار ہے وہ۔" وہ پھٹ پڑا تھا۔

"ارے۔ یہ تو پھر۔ پارے کے تو مہندی بھی لگ چکی ہے۔ ابا کا موڈ خراب اور تمہارے منہ پر سوجن کیسی ہے؟ ہنسی آ رہی مجھے۔ یار کیا حلیہ بنا لیا ہے؟" وہ مسکرا رہے تھے۔

"سارے بدن پر سوجن ہے۔ میں نے نہیں، ابا نے مار مار کر سجا دیا مجھے۔ سوچ رہا ہوں کہیں بھاگ جاؤں اور یہی کروں گا میں۔ اگر زبردستی کی گئی۔" بھائی سوچنے لگے، پھر بولے۔ "تو آخر پھر کیا حل ہے۔ میں تمہارا مقدمہ تو لڑ سکتا ہوں۔ مگر پارے، اس کا کیا ہو گا، سوچو۔ اس کا کیا قصور ہے، کون کرے گا اب اس سے شادی؟ ابا تو آج ہی اسے رخصت کرنے پر تلے بیٹھے ہیں۔ اس کا کیا ہو گا؟ آج ہی کون آئے گا؟"

"میں کرلوں گا۔ میں۔" عادل کا خون ابال کھانے لگا۔ جوش میں بول اٹھا۔ "میں آج ہی۔"

جمشید کے آنسو عادل کے دل پر گر رہے تھے۔ بس یہی حل تھا دوستی نبھانے کا موقع۔

بھائی حیرت سے اسے دیکھنے لگے۔

"بھائی!" جمشید بھی جوش میں آگیا۔ "یہ میرا بہت اچھا دوست ہے۔ کالج تک ساتھ رہا، اب یہ لاہور سے میری شادی کے لیے آیا تھا۔ بھائی، ابا سے کہو، یہ بہت اچھا آدمی ہے۔ میرا بچپن کا یار ہے۔ پارے کو خوش رکھے گا۔"

بھائی نے باری باری دونوں کو دیکھا۔

"بھائی! میں نے ہی اسے راضی کیا ہے۔" وہ زور دے کر بولا۔ بھائی نے ہونٹ چبائے۔

"اچھا۔ چلو۔ یہ مسئلہ بھی حل ہوا۔ مگر تم تمہارا کیا ارادہ ہے۔ شادی تو تمہاری آج ہونی ہے۔ ساری تیاری تمہاری شادی کی ہے۔"

"آپ۔ پھپھو سے بات کریں، میں سیما سے۔ اسی سے کروں گا اور کسی سے نہیں۔"

"لو۔ زبردستی۔ کیا پھپھو راضی ہیں؟ تمہاری بات ہوئی ہے؟"

"ہو چکی ہے، رشتہ ٹوٹنے کے بعد ہی۔ آپ ابا کو راضی کریں۔ وہ۔ آج ابھی بات کرلیں پھپھو سے۔"

بھائی باہر چلے گئے تو جمشید نے جوش جذبات میں اٹھ کر عادل کو لپٹا لیا۔ منہ چومنے لگا۔ پھر اپنی چوٹیں دکھنے لگیں۔ کراہتے ہوئے پلنگ پر دھم سے گرا۔

"تم نے میرا کیسا بوجھ ہلکا کیا ہے عادل۔ ساری عمر یہ احسان نہیں بھولوں گا۔ تم نے مجھے خرید لیا عادل! میرے لیے یہ اس صدی کی سب سے بڑی خوشی ہے۔ شکریہ عادل! تم واقعی ایک اچھے انسان اور سچے دوست ہو۔ میں کیا بدلہ دوں تمہیں۔"

عادل کو ہنسی آگئی۔ "کوئی بدلہ ودلہ نہیں۔ بس دعا کرو کہ یہ میرے لیے بھی سب سے بڑی خوشی ثابت ہو۔"

"تم۔ کبھی نہیں پچھتاؤ گے۔ بلکہ ہمیشہ مجھے دعائیں دو گے۔ اے اللہ۔ مجھے شرمندہ نہ کرنا۔"

وہ ہاتھ اٹھا کر اللہ سے دعا کرنے لگا۔ پھر بیٹھے بیٹھے عادل کو لپٹا لیا۔

"دل تو چاہتا ہے خوشی سے ناچوں، مگر یار۔ سارا بدن دکھ رہا ہے۔ کھڑا ہونا مشکل ہے۔ ناچوں کیسے؟" بے چارگی سی تھی۔

"پھر۔ دکھتے بدن کے ساتھ دولہا کیسے بنو گے۔" اس نے فکرمندی سے اس کا سوجا ہوا چہرہ دیکھا۔

"بہت بھاری ہاتھ ہیں ابا کے۔ اف بچپن سے مار کھاتا آیا ہوں۔ مگر تب وہ اتنے پہلوان نہ تھے۔ اور۔ سب کے سامنے بے عزتی۔ مرنے کو دل چاہ رہا تھا میرا۔ رات بھر اسی صدمے سے روتا رہا۔"

عادل نے کہا۔ "میں سمجھا، چوٹیں درد کر رہی ہیں۔"

"وہ بھی۔ مگر ذلت کا احساس بہت ہوا۔ ابا نے مارا ہے۔ وہی دوا بھی کریں گے۔ سوجن کی خیر ہے۔"

عجب شخص تھا جمشید ہنس رہا تھا۔ پھر نہایت خشوع و خضوع سے ناشتا ہوا۔ آوازیں لگا لگا کر گرم پراٹھے، گرم چائے منگوائی۔ مٹھائی بھی اور رات کا قورمہ کباب بھی۔ چھوٹا بھائی اندر آیا۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر جھوٹے برتنوں کا انبار دیکھا۔

"بس کرو بھائی! کتنا کھاؤ گے؟ دوپہر کا کھانا بھی پک رہا ہے۔ آخر کب کے فاقہ زدہ ہو، حد ہو گئی۔"

"کھانے دے یار۔ کیا پتا یہ میرا اس گھر میں آخری کھانا ہو اور پھر۔ نظر کمزور ہے کیا تمہاری۔ سامنے دو۔ دو دولہا بیٹھے ہیں۔ کیا شادی پر ناشتا بھی نہ کریں۔"

"مگر۔ جھوٹی پلیٹیں۔ تو ایک طرف نظر آ رہی ہیں۔ دوسرا اصلی یقینی دولہا تو ایک پلیٹ لیے بیٹھا ہے اور اتنا خوش بھی نہ ہوتا۔ ابھی تمہارا دولہا پن راستے میں ہے۔ ابا اور بھائی پھپھو کو منانے گئے ہیں۔ پھپھو خفا ہو کر چلی گئی ہیں سیما کو لے کر۔ اب پتا نہیں، جواب کیا ملے گا۔"

جمشید کے ہاتھ سے لقمہ پلیٹ میں گرا۔ یکلخت کھڑا ہوا۔ (چوٹیں بھلا کر) کرسی پر سے کوٹ گھسیٹا اور باہر نکل گیا۔

"اب یہ پھپھو کے گھر جا کر کھڑے ہو جائیں گے۔ سیما انہیں پہچاننے سے انکار کر دے گی۔" جاوید بڑبڑایا۔

جمشید کی پھرتیاں دیکھ کر عادل بھی دنگ رہ گیا۔ کہاں کی چوٹیں۔ کدھر کا درد، یہ جا وہ جا، بے عزتی بھول بھال، محبوبہ کی مرضی لینے روانہ، جاوید بیٹھ گیا۔ عادل کا انٹرویو لینے لگا۔ سوالات ختم ہوئے تو پوچھا۔

"آپ نے پارے کو دیکھا تو ہو گا؟" عادل چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"نہیں بھئی میں کیسے دیکھتا۔"

جاوید نے جیسے سکھ کا سانس لیا۔ بولا۔ "پھر ٹھیک ہے۔"

عادل کھٹک گیا۔ "کیا مطلب، کیا ٹھیک ہے؟ اس بات سے کیا مراد ہے؟ وہ۔ کیسی ہے؟"

عادل کے دل میں پنکھے لگ گئے۔ کیسی ہے؟ نہ جانے کیا انکشاف کرے گا۔

"اچھی ہے۔ بہت اچھی ہے۔ خوب صورت بھی ہے، اپنی مرحومہ ماں کی طرح۔ بس ذرا۔" وہ رکا۔

اور عادل کے پنکھے فل اسپیڈ پر جا پہنچے۔ سانس تیز ہوا۔ بس ذرا؟ ابھی وہ کہے گا۔ وہ لنگڑی ہے بچپن میں پولیو۔ یا گونگی ہے، یا کانی ہے، واہ اچھی دوستی نبھائی جمشید میاں تم نے اپنی پسند پانے کے لیے مجھے عیب دار کزن کا تحفہ۔ میں ہی احمق ملا تھا۔ واہ بھئی واہ۔

"ویسے تو ہر لحاظ سے بہت اچھی ہے۔ لیکن ذرا بے وقوف ہے۔ میٹرک کر کے گھر میں بیٹھی ہے۔ لاکھ سب نے کہا کالج میں داخلہ لے لو۔ نہ جی گھر میں ہی کام میں دل لگتا ہے۔ کپڑے دھوتی ہے۔ استری کرتی ہے۔ صفائی بھی کر لیتی ہے۔ کچن میں بھی تھوڑا بہت کام۔ یعنی کہ پوری ماسی ہے۔" جاوید کہہ رہا تھا۔

عادل نے لمبا سانس لیا اطمینان۔ مگر شکر ہے۔ عیبی نہیں۔ کام میں دل لگانے والی کو تو سب پسند کرتے ہیں۔

☆ ☆ ☆

جمشید کے آنے میں کچھ دیر ہوئی، مگر وہ آگیا شاداں و فرحاں۔

"سب ٹھیک ہو گیا میرے جانے کے بعد۔ پہلے تمہارا اور پارے کا نکاح ہو گا۔ پھر ہم پھپھو کے گھر جائیں گے۔ نکاح رخصتی سب کچھ آج ہی۔ اسی تاریخ۔"

"آج۔ میرا بھی۔ یعنی میں رخصت کرا کے کہاں لے جاؤں گا یار۔" وہ بوکھلا گیا۔

"یہیں اسی کمرے میں آجائے گی۔ یار۔ کل ہوٹل میں ولیمہ میرا اور تمہارا فکر نہ کرو، سب طے ہو گیا ہے۔" اس کے کانوں میں پورا پروگرام انڈیل کر جمشید دونوں ہتھیلیوں کا شکنجہ بنا کر اس پر سر رکھ کر بستر پر لیٹ گیا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"اور تمہارا یہ سوجا پھولا منہ؟ سیما انکار نہ کردے۔" عادل کادل جل کر کباب ہوگیا۔ وہ ہنستا رہا۔

"دکھادیا ہے یہ چہرا سے۔ اسی کے عشق نے بگاڑا ہے میرا حلیہ۔ احسان جتا کر آیا ہوں۔" وہ ہنسا۔

"چلو... چلو... دولہا لوگو... نہاؤ دھوؤ تیار ہو کر اندر آؤ انتظار ہو رہا ہے سہرابندی کے لیے۔" یہ جاوید تھا۔ جو کسی عدالتی ہرکارے کی طرح دروازے پر کھڑا آواز لگا رہا تھا۔

عادل کو غصہ آگیا۔ "میں نہا چکا ہوں۔"

"بے شک نہائے ہوں گے۔ مگر دولہا بننے کی خبر سے پہلے۔ اب آپ نے دولہا کی تیاری کرنی ہے۔ جمی بھائی! آپ بھی اٹھ جائیے۔ بہت آرام ہو چکا۔ اب قید بامشقت آپ کی منتظر ہے۔"

شام ڈھل رہی تھی۔ گھر کے اندر کافی لوگ جمع تھے۔ ایک دولہا مسرور فرحان دوسرا متفکر اور گم صم۔ دونوں کو سہرے پہنائے گئے۔ لوگوں نے دونوں کو کچھ رقوم بھی عنایت کیں۔ مولوی صاحب موجود تھے۔

عادل اور مہ پارہ کا نکاح ہو گیا۔ جمشید اور جاوید نے کچھ ہلا گلا کیا۔ پھر ایک سرخ گٹھڑی عادل کے پہلو میں رکھ دی گئی۔ کچھ تصویریں بنائی گئیں۔

پھر جمشید کی بارات کی روانگی کا ہنگامہ ہوا۔ عادل جمشید کے ساتھ ساتھ تھا۔ پھپھو کے گھر کے لان میں شامیانے میں سب بیٹھے۔ ڈھول کی ڈھم ڈھم، ہنسی مذاق، کھانا کھایا گیا۔ پھر رخصتی ہوئی۔

عادل کو شور شرابے سے گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ گھر آکر وہ اپنے کمرے میں آگیا۔ اندر نہ جانے کیا' کیا رسمیں ہو رہی تھیں۔ وہ اب اپنے عمل پر حیران پریشان ہو رہا تھا۔ پھر نہ جانے کب نیند آگئی۔ آنکھ کھلی' ایک اور شور سے۔ جمشید اور جاوید اور دلہن بنی سیما اور بھی کئی لوگ' نہ جانے کون کون...

"واہ... اچھے دولہا ہیں' اپنی دلہن کو بھول گئے۔ جاوید! پارے کو لے کر آؤ بھئی۔" یہ نئی دلہن سیما تھی۔ پٹر پٹر بول رہی تھی۔

پھر جاوید کسی کو اندر لایا۔ وہی سرخ لباس والی۔ ایک اور شامت... اسے بھی بھگتنا ہوگا۔ لڑکی کو عادل کے ساتھ کھڑا کر کے تصویریں بننے لگیں۔ کھٹا کھٹ' اس کے ساتھ ہی سیما کی ہدایتیں۔ ادھر دیکھیں' مسکرائیں' پارے کی طرف منہ کریں۔ پارے آمنے سامنے کھڑی ہو جاؤ۔ اوہو ہماری طرف نہیں' عادل بھائی کی طرف۔

پھر جمشید کی بہن نے آکر شور مچایا۔

"تم بھی آج کی دلہن ہو۔ چلو شرافت سے کمرے میں اور ہاں ایک فیملی گروپ بھی بننا ہے۔ عادل اور پارے کو بھی لے کر آؤ۔"

ظاہر ہے اب عادل بھی ان کا فیملی ممبر تھا۔ تصویروں کے بعد سیما کو اس کی خواب گاہ پہنچا دیا گیا۔ جمشید عادل کے ساتھ باہر تک آیا۔ پھر ایک انگوٹھی کی ڈبیہ اس کی طرف بڑھائی۔ چپکے سے بولا۔

"یار! یہ انگوٹھی میں نے اپنی شادی پر پارے کو دینے کے لیے لی تھی۔ اب خیال آیا۔ تمہاری تو کوئی تیاری نہ تھی۔ اچانک شادی ہو گئی۔ تم یہ انگوٹھی پارے کو دے دینا۔"

عادل کو شرمندگی ہوئی۔ "نہیں یار! یہ تکلف رہنے دو' میں کچھ کرلوں گا۔"

"اوہو! کس قدر معصوم ہو تم۔ یار دلہن کو منہ دکھائی کا تحفہ بھی دیا جاتا ہے۔ قرض سمجھ کر رکھ لو۔ واپس کر دینا' جب تمہارے پاس ہو۔ ویسے دوست کا حساب دل میں... تمہاری خودداری اور تسلی کے لیے احترام میں قرض کہہ کر دے رہا ہوں۔ تمہارا احسان بھی ہے مجھ پر۔ سیما کے لیے راستہ صاف کرنے کا۔"

انگوٹھی کی ڈبیہ عادل کی جیب میں ٹھونس کر اسے دھکیلتا اس کے کمرے میں لایا' اندر دھکا دے کر بائے بائے کرتا چلا گیا... اندر... دلہن موجود تھی۔ کرسی پر بیٹھی تھی۔ کچھ ڈری ہوئی۔ عادل ٹھٹک گیا۔ یہ تو سوچا تک نہ تھا کہ ایسی سچویشن سے بھی واسطہ پڑ سکتا ہے۔ اب اس کا کیا کرے۔ لڑکی کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ سمٹی بیٹھی تھی۔ پیر اور بھی اندر کر لیے۔ سر مزید جھکا لیا۔

"آپ ڈریں نہیں۔" عادل نے گلا صاف کیا۔ "آرام سے بیٹھیں' میں آپ کو اپنے بارے میں بتانا چاہتا ہوں' آپ کے لیے میں اجنبی ہوں۔"

دلہن نے شاید کچھ سنا ہی نہیں۔ مزید سمٹ گئی' ہاتھ دوپٹے میں چھپا لیے۔ اف... اب کیا کرے' باتھ روم میں گھس گیا۔ تاکہ لڑکی کو کچھ ٹائم ملے۔ اس کے ہاتھ اندر سے بازیاب کرانے کا بھی مسئلہ تھا۔ لیکن آخر کار... ہاتھ بھی ٹٹول کر تلاش کر لیے۔ بزور اٹھانا چاہا۔ لیکن وہ باآسانی پھولوں کی شاخ کی طرح لچکتی اٹھ گئی۔ عادل نے اسے بیڈ پر اپنے ساتھ بٹھا لیا اور اپنے بارے میں بتانے لگا۔ پھر سوچنے لگا۔ اب کیا بات کرے۔

"آپ آرام کریں۔ رات بہت ہو گئی ہے۔" کہہ کر باہر ٹہلنے لگا۔ اب اس لڑکی کا کیا کرے۔ کہاں لے جائے۔ اماں تو اور ابا بھی شاید اس کا عذر وغیرہ مان لیں۔ لیکن آپا... آپا تو اس کو قبول ہی نہیں کریں گی۔ گھر میں کوئی چپقلش اس کی وجہ سے ہو۔ یہ اسے کبھی پسند نہ تھا اور یہ تو ایک انہونی تھی۔ کیسے کوئی قبول کرے گا۔ اماں' ابا کی مرضی کے بغیر اتنا بڑا قدم اٹھانا۔ اس کا جرم ٹھہرایا جا سکتا ہے۔ ملازمت اچھی تھی۔ مگر... گھر بھی تو خرچ بھیجتا تھا۔ اب اس میں کمی ہوئی تو اماں آپا دونوں کو ناگوار ہو گا۔ یہ غنیمت ہے کہ گھر تو ہے۔ ملازم بھی ہے۔ مگر...

☆ ☆ ☆

پوری رات بے چین گزری۔ دلہن نے لباس تبدیل کر لیا تھا۔ ہلکے گلابی رنگ میں خاصی خوب صورت لگ رہی تھی۔ شکر ہے' گھر والے اس کے حسن کو دیکھ کر مایوس نہیں ہوں گے۔ ابا کو منانا زیادہ آسان ہو گا۔ صبح آنکھ کھلی دیکھا۔

پارے کرسی پر بیٹھی تھی۔ اوہ... بے چاری اس کے آرام کی خاطر کرسی پر جا بیٹھی۔ نہ جانے اس نے اس حادثے کو کس طرح قبول کیا ہو گا۔ یہ واقعہ اس کے لیے بھی تو حادثہ ہی تھا۔ کہاں تو جمشید کے نام کی مہندی لگی اور شادی ہو گئی دوست سے۔ وہ باتھ روم سے فارغ ہو کر آیا تو جمشید کی بہن موجود تھی۔ پارے سے باتیں کر رہی تھی۔ عدیل کو سلام کر کے پارے سے مخاطب ہو گئی۔

"ہاں وہ امی نے پوچھا ہے۔ چینی کا بڑا ڈبہ تمہیں رکھنے کے لیے دیا تھا۔ وہ کہاں رکھا اور مٹھائی والا پیالہ بھی گم ہے۔ دونوں چیزیں آکر نکال دو اور ناشتے کے لیے آجاؤ۔"

کہہ کر چلتی بنی۔ پارے کرسی پر بیٹھی انگلیاں مروڑتی رہی۔

"میرا خیال ہے اندر چلنا چاہیے۔" لڑکی گھبرا کر کھڑی ہوئی' پھر بیٹھ گئی۔

عادل کو یاد آیا۔ اسے بھی آج واپس جانا ہے۔ باتھ روم سے برش' ٹوتھ پیسٹ لا کر بیگ میں رکھا۔

دروازے سے ایک نوعمر لڑکی نے سر اندر گھسا کر کہا۔

"پارے باجی! تائی ناراض ہو رہی ہیں۔ آپ کب آئیں گی۔ جب سب لوگ پھیکی چائے پی چکے ہوں گے اور آکر چائے بھی بنادیں۔ نئے تو لیے آپ نے کس دنیا میں گھسا کر رکھے ہیں کہ مل کر نہیں دے رہے۔ مٹھائی بھی نہیں ملی۔ خیر آکر چائے تو بنائیں۔ جمشید ماموں ابھی باہر نکلتے ہی چائے کی دہائی دیں گے۔" وہ کہتی ہوئی منہ بناتی چلی گئی۔

عادل کی سوالیہ نظریں پارے پر ٹک گئیں۔ وہ کچھ سٹپٹائی۔ پھر کھڑی ہو کر کھڑکی کے پردے ہٹانے لگی۔ اس کا باہر نکلنے کا پروگرام نہ تھا۔ بیگ بند کر کے وہ آرام سے بیٹھ گیا۔

اب جو کرنا ہے پارے کو خود کرنا ہے۔ وہ یہاں کے معمولات سے واقف ہے۔ پھر پر شور دستک اور ہنستا مسکراتا جمشید اندر آگیا۔ نعرہ مستانہ لگا کر عادل کو گلے لگایا۔ پارے کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"آہاہا... بھئی... خوب آپ تو بالکل تیار شیار ہیں ماشاء اللہ' کیا روپ نکالا ہے یار' پھر ناشتا نہ کر لیا جائے۔ دراصل ناشتا میری سسرال سے آیا ہے۔ تو

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

میں نے کہا میرا تو میکہ ہے۔ عادل کی سسرال ہم کیوں نہ ہم عادل کے ساتھ ہی ناشتا کرلیں۔ نوری' ناشتا یہیں لے آؤ۔ سیما کو بھی بلالو۔"

نوری جو یقیناً "پارے کو چینی وغیرہ کی یاددہانی کے لیے آئی تھی۔ واپس بگٹٹ بھاگی۔ سیما آگئی۔ معہ ناشتے کے۔ بنی سنوری میک اپ سے آراستہ' پارے کو ناقدانہ انداز میں دیکھا۔

"تم نے کپڑے بھی نہیں بدلے؟ کب سمجھ آئے گی تمہیں۔ اب تم پارے نہیں' مسز ماہ پارہ عادل ہو۔ عقل استعمال کرو۔ شکر ہے کہ چائے بنانے کچن میں آ نہیں گئیں حسب معمول۔ اب تم اس گھر میں مہمان ہو۔ مہمانوں کی طرح رہو۔"

جمشید کی بہن جو ناشتے کے لوازمات لے کر آئی تھی' منہ بناتی رہی۔ ناشتا کیا' باقاعدہ لنچ ہی تھا۔ حلوہ پوری' ڈبل روٹی انڈے' فرنچ ٹوسٹ' کھیر اور چکن جلفریزی' جمشید خود بھی کھا رہا تھا۔ عادل کی پلیٹ بھی بھر رہا تھا۔ یہی کام سیما پارے کے ساتھ کررہی تھی۔

"بس کر یار۔۔۔ مجھے سفر کرنا ہے۔ اب اور نہیں کھاسکوں گا۔" عادل نے عذر پیش کیا۔

"میں بھی اسی لیے پارے کو اچھی طرح کھلا رہی ہوں۔ اسے بھی تو سفر کرنا ہے۔" سیما نے بم پھوڑا۔ عادل کو کرنٹ لگا۔

"کیا؟ پارے کو کہاں جانا ہے؟" منہ سے پھسل گیا۔

"واہ جی۔۔۔ بھول گئے۔ رات آپ کی شادی ہوئی ہے۔ دلہن کو رخصت بھی ہونا ہے۔"

عادل باہر نکل کر جمشید کو اشاروں سے بلانے لگا۔

"یار۔۔۔ یہ کیا ہورہا ہے۔ بھابھی کیا کہہ رہی ہیں؟" اس کے آتے ہی بول پڑا۔

"پریشان نہ ہو۔ جب اوکھلی میں سر دیا تو موسلوں کا کیا ڈر۔ آخر اسے تمہارے ساتھ جانا ہی ہے۔"

"لیکن۔۔۔ اماں۔۔۔ وہ نہ مانیں' تب کیا ہوگا۔ ابھی کسی کو خبر ہی کہاں ہے۔"

"تو مناتے رہنا بعد میں۔۔۔ یہ کام تمہیں کرنا ہے۔ ابھی لاہور لے جاؤ۔ گھر تو ہے تمہارا' وہیں رکھو۔"

جمشید کس قدر مطمئن تھا۔ عادل کے مسائل سے لاتعلق۔

"یار۔۔۔ اس گھر میں ایک غیر آدمی بھی رہتا ہے۔ اس کا کیا کروں؟"

جمشید کے پاس ہر مسئلے کا حل تھا۔ فوراً "لاہور گھر فون کیا۔ چھٹی کا دن تھا۔ راشد مل گیا۔ اسے بتایا۔ عادل کی شادی ہوگئی ہے۔ وہ دلہن کو لے کر گھر آرہا ہے۔ اس لیے تم فوراً "اپنا کہیں اور انتظام کرلو۔

ادھر سے خوشی کا نعرہ' پھر پریشانی کا اظہار۔

"ایک دن میں کیا انتظام کروں۔ کچھ وقت تو دیں' عادل بھائی کو فون دیں۔ مبارک باد دے دوں۔"

عادل سے اس نے کہا۔ "بھائی شریف بندہ ہوں۔ آپ کو اندازہ تو ہوگیا ہوگا۔ بھابھی میری ماں کی جگہ ہیں۔ آپ کو مجھ سے کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ یا دو' چار دن کے لیے آپ اپنی خالہ کے گھر لے جائیں۔ اس دوران میں کچھ کرلوں گا۔"

راشد نے قابل قبول حل پیش کیا۔ عادل لاجواب ہوگیا۔

جمشید سے کہا۔ "کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ میں پارے کو ایک ہفتے بعد آکر لے جاؤں۔ میں کچھ کرلوں گا انتظام۔" مگر جمشید نہ مانا۔

"تم نہیں جانتے' یہاں پارے کو بہت مشکلیں ہوں گی۔ میں تو چاہتا ہوں وہ جلد سے جلد اپنا گھربار سنبھالے' یہاں اسے۔۔۔ خیر چھوڑو' بس لے ہی جاؤ' تم پر بھروسا کرکے ہی میں نے اتنا بڑا فیصلہ کیا تھا۔ یار سمجھا کرو' ابا مزید ناراض ہوں گے کہ میں نے ان کی بھتیجی کو کس کے حوالے کردیا جو اسے چھوڑ کر چلا گیا۔"

جمشید اس کے بہترین دوستوں میں تھا۔ دردمند' ہمدرد' ایثار پسند' کوئی وجہ ہوگی جو وہ اصرار کررہا تھا۔

سیما پارے کو اندر لے گئی' جمشید بھی چلا گیا۔

وہ سوچنے لگا۔ خالہ کے گھر' خالہ تو محبت اور شفقت کی مکمل تفسیر تھیں۔ مگر ساری دنیا کو کیا سمجھائے گا۔ ہرچہ بادا باد۔۔۔ پارے اب اسی کی ذمے داری تھی۔ اس نے اللہ' رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی میں قبول

کیا تھا۔ جمشید آیا۔ اس کے ساتھ گھر والے بھی' سفید چادر میں ملفوف پارے روانگی کے لیے تیار' ابا نے پارے کو گلے لگایا' پیار کیا' نصیحتیں کیں۔ جمشید کی امی کے تیور بگڑے ہوئے تھے۔ اسٹیشن پر گاڑی تیار تھی۔ جمشید نے عادل کو گلے لگا کر اس کا شکریہ ادا کیا۔

"میری گاڑی ہوتی تو تمہیں خود لاہور لے کر جاتا۔ مگر ابا کی گاڑی ہے اور وہ ابھی مجھ سے خفا ہی ہیں۔ خیر مان جائیں گے۔ اگر بھائی نے دخل نہ دیا ہوتا۔ ابھی تک میری ٹھکائی جاری رہتی۔"

سیما بھی راستے بھر بولتی آئی تھی۔ "توبہ۔۔۔ تمہارے گھر والوں پر تو جیسے بجلی گری' جب میں نے پارے کے سوٹ کیس سے پرانے دھرانے کپڑے نکال کر پھینکے اور اپنے پاس سے چار اچھے جوڑے رکھے۔ کیا بیٹی کو خالی ہاتھ رخصت کیا جاتا ہے؟ یہ بھی نہیں سوچا کہ سسرال جاکر وہ کیا پہنے گی۔ میں نے کون سا ناجائز کام کردیا کہ ممانی کے تیور بدل گئے۔ میری شادی پہلے ہوئی ہوتی پورا جہیز بنا کر رکھتی' بھرے گھر سے لڑکی جارہی ہے اور وہ بھی چار نئے' چار پرانے جوڑے۔ واہ۔۔۔ اب دیکھنا میں کس طرح اس کمی کو پورا کرتی ہوں۔ عادل بھائی! یہ پارے مجھے کہنی ماررہی ہے کہ میں چپ رہوں۔ بھئی میں تو سچی بات کرتی ہوں' چاہے کوئی برا مانے۔"

جمشید قہقہہ لگا کر بولا۔ "یہ سیما جو ہے' ناانصافی برداشت نہیں کرتی۔ اس کی زبان کوئی روک نہیں سکتا۔ اس لیے اب ہمارے گھر میں رہے گی کھٹ پٹ۔"

ٹرین میں بیٹھا عادل جمشید اور سیما کو یاد کرکے مسکراتا رہا۔ جمشید کہہ رہا تھا۔

"تم نے ابا اور امی سے پٹنے کے انتظام کررکھے ہیں۔ بولے جاؤگی' پٹے جاؤگی۔ میں تو اس معاملے میں بولوں گا نہیں۔"

"نہ بولنا' میں ماموں کو اپنا حمایتی بنالوں گی۔ پھر کس کی مجال ہوگی مجھ سے الجھنے کی۔"

☆ ☆ ☆

لاہور پہنچتے پہنچتے شام ہوگئی۔ خانیوال دور ہوچکا تھا۔ اسے لگا آج خانیوال نے اسے بہت بڑا تحفہ دے کر رخصت کیا ہے۔ حسین اور البیلا' گھر پہنچے راشد فیکٹری جانے کے لیے نکل رہا تھا۔ خوش دلی سے ملا۔ مبارک باد دی۔ چلا گیا۔

رات بہت حسین خوشگوار لگی۔

ملازم لڑکے نے بتایا۔ "بھابھی نے ناشتا بنایا ہے۔"

ناشتے کے دوران عادل نے خالہ کا غائبانہ تعارف کرایا۔

"آج ہی خالہ کے گھر جانا ہے۔ تاکہ سب سے تمہارا تعارف بھی ہوجائے' بے تکلفی بھی۔"

راشد نائٹ ڈیوٹی کرکے آچکا تھا۔ ناشتا کرکے کمرے میں چلا گیا۔

عادل سوچتا رہا۔ خالہ کو کن الفاظ میں پارے کی وصولیابی کی داستان سنائے گا کہ انہیں یقین آجائے۔ خالہ کا گھر' ہمیشہ کی طرح مہربان تھا۔ انور بھائی گھر میں تھے۔ بہت شرما کر اس نے سلام کرکے کہا۔

"یہ۔۔۔ مسز ہیں میری۔" اور بھاگا خالہ کے پاس' پیچھے پارے بھی' خالہ نے ادھوری بات سن کر ہی یقین کرلیا۔

"ارے عادل' یہ اتنی پیاری دلہن کہاں ملی تجھے' شرمیلی سی۔"

انہوں نے پارے کو اپنے ساتھ بیڈ پر بٹھالیا تھا۔ عادل کھڑا ہوکر بال درست کرنے لگا۔

"خالہ! میں کیا بے شرم ہوں؟"

خالہ بلائیں لینے لگیں۔ سب لوگ کمرے میں گھس آئے۔ نازلی نے خوب شور مچایا۔ بھابھی کے ساتھ گانا بھی گایا۔ ڈانس کیا۔ پھر سب نے عادل کی وارداتی شادی بزبان عادل سنی۔ نازلی پارے کو اپنے کمرے میں لے گئی۔ خالہ کسی سوچ میں گم تھیں۔

"عادل۔۔۔ کچھ اپنی صالحہ پھپھو کے بارے میں خبر ملی؟ جانے کیوں' اس بچی کو دیکھ کر وہ یاد آگئی۔"

یہ وہ تکلیف دہ سوال تھا جو ہر ملاقات میں خالہ اس

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

سے کرتی تھیں اور وہ نفی میں سرہلا کر رہ جاتا۔ انور بھائی نے بھی اس سے کہا۔

"خالہ جان' خالو جان کو اس شادی کی خبر نہیں ہوئی کیا؟"

وہ جانتا تھا اسے ہر قسم کے سوالات سے واسطہ پڑے گا۔ اسے دلیری سے ہر سوال کا مقابلہ کرنا تھا اور کرتا رہا۔ جمشید کے احسانات بے لوث محبت اور سچی دوستی کا حوالہ دے کر اس قید بامشقت کو بخوشی برداشت کرلیا۔

"اور اگر۔۔۔" اشعر نے نظریں گھمائیں۔ "لڑکی میں کوئی کمی ہوتی؟"

"ہوسکتا تھا۔۔۔ لیکن۔۔۔ جمشید کی محبت اور مہربانی کے بدلے میں۔۔۔ یہ بھی گوارا تھا۔ دراصل اسے مسئلہ کا یہی حل نظر آیا۔ مجھے بھی اس کی مشکل کا حل یہی نظر آیا۔"

انور نے تعریف کی۔ "تم نے بہت بڑا ایثار کیا۔ واقعی۔۔۔ میں سمجھتا تھا۔ تم یوں ہی عادتاً" **نصیحتیں** کرتے ہو۔ مگر تم نے ثابت کردیا کہ۔۔۔ تم ہو ہی بہت نیک' صرف لوگوں کی نظروں میں اچھا بننے کی کوشش نہیں کرتے۔"

"ویسے یہ۔۔۔ ہوتا تو کم ہی ہے کہ جیسا وہ ہو نظر بھی ویسا آئے یا جیسا نظر آئے ویسا ہی ہو۔" اشعر نے نکتہ اٹھایا۔

"ہر انسان جیسا ہوتا ہے۔ اسے دوسرا ویسا ہی نظر آتا ہے۔" انور نے سمجھایا۔

"عادل بھائی خوش قسمت ہیں۔" انور کی بیگم نے سراہا۔ "ان کے نیک جذبوں کے انعام میں اللہ نے اتنی اچھی بیوی عطا کردی۔ نیکی کی جزا اللہ کی طرف سے مل ہی جاتی ہے' دیر سویر۔"

باتوں باتوں میں یہ بھی طے ہوگیا کہ نئی لڑکی' نئی اجنبی جگہ۔ اس کے لیے بہتر ہوگا کہ روز عادل آفس جانے سے پہلے اسے یہیں چھوڑ جایا کرے۔

"جب خالہ' خالو کو خبر ہوگی۔۔۔ تو۔۔۔ کیا کروگے؟" اشعر نے سوال کیا۔

عادل پیشانی مسلنے لگا۔ نکاح کرتے وقت فکر تو تھی۔ مگر۔۔۔ موقع ایسا تھا کہ سوائے جمشید کی پریشانی کے کچھ سوجھا ہی نہیں۔ سب کے جانے کے بعد خالہ اسے سمجھانے لگیں۔ ابھی پنڈی میں کسی کو نہ بتانا۔ خاص کر ماریہ کو تو بالکل نہیں اور جب لے کر جاؤ' ساتھ ہی واپس لانا۔ اسے وہاں نہ چھوڑ کر آنا۔ تمہاری بھلائی کے لیے کہہ رہی ہوں' نہ ماریہ کو پورا قصہ سنانا۔ کیا خبر وہ اپنے پیر کے چکر میں اس بے چاری کو بھی پھنسا دے۔

عادل کے لیے یہ بھی سوالیہ نشان پریشانی کا باعث تھا۔

"میں نے کہا عادل! بچے۔۔۔ پھپھو کا پتا چلانے کی کوشش تو کر' بہت نیک تھی' نہ جانے کیسے اس چکر میں پھنس گئی۔ پھر لوٹ کر آئی نہیں۔"

خالہ سرد آہیں بھرنے لگیں۔ انہیں صالحہ پھپھو سے عقیدت کی حد تک محبت تھی۔ نہ جانے وہ کہاں گم ہوگئیں۔

نازلی پارے کو لے کر آگئی۔ نازلی نے اس کا میک اپ کرکے اسے بدل دیا تھا۔ بالکل ہی نیا روپ' خالہ نے پارے کو خوب پیار کیا اور دعائیں دیں۔ عادل کو خوشی ہوئی۔ خالہ نے خود کو خاصا بدل لیا تھا۔ سب ان کے ساتھ' وہ سب کے ساتھ گھل مل کر باتوں میں مصروف تھیں۔

نازلی نے اپنی چند سہیلیوں کو بلالیا تھا۔ سب نے خوب شادی کے گانے گائے۔ عادل کی شادی کا سماں خود بخود ہوگیا۔ مگر روزانہ تو عادل اس روٹین کو جاری نہیں رکھ سکتا تھا۔ اس لیے کبھی کبھی وہ خالہ کے گھر پارے کو پہنچادیتا۔ کبھی خالہ ان کے پاس آجاتیں۔

راشد چلا گیا۔ اب پارے بالکل اکیلی' مگر خالہ کا وجود غنیمت تھا۔ ان کا رویہ بے حد مشفقانہ تھا۔

شکر ہے وہ اب نارمل ہوگئی تھیں۔ گھر والے بھی ان کے ساتھ تعاون کررہے تھے۔

☆ ☆ ☆

عادل نے ابا کو فون کرکے شادی کی اچانک افتاد کا

بتایا۔ ابا تو بہت خوش ہوئے۔ سارے مسائل' اپنی مجبوری بیان کرکے وہ اسی رویے کی توقع کررہا تھا۔ لیکن اصل مسئلہ اماں اور آپا کا تھا۔ آسانی سے تو وہ اس کو قبول نہیں کرسکتی تھیں' ابا نے کہا۔

"تم مجھے بتاتے' میں نکاح کے وقت پہنچ ہی جاتا۔"

گوکہ ایسا آسان نہ تھا۔ چند گھنٹے ہی لگے تھے فیصلہ ہونے اور عمل ہونے میں۔

"ابا۔۔۔ میں چھٹی لے کر آؤں گا۔ آپ کی بہو کو لے کر' کسی کو نہ بتایئے۔"

"اوہو۔۔۔ اچھا۔۔۔ ارے بیٹا۔۔۔ کیسے چھپاؤں گا اس خوش خبری کو۔ ارم بھی یہیں ہے۔ وہ بھلا مانے گی؟"

وہ جانتا تھا۔ جب ارم میکے آتی۔ اماں پر پورا تسلط جماتی' وہ بھی اس سے دب جاتی تھیں۔ گھر کا ماحول خراب ہوجاتا۔

"ابا۔۔۔ آپ انہیں سمجھائیں۔ اپنا گھر کیوں خراب کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔ بھائی صاحب پریشان' بچے بھی حیران۔۔۔ یہ پیر فقیر بھلا کب کسی کو کچھ دیتے ہیں اور آپا کو ہر چیز میسر ہے' شوہر' گھر' بچے' پھر کس لیے پیروں کے در کی خاک چھانتی ہیں۔"

"کون سمجھا سکتا ہے۔ وہ کوئی بچہ ہے؟ آج کل کسی نئے پیر کے گن گارہی ہے۔ کسی کی سنتی ہی نہیں۔"

ابا بے چارے مجبور تھے۔

آپا کو اماں کی حمایت حاصل تھی اور حکومت دراصل اماں کی تھی۔ ابا بے چارے اپوزیشن سے تعلق رکھتے تھے اور جیسا کہ ہمارے ملک کی سیاست کا حال ہے۔ ابا کی کچھ چلتی نہ تھی۔

چھٹی کی درخواست کی' منظور ہوگئی' پارے کو سب کے بارے میں بتایا' تعارف کرایا غائبانہ' اس کے چہرے پر گھبراہٹ نمودار ہوئی۔ عادل نے سمجھایا۔

"میں ایک ہفتہ ساتھ رہوں گا۔ تم سب کا خیال رکھنا' سب کی عزت کرنا' اماں کو راضی کرلو تو بس۔۔۔"

پارے بہت خاموش اور گم صم ہوگئی۔ یوں بھی وہ کچھ لیے دیے رہتی تھی۔ ابھی تک دل کی کوئی بات عادل سے نہیں کی تھی۔ خود سے بات نہیں کرتی تھی۔ مگر کام سب کرتی تھی۔ عادل خوش تھا۔ خالہ بھی تعریفیں کرتی رہتی تھیں۔

☆ ☆ ☆

گھر میں اس کی آمد' بہو کے ساتھ اماں پر سکتہ طاری ہوگیا۔ آپا غصے میں لال ہوگئیں۔ ابا البتہ خوشی کے اظہار میں بے قابو ہوگئے۔ عامر اور نازیہ بے حد مسرور ہوئے۔ عادل نے پارے کا ہاتھ پکڑ کر اماں کے پاس بٹھایا۔

"اماں! یہ آپ کی بہو ہے۔ اس کے ماں' باپ نہیں ہیں۔ مگر آپ اور ابا تو ہیں۔ اسے بیٹی سمجھیں' یہ کبھی آپ کو مایوس نہیں کرے گی۔ میں نے اسے یقین دلایا ہے کہ میرے ماں' باپ ہی اب تمہارے ماں' باپ ہیں۔ خود کو یتیم نہ سمجھنا۔ اس گھر کو اپنا گھر سمجھنا' اماں۔۔۔ مجھے آپ پر بڑا بھروسا ہے۔ امید ہے میری اچانک شادی کو آپ اسی طرح قبول کریں گی' جیسے میں نے کرلیا ہے۔"

اس نے شادی کی تفصیل اماں کو بتادی۔ وہ چپ رہیں۔ عامر اور نازیہ پارے کو ساتھ لے گئے۔ بلی' طوطوں سے تعارف کروایا۔

ابا نے مختصر سا ولیمہ کا اہتمام بھی کرلیا۔

آپا ناخوش تھیں۔ ابا کے سامنے تو بولیں نہیں' کچن میں برتن پٹختی رہیں۔ اماں بالکل چپ تھیں۔ اسے مایوسی ہوئی' مگر۔۔۔ ابا' عامر اور نازیہ بہت خوش تھے۔

عادل نے محسوس کیا۔ جب وہ کہیں باہر جاتا ہے' کسی دوست کے پاس' یا رشتے داروں سے ملنے' واپس آکر پارے کو مضطرب پریشان دیکھتا۔

اسے یقین تھا۔ آپا ناگواری ظاہر کرتی ہوں گی۔ پوچھنے پر کچھ بتاتی نہ تھی۔ خوف زدہ ہوجاتی۔ البتہ نازیہ سے خوش رہتی۔ پھپھو کی طبیعت خراب تھی۔ وہ ولیمہ پر بھی نہیں آسکی تھیں۔ یوں بھی نند' بھاوج کے تعلقات مثالی نہ تھے۔ خیر ایک دن آہی گئیں۔ عادل کو مبارک باد دی' پیار کیا۔

"کون سی نیکی کا اجر ہے یہ۔ شرافت اور پاکیزگی کا

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

نور چہرے سے ظاہر ہے۔"

عادل پھپھو سے لپٹ گیا۔ "پھپھو آپ کی دعائیں اور میری نیک نیتی۔"

"سچ ہے بیٹا۔ کوئی نیکی بھی ضائع نہیں ہوتی۔ کبھی نہ کبھی اجر مل ہی جاتا ہے۔ ایک یتیم کو اپنا کر تم نے کتنا ثواب کمایا ہے۔ اللہ ہمیشہ بہت نوازے گا تمہیں ان شاء اللہ۔"

پھپھو کے لہجے میں پیار تھا۔ آپا کے چہرے پر ناگواری' جاتے وقت پھپھو نے پھر کہا۔

"لگتا نہیں کہ کوئی غیر ہے۔ اپنی اپنی سی لگتی ہے۔ اللہ تم دونوں کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ ہر آفت سے بچائے۔" انہوں نے کچھ آیات پڑھ کر عادل اور پارے پر دم کیا۔

پارے ان سے مل کر خوش تھی۔ دبی زبان سے بولی۔ "اب آپ کب آئیں گی؟"

انہوں نے پارے کے ماتھے پر بوسہ دیا۔ "اب تم دونوں ہمارے گھر آنا عادل۔۔۔ آؤ گے نا اسے لے کر۔"

عادل نے اقرار کیا۔ مگر پھپھو کے گھر جانا نہ ہو سکا۔

☼ ☼ ☼

چھٹی ختم ہو گئی۔ اماں کے اصرار پر وہ پارے کو چھوڑ کر جا رہا تھا۔ پارے بہت مضطرب تھی۔ مگر زبان سے وہ کچھ کہتی نہ تھی۔ عادل سمجھتا تھا کہ وہ پریشان ہے۔ لیکن۔۔۔ اماں کی بات کیسے ٹالے۔ لاہور آ کر گھر میں سناٹا' تنہائی اور اداسی نے استقبال کیا۔ ہر جگہ پارے کا تصور۔ اس کی کمی محسوس ہو رہی تھی۔ شاید اسے بھی اس خاموش ہستی سے محبت ہو گئی تھی یا اس کے وجود کی عادت' خالہ کے گھر گیا۔ وہ ڈانٹنے لگیں۔

"کیوں وہاں چھوڑا۔ کون ہمدرد ہے اس کا وہاں۔ مجھے تو ارم کی موجودگی سے اس بچی کی فکر ہو گئی۔ وہ تو اس شادی کو قبول نہیں کرے گی' دیکھ لینا' بڑی غلطی کی عادل! اگلی بار اسے ساتھ لانا۔"

انہوں نے تاکید کی۔ عادل کیا بتاتا۔ یہاں بھی اس کا تنہا رہنا مشکل۔۔۔ خالہ کے گھر روز جانا بھی مناسب نہیں۔ پھر ابا' نازیہ' عامر تو اس کے ہمدرد ہیں۔

خالہ روز اسے فون کرتیں۔

"چھٹی لے کر چلا جا عادل۔۔۔ بچی کی خیر خبر رکھ۔ انجان ہے وہ نہ جانے کس طرح دن گزارتی ہو گی اور چلو دن تو گزر جاتا ہے۔ مگر۔۔۔ رات کو روتی ہو گی چپکے چپکے۔"

عادل کو خالہ کی پریشانی کا احساس تھا۔ مگر۔۔۔ روز چھٹی ملنا بھی تو مشکل تھا۔ لیکن۔۔۔ آخر کار اتفاقاً اسے آفس کے کام سے پنڈی جانا پڑا۔ دو دن کا کام تھا۔ پنڈی آفس پھپھو کے گھر کے قریب تھا۔ وہ وہیں چلا گیا۔

پھپھو بہت خوش ہوئیں۔ بیگ رکھ کر وہ ناشتا کر کے آفس چلا گیا۔ سہ پہر کو واپس آیا۔ گھر جانے کے خیال سے بہت خوش تھا۔ میلے کپڑے بیگ میں ٹھونستے ہوئے گنگنا رہا تھا۔ برآمدے میں شاید کوئی مہمان تھا۔

جانی پہچانی آواز تھی۔ ہائیں۔۔۔ چچی۔۔۔ ابراہیم چچا کی بیوی روتے ہوئے فریاد کر رہی تھیں۔ جیسے ابا کا نام لیا۔ وہ سننے پر مجبور تھا۔

"میں تو بھائی کامل کے اطمینان دلانے پر اپنے میاں کے کہنے پر اپنا سامان ان کے گیراج میں رکھ گئی تھی۔ گھر میں رنگ روغن ہو رہا تھا۔ قیمتی سامان بڑے بکس میں رکھ دیا تھا۔ مائیکرو ویو اوون۔۔۔ ٹوسٹر۔ جوسر' گرائنڈر' سوٹ کیس میں قسیم کی بری کے بھاری جوڑے۔ گیراج خالی ہی تھا۔ حج کرنے گئے تھے ہم۔ کوئی سالوں کے لیے تو نہیں گئے تھے۔ نہ ہی ان کے گیراج پر قبضہ کرنے کا ارادہ تھا۔ بتاؤ۔۔۔ ایسا کون سا گناہ کر دیا۔ ارم تو پہلے ہی ناک بھوں چڑھا رہی تھی۔ مگر میاں نے کہا۔ گھر بھائی کامل کا ہے۔ بس بہن! قسیم گھر کو ٹھیک کرانے میں لگا رہا۔ ہمارے آنے کے بعد دعوتوں کا سلسلہ چلا۔ مہلت نہ ملی کہ فوراً" وہاں سے سامان لاتے۔ اب ذرا اطمینان ہوا تو ہم سامان لینے گئے۔ مت پوچھو کہ کیا ہوا۔ بکس میں تالا جوں کا توں موجود۔ کھول کر چاہا کہ چیزیں نکال کر آرام سے ایک ایک کر کے لے جائیں گے۔ تو کیا دیکھا۔ نئے کمبل راکھ کا ڈھیر۔ بجلی کا سامان جیسے کوئلہ۔۔۔ سوٹ کیس کے سارے کپڑے ایسے کہ جیسے بہت فرصت میں کسی نے آگ لگائی ہو۔ خون کے آنسو روتی واپس آ گئی۔ ارم بیگم یوں مسکرا رہی تھیں جیسے بڑا کارنامہ انجام دیا ہو۔ اوپر سے اگلے دن ارم کا حکم نامہ ملا کہ گیراج میں گند پھیل گیا ہے۔ صفائی کروا دیں۔۔۔ ماسی کو لے جا کر گیراج صاف کروایا۔ روتی رہی نصیبوں کو کس سے کہتی کہ۔۔۔ کچھ نہ بچا میرا تو۔" رو رہی تھیں زار' زار۔

"ہاں بھابھی۔۔۔ سنا تھا میں نے بھی۔" پھپھو افسردگی سے بولیں۔

"سب جانتے ہیں آپا! سب جانتے ہیں۔ ارم جادوگروں کے ہاتھ میں کھیل رہی ہے۔ ہر کسی سے کدر ہے اسے۔ مگر۔۔۔ نقصان تو دوسروں کا ہوتا ہے۔ بھائی کامل بھی جانتے ہیں بھابھی بھی۔۔۔ مگر سب بے بس ہیں۔"

وہ رو رہی تھیں۔ پھپھو انہیں تسلی دے رہی تھیں۔ عادل اپنی جگہ منجمد ہو گیا تھا۔ ساری خوشی کافور۔۔۔ نہ جانے یہ کیا معاملہ تھا۔ سب جانتے تھے آپا پیر' فقیر درویشوں کے در پر حاضری دے کر خوش ہوتی تھیں۔ اپنا گھر' شوہر' بچے سب چھوڑ کر میکے میں آ گئی تھیں۔

چچی کا سامنا کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ مگر پارے کا خیال آ گیا۔ بیگ لے کر سست قدموں سے باہر نکلا۔ چچی سے سامنا ہو ہی گیا۔ سلام کر کے باہر آ گیا۔ ٹیکسی کر کے روانہ ہو گیا۔ گھر۔۔۔ ابا' اماں' بہن' بھائی اور پارے وہ جو کچھ کہتی نہیں' جتاتی نہیں' مگر اس کی آنکھیں بولتی ہیں۔ اس کا چہرہ اس کے جذبات کا آئینہ دار تھا۔

ابا مسجد جا رہے تھے۔ سلام دعا کے بعد وہ باہر' عادل اندر آیا گھر اپنا گھر' نازیہ چیخی' وہ اماں کے کمرے میں آ گیا۔ آپا وہیں تھیں' طنز کرنے لگیں۔

"واہ بھئی مہینوں شکل نہیں دکھاتے تھے اب مہینہ بھر بعد گھر یاد آ گیا۔ ہاں بھئی' ماں' بہنوں کی کیا حقیقت ہے۔ اصل میں تو بیوی ہے۔ جدائی برداشت نہیں ہوئی۔"

وہ ٹال گیا۔ بات غلط نہ تھی۔

"آپا! کب آئیں آپ۔ بھائی صاحب کیسے ہیں؟ اور وہ اپنے چھوٹو اور گولو۔۔۔ نظر نہیں آ رہے۔"

آپا بغیر جواب دیے منہ پھیر کر چلی گئیں۔ کچھ دیر بعد اس نے ہنس کر کہا۔

"کیا مہمان کو چائے وائے پلانے کی رسم اب نہیں رہی؟"

"چولہا خالی ہو گا تو چائے بنے گی۔" اماں نے روکھے لہجے میں کہا۔ "تمہاری بیوی تو۔۔۔ سست اول درجے کی۔۔۔ کھانا اتنی دیر میں بناتی ہے۔ جیسے بارات کے لیے دیگ پکا رہی ہو۔"

"کیوں۔۔۔ کھانا وہ کیوں بناتی ہے۔ نصیبن بوا کہاں ہیں؟"

وہ حیرت زدہ تھا۔ بوا برسوں سے کھانا پکا رہی تھیں۔ پارے ابھی تک نظر نہیں آئی تھی۔ نہ جانے اس سے اور کیا کام لیا جا رہا ہو گا۔

وہ بے مزا ہو کر کمرے میں آ گیا۔ کمرہ۔۔۔ بکھرا ہوا سا تھا۔ جیسے وہ بستر سے اٹھ کر ابھی نہیں گئی ہو' یا پھر۔۔۔ صبح سے ابھی تک اسے کمرے میں آنے کی مہلت نہ ملی ہو۔ کمبل۔۔۔ بستر کی سلوٹیں۔۔۔ کرسی پر بے ترتیبی سے پڑا تولیہ' عادل نے کمبل تہہ کر کے چادر درست کی۔ تولیہ واش روم میں لٹکایا۔ بستر پر لیٹ کر سوچنے لگا۔ اتنی دیر ہو گئی۔ پارے ایسا کیا کام کر رہی ہے جو اسے ابھی تک آنے کی فرصت نہیں ملی۔ نازیہ چائے لے آئی۔

"بھائی! فی الحال آپ کو بھابھی کے ہاتھ کی بنی چائے ہی ملے گی۔ کیونکہ وہ کھانا بنا رہی ہیں۔ وہ بھی ایسی مشکل ڈش۔۔۔ جو انہوں نے کبھی بنائی نہیں۔۔۔ مگر آپا کا حکم ہے کہ وہی بنائیں۔۔۔ کچھ تو بنانا آئے۔" کچھ تو سے کیا مراد ہے۔ وہ بے چین ہوا۔

"کچھ تو سے مراد ہے شب دیگ۔" وہ ہنسی۔

"میں نے یہ نام سنا تو ہے۔ مگر ہمارے ہاں کبھی ایسی

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

ڈش بنی تو نہیں۔"

"اسی لیے آج بھابھی سے بنوائی جارہی ہے۔ کوفتوں کے لیے قیمہ چوپر کے بجائے سل پر پیسا جائے گا۔"

"تو۔۔۔ یہ تو کوفتے ہوئے' شب دیگ تو پوری رات پکائی جانے والی ڈش ہوگی۔"

"جی نہیں اس کوفتوں کے سالن میں شلجم ڈالیں جائیں گے۔ اسی کو شب دیگ کہتے ہیں۔"

"اُفوہ۔۔۔ کوفتوں کو بدمزا کرنے کی کوشش۔" وہ جھٹکے سے اٹھا۔ چائے وہیں رکھی رہی۔ کچن میں جاکر جھانکا۔ پارے سل پر قیمہ پیسنے میں لگی ہوئی تھی۔ آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑا۔ گھبرائی ہوئی پارے کو کھینچتا ہوا کمرے میں لایا۔

"ہاتھ دھو کر آؤ۔" حکم دیا۔

وہ ہراساں ہو کر نازیہ کو دیکھنے لگی۔ جو ہنس رہی تھی۔ عادل آرام سے چائے پینے لگا۔

"ویسے نازی! تمہاری بھابھی چائے تو اچھی بنالیتی ہے ٹھنڈی۔"

"ٹھنڈی اس لیے ہے کہ آپ گرم ہوگئے ہیں۔ بھابھی جائیں ہاتھ منہ صابن سے اچھی طرح دھو کر آئیں۔ آپ کے پاس سے قیمے اور پیاز کے بھبکے اٹھ رہے ہیں۔"

پارے جزبزسی ہو کر واش روم میں گھس گئی۔ نازیہ نے عادل کے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔ "کیسی رہی؟"

"بہت اعلا۔۔۔ نازی! آخر آپا اپنے گھر کب جائیں گی؟"

"کوئی پیش گوئی نہیں کرسکتا۔ اب جو نئے پیر صاحب بقول آپا کے بہت پہنچے ہوئے ان کو ملے ہیں۔ ان کا تازہ حکم یہ ہے کہ سوا مہینہ وہ اپنی قیام گاہ تبدیل نہ کریں۔ ورنہ بہت نقصان ہوگا۔ پیر صاحب ان کے لیے چلہ کاٹ رہے ہیں۔"

"مگر۔۔۔ کس لیے؟"

"آپا کے دشمنوں کی تعداد بہت ہے نا۔ ان سب کا قلع قمع کرنا ہے۔ سوا مہینے بعد بھی نہیں کہا جاسکتا کہ کوئی نیا حکم نامہ جاری ہوجائے۔ پچھلے مہینے انہوں نے کہا۔ بدھ کے دن صبح جو سب سے پہلے تمہارے سامنے آئے گا۔ وہ تمہارا دشمن نمبر ون ہوگا۔ بوا نصیبن کھانا پکانے کا پوچھنے آئیں۔۔۔ بس۔۔۔ معتوب ٹھہرائی گئیں۔ نکال باہر کیا۔"

پارے منہ ہاتھ دھو کر آئی' فکرمند چہرہ' پریشان آنکھیں' بجھا بجھا سا وجود' بیمار۔۔۔ بیمار سی' رنگ بھی جھلس گیا تھا۔ کیا یہ وہی پارے ہے۔ جو دلہن بنی اس کے سامنے آئی تھی۔ دمکتا چہرہ مہکتا وجود۔

"نازی۔۔۔ پارے کو کیا ہوا ہے؟ کھانا وانا نہیں ملتا کیا؟" پارے نظر چرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

نازی بولی۔ "بتاؤں۔۔۔ کھانے میں کیا ملتا ہے؟ آپا کی ڈانٹ کی سویٹ ڈش' اعتراضات کی سلاد' گھورتی آنکھوں اور پیر صاحب کی دھمکیوں سے لبریز کھانا۔ بھائی' بھابھی خوف زدہ رہتی ہیں۔ انہیں اپنے ساتھ لے جائیں۔"

باہر سے آپا کی چنگھاڑ سنائی دی۔ پارے گھبرا کر کھڑی ہوگئی۔ "میں جاؤں۔۔۔ ابھی کھانا بنانا ہے۔"

"بالکل نہیں۔" عادل نے پارے کا ہاتھ پکڑ کر بٹھایا۔ "نازی! آپا سے کہو' شب دیگ وہ خود بنالیں۔ پارے خراب کردے گی۔ میں تھکا ہوا ہوں۔ اب یہ میری خدمت کرے گی' جاؤ۔"

نازیہ برتن اٹھا کر پارے کے گھورنے کی پروا نہ کرتے ہوئے باہر چلی گئی۔ ہنستی ہوئی دروازہ باہر سے بند کرگئی۔ پارے مزید پریشان ہوئی۔ عادل نے اسے قریب کیا۔

"ہاں جی۔۔۔ اب آپ بتائیے۔۔۔ معاملہ کیا ہے؟ طبیعت ناساز ہے؟ کوئی پریشانی ہے؟ مجھے نہیں بتاؤ گی' تو خسارے میں رہو گی' جو بھی دل میں ہے' بتادو۔"

مگر وہ ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ جواب کیا دیتی' دماغ تو شب دیگ میں الجھا ہوا تھا۔ بغیر پسا قیمہ سل پر چھوڑ کر آگئی تھی۔ آپا قیامت ڈھادیں گی۔ مگر عادل نے اسے باہر نکلنے نہیں دیا۔ اپنی باتیں کرتا رہا۔ اپنی تنہائی' کھانے پینے کی تکلیف۔ اس کے پاس موضوعات کی کمی نہ تھی۔ رات ہونے لگی تو وہ کھڑی ہوگئی۔ عادل نے پھر ہاتھ پکڑ کر بٹھالیا۔

"تمہیں میرے مسائل سے کوئی دلچسپی نہیں؟ کیسی شریک حیات ہو۔"

"آپ کے ان مسائل سے میرا کیا تعلق؟" وہ چڑ گئی۔ "نہ ہی میں قصوروار ہوں۔"

"میں نے کب کہا تم قصوروار ہو۔ مگر تعلق تو ہے' آخر میں تمہارا مجازی خدا ہوں۔ میرے ہر مسئلے میں تم بندھی ہوئی ہو اور تمہارا ہر مسئلہ میرا مسئلہ ہے۔ تمہیں بھی اپنا دکھ پریشانی مجھ سے شیئر کرنا چاہیے۔" اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی مگر اداس تبسم۔

"آپ میرے لیے مشکلیں کھڑی کررہے ہیں۔ یہاں اس طرح روک کر۔" ہونٹ چبانے لگی۔

"اچھا چلو۔۔۔ میری خاطر ان مشکلوں کو بھی برداشت کرلو۔" نازی نے باہر کھانے کے لیے بلایا۔

عادل نے کہا۔ "یہیں لے آؤ۔ میرا موڈ نہیں ہے باہر نکلنے کا۔" پارے۔۔۔ مگر دروازے تک پہنچ گئی تھی۔ بند دروازہ باہر سے نازی نے کہا۔

"اچھا۔۔۔ بھابھی کا بھی لے آتی ہوں' آپ آرام کریں۔"

"نازی پلیز۔۔۔ میں۔۔۔ میں۔۔۔" وہ گھگھیائی۔

"بھابھی بکری نہ بنیں۔ آج کے دن آپ شیر ہیں۔ ضرور ہی کچن میں بیٹھ کر کھانا کھانا ہے۔" کہہ کر چلی گئی۔

پارے وہیں کھڑی رہی' عادل نے قہقہہ لگایا۔ نازی کھانا لائی تو عادل نے حیرت سے کہا۔

"ارے بھئی۔۔۔ وہ مشہور و معروف شب دیگ کیا رات بھر پکنے کے لیے رکھی ہے' یہ تو قیمہ ہے۔"

"ہاں۔۔۔ آپا نے کہا' کون پکائے شب دیگ' قیمہ ہی ٹھیک ہے' انہوں نے بھلا کب محنت طلب کام کیا ہے؟ بھابھی سے پکوانے کا مطلب تھا' پک بھی جائے اور اعتراض کرنے کے موقعے بھی ملیں۔ وہ کہیں گنجائش چھوڑنے کے حق میں نہیں۔ بھابھی شکر کریں امتحان سے بچ گئیں۔"

"بچ گئی یا اور پھنس گئی؟" وہ بڑبڑائی۔

تینوں نے ساتھ کھانا کھایا۔ پارے ہاتھ دھونے کے لیے چلی گئی تو نازی نے چپکے سے کہا۔

"بھائی! آپا کو تاکید کردیں۔ اپنے پیر صاحب کے تعویذوں سے بھابھی کو نہ آزمائیں۔ پتا نہیں وہ کیا کیا کرتی رہتی ہیں۔ بھابھی کے لیے تعویذ لائی ہیں۔ جو میں کیاری میں دبا دیتی ہوں۔" وہ فکرمند تھی۔ عادل بھی سوچ میں گم ہوگیا۔

آپا کمزور عقیدے کی خاتون تھیں۔ خاندان میں مشہور ہوگئی تھیں۔ اب تو لوگ ملنے بھی نہیں آتے تھے کہ نہ جانے ماریہ کیا جادو کردے۔

ایک بار مختار چچا نے بھی اپنا ایک سوٹ کیس ان کے گھر رکھوایا تھا۔ بطور امانت' وہ لینے آئے۔ تو اندر سے خالی تھا۔ حجت کرنے لگے' آپا نے کہا۔ "ہمیں کیا پتا آپ نے بھرا ہوا رکھوایا تھا کہ خالی۔"

مختار چچا بھنا کر بولے۔ "خالی سوٹ کیس مجھے کاٹ رہا تھا جو میں ادھر رکھ گیا' یہ کہو' اپنے پیر کو نذرانہ دینے کے لیے مفت کا مال مل گیا' کوئی پیر مفت میں کام نہیں کرتا۔"

اس کے بعد ابراہیم چچا کا واقعہ ہوا۔ آپا نے اماں کی بھی زبان بندی کی ہوئی تھی۔ وہ کچھ کہتی نہ تھیں اور جب بولتی تھیں وہ آپا کی حمایت میں' عادل بھاری دل کے ساتھ رخصت ہوا' آپا سے کہہ دیا۔

"اگر آپ نے اپنے پیروں کے تعویذ پارے پر آزمائے تو یاد رکھیے گا' میں بہت برا سلوک کروں گا۔"

☼ ☼ ☼

واپسی خاصی دل شکن تھی۔ گھر ویران' تنہائی' یادیں' پھر دوسرے گھر کی تلاش۔۔۔ کسی پورشن کی' جہاں کوئی فیملی رہائش پذیر ہو۔ پارے کو تنہائی کی اذیت نہ ہو۔ خالہ کے گھر کے قریب بھی ہو۔ بارے ایک ایسا گھر مل ہی گیا۔ جہاں دو میاں' بیوی رہتے تھے۔ آدھا مکان کرائے پر دینا چاہتے تھے۔ انہیں بھی بڑھاپے

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

میں ایک جوان فیملی درکار تھی جو وقت پر ان کے کام آئے۔

عادل نے خالہ کو گھر دکھایا۔ خاتون خانہ سے مل کر خالہ مطمئن ہوگئیں۔ صاحب خانہ بھی معقول تھے۔ گھر کرائے پر دینے کے لیے گھر میں مرمت رنگ روغن ہو رہا تھا۔ اس لیے فی الحال صبر کرنا تھا۔ پہلی فرصت میں پنڈی جا پہنچا۔ پارے کی صحت مزید خراب۔ گھر کے کاموں میں جتی ہوئی تھی' اماں سے شکوہ کیا۔

"اماں! میں نے آپ کو بیٹی لا کر دی تھی۔ آپ نے اسے ملازمہ بنا لیا۔ یہ کوئی انصاف تو نہیں۔"

آپا کی تیوری پر بل آگئے۔ اماں نے ان کی ناگواری کے مطابق جواب دیا۔

"مجھے بیٹیوں کی کمی تو نہیں تھی۔ دوسری بات یہ کہ جس لڑکی کا کوئی آگا' نہ پیچھا' بہو کے نام پر چھوڑ گئے۔ میں اسے کیا ماتھا دوں۔ مجھے تو یقین نہیں کہ اس کا کسی شریف فیملی سے تعلق بھی ہے۔"

وہ دنگ رہ گیا۔ اماں سب کچھ بھلا چکی تھیں۔ ابا سے شکوہ کیا' وہ مجبور تھے بولے۔

"بیٹا! پتا نہیں اس کے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے۔ دن بدن کمزور ہو رہی ہے۔ پوچھتا ہوں تو بتاتی بھی نہیں۔"

وہ جانتا تھا' ابا گھر کے معاملات سے لاتعلق ہی رہتے تھے۔ اختیار تو اماں کو تھا جو آپا کی معمول بنی ہوئی تھیں۔

اور آپا... شوہر' گھر' بچے ہوتے ہوئے میکے میں قیام پذیر تھیں اور شوہر اور بچوں کو بھی شاید اب ان کی ضرورت نہ رہی تھی۔ ایک بار ان کے شوہر سے عادل ملا اور آپا کو لے جانے کا کہا تو وہ بولے۔

"کیا فائدہ... زیادہ وقت تو وہ مزاروں' پیروں کے آستانے پر گزارتی ہیں۔ گھر کو ٹائم دینے کی انہیں ضرورت نہیں۔ نہ میرے پاس اتنا پیسہ ہے جو ان کے خود ساختہ دشمنوں سے نجات پانے کے لیے پیروں کے حوالے کردوں۔ زیور تو سارا پہلے ہی ٹھکانے لگا چکیں۔"

نئے نئے انکشاف ہو رہے تھے' تو مختار چچا کا شک درست تھا۔ آپا... سب کچھ پیروں کی نذر کرتی تھیں۔

"ابراہیم چچا کا سامان جلانا تھا۔ نہ جانے کیا چیز ڈال کر آگ لگا دی۔" یہ شک عامر نے ظاہر کیا۔

اف... اب پارے کو دیکھ کر مزید افسوس ہوا۔ وہ عجیب سی چال چل رہی تھی۔ کھوئی کھوئی' جیسے اس کا کچھ گم ہوگیا ہو۔ بہت پوچھا' مگر ایک خامشی تھی جواب میں۔

یہ اس کا خاص انداز تھا۔ کسی بھی اہم بات کو چھپانے کا۔ بار بار پوچھا' طرح طرح کے سوال کیے۔ مگر جیسے اس کی زبان پر مہر لگ چکی تھی۔ جسمانی طور پر بھی خاصی کمزور ہو رہی تھی۔ نقاہت چہرے سے ظاہر تھی۔ صبح اس نے پارے کو کمرے سے نکلنے نہ دیا۔ وہ ناشتا بنانے کے لیے بے قرار تھی۔

"سنو... جب تم نہیں تھیں' آپا یا نازی ناشتا بنا لیتی تھیں' بوا کھانا بناتی تھیں' تم یہاں مہمان ہو' تم پر ہر کام کی ذمے داری نہیں ہے۔"

"جب تک میں یہاں ہوں' یہ ذمے داری میری ہی ہے۔" اس نے زور دے کر کہا۔ پھر مزید اضافہ کیا۔

"میری مشکلیں نہ بڑھائیں' میں اپنی حیثیت جان گئی ہوں۔"

وہ سمجھ گیا' آپا نے ہی الٹا سیدھا کچھ کہا ہوگا۔ معاملے کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کی۔

"اچھا جی... تو کیا حیثیت ہے آپ کی؟" بظاہر خوش دلی سے پوچھا تھا۔

وہ منہ دوسری طرف کر کے بولی۔ "جو... آپ سمجھیں' لیکن سب کی رائے الگ ہوتی ہے۔"

ناشتے کے لیے نازیہ بلانے آئی۔ سب کے ساتھ چائے پیتے ہوئے اس نے محسوس کیا۔ ارم کی تیز نظریں پارے پہ جمی ہوئی تھیں اور پارے کسی مجرم کی طرح سر جھکائے چائے پی رہی تھی۔ اس نے بمشکل ایک توس کھایا تھا۔ پھر برتن اٹھانے میں نازیہ کی مدد کرنے لگی۔ اس کی پژمردگی دیکھ کر عادل نے اعلان کیا۔

"میں پارے کو ڈاکٹر کے پاس لے جا رہا ہوں۔"

پارے ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگی۔

"لو... میاں صاحب کے آتے ہی ڈرامے شروع۔" آپا نے تیکھے لہجے میں کہا۔ "اور... یوں حیران ہو کر دیکھ رہی ہے جیسے عادل نے کوئی انہونی بات کی ہو۔ ارے ہم کیا جانتے نہیں چلتر بازیاں۔"

وہ بناوٹی ہنسی ہنس رہی تھیں۔ نازی چڑ گئی۔

"آپا! آپ کی نظر کمزور ہے شاید۔ یہ حالت ہوگئی ہے بھابھی کی۔ چلتے میں لڑکھڑاتی ہیں۔ کب سے اماں سے کہہ رہی ہوں ڈاکٹر کو دکھائیں۔ مگر کسی کو احساس ہی نہیں۔ شکر کریں' بھائی نے اپنی ذمے داری کا ثبوت دیا۔"

پھر وہ پارے کو اشارہ کرتی باہر چلی گئی۔ پارے اس کے ساتھ تھی۔ عادل کچن میں جا کر نازیہ کا شکریہ ادا کرنے لگا۔ پارے سے کہا۔

"چلو... جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ سجیلہ ابھی فارغ ہوگی۔"

سجیلہ کزن بھی تھی' دوست بھی' اپنا کلینک چلا رہی تھی۔ پارے کو دیکھ کر حیران ہوگئی۔ پھر چیک اپ کے لیے اندر لے گئی۔ باہر آکر سنجیدگی سے بولی۔

"کیا یار عادل! تم نے اس کی حالت کیا بنا دی ہے۔ اتنی کمزوری' میں تو ڈر ہی گئی کہ خدانخواستہ... خیر..."

تشویش اس کے چہرے سے ظاہر تھی۔

عادل گھبرا گیا۔ "کیا ہوا؟ خیر ہے؟"

"ابھی کچھ نہیں ہوا... سات مہینے بعد ہوگا۔" وہ سنبھل کر بولی۔ "بیٹا یا بیٹی' مگر اصل شرط ان کی صحت ہے۔ اسے آرام کی ضرورت ہے۔ مکمل آرام' کھانے پینے کا خیال رکھو۔ فروٹ اور دودھ پابندی سے کھائیں پئیں۔ میں دوا اور طاقت کا ٹانک بھی لکھ دیتی ہوں۔"

بے شمار ہدایتوں کے ساتھ وہ پارے کو گھر لایا۔ اماں کو سنجیدگی سے بتایا۔ دوائیں دکھائیں۔ کھانے پینے کی ہدایتیں اماں خوش تو ہوگئیں۔ مگر کشمکش میں تھیں' خوشی ظاہر کریں یا نہ کریں۔

آپا نے منہ بنا لیا۔ بے یقینی سے' جیسے کہہ رہی ہوں' ڈرامہ باز سب جانتی ہوں۔

عادل نے پارے کو نازیہ کے سپرد کر دیا۔ نازیہ تو خوشی سے ناچنے گانے لگی۔ پارے کو بستر پر لٹا دیا۔ پارے کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"دیکھو' مکمل آرام کی تاکید کی ہے سجیلہ نے۔ ذرا بھی بے احتیاطی ہوئی تو کوئی بڑا نقصان ہو سکتا ہے۔ عامر سے فروٹ روز منگوا لینا اور آپا سے ہوشیار رہنا۔ تمہاری ذمہ داری ہے۔"

"فکر نشتہ بھائی... اب میں جانوں... اور میرا کام۔" عادل پرسکون ہوگیا۔

رات میں پارے کو مکان کے بارے میں۔ اپنے منصوبوں' مستقبل کی خوشیوں کے بارے میں بتاتا رہا۔ پارے حسب عادت چپ۔ نہ جانے کون سے خدشات اس کے ذہن میں پل رہے تھے۔ صبح ایک دوست کو لینے ائیرپورٹ جانا پڑا' جو لندن سے آ رہا تھا۔ دبئی ہوتا ہوا اور بھی دوست مل گئے۔ گھر فون کر دیا کہ دیر سے آؤں گا' مگر رک نہ سکا۔ پہلے فون کر کے چھٹی بڑھائی۔ نہ جانے چھٹی حس کون سے اشارے کر رہی تھی۔

گھر آیا' پارے کمرے میں نہ تھی۔ بستر خالی کمرہ خالی' نازیہ غائب' باہر نکل کر دیکھا۔ وہ اماں کے کمرے میں بھی نہ تھی۔ زینے پر آہٹ سی ہوئی۔ وہ اوپر دیکھنے لگا۔ بے یقینی سی بے یقینی تھی۔

پارے سب سے اوپر والی سیڑھی پر ایک لوہے کے بکس کو کھینچ رہی تھی۔ پرانا لوہے کا بکس' جو ردی' کتابوں اور پرانے کاغذات کا امین تھا۔ عادل خطرے کو بھانپ کر دو دو سیڑھیاں پھلانگتا اوپر پہنچا۔ وہ بکس کو ایک سیڑھی نیچے تک تو کسی طور کھینچ لائی تھی' مگر اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔

"یہ بکس... نیچے لے جانا تھا۔ مجھ سے نہیں ہو رہا۔" رونے کو تھی۔ عادل بکس کو اٹھا کر نیچے لایا۔ بھاری بھرکم بکس۔ اماں کے کمرے میں لا کر پٹخا۔ اماں

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہائیں ہائیں کرنے لگیں' آپا چیخیں۔
"آئے ہائے اتنا بھاری بکس اٹھا لایا۔ کمر میں درد ہو جاتا تو۔"

اس نے ملامت آمیز نظروں سے آپا کو دیکھا۔ پھر کچھ کہے بغیر اوپر گیا۔ پارے ایک سیڑھی پر نڈھال بیٹھی تھی۔ ہچکی چڑھی ہوئی تھی۔ عادل اسے گود میں اٹھا کر نیچے لایا۔ کمرے میں آرام سے لٹایا۔

"کیوں کیا تم نے یہ فضول کام؟"

وہ نادم سی تھی۔ "آپا کو سخت ضرورت تھی۔ انہوں نے کہا ہلکا سا ہے۔ مگر۔۔۔"

اس نے اماں کے پاس جا کر کہا۔ "اماں! میں نے آپ کو بتایا تھا' سجیلہ نے کتنی سخت تاکید کی تھی۔ سیڑھی نہیں چڑھنی' وزن نہیں اٹھانا' مکمل ریسٹ اور۔۔۔ میرے باہر جاتے ہی اسے بستر سے اٹھا کر اوپر پہنچا دیا۔ بھاری بکس اٹھا کر نیچے لانے کے لیے؟ ٹھیک۔ تاکہ میں اپنی زندگی کی پہلی خوشی' پہلی اولاد سے محروم ہو جاؤں یا پارے دوسری دنیا پہنچ جائے۔ آپا! مجھ سے آپ کو کیا دشمنی ہے۔ آپ چاہتی ہیں میرا گھر اجڑ جائے۔ میری خوشیاں برباد اور زندگی تباہ ہو جائے۔ میری محبت ہے وہ۔ سنا آپ نے۔ زندگی ہے میری۔"

"تم۔۔۔ تم۔" آپا ہکلا گئیں۔ "تم نے کہا۔۔۔ تم دیر سے آؤ گے تو۔"

"تو۔۔۔ آپ نے موقع غنیمت جان کر میری زندگی چھیننے کی کوشش کی۔ آپ مجھے ہی زہر دے دیں آپا۔ تاکہ آپ کے کلیجے میں ٹھنڈ پڑ جائے۔ مگر۔۔۔ میری وجہ سے کسی بے قصور کو تو سزا نہ دیں۔" آواز بھرا گئی۔

اماں بھی چیخنے لگیں۔ "میں بھی یہی پوچھ رہی تھی کہ لوہے کے پرانے بکس سے کیا لینا تھا جو اس کباڑ کو نیچے منگا لیا۔ مگر ارم کی کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔"

"وہ۔۔۔ اماں۔۔۔ اس بکس میں تانبے کے پرانے برتن ہیں۔ ان کی مجھے ضرورت تھی۔" آپا نے خود کو سنبھال کر کہا۔

"جی۔۔۔ پرانے برتن ہی رہ گئے ہیں۔ اب پیر صاحب کی نذر کرنے کے لیے یا انہیں جادو ٹونے کے لیے تانبا درکار ہوگا۔ شاید مجھ پر جادو کرنا ہوگا۔ میں ہی ناپسندیدہ ہستی ہوں اور یہ نازیہ کہاں ہے؟"

"اسے بھی کوئی خاص قسم کی شال لینے مارکیٹ بھیج دیا ارم نے۔ میں تو پوچھتی رہ گئی کہ اب اس وقت شال کی کیا ضرورت پڑ گئی۔ مگر ارم کو کون سمجھاتا۔"

اماں لاچار سی تھیں۔ عادل کو تھکن سی ہو گئی۔

وہ کمرے میں آ گیا۔ پارے کے دو' تین سوٹ بیگ میں رکھے۔ فون کر کے ٹیکسی منگائی' پارے سے کہا۔

"اٹھو' چلو۔"

پارے اس کے چہرے کی سنگینی اور لہجے کی سختی سے گھبرا کر خائف ہو گئی۔ دونوں باہر آئے۔ ابا سامنے کھڑے تھے' عادل نے ابا کو بتا دیا۔

"چند دن کے لیے پھپھو کی طرف رہنے جا رہی ہے پارے۔ میں اسے یہاں نہیں چھوڑ کر جا سکتا۔"

ابا بھی اس کی سنجیدگی اور افسردگی محسوس کر کے خاموش ہو گئے۔ پھپھو کے ہاں حسب معمول پُرجوش استقبال ہوا۔ عادل نے اکیلے میں پھپھو کو روداد سنا دی۔

"پھپھو! کم از کم ایک ہفتے کے لیے پارے کو مکمل آرام کا موقع مل جائے۔ ڈاکٹر نے اس کی صحت کی طرف سے پریشانی کا اظہار کیا ہے اور وہاں کسی کو اس بات کی پروا نہیں۔"

پھپھو نے اطمینان دلایا۔ "ٹھیک ہے۔ میں اس کا خیال رکھوں گی۔ حیرت ہے۔ بھابھی نے ارم کی اجازت کے بغیر تمہارے ساتھ آنے کیسے دیا؟"

"رعب جما کر لایا ہوں۔" وہ ہنسا۔

اپنے گھر آ کر دیکھا۔ نازیہ شرمندہ تھی۔

"بھائی' سوری۔ آپا نے کچھ ایسی گڑبڑ کی کہ مجھے مارکیٹ جانا پڑا۔ نہ جانے کیسی شال تھی کہ مل کر نہیں دی۔ تھک گئی میں۔" عادل اس کی مجبوری سمجھ گیا۔

☆ ☆ ☆

شام کو وہ اور نازیہ پھپھو کے گھر گئے۔ وہاں تو ماحول ہی بدلا ہوا تھا۔ کسی جشن کا سماں تھا۔ پھپھو خوشی سے بے حال' عادل کی بلائیں لینے لگیں۔

"ارے بیٹا! تم نے تو مجھے وہ خوشی دی ہے کہ جس کی مجھے امید نہ تھی۔ ارے عادل' پارے کوئی غیر نہیں۔ ہماری اپنی ہے' میری صالحہ کی بیٹی' تمہاری پھپھو کی اولاد' جگ جگ جیو' شکرانے کے کتنے نفل پڑھ چکی ہوں۔ تسلی نہیں ہو رہی۔"

عادل کو کرنٹ سا لگا۔ دوڑا پارے کی طرف' بس نہیں چل رہا تھا کہ کیا کرے۔

"آپ نے کبھی پوچھا ہی نہیں۔ پھپھو نے میری امی کا نام پوچھا' میں نے بتا دیا' تو وہ خوشی سے اچھل پڑیں۔"

"تم تو بقول شخصے چھپی رستم نکلیں۔ خالہ کو شک تھا کہ تم پھپھو سے ملتی ہو۔ شکل میں اور چال میں اور میں بے وقوف۔ ان کا وہم ہی سمجھتا رہا۔"

ابا کو فون کیا۔ انہیں پارے کے نئے رشتے کے بارے میں بتایا' ابا خوشی سے بے تاب ہو کر بولے۔

"ارے۔۔۔ اتنی بڑی خوش خبری بغیر مٹھائی کے۔ فوراً میری بھانجی کو لے کر آؤ۔ آہ۔۔۔ صالحہ! کیسی غلطی ہوئی مجھ سے۔ صالحہ کی خیر خبر ہی نہ لی کبھی' افسوس۔۔۔"

اب ان کی آواز میں نمی تھی۔ پچھتاوے' انسان کو کس طرح زخم لگاتے ہیں۔ کاش کبھی کوئی اپنوں سے دوری کے نقصان کا اندازہ لگا لیا کرے۔ اتنا بڑا انقلاب زندگی میں آیا تھا۔ اگر پارے سے شادی نہ کرتا' انکار کر دیتا' تو۔۔۔ وہ بھی ایک بڑے خسارے سے دوچار ہو سکتا تھا۔ اپنی فہم و فراست پر وہ اپنی پیٹھ ٹھونکنے لگا۔

پھپھو اور ان کے بیٹے' بیٹیاں پارے کو لے کر مٹھائی لے کر گھر پہنچے۔ تو ابا سب سے زیادہ خوش تھے۔ پارے کو گلے لگا کر رونے لگے۔ مرحومہ بہن کی یاد نے سلے ہوئے زخم چھیل دیے تھے۔ اماں نے بھی خوشی کا اظہار کیا۔ مگر آپا' وہ جو نہانے کے لیے باتھ روم میں گھسیں تو نکلی ہی نہیں۔ سب کچھ بہت اچھا تھا۔ لیکن آپا نے پھر مایوس کر دیا۔ نازی' عامر اور عادل' پارے کو کمرے میں لے گئے۔ عامر نے میز کا طبلہ بجایا۔ نازی نے گانے گائے۔

عادل اب پارے کو ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔ یہاں چھوڑنے کے لیے دل پر جبر کرنا پڑا۔ پھپھو اور اماں کے مشورے پر اسے چھوڑ کر جانا پڑا۔ حالانکہ وہ جانتا تھا' جتنا خیال وہ اس کا کر سکتا ہے' کوئی نہیں کر سکتا اور آپا کی ناگواری' کم از کم اپنے گھر میں پارے کو ٹینشن تو نہیں ہوگی اور آرام بھی ہوگا۔ اب جو خوشیوں کی سوغات ملی تھی۔ اس نے بھی پارے کی صحت پر خوش گوار اثر ڈالا۔

عادل نے جمشید کو یہ نئی خبر سنائی۔ ادھر سے بھی خوشی اور مبارک باد ملی۔

☆ ☆ ☆

دو دن بعد عادل کی روانگی تھی۔ نازی کو خصوصی ہدایات پارے کو آرام کی تاکید کر کے بھاری دل سے بہ جبر رخصت ہوا۔ ذہن تو پارے میں الجھا ہوا تھا۔ جمشید نے کہا تھا۔ تم کبھی پچھتاؤ گے نہیں اور وہ اب نہیں' بلکہ شروع دن سے جمشید کا دل سے شکر گزار تھا اور اب جو یہ نئی خبر تھی۔ اس سے اور بھی جمشید کا ممنون احسان تھا۔ اگر۔۔۔ وہ راضی نہ ہوا ہوتا۔ کبھی پتا ہی نہ چلتا کہ پھپھو کہاں گئیں۔ اللہ بھی کس طرح مشکلیں آسان کرتا ہے اور کیسے بچھڑے ہوؤں کو ملاتا ہے۔ اللہ اکبر۔

بس اسٹاپ پر سناٹے گونج رہے تھے۔ اف۔۔۔ ٹرانسپورٹ کی ہڑتال۔۔۔ مارا' مارا اسٹیشن پہنچا۔ ٹرین لیٹ' پتا چلا جہلم اسٹیشن پر کوئی حادثہ ہو گیا ہے۔ شام تک ٹرینیں رکی رہیں گی۔ نہ جانے بے چارے مسافروں کا کیا حال ہوگا۔ حادثہ ایک ہوتا ہے' مگر مصیبتیں بے شمار لوگ اٹھاتے ہیں۔ جبکہ ٹرانسپورٹ بھی بند تھی۔

آفس فون کر کے حال بتایا۔ وہاں بھی خبریں پہنچ گئی تھیں۔ چھٹی مل گئی۔ واہ۔۔۔ عید ہو گئی۔

خوشی خوشی گھر کی طرف لپکا۔ جی چاہا' ایک نعرۂ مستانہ کے ساتھ سب کو حیران کر دے۔ لیکن پارے

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

کی حیران آنکھوں میں خوشی کی چمک اور لبوں پر تبسم دیکھنے کی خواہش نے روک دیا۔

دبے قدموں اندر پہنچا۔ کمرخالی' بستر اجاڑ' واش روم میں بھی نہیں' ایک شبہ ہوا۔

ہاں... وہ اماں کے کمرے میں تھی۔ بے بسی کی تصویر بنی اور آپا' آنکھوں میں قہر کی بجلیاں گراتی پھنکار رہی تھیں۔ کسی زخمی ناگن کی طرح۔ کھڑکی کے اندر کا سین' آپا کا غصہ...

"او ہو اماں... رہنے دیں اپنے لاڈ اور چونچلے' بھگوڑی ماں کی بھگوڑی بیٹی' کیا سمجھتی ہے کہ ہم اس کی عزت کریں گے۔ جیسے ماں نے بھاگ کر اپنے عاشق سے شادی کرلی' یہ بھی بھاگ کر آئی ہوگی میرے معصوم بھائی پر ڈورے ڈال کر۔"

"فضول بکواس نہ کرارم!" اماں زور سے بول رہی تھیں۔ "صالحہ نے بھاگ کر شادی نہیں کی۔ اس کے باپ' بھائی نے نکاح کرکے رخصت کیا تھا۔ ہاں بس انہیں رشتہ پسند نہ تھا۔ تو خفگی تھی۔"

"رہنے دیں اماں! آپ کو خبر نہیں۔ انہوں نے خفیہ شادی کرلی ہوگی۔ تب ہی دادا مجبور ہوگئے۔ ہمیں کیا خبر کہ عادل کو کیسے اس نے پھانسا ہوگا۔ ایسی اچانک شادی کبھی سوچا بھی ہے آپ نے۔ ماں' باپ کو خبر نہیں۔ لو جی' بہو حاضر ہے' واہ۔ اب اس چلتر کے لاڈ بھی اٹھائیں۔"

آگ برس رہی تھی جیسے۔ ہر طرف شعلے اڑ رہے تھے۔ اماں نے پھر بھی مہربان لہجے میں کہا۔

"جا بیٹی! آرام کر' یہ یوں ہی بکتی رہتی ہے۔ نازیہ کو پتا نہیں کہاں بھیج دیا ہے۔ عادل کو خبر ہوگی تو کیا سوچے گا۔"

"ہاں... جا... آرام کر' مگر صبح کا ناشتا تو نے ہی بنانا ہے۔ کہنا نہ پڑے۔ پراٹھے اور شامی کباب۔ اب عادل نہیں ہے جو تیرے نخرے اٹھائے گا۔ پیر صاحب سے ایسا تعویذ لاؤں گی کہ تیرا قصہ ہی پاک ہوجائے گا۔ عادل کے دل میں نفرت پیدا کردوں گی۔ بھاگی ہوئی لڑکی کی کوئی عزت نہیں کرتا۔ ارے... کبھی کسی میکے والے نے پوچھا نہیں کہ تو کہاں ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے جو تیری ماں کے ساتھ ہوا۔ سب نے چھوڑ دیا۔ جا بے حیا۔ دفع ہو اب یہاں سے۔"

عادل دبے قدموں اپنے کمرے میں آکر لیٹ گیا۔ سر میں دھماکے' خون میں شرر شرر تیز روانی' خون حقیقت میں کھول رہا تھا۔ سر دباتا ہوا لیٹا رہا۔ وہ سست قدموں سے اندر آئی۔ مگر... وہ نظریں ملانے کے قابل نہ تھا۔ اٹھ کر بیٹھا۔

"بہت شرمندہ ہوں میں... شاید میں تمہارے قابل ہی نہیں۔ نہ قدر کرسکا' نہ عزت کرواسکا' پارے! تم کچھ بولتی کیوں نہیں۔"

مگر وہ چپ تھی۔ آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر لیٹی رہی۔ شاید سونے کا ڈھونگ رچا رہی تھی۔ رات ہوگئی۔ نازیہ کا کچھ پتا نہ تھا۔ کتنی تاکید کرکے گیا تھا۔ مگر... دنیا میں سب دکھاوا ہے۔ شاید کہیں مروت' محبت' خلوص نہ رہا۔ ایسا کیوں ہے۔

راستے میں اس نے چکن ہٹیز لے لی تھیں۔ فروٹ بھی لے لیا تھا۔ زبردستی پارے کو کھلایا۔ دوا دی وہ خاموشی سے اس کے احکام کی تعمیل کرتی رہی۔ روبوٹ کی طرح' پھر وہ بھی کچھ کھا پی کر سو گیا۔

صبح بہت سویرے دروازہ زور سے بجایا گیا۔ عادل نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ آپا کھڑی تھیں۔ اسے دیکھ کر ٹی گم ہوگئی' لڑکھڑا گئیں۔

"وہ میں... تم... تم تو چلے گئے تھے؟ کب آئے؟" ہکلا گئیں۔

"ہاں... چلا گیا تھا' مگر قدرت کو آپ کا اصل رنگ دکھانا تھا۔ آپ کی زبان کے جوہر سنوانے تھے۔ اس لیے واپس آگیا۔ جب آپ زہر اگل رہی تھیں آپا! خدا کا خوف آپ کے دل سے نکل چکا ہے۔ رات ہوگئی تھی۔ دل تو چاہتا تھا ابھی آپ کا ہاتھ پکڑ کرلے جاؤں' ارشاد بھائی کے حوالے کرکے آؤں' مگر... ابھی میرے اندر لحاظ اور مروت باقی ہے۔ اس لیے آپ جیسی خود غرض' بے حس اور مطلب پرست' سنگدل بہن کاش میری نہ ہوتی۔ اب دن ہوچکا ہے۔ اپنا بوریا بستر اٹھائیں۔ اب آپ کو جانا ہوگا۔ اپنے اس جادوگر کے پاس یا ارشاد بھائی کے پاس... آپ کا قیام کافی لمبا ہوگیا ہے۔"

وہ ہکا بکا کھڑی تھیں۔ عادل نے دروازہ بند کیا۔ باہر سے آپا کی آہ و فغاں کا دھواں دھار پروگرام شروع ہوگیا۔ سب گھر والے جاگ کر ان کے پاس آچکے تھے۔ پارے جاگ گئی تھی۔

"سنیے..." اس نے عادل کو مخاطب کیا۔ شاید پہلی بار۔ "آپ مجھے چچا کے گھر چھوڑ آئیں۔"

وہ حیرت سے دیکھنے لگا۔ پہلی بار چچا کے گھر جانے کی فرمائش۔ جمشید اور سیما برابر فون کرکے اسے بلاتے تھے' وہ انکار کردیتی تھی۔

"کیوں بھئی' ایسا کیوں سوچ رہی ہو؟"

"میری وجہ سے... سب کو پریشانی ہے۔ میں چلی جاؤں گی تو سب ٹھیک ہوجائے گا۔ آپا کو کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔"

"تم ایسا کیوں سوچتی ہو پارے۔ بھلا گھر کی بہو گھر چھوڑدے اور بیٹی۔"

"اس لیے... کہ کوئی مجھے عزت دینے کو تیار ہے نہ محبت۔ میری یہاں جو حیثیت ہے اور... آپ کو بھی میری ضرورت نہیں' تو میرا وجود بے کار ہے۔"

"فضول باتیں نہ کرو' میرے لیے تم کیا ہو' میں کیسے بتاؤں' کبھی تم نے چچا کے گھر جانے کی خواہش نہیں کی۔ اب میرے لیے یہ بہت مشکل ہے۔ ان حالات میں۔" وہ فکر مندی سے بولا۔

"میں نے... کبھی چچا کے گھر جانے کی خواہش اس لیے نہیں کی کہ... میں یہی سمجھتی رہی' وہاں میری عزت نہیں' کسی کو میری ضرورت نہیں۔ سب مجھے مارتے تھے۔ تھپڑ' گھونسے' چچی کے فضیحتے' گھر کی ہر عورت مجھے بوجھ سمجھتی تھی۔ مجھے کنیز سمجھ رکھا تھا' وہاں' میں بہت روتی تھی۔ اماں' ابا کو یاد کرکے' مگر چچا اگر مجھے پیار کرتے تھے۔ میرے سر پر ہاتھ رکھتے تھے۔ میرا سارا دکھ' تمام چوٹیں غائب ہوجاتی تھیں۔ جمشید بھائی اور سیما بہت اچھے تھے۔ نرمی سے محبت سے بات کرتے' میری حمایت کرتے' باقی سب تو ڈانٹنے مارنے کو فرض سمجھتے تھے۔ لیکن چچا تو تھے۔ ان کی ایک نظر میری ساری تھکان دور کردیتی تھی۔"

وہ جیسے خواب کے عالم میں بول رہی تھی۔ پہلی بار دل کی آواز' اتنی لمبی گفتگو' حیرت انگیز۔

"جمشید بھائی نے مجھ سے شادی سے اسی لیے انکار کیا تھا۔ وہ مجھے اس گھر کے جہنم سے نکالنا چاہتے تھے۔ اس لیے آپ کو منتخب کیا تھا۔ لیکن وہ نہیں جانتے تھے۔ ان کا یہ اقدام... میرا جرم بن جائے گا۔ کوئی اس شادی کو قبول نہیں کرے گا۔" اس نے ایک لمبا سانس لیا۔ "لیکن جس کے نصیب میں عذاب سہنا ہی لکھا ہوا ہے' ہر جگہ جہنم سے واسطہ پڑے گا۔ مجھ فضول' ناکارہ' بے حیثیت لڑکی کے لیے جنت کا خواب دیکھنا گناہ ہے۔"

وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔ روتے روتے پھر بولنے لگی۔

"وہاں کی مار کی چوٹ ختم ہوجاتی تھی۔ یہاں روز زخم لگائے جاتے ہیں۔ زبان کے لگائے زخم خشک نہیں ہوتے کہ دوسرا حملہ اور اب ذلت کی انتہا' میری ماں کو بھی ذلیل کرنے کا' نہیں' میں برداشت نہیں کرسکتی' پلیز مجھے اسی جہنم میں پہنچادیں جہاں کم از کم میرے ماں' باپ کی تو عزت ہے۔" ہچکیاں' فریادیں۔

اور وہ جو دو دن سے کشمکش میں مبتلا تھا۔ فیصلہ کرکے کھڑا ہوگیا۔ اس کا فقرہ' نہ آپ کو میری ضرورت ہے' دل پہ کوڑے کی طرح لپکا تھا۔

"اچھا... چلو... اپنے کپڑے سوٹ کیس میں ڈالو' سب چیزیں' بسوں کی ہڑتال اگر ہوگی تو ٹیکسیاں تو چل رہی ہوں گی۔"

ٹیکسی فون کرکے بلالی۔ سامان رکھنے میں عادل نے مدد کی' دوائیں رکھ لیں۔

"بھائی ٹیکسی آگئی ہے۔ کہاں جائیں گے آپ۔" عامر پوچھ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے' یہ سوٹ کیس اور بیگ رکھو' میں آتا ہوں۔" پارے کا ہاتھ پکڑے باہر نکلا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

آپا نازیہ پر بگڑ رہی تھیں۔ نازیہ کہہ رہی تھی۔

"ہاں۔۔۔ میں نے بھائی کو آتے دیکھ لیا تھا۔ اسی لیے کسی کو نہیں بتایا کہ بھائی خود دیکھ لیں۔ آپ جو بھابھی کی کچہری لگائے بیٹھی تھیں۔ ابا۔۔۔ یقین کریں آپا کسی کو خوش نہیں دیکھ سکتیں۔ جادوگروں کی معمول بن گئی ہیں۔ بھابھی سے خاص ضد ہے، کیونکہ وہ ہم سب کو پیاری ہیں، ابا آپا کو علاج کی ضرورت ہے۔ انہیں مینٹل اسپتال میں داخل کروائیں۔" وہ بھی غصے میں تھی، ابا سر تھامے بیٹھے تھے۔

"ابا! جب تک آپا اس گھر میں ہیں، میں نہیں آؤں گا۔ آپ مجھے معاف کردیں۔"

ابا نے پارے کو لپٹا کر پیار کیا۔ سب رو رہے تھے۔ سوائے آپا کے۔ شاید ان کو فتح ہوئی تھی۔

پارے کو ٹیکسی میں پچھلی سیٹ پر بہ آرام لٹا کر وہ ڈرائیور کے ساتھ جا بیٹھا۔ پارے بھی آب دیدہ تھی۔ راستے میں رکتے رکاتے۔ کھاتے پیتے، سہ پہر کو لاہور پہنچے۔ جانے پہچانے راستے دیکھ کر پارے حیران ہوئی۔

"کیا۔۔۔ خانیوال ہم کل جائیں گے۔" آواز بھاری ہوگئی۔ سمجھ رہی تھی، عادل اسے چچا کے گھر لے جا رہا ہے۔

"کل نہ پرسوں، ابھی ہم خالہ کے گھر جائیں گے، پھر اپنے گھر۔۔۔ اس کے بعد۔۔۔"

"اس کے بعد۔۔۔ کیا؟" وہ بے چین سی ہوئی۔

"کچھ نہیں، اگلے ویک اینڈ پر میں تمہیں خانیوال لے جاؤں گا۔ سب سے مل لینا۔ بس پھر واپس اپنے گھر۔"

پارے نے کچھ کہا نہیں۔ عادل کو محسوس ہوا وہ اس فیصلے سے ناخوش نہیں اور یہ اس کی بڑی کامیابی تھی۔ شاید پارے بھی اس کی قربت پسند کرتی ہو یا۔۔۔ اس جہنم سے اس جہنم کا سفر مجبوری ہو۔

☼ ☼ ☼

خالہ کا گھر حسب معمول ان کے لیے چشم براہ تھا۔ عادل نے خالہ کو جب پارے کی اصلیت بتائی۔ وہ آنسو بھر لائیں۔

"دیکھا، مجھے ایسا ہی لگا تھا۔ جیسے میں صالحہ کو دیکھ رہی ہوں۔ عادل! یہ تم نے بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ میں بھی ایسی بھلکڑ، کبھی اس کی ماں کا نام پوچھ لیتی تو پہلے ہی خبر ہوجاتی۔"

وہ بے حد خوش تھیں۔ پارے کو پاس لٹا کر صالحہ پھپھو کی باتیں کرنے لگیں۔ پارے بھی بہت خوش اور مطمئن نظر آئی۔

عادل اگلے دن صبح ہی مکان دیکھنے گیا۔ مالک مکان سے درخواست کی۔ انہوں نے سوچ کر کہا۔

"اچھا۔۔۔ ایسا ہے کہ بیڈ روم تو ہوگئے ہیں۔ باتھ روم کل تک ہوجائیں گے، تو آپ منتقل ہوجائیں۔ لاؤنج بعد میں ہوتا رہے گا۔"

عادل نے اطمینان کا سانس لیا اور آفس چلا گیا، جہاں اس کے لیے خاصا کام جمع ہوچکا تھا۔ گھر آکر سب کے ساتھ چائے پی۔ پارے کی بحالی طبیعت، چہرے سے ظاہر تھی۔ وہ نازلی سے خاصی بے تکلف ہوگئی تھی۔ خالہ متفکر نظر آئیں۔ پوچھنے پر بولیں۔

"عادل! اگر ارم کا نام بدل جائے، کچھ بھی دوسرا رکھ دیا جائے۔ اس کے لیے بھی اور باقی سب کے لیے بھی بہت اچھا ہوجائے۔"

عادل نہ سمجھنے والے انداز میں انہیں دیکھنے لگا۔

"جب یہ پیدا ہوئی، ارم نام سنتے ہی میں نے بھائی سے کہا تھا۔ یہ نام ٹھیک نہیں۔ ارم شداد کی جنت کو کہتے ہیں اور پیدا ہوئی اتنی کالی تھی۔ سب حیران تھے۔ آپا کی گود میں اچھی نہیں لگتی تھی۔ مگر کیا کریں۔ اللہ کی مرضی، تو نام تو صبیحہ شازیہ رکھنا تھا۔ آخر چھوٹی نازیہ ہے کہ نہیں۔"

سب ہنسنے لگے۔ عادل نے ٹال دیا۔

"خالہ ارم نام بہت اچھا ہے، بہت لوگ رکھتے ہیں۔"

"ہاں۔۔۔ ہوتا ہے، مگر ہمارے خاندان میں تو کلنک کے ٹیکے کی طرح ہوگیا۔ خیر اب بھی وقت گزرا نہیں، تم اپنی ماں سے کہو تو، میں نے کہا تھا، بچپن میں تو انہوں

نے کہا اب تو نام پڑ گیا۔"

"خالہ! اب مشکل ہے۔ کوئی راضی نہیں ہوگا، پہلے ہی بدل جاتا تو۔۔۔"

"تمہاری ماں نے کہا۔ نفسیاتی مریض بن جائے گی، نام بدلا تو، کیونکہ سب کو عادت ہوگئی ہے۔ لو پوچھو ذرا۔۔۔ اب نہیں ہے نفسیاتی مریض، تخریب کار، عادل! اپنی بیوی بچے کو اس سے دور رکھنا۔ میری نصیحت ہے۔ تاکید ہے، پیروں کے چکر میں آکر اپنا ایک بچہ بھی گنوا چکی ہے۔ اسی بات پر شوہر سے ان بن ہوگئی تھی۔ میری مانو، اس کا کسی بڑے نفسیاتی ڈاکٹر سے علاج کراؤ۔"

نازیہ نے بھی یہی کہا تھا۔ مگر اب وہ اس قدر عادی ہوچکی تھیں کہ شاید ہی کسی کے قابو میں آئیں۔ شاید یہ بھی نشے کی صورت ہو۔ ایک اور صورت ہوسکتی تھی کہ اماں، ابا، بھائی، بہن سب ان سے لاتعلق ہوجائیں، بالکل لاتعلق، لیکن ایسا بھی ممکن نہ تھا۔

☼ ☼ ☼

گھر قابل رہائش ہوچکا تھا۔ دونوں منتقل ہوگئے۔ پارے بہت خوش نظر آئی۔ گھر والی بیگم نے بھی پارے کو پسند کیا۔ دونوں میں خاصی دوستی ہوگئی۔

خالہ آجاتیں تو محفل میں جان پڑ جاتی۔ خالہ نے انہیں سہیلی بنا لیا۔ کبھی انور بھائی کی بیوی کچھ پکا کر لے آتیں یا آکر پکا کر رکھ جاتیں۔ کبھی مالکہ مکان کی ملازمہ کچھ کام کر جاتی۔ خاصی سہولت تھی۔ ملازمہ صبح ناشتا بنا جاتی۔

عادل کی کوشش تھی کہ پارے کو کچھ نہ کرنا پڑے۔ وہ اس گھر کو پارے کے لیے جنت بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اپنی محبت، توجہ اور حسن سلوک سے۔

جوں جوں وقت گزر رہا تھا۔ پارے کی خوبیاں ظاہر ہو رہی تھیں۔ اس کی کوشش تھی کہ وہ عادل کی توقعات پر پوری اترے۔ شاید اسے بھی عادل سے محبت ہوگئی تھی۔ عادل اکثر خود کو شاباش دیتا۔ شادی کے لیے اقرار کرکے اس نے زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ انجام دیا تھا۔ جمشید کا کہنا کہ ماں، بہن اس سے اچھا رشتہ نہیں ڈھونڈ سکتیں۔ کتنا صحیح تھا۔ اچانک شادی۔

وہ قہقہہ لگاتا، پارے حیرانی سے دیکھتی۔

"کیا ہوگیا؟" وہ پھر ہنستا۔

"میرا مذاق اڑا رہے ہیں۔" وہ اپنے حلیے کو دیکھ کر برا مان کر کہتی۔

"نہیں، بہت اچھی لگتی ہو اس حلیے میں۔ اللہ نے بنایا ہے یہ حلیہ تو اچھا ہی تو ہے۔"

"آپ۔۔۔ اس دن مجھے خانیوال جانے کی بات پہ۔۔۔ خفا ہوگئے تھے کیا؟" ایک دن پوچھ لیا۔

"نہیں۔ مجھے خوشی ہوئی تھی کہ تم نے مجھے اپنا سمجھ کر رازدار بنایا۔ کوئی خواہش ظاہر تو کی۔"

"خواہش نہیں مجبوری مجھے اتنی عقل تو ہے کہ جہاں محبت ہو لگاؤ ہو، مگر۔۔۔ عزت نہ ہو، کوئی حیثیت نہ ہو۔ تو زندگی بے کار ہوتی ہے۔ مرنے کو دل چاہ رہا تھا میرا۔"

عادل نے اس کی اداس صورت دیکھی۔ کم بولتی تھی۔ مگر اچھا بولتی تھی۔ اس کی سوچ مثبت تھی۔ نیک روح، فرشتہ، کبھی کوئی شکوہ نہ شکایت "تم یہاں خوش ہو؟ میرے پاس؟"

وہ شرما گئی۔ سر نیچا کرکے مسکرائی۔ "آپ کو کیا لگتا ہے؟"

"پتا نہیں چلتا۔ تم کچھ ظاہر کروگی تو معلوم ہوگا۔ میں ذرا کم عقل ہوں۔"

وہ تکیے میں منہ چھپا کر ہنسنے لگی۔ ہنستی چلی گئی۔ عادل کے اندر ہنسی پھوٹنے لگی، مگر بظاہر برا مان کر پوچھا۔ "میری کم عقلی پر ہنس رہی ہو؟"

تکیہ ہٹا کر بولی۔ "جی نہیں، چالاکی پر، جانتے بوجھتے معصوم بنتے ہیں۔ اپنی جنت کسے بری لگتی ہے۔" عادل نے زور کا نعرہ لگایا، یاہو، محبت کا اظہار اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا۔ "اپنی جنت" پھپھو بغیر اطلاع آگئیں۔ انہیں پارے کی فکر تھی۔ پارے اور بچے کا بہت سا سامان بھی لائی تھیں۔ بچہ ہونے تک یہیں رہیں گی۔

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

یہ سن کر عادل کو اطمینان ہو گیا۔ پارے بھی خوش تھی۔ اب وہ چہرے سے ہی نہیں الفاظ سے بھی جذبات کا اظہار کرنے لگی تھی۔ یعنی۔۔۔ اسے عادل کی محبت کا اعتبار آ گیا تھا۔ یہ بھی عادل کی کامیابی تھی۔ پہلے صرف چہرہ بولتا تھا۔ اب وہ خود' بزبان خود بولتی تھی۔ خوشیوں کا سیلاب عادل کی زندگی کی ناؤ کو کنارے پر لے آیا تھا۔ بار بار جمشید کو فون کر کے شکریہ ادا کرتا۔ وہ خوشدلی سے قہقہہ لگاتا۔

"آپ نے بتایا نہیں' مجھے خانیوال لے جانے کے بجائے یہاں کیوں لے آئے تھے۔ وہ بھی خالہ کے گھر۔" ایک بار پھر سوال کیا۔

عادل ہنس پڑا۔ "اس دن آپ کی تقریر کا ایک جملہ میرے دل پر ٹھاہ کر کے لگا کہ "آپ کو میری ضرورت نہیں۔" تو اپنی ضرورت کا احساس ہوا یقین دلانے کے لیے سیدھا ادھر لایا۔ خالہ کا گھر بھی تمہارا میکہ ہو گیا ہے۔"

وہ منہ بنا کر بولی۔ "اچھا' میرے کہنے سے احساس ہوا۔"

"احساس بھی تھا' ضرورت تو تھی ہی' لیکن تمہارے جملے نے سیدھا دل کو چیر دیا۔ چوٹ خاصی لگی۔"

☆ ☆ ☆

ابا کا فون آتا ہی رہتا تھا۔ فکر مند تھے۔ اس نے پھپھو کے آنے کا بتا کر اطمینان دلا دیا۔ لیکن اس دن فون پر ابا نہیں' آپا تھیں۔ حیرت' چیختی چنگھاڑتی آواز۔

"تمہیں مبارک ہو' تمہارے بہنوئی نے دوسری شادی کر لی۔ ہے نا تمہاری مرضی کی خبر' یہی چاہتے تھے تم' میرا گھر اجڑ جائے۔ (میرا گھر۔۔۔؟) تو لو پھر جشن مناؤ۔ جی بھر کر' تباہ ہو گئی میں' سوکن آ گئی ہے' خوش ہو جاؤ میرے بچے سوتیلی ماں کے ظلم کا شکار بنیں گے۔ تم اور تمہاری ڈائن بیوی۔ اسی کی بددعا لگی ہے مجھے۔"

عادل نے گھبرا کر فون رکھ دیا۔ خوشیوں کے باغ میں خزاں کا حملہ' آخر بہن تھیں۔ دکھ تو ہوا' مگر ارشاد بھائی بے چارے بھی کیا کرتے۔ پچھلے نو دس ماہ سے آپا گھر نہیں گئی تھیں۔ بچے ان سے خفا' ارشاد بھائی پریشان' دو ہفتے پہلے ان کا فون آیا تھا' پریشان تھے' کہنے لگے۔

"ملازمہ کے ہاتھ کا بنا ہوا کھانا بچوں کو پسند نہیں آتا۔ گھر صفائی طلب ہے۔ کسی طرح اپنی بہن کو آنے پر راضی کرو' دفتر کا کام ادھورا چھوڑ کر آتا ہوں۔ ملازمہ نہ جانے کیا کچھ چوری کر چکی ہے۔ اسے بھی نکال دیا۔ اس سے کہو' جاتی رہے پیر کے پاس' مگر آ تو جائے' مگر یار' میں ماں' باپ دونوں کا کردار ادا نہیں کر سکتا۔ سرکاری ملازمت ہے۔ چھٹی بھی مشکل سے ملتی ہے۔"

"بھائی! آپ خود جا کر بات کریں' بلکہ پکڑ کر لے آئیں۔ ابا اماں مداخلت نہیں کریں گے' آپ کا حق ہے۔"

"حق۔۔۔ وہ میرا حق تسلیم کرے۔ تو بات کروں' کیا تھا میں وہ پیر کی غلام بن گئی ہیں' کہتی ہیں۔ پیر صاحب نے کہا ہے۔ ارشاد بے وفا ہے۔ اس نام کا شخص محبت نہیں کر سکتا۔ دوسری کر لے گا۔ تمہارے لیے واؤ کا لفظ سوٹ کرتا ہے۔ واصف۔۔۔ واثق وجاہت یا وقار۔۔۔ یہ نئی اطلاع پیر نے دے کر انہیں بدظن کر دیا ہے' میرے سامنے نہیں آئیں۔ پردے میں رہ کر بات کی۔ اب بتاؤ کیا کروں۔"

آپا واقعی پیر کی غلام بن چکی تھیں۔ جیسے اس پیر پر الہام ہوتا ہو۔ یقین کر لیتی تھیں۔

رات کو فون کیا۔ ڈرتے ڈرتے' نازیہ نے اٹھایا۔ آپا کی آہ و فغاں جاری تھی۔

"صبح سے یہی حال ہے۔"

نازیہ بتانے لگی۔ بھائی صاحب کئی دفعہ آئے۔ آپا نے دھکے دے کر گھر سے نکالا۔ اب۔۔۔ سب کو گالیاں' کوسنے' کیا میں یا آپ' عامر۔۔۔ سب ان کے دشمن ہیں' ان کا خیال ہے ہم نے بھائی صاحب کی شادی کروائی ہے۔ وہ بھی کیا کرتے۔ مجبور ہو گئے تھے۔ آپا ان کے گھر جانے کے نام پر لعنت بھیجتی تھیں۔ اب

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

انہیں سوکن کو تباہ کرنے کے لیے تعویذ یا تجویز لائی ہے پیر صاحب سے۔ بھائی اچھا ہوا آپ بھابھی کو لے گئے۔ ان کو بھی بددعائیں دے رہی ہیں۔"

نازیہ بھری بیٹھی تھی۔ بولتی گئی۔ عادل سخت پریشان تھا۔ خالہ آگئیں۔ سن کر پھپھو سے کہنے لگیں۔

"مجھے تو پہلے ہی علم تھا۔ کوئی پیر فقیر ایسا برا کام نہیں کرتا۔ یہ لڑکی سفلی جادوگروں کے ہاتھوں میں کھیل رہی ہے۔ گندا علم، ارے اسے کوئی سمجھاتا نہیں کہ کتنا گناہ ہے، دوسروں کو اذیت دینا۔ کسی عذاب میں گرفتار نہ ہوجائے۔ اب بھی وقت ہے۔ اپنی آپا کو کیا کہوں۔ ان کی خاموشی نے اس کی ہمت بڑھائی ہے۔ نکال باہر کریں گھر سے کہ بھئی جاؤ۔ اپنے بچے، اپنا شوہر سنبھالو، مگر وہ بھی شاید ڈرتی ہیں بیٹی سے۔ اللہ معاف کرے توبہ۔"

پھپھو خود فکر مند تھیں۔ یوں بھی اماں کی آپا کی حمایت کی وجہ سے خاندان والوں سے ان بن ہوچکی تھی۔ پھپھو سے، خالہ سے، اور نہ جانے کون کون، لوگوں نے ملنا ملانا چھوڑ دیا تھا۔ نہ جانے کون کون ان کی نفرت کا نشانہ بنا ہوگا۔

ابھی تک پارے کو آپا کے بارے میں علم نہ تھا۔ کسی نے بتایا بھی نہیں۔ وہ تو اپنی جنت میں گم تھی۔ پھپھو کے لائے ہوئے بچے کے کپڑے، کمبل، کھلونوں میں ہی کھیل رہی تھی۔ خوش ہورہی تھی۔ میکے سے آیا ہوا سامان اس کی دلیل تھی۔

☼ ☼ ☼

پھر اس دن وہ آفس سے گھر آیا۔ گھر خالی تھا۔ آنٹی نے بتایا۔

"تمہاری پھپھو اور خالہ ماہ پارہ کو اسپتال لے گئی ہیں۔ عنقریب تم خوش خبری سنو گے۔ ابھی تو تم اسپتال جاؤ۔ چائے میں نے بنوادی ہے۔ تمہاری پھپھو خالہ کے لیے کچھ کھانے کی چیزیں بھی ہیں۔ میں ان شاء اللہ رات کو آؤں گی۔ ماہ پارہ کے لیے سوپ، دودھ وغیرہ لے کر۔ اس وقت تک بچے کی خبر بھی آجائے گی۔"

انہوں نے ٹفن اور تھرماس اسے دیا۔ وہ ان کا شکریہ ادا کرکے دوڑا۔ پھپھو باہر ہی نماز اور دعاؤں میں مصروف تھیں۔ عادل نے شکوہ کیا۔

"آپ مجھے فون کردیتیں، میں آجاتا۔"

پھپھو نے بلائیں لے کر کہا۔ "بیٹا! تم کیا کرتے، سوائے پریشان ہونے کے۔ ہم جو تھے اس کی دیکھ بھال کے لیے۔ ابھی کچھ وقت ہے، ان شاء اللہ جلد ہی خوش خبری ملے گی۔ ماشاء اللہ سب نارمل ہے۔"

انہوں نے تسلی دی۔ وہ برآمدے میں ٹہلنے لگا۔ شاید سب لوگ اسی طرح اولاد کی خبر سننے کے لیے بے چین ہوتے ہوں گے۔ پال پوس کر بڑا کرتے ہیں تو اولاد ماں باپ کی محبت قربانی بھلا دیتی ہے۔ بڑا کٹھن وقت ہے بھئی آج کا انتظار۔

خالہ ہنستی ہوئی آرہی تھیں۔ آتے ہی چٹاچٹ اسے چوما۔ پھر مبارک باد دی۔ آخر میں خوش خبری سنائی۔ اف خالہ نے صبر کا امتحان لیا تھا۔ اب پھپھو بھی آگئیں۔ ایک دوسرے کو مبارک باد شروع ہوئی۔ یعنی دنیا میں رہ کر ہر سلسلہ اسی طرح قائم ہوتا ہے۔ ایک دوسرے سے محبت اور تعلق رکھنا، دعائیں اور خوشی میں شریک ہونا۔ واہ ری قدرت۔ اس یتیم بے سہارا دکھی لڑکی کے لیے کتنی دعائیں تھیں اور کتنی خوشی اس کی زندگی میں آئی تھی۔ وہ ناواقف تھی کہ کہاں کہاں سے اسے خوشیوں کی سوغاتیں مل رہی تھیں۔

رات کو آنٹی مٹھائی اور کھانا، پارے کے لیے سوپ، دودھ لے کر آئیں۔ تینوں بزرگ خواتین آبدیدہ ہوکر مبارک باد دے رہی تھیں ایک دوسرے کو۔ پارے اور ننھے کو پیار کررہی تھیں۔ مٹھائی کھائی اور کھلائی جارہی تھی۔ اسٹاف کو انعام سے نوازا جارہا تھا۔ پھپھو اور خالہ تو خیر اپنی تھیں۔ یہ آنٹی کون تھیں۔ چند روزہ ملاقات میں عادل اور پارے سے محبت کرنے لگیں۔

کاش پارے کو میرے گھر سے بھی ایسی محبت ملی ہوتی وہ اداس ہوگیا۔

اگلے دن پارے اور ننھے عمر عادل کو لے کر گھر پہنچا تو وہاں تو مجمع لگا ہوا تھا۔ سیما اور جمشید، انور بھائی بھابھی، نازلی اور اشعر، پھپھو اور خالہ تو تھیں ہی، سب نے خوشی سے سرشار مبارک دیں، مٹھائی کھائی اور تحائف حوالے کیے۔ خوشی کا سیلاب ہر سمت سے امڈ پڑا تھا۔

جمشید سب کو اس کی ناگہانی شادی کی انوکھی داستان سنا رہا تھا۔ کس طرح اس نے عادل کی سادگی، نیکی اور دوستی سے فائدہ اٹھایا۔

خالہ اپنا قصہ سنا رہی تھیں۔ کس طرح عادل نے سمجھا بجھا کر ان کو شوہر کی وفات کے صدمے سے نکالا۔ انور اشعر بھی عادل کو ناصح کا خطاب دے رہے تھے اور پھپھو... وہ اسے ہی نہیں، جمشید کو بھی ایوارڈ دینا چاہتی تھیں۔ جس کی وجہ سے ان کی بچھڑی بھانجی کو رب سے ملایا۔ صالحہ کے اصل حق دار تک یعنی صحیح مقام پر پارے کو پہنچانے کا سہرا جمشید کے سر تھا۔

پھپھو نے پھولوں کے سہرے منگوا کر جمشید اور عادل کو پہنائے، تالیاں، قہقہے، عادل سوچ رہا تھا۔ پتا نہیں شاید میں احمق ہوں، یا سادہ، جمشید اور سیما کسی عزیز کے گھر ٹھہرے تھے۔ دونوں کو دعوت دے کر چلے گئے۔ اگلے دن پھپھو بھی ہزاروں دعاؤں، ہدایتوں، نصیحتوں کے ہار پہنا کر واپس چلی گئیں۔ اب خالہ تھیں اور پارے اور ننھا عمر، من مانی کررہی تھیں۔ عادل کی ایک نہ چلی۔ اسے کمرے سے نکال دیا گیا۔

☼ ☼ ☼

"میں سمجھتی تھی، میں بہت بدنصیب ہوں۔" پارے نے ایک دن عادل سے کہا، جب وہ اپنے کپڑے الماری سے نکال رہا تھا۔ "مگر... اب تو لگتا ہے میں بہت خوش نصیب ہوں۔ اتنے مہربان اور محبت کرنے والے مل گئے۔ مجھے اب کسی سے شکایت نہیں۔ نہ چچی اماں سے، نہ ان کی بیٹیوں سے، جو مجھے مار پیٹ کر خوش ہوتی تھیں... اور... آپا سے بھی کوئی شکوہ نہیں۔ وہ بے چاری بھی مجبور ہیں۔ ماموں ابا، آپ کے ابا تو ہیں نا مجھے پیار کرنے والے۔" آواز بھر آئی۔

بیوٹی بکس کا تیار کردہ

سوہنی ہیئر آئل

SOHNI HAIR OIL

❀ گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے
❀ نئے بال اگاتا ہے۔
❀ بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے۔
❀ مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے یکساں مفید۔
❀ ہر موسم میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

قیمت =/100 روپے

سوہنی ہیئر آئل 12 جڑی بوٹیوں کا مرکب ہے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہٰذا یہ تھوڑی مقدار میں تیار ہوتا ہے، یہ بازار میں یا کسی دوسرے شہر میں دستیاب نہیں، کراچی میں دستی خریدا جاسکتا ہے، ایک بوتل کی قیمت صرف =/100 روپے ہے، دوسرے شہر والے منی آڈر بھیج کر رجسٹرڈ پارسل سے منگوالیں، رجسٹری سے منگوانے والے منی آڈر اس حساب سے بھجوائیں۔

2 بوتلوں کے لئے ---------- =/250 روپے
3 بوتلوں کے لئے ---------- =/350 روپے

نوٹ: اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں۔

منی آڈر بھیجنے کے لئے ہمارا پتہ:

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

دستی خریدنے والے حضرات سوہنی ہیئر آئل ان جگہوں سے حاصل کریں

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی
مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37-اردو بازار، کراچی۔
فون نمبر: 32735021

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"اور مجھ سے کوئی شکایت ہے؟" عادل اسے بہلانے کے لیے منہ پھلا کر بولا۔

"آپ۔۔۔ کا تو شکریہ ادا کرنے لگوں تو زبان گھس جائے گی اور شکریے کے الفاظ ختم نہ ہوں گے۔"

کس قدر دل نواز جملہ تھا۔ دلگیر لہجہ' عادل نے جھپٹ کر اسے لپٹایا۔

"تو کہو نا شکریے کے لامحدود الفاظ' رک کیوں گئیں۔" وہ شرما گئی۔ "ہٹیے بڑے بے شرم ہیں آپ۔۔۔ بیٹا سامنے لیٹا ہے۔ آپ کو دل لگی سوجھی ہے' اصل میں تو۔۔۔ شکریہ اس تحفے کا بھی۔۔۔ اتنی بڑی نعمت مجھے ملی ہے۔"

عادل خوشی سے ناچ اٹھا۔ کوئی اس کے دل سے پوچھے۔ حسین اور معصوم بیوی اور قدرت کا انعام بیٹا۔ وہ تو دنیا جہان کی دولت سمیٹے بیٹھا تھا۔ اللہ کا جتنا شکر ادا کرتا کم تھا۔ لیکن خوشیوں کو یک لخت کہیں نہ کہیں سے غم کے تحفے بھی مل جایا کرتے ہیں۔

☼ ☼ ☼

ابا کا فون آیا تھا۔

"ارم۔۔۔ کل شام۔۔۔ بچا کھچا زیور اور نازیہ کے لیے جو زیور تمہاری ماں نے رکھا تھا۔ وہ بھی سمیٹ کر پیر کے پاس گئی تھی۔ اپنی سوکن کے لیے تباہی کا تعویذ لینے' خوشی خوشی واپس آرہی تھی۔ گلی میں اندھیرا تھا۔ نہ جانے کدھر سے ایک سانپ نکل آیا۔ ارم کا پیر اس پر پڑا' اس نے ڈس لیا۔ ارم گلی میں گر کر چیخنے لگی۔ محلے والے جمع ہوگئے۔ اسپتال لے گئے۔ تعویذ بھی وہیں کہیں گر گیا۔ پیروں میں روندا گیا۔"

ابا نے تفصیل بتائی۔ "اب وہ ہذیان بک رہی تھیں۔ لوگوں سے سب سن کر اور اماں سے نازیہ کے زیورات کا سن کر عامر فورا" پیر کی تلاش میں نکلا۔ پیر تو غائب ہوچکا تھا۔ گھر خالی اور گندگی' کباڑ' پھٹے پرانے کپڑے' پتا نہیں لوگ وہاں بدبو میں کس طرح جاتے تھے۔ محلے والوں نے بتایا یہاں سب امیر غریب بیبیاں آتی تھیں۔ پتا نہیں کیسے یہاں ٹھہرتی تھیں۔ محلے والے تو ادھر سے راستہ بھی نہیں چلتے تھے کہ نہ جانے کیا جادو ان پر اتر کر جائے۔

"اب ارم کو گھر لا رہا ہوں۔ اس کے سارے جسم پر آبلے پڑ گئے ہیں۔ اس میں جلن بہت ہے۔"

اگلے دن ابا نے بتایا۔ "ڈاکٹروں نے دوائیں دی ہیں۔ مگر۔۔۔ اس کی چیخوں سے باقی مریض بہت گھبراتے ہیں۔ اس لیے انہوں نے اسے ڈسچارج کردیا ہے۔"

ابا رو رہے تھے۔ اف اولاد کا دکھ۔

خالہ اپنے گھر جانا چاہتی تھیں۔ ایک دن پہلے گئی تھیں' اب پھر آگئیں۔ عادل نے ان کو سارا ماجرا سنایا۔ وہ بھی رنجیدہ ہوگئیں۔

"اسی لیے کہتی تھی ماں سے کہو' وہ اسے سمجھائیں۔ ماں میں بہت طاقت ہوتی ہے۔ اولاد کو راہ راست پر لانے کی ذمے داری بھی ماں کی ہے۔ وہ بچی تو جہالت اور کمزور عقیدے سے مار کھا گئی۔ نفرت نے اندھا کردیا۔ سب سے بدظن ہو کر۔۔۔ انتہا تک پہنچ گئی۔ کسی نے نہیں سمجھایا۔ دوسروں کو اذیت دینے والا خود بھی اپنے کھودے ہوئے گڑھے میں جا گرتا ہے۔ عادل۔۔۔ ماں' باپ پریشان ہیں۔ بیٹا تم فورا" جاؤ۔ ان کو تسلی ہوگی۔ حوصلہ ہوگا۔ میں یہاں ہوں' فکر نہ کرو۔"

عادل کی محنت رنگ لائی۔ آفس والوں نے اسے گاڑی دے دی تھی۔ اسی پر فورا" روانہ ہوگیا۔ آپا شدید اذیت میں تھیں۔ چھالے سرخ ہو کر مزید اذیت دے رہے تھے۔ چیختی رہی تھیں۔ عادل کو دیکھ کر اس پر برس پڑیں' نازیہ نے ان کو سمجھایا۔

"آپا۔۔۔ آپ خود اپنی دشمن ہیں۔ سب آپ کے اپنے تھے جن کو آپ نے خود سے دور کرلیا۔ دیکھ لیا نتیجہ۔ آپ کا پیرو مرشد نہ جانے کتنی دولت سمیٹ کر رفوچکر ہوگیا آپ نہ گھر کی نہ گھاٹ کی۔ شوہر بچے گھر اپنی نفرت کے عوض کھو چکی ہیں۔ اب توبہ کرلیں۔"

آپا پر بجلی سی گری۔ چپ ہوگئیں۔ مگر عجیب بات ہوئی۔ چیخنا چلانا بھی کم ہوگیا۔ عادل ان کے پاس بیٹھا رہتا۔ چھالوں پر دوا لگاتا پیار کرتا۔ آخر بہن تھیں۔ وہ بھی اس قدر تکلیف میں۔۔۔ دیکھا نہ جاتا تھا۔

انہوں نے نماز پڑھنی شروع کردی۔ توبہ کرنے لگیں۔ عادل کا سمجھانا کام آیا۔ جو انہیں چپکے چپکے کہتا رہتا۔ "ہم سب آپ سے محبت کرتے ہیں آپا' کوئی دشمن نہیں ہے۔ میں آپ کو لاہور لے جا کر کسی بڑے ڈاکٹر کو دکھاؤں گا' آپ ٹھیک ہوجائیں گی۔"

ان کو بچے کی تصویر دکھائی۔ آبدیدہ ہوگئیں۔ رات کو ابا ان پر آیات شفا دم کرنے گئے تو عادل کو بلوایا۔ رونے لگیں۔۔۔ "عادل۔۔۔ مجھے معاف کردو' میں بارے سے بھی معافی مانگوں گی۔ میں نے اسے بہت دکھ پہنچائے۔ وہ لوہے کا بکس اسی لیے اس سے نیچے لانے کا کہا' تاکہ وہ ماں نہ بن سکے ہائے میں کتنی بری ہوں۔۔۔ نہ اچھی بیٹی نہ ہمدرد بہن' نہ اچھی بیوی بنی' بچے بھی مجھ سے روٹھ گئے' میں جادوگروں کے چکر میں پھنس گئی۔ اللہ کو بھول گئی تھی' میرے اللہ مجھے معاف کردے۔"

عادل نے بہت پیار کیا۔ نازیہ' عامر سب ان کے پاس رہتے' بارے اب ان کی تکلیف میں بہت کمی ہوگئی۔

اور عجیب معجزہ ہوگیا۔

ایک دن ان کے بچے بھی آگئے۔ آپا پر سکتہ طاری ہوگیا۔ ارشاد بھائی آئے۔ آپا کو ساتھ لے جانے کے لیے۔ ان کی دوسری بیوی نے ازراہ مہربانی' یا ان کے بارے میں سن کر ہمدردی میں انہیں گھر لانے کی اجازت دے دی۔ آپا پر تو واقعی سکتہ طاری تھا۔ ان کی سوکن بھی ڈرتے ڈرتے آئی اور عاجزی سے بولی۔

"آپا۔۔۔ آپ کا گھر' آپ کے بچے آپ کے منتظر ہیں۔ گھر چلیے میں آپ کی خدمت کروں گی۔ مجھے بھی وہیں جگہ دے دیں گی تو آپ کا شکریہ۔۔۔ مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ نہ آپ کو مجھ سے شکایت ہوگی۔ دو بہنیں ایک جگہ رہ سکتی ہیں۔ آپ بڑی ہیں۔"

ارشاد بھائی بھی ان کو سمجھانے لگے اور واقعی معجزہ ہوگیا۔ رات تک آپا کی ایک بار پھر رخصتی عمل میں آئی۔ عجب سین تھا۔ خوشی کے آنسو' غم کے جذبات گڈمڈ تھے۔ سوکن کا اعلا ظرفی کا مظاہرہ۔ آپا کی شرمندہ صورت' شاید اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی تھی۔ وہ اتنی جلد خود کو بدل سکتی ہیں۔ یہ یقین نہیں تھا' لیکن شاید۔۔۔ تکلیف اور پیر کے دھوکے' اپنے خسارے کا حساب کرکے شکست مان لی تھی۔ ابا نے گلوگیر آواز میں کہا۔

"دنیا بہت بری ہے۔ مگر نیک لوگوں سے خالی نہیں ہوئی۔ دیکھو برائی کا نتیجہ اور نیکی کی طاقت۔ ارم کے اعتراف اور معافی کے بعد۔۔۔ کتنی رحمتیں گھر پر نازل ہوئیں۔ خوشی اور اطمینان کے ترسے ہوئے لوگ۔۔۔ اللہ اللہ۔۔۔ اللہ کی مہربانی سے فیض یاب ہوئے۔ ارشاد اور اس کی بیوی' ہم اور ماہ پارہ۔۔۔ سب نے اپنا اپنا پارٹ ادا کیا۔ یہ اللہ کا کرم ہے کہ ہم۔ دنیاوی اشیاء سے محروم ہوئے' لیکن جان کی نعمت محفوظ رہی۔ اللہ سب کو جعلی پیروں' جادوگروں سے محفوظ رکھے۔ (آمین) ان لوگوں کو بھی نیکی کی ہدایت دے۔ (آمین) نازی بیٹی' زیورات یا اور کسی بھی قیمتی چیز کا غم نہ کرنا۔ وہ پھر بھی حاصل ہوسکتی ہیں۔ لیکن شکر کرو' ہم کسی بھاری خسارے سے بچ گئے۔ جان سب سے قیمتی چیز ہے۔ اب سب توبہ کریں اور شکر ادا کریں اللہ کا۔ جس نے ہم کو بڑی آزمائش سے بچالیا۔"

☼

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف
سے بہنوں کے لیے خوبصورت ناول
اجالوں کی بستی میں

فاخرہ جبیں
قیمت -/400 روپے

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

سعدیہ عزیز آفریدی

"زندگی بہت کم موقع دیتی ہے کہ آپ کی محنتوں اور محبتوں کا لگایا گیا پودا تناور درخت کی صورت آپ کے سامنے آن کھڑا ہو۔" وہ انہی کم لوگوں میں سے ایک تھیں ان کے لیے زندگی آسان نہیں تھی۔ پیچ در پیچ سانپ سیڑھی کے کھیل کی طرح تھی' جب ان کی شادی ہوئی ان کے سسرال کے حالات بے انتہا اچھے تھے۔ زندگی کی کون سی آسائش تھی جو ان کے سسرال میں میسر نہ تھی' وہ اپنی شادی شدہ زندگی سے بہت مطمئن تھیں۔ سمیع الدین کویت میں ٹیکسی ڈرائیور تھے' لیکن بہت نفیس اور بے انتہا نرم دل طبیعت کے مالک تھے۔ یہی وجہ تھی جب دور پرے کے رشتے داروں کی طرف سے یہ رشتہ آیا تو اماں' باوا نے بھی سوچنے کا وقت نہ لیا اور خود انہوں نے بھی پوری ڈور اماں باوا کے سپرد کردی کیونکہ وہ اپنے ابا کی بے حد لاڈلی بیٹی تھیں اس لیے انہیں کسی بھی غلط فیصلے کا گمان ان سے متوقع نہیں تھا' جتنا ابا ان سے قریب تھے شاید ہی اماں نے بھی قربت رکھی ہو گو اماں کا رویہ سب بچوں کے ساتھ ایک جیسا تھا جس طرح وہ اپنے دونوں بیٹوں پر کڑی نظر رکھتی تھیں۔ اسی طرح ثمو پر بھی ان کی گہری نگاہ تھی۔

ہاں بس ابا تھے جو بیٹی کو جب دیکھتے محبت اور خوش گمانی کی انتہا پر رکھ کر دیکھتے' ان کا خیال تھا بیٹی چیونٹی سے بھی زیادہ کمزور اور کبوتر سے بھی زیادہ کمزور دل ہوتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے ثمو پر بھی سخت کوشی تو کیا اپنانی تھی کبھی سخت سخن بھی نہیں آزمایا تھا' ابا شاعری کے دلدادہ' کتابوں کے رسیا بارش کے موسم کے دیوانے اور بس' دو ہم سخن افراد کے لیے دوستی کی یہی وجہیں کافی تھیں یوں ثمو ابا کی اور ابا ثمو کے دوست تھے انہیں پتہ تھا ان کی بیٹی کو کیا پسند ہے کیا ناپسند ہے' کس سے ان کا دل ڈرتا ہے کس سے جی میں خوشی امنڈتی ہے سو جب سمیع الدین کا رشتہ آیا تو ابا بڑے کڑے تیوروں سے لڑکے کی چھان پھٹک کرنے گئے اور اماں جو ابا کی شروع سے ہر فیصلے میں شریک تھیں' انہوں نے فیصلہ سنانے کے لیے گلا کھنکھارتے دیکھ کر کہا۔ "کم پڑھا لکھا ہونے کی وجہ سے انکار کرنا بے عقلی ہے۔"

ابا نے عینک کے پار اماں کو دیکھا اور کہا۔ "کیا آپ لوگوں کے دل پڑھنا جانتی ہیں۔"

اماں نے نفی میں سر ہلایا تو وہ مزید مسکرانے لگے۔

"شکر ہے بچت ہو گئی میری۔"

لحہ لگایا ٹھہراؤ لینے میں پھر نرمی سے بولے۔ "لڑکا طبیعتاً" نہایت صالح ہے' پڑھا لکھا نہیں ہے لیکن کویت میں نوکری کرتا ہے' آپ کو کبھی سمیع الدین سے کوئی شکایت ہوگی نہ مجھ سے گلہ ہوگا۔"

ثمو جو چائے میں چینی گھول رہی تھیں' مسکرانے لگیں' یہ ان کے اقرار کا بہت واضح اظہار تھا' یوں یہ نکاح ہو گیا' لیکن نکاح کے چند ماہ بعد اچانک ہی ان کے سسرال میں وہ اودھم مچا کہ سب کی عقل جواب دے گئی' بڑے بیٹے کا کنسائنمنٹ بنا کسی وجہ کے باہر کی کمپنی نے کینسل کردیا' چھوٹا بیٹا غبن کے چکر میں پکڑا گیا اور پھر گھر میں جانے سے پہلے ہی ثمو مشکوک قرار دے دی گئیں۔

ابا کو ہر لمحے لگتا سمیع الدین اپنی ماں کے بہکاوے میں آ کر ان کی بیٹی پر طلاق کا داغ نہ لگا دیں مگر بھلا ہو ثمو کے سسر اور سمیع الدین کی عقل مندی کا انہوں نے عورتوں کی ضعیف الاعتقادی کی سزا ثمو کو نہ دی بلکہ سمیع الدین چھٹیوں پر آئے تو ان کو رخصت کروا کے اپنے گھر لے آئے۔

رخصتی کے بعد ان کی زندگی بہت آسان نہیں تھی۔ جٹھانی دیورانی اپنی مشکلات کا سبب ان کی نحوست کو سمجھتی تھیں ان کا رویہ ان کے ساتھ ہتک آمیز ہوتا تھا' ساس نہ دونوں کی حمایتی تھیں نہ ثمو کی مخالفت کرتی تھیں۔ انہوں نے بس مصلحت آمیز خاموشی اختیار کرلی تھی۔ گھر میں کوئی ان سے بات نہ کرتا تھا سوائے سسر کے جو ایک بیٹی کی طرح ان کی دیکھ ریکھ کرتے یا سمیع الدین کے جو روزانہ لیٹ نائٹ آتے تو لازمی انہیں کال کرتے وہ اس ماحول کی عادی بنتی جا رہی تھیں جب اچانک انہیں ڈاکٹر نے خوشخبری

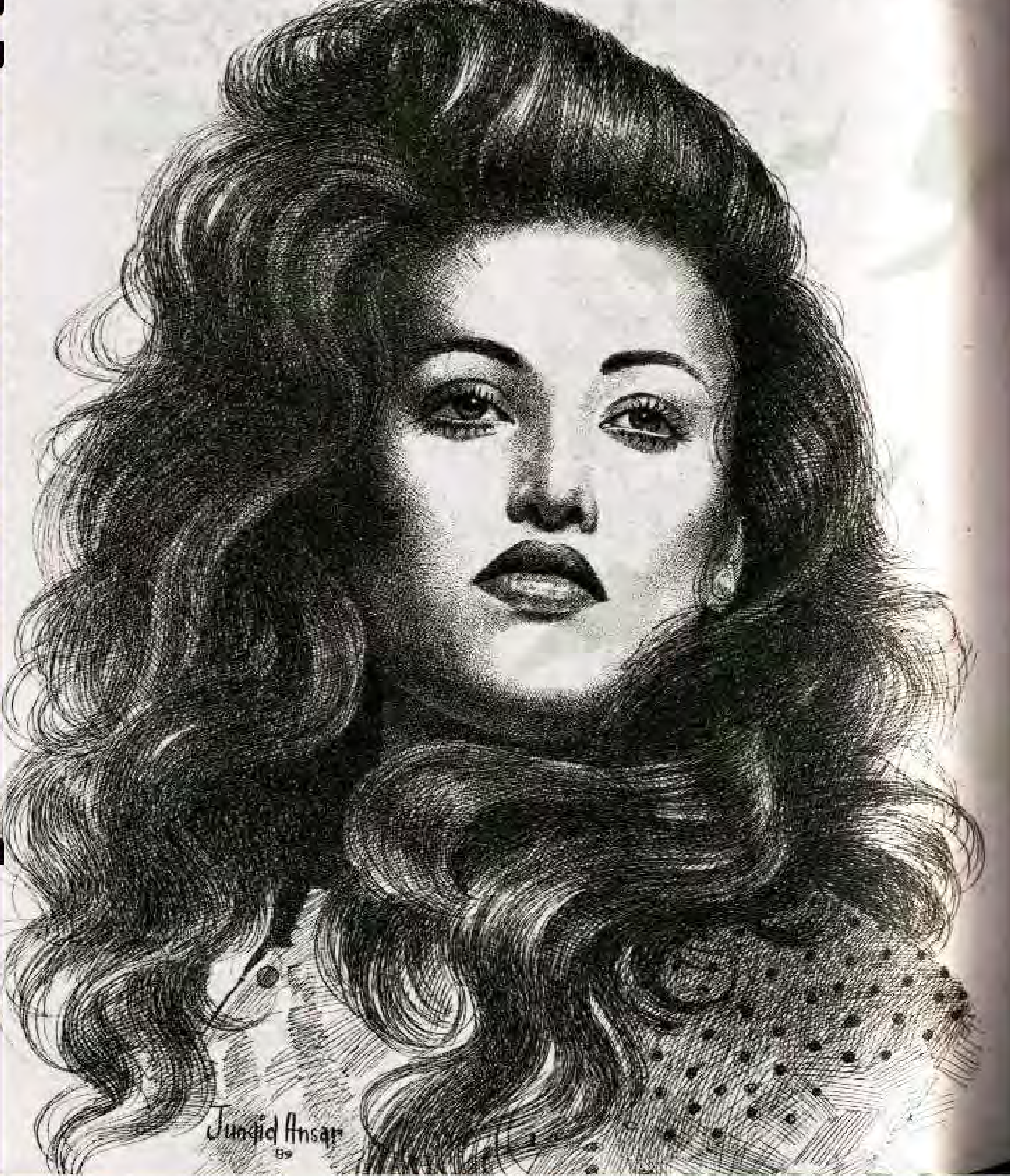

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

سنائی۔

یہ پہلا موقعہ تھا جب ساس نے دل سے انہیں لپٹے گلے لگایا تھا چوم کر دعائیں دی تھیں ان کے اماں' ابا کے لیے بھی یہ خبر بے انتہا مسرتوں کا سبب بنی' سمیع الدین کی زندگی بھی یکدم بدل گئی تھی۔ اب انہیں محنت کرتے ہوئے پہلے سے زیادہ مزہ آتا تھا ایک کونپل تھی جو ان کی زندگی میں کھل چکی تھی' جس کی خوشبو سے ان کا ارد گرد مہکتا رہتا تھا' انہیں بیٹی کی شدید خواہش تھی' خود ثمو کا بھی یہی ارمان تھا لیکن ان کے ہاں بیٹے نے جنم لیا تھا ثمو خوش ہوئی تھیں مگر ہلکی سی دل میں کسک تھی کہ بیٹی ہو جاتی۔

سمیع الدین چھٹیوں پر آئے تو سرمد سمیع الدین چھ ماہ کا ہو چکا تھا اسکائپ پر وہ روز اپنے بیٹے کو دیکھتے تھے ثمو سے باتیں کرتے تھے لیکن آج پہلی بار وہ اپنے بیٹے کو گود میں لے رہے تھے' ان کی اماں کی خوشی دیدنی اور ابا کی مسکراہٹ گہری تھی۔

"اب پتا چلے گا اولاد کس کو کہتے ہیں۔"

سمیع الدین نے بیٹے کو ثمو کو پکڑایا اور ابا جی کے پاس چلے آئے ان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر لجاجت سے بولے۔ "کوئی گستاخی ہو گئی ہے ابا جی ایسا کیوں کہہ رہے ہیں؟"

ابا نے ان کے سر پر شفقت بھرا ہاتھ رکھ کر محبت سے دیکھا اور رسان سے بولے۔

"دیکھے! اگر مجھے اپنی کسی اولاد سے کوئی شکوہ گلہ نہیں ہے تو وہ صرف تو ہے سمیع الدین! تو نے ہر سرد گرم میں جس طرح میرے کندھے سے کندھا ملا کر ساتھ دیا۔ باقی دونوں زیادہ پڑھے لکھے بچوں نے ایسا نہیں کیا۔ انہیں ان پڑھ باپ گنوار لگتا تھا لیکن تو نے ان پڑھ باپ کو صرف باپ سمجھ کر جو عزت دی' وہ بہت کم اولاد کا نصیب بنتی ہے۔"

"پھر ابا ایسے کیوں کہا؟" سمیع الدین کو لگن لگ گئی تھی تب ہی ابا نے اور مدھم لہجے میں کہا۔

"میرے کہنے کا مطلب تھا۔ اب تو دور ہو کر اپنے بیٹے کے لیے پریشان ہو گا' اس نے کھانا کھایا' پانی پیا وہ رات کو ٹھیک سے سویا کب گھر سے نکلا گھر کب آیا جیسے سوال سوچے گا تو تجھے میری اور اپنی ماں کی بے قراری سمجھ آئے گی کہ ہم کیوں تڑپتے تھے۔ کس کے لیے پوچھتے تھے' اور تو کہتا۔ ابا میں اب بڑا ہو گیا ہوں۔ آپ پریشان نہ ہوا کریں۔"

سمیع الدین ہنسنے لگے۔ ابا کے گلے لگ گئے "اگر یہ جملہ بھی آپ کے دل کو لگا تو ابا معافی مانگتا ہوں' بس میں اس لیے کہتا تھا کہ آپ پریشان نہ ہوا کریں' اور جھیلے کم تھے جو اب سمیع الدین کے پیچھے بھی ہراساں ہوتے رہتے۔"

ابا نے سمیع الدین کا کان پکڑ لیا تھا' "کیوں سمیع الدین سوتیلا ہے کیا یا کچرے سے اٹھایا ہے جو مجھے اس کی فکر نہ ہوتی' رہا اولاد کے لیے ہراساں ہونا تو جب تک سر تختے سے نہیں جا لگتا۔ غسل کا پانی نہیں چڑھ جاتا۔ دفنا نہیں دیا جاتا ماں' باپ کی محبت اور اولاد کے لیے بے قراری کو چین نہیں ملتا۔"

"ابا پلیز۔ ایسی باتیں نہ کریں۔ میرا دل ڈرتا ہے ان باتوں سے۔" انہوں نے ابا کے سینے سے لگ کر اس خوف سے خود کو بچانے کی سعی کی۔ لیکن کبھی کی کہی ہوئی بات اچانک ہی حقیقی روپ دھار کر ان کے سامنے آ گئی۔ ان کی چھٹیاں ختم ہونے والی تھیں۔ وہ پیکنگ میں لگے ہوئے تھے کہ معمولی گیس ٹربل سمجھا جانے والا درد ہارٹ اٹیک اور پھر ہارٹ فیل میں بدل گیا۔

ابا کیا گئے سمیع الدین' ثمو' اور فیضی بیگم پر سے ایک گھنا سایہ چھین لیا گیا' وہ سب' جو زندگی کی تلخی کو چکھ چکے تھے اور چکھ رہے تھے انہوں نے آدھا آدھا حصہ بانٹا اور سمیع الدین ثمو اور فیضی بیگم کے ہاتھ دربدری آئی۔

فوری طور پر ثمو کے ابا گاڑی میں بٹھا کر انہیں عزت سے اپنے گھر لے آئے پیچھے سمیع الدین سامان ٹرک پر لوڈ کروا کے گھر لے آئے۔ بھابھیوں نے ناک بھوں چڑھائی۔ ثمو نے سمیع الدین کی طرف ملتجی نظروں سے دیکھا' یوں یہ لٹا پٹا قافلہ ایک ہفتے بعد ہی

کرائے کے مکان میں شفٹ ہو گیا۔

آدھا سامان کھلا تھا آدھا بندھا' جب سمیع الدین کو واپس جانا پڑا پھر وہی ہوا زندگی پہلے تو ادھر ادھر ٹکراتی ڈگمگاتی رہی پھر یکدم اپنی ڈگر پر سیدھی دوڑنے لگی سمیع الدین نے دو سال میں اپنا گھر تعمیر کروا لیا' اور جس دن اماں نے وہاں قدم رکھا تو اسکائپ پر بات کرتے کرتے اماں جو روئیں تو لگا سارا سمندر ان کی آنکھوں سے بہہ نکلا سمیع الدین دیار غیر میں بیٹھے خود بھی بچوں کی طرح بلک اٹھے تھے' آج ابا انہیں ٹوٹ کر یاد آئے تھے اور وہ سارے لوگ بھی جنہوں نے محبت اور رشتوں کو پیچھے دھکیل کر دولت کو ترجیح دی تھی' مگر ان کی ان تھک محنت نے انہیں سب کے سامنے ایک بار پھر اس مقام پر کھڑا کر دیا تھا لیکن ان سب کی قبضہ کی گئی دولت ان کے اعمال کی طرح ایک بار پھر ضائع چلی گئی تھی' قرض پر قرض لینے والے حمید الدین اور بیوی کی آنکھ کے اشارے پر چلنے والے فرید الدین اسی مقام پر کھڑے تھے جہاں سے چلے تھے۔ پہلی بار جب دستک ہوئی تھی تو اماں نے ممتا کی ہوک لیے ثمو کو دیکھا تھا' جیسے ان سے اجازت طلب کر رہی ہوں کہ وہ اپنی اس ناخلف اولاد سے مل سکتی ہیں کہ نہیں۔

ثمو کو اماں کی بے بسی پر رونا آ گیا تھا۔ انہوں نے بھابھی کو ڈرائنگ روم میں بٹھایا تھا اچھی طرح تواضع کی اماں کچن کے باہر جلے پیر کی بلی بنی گھوم رہی تھیں جب ثمو نے ان کی مٹھی میں ہزار ہزار کے پانچ نوٹ تھما دیے۔ اماں کی آنکھیں پھر سے بہنے لگی تھیں' وہ پیسے دے کر پلٹ کر آئیں تو انہوں نے ثمو کو گلے لگایا تھا جیسے سرمد سمیع کی آمد کی خوش خبری پر سینے سے لگایا تھا' ماتھا چوم کر دعا دی تھی' وہ کچھ کہنا بھی چاہتی تھیں مگر ثمو انہیں ان کے کمرے میں لے گئی تھیں۔

"یہ سب آپ کی دعاؤں کے طفیل ہے' میں بھی ماں ہوں اور جانتی ہوں۔ ماں کبھی بھی اپنی اولاد کو چھوڑ نہیں سکتی۔ وہ چاہے کتنا بھی برا کر جائے اگر آپ ان کی مدد کرنا چاہیں یا ان سے رابطہ رکھنا چاہیں۔ سمیع الدین آپ کو جو بھی پیسے بھیجتے ہیں ان سے آپ جو بھی کرنا چاہیں ان کے لیے کر سکتی ہیں اماں!"

اماں پھر سے رونے لگی تھیں پھر انہوں نے ثمو کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

"عورت کا جو دل ہوتا ہے آدھا شوہر کی محبت سے بھرا ہوتا ہے آدھا اولاد کی محبت سے اور وہ اس محبت میں اتنی جہاں دیدہ ہوتی ہے کہ تمام عمر۔ ایک محبت کو دوسری محبت میں کبھی گڈمڈ نہیں ہونے دیتی لیکن کبھی کبھی کم بخت یہ دل کا پلڑا کسی ایک طرف ایکدم سے جھک جاتا ہے اور وہ اس بارے میں خود سے نہ کوئی لڑائی کر پاتی ہے نہ ہی اپنی مخالفت' ثمو! تم بہت اچھی اولاد ہو مگر میں جب وہ دن شمار کرتی ہوں جب عماد الدین اسپتال میں تھے تکلیف میں تھے اور گھر میں جائیداد اور وراثت کا معاملہ زور پکڑ گیا تھا تو مجھے لگتا تھا میں کبھی بھی اپنے ان دونوں بیٹوں کو معاف نہیں کر سکوں گی' پہلے کی طرح ان کے لیے میرے دل سے کوئی دعا نہیں نکلے گی مگر جب انہیں تکلیف میں دیکھتی ہوں تو مجھ سے برداشت نہیں ہوتا میں ان سے صرف نظر نہیں کر پاتی ہوں۔"

ثمو ان کے ہاتھ کو محبت سے سہلا کر ان کی بات کو سمجھنے کا عندیہ دے رہی تھیں مگر اماں اس کشمکش کو لے کر زیادہ دن نہیں جی سکی تھیں اور یوں پانچ سال بعد ابا کے پہلو میں جا سوئی تھیں۔ سمیع الدین کے لیے دنیا بالکل اندھیر ہو گئی تھی اور پہلی بار ان کے منہ سے نکلا تھا۔

"بس ایک بیٹی دے دے اللہ! میرا خالی خانہ پُر ہو جائے گا۔ میری کوئی بہن نہیں بیٹی ہو گئی تو وہ میرے سارے رشتوں کو سنبھال لے گی۔"

ثمو نے سر ہلایا تھا مگر ان کے ہاں بیٹی نہ ہوئی۔ سرمد سمیع پندرہ سال کا تھا جب سمیع الدین نے بیٹے کو پڑھنے کے لیے اپنے ایک دوست کے پاس یو کے بھجوا دیا سرمد ایک ذہین اور ہونہار بچہ تھا اس میں اگر کوئی خامی تھی تو اپنے حسن و جمال اور امارت کا غرور بہت تھا۔

ثمو کبھی کبھی کہتیں وہ اپنے چچا فرید الدین پر چلا گیا

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہے صورت ہی نہیں عادت اور خصائل میں بھی ثمو اور سمیع الدین کی کوئی بھی عادت اس کے اندر داخل نہیں ہوئی تھی' وہ خود کو کالا انگریز سمجھتا تھا۔ جس بچے نے چودہ سال کی عمر میں بائیک کے بجائے ایک دم سے مرسڈیز ڈرائیو کی ہو۔ اس کے اندر سب سے الگ تھلگ ہونے کا خیال خود بخود جڑ پکڑ ہی لیتا ہے' ثمو سرمد کو یوکے بھیجنے کے حق میں نہیں تھیں۔ ان کا خیال تھا اس طرح مزید آزادی اور آسائش سے اس کا غرور تکبر اعلا ہونے کا احساس مزید زور آور ہو گا لیکن سمیع الدین اپنی تعلیمی کمی کو اس کی صورت میں پورا کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے انہوں نے ثمو کی یہ واحد بات نہیں مانی تھی۔

سرمد چھٹیوں میں آتا اور اس کا زیادہ تر وقت تایا' چاچا کے گھر یا دوستوں میں گزرتا۔

"میں نے تو ہمیشہ اپنے ابا کی آنکھ کے اشارے پر سر جھکایا۔ ان کے قدم کو نظر سے چوم کر ان کے قدم پر قدم رکھا مگر سرمد میں ایسا کوئی بھی جذبہ میرے لیے ٹھاٹھیں نہیں مارتا' بلکہ ہلکا سا بھی تاثر نہیں ہوتا کیا مجھ سے کوئی گستاخی ہوئی ابا جی کے حق میں۔ جو میری اولاد میرے حق میں عجز و محبت نہیں رکھتی۔"

ثمو نے سمیع الدین کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر ہلکا سا دباؤ ڈالا اور نرمی سے بولیں۔

"میں آپ کے شب و روز کی گواہ ہوں۔ میں نے کبھی آپ کو ان کے حق کی کوتاہی کا مرتکب نہیں پایا۔"

"پھر ثمو! میرے ساتھ یہ سب کچھ کیوں ہے۔"

ثمو ان کے برابر آکر بیٹھ گئیں۔

"اولاد فتنہ بھی ہے آزمائش بھی' اگر کوئی اولاد ناخلف نکلے اور آپ اپنے ماضی میں صاف دامن ہوں تو سمجھ جائیے۔ آپ کی اولاد آپ کے لیے آزمائش بنا کر پیدا کی گئی ہے۔ جو والدین کے ہوتے ہوئے ان کی محبت اور دعا نہ لے سکے۔ یہ اس اولاد کی بد قسمتی ہے۔ اس کے والدین کی نہیں۔ اس کے لیے خود کو مورد الزام ٹھہرانا یا خود کو تکلیف دینا کہاں کی عقل مندی ہے۔"

سمیع الدین گہری سانس لے کر چپ ہو گئے۔

جب سرمد نے ایم بی اے کی ڈگری لی تو ان کے دوست نے سرمد کے لیے اپنی بیٹی کا رشتہ ان کے سامنے رکھا' ان کی کوئی لمبی چوڑی امیدیں تھیں نہ ہی پسند ناپسند کے کوئی گراف' سو انہوں نے اس رشتے کو قبول کر لیا' صرف ایک شرط رکھی وہ یہ کے سرمد اور زیبی پاکستان آکر سمیع مینشن میں رہیں گے' اگر کسی کو یہ رشتہ پسند نہیں آیا تو وہ' فرید الدین اور حمید الدین کی بیگمات کو پسند نہیں آیا تھا۔ دونوں ہی اس پر دانت لگا کر بیٹھی تھیں مگر قرعہ فال زیبی کے نام نکل آیا تو ان کے داؤ پیچ کے ایوانوں میں بھونچال آگیا' لڑکیاں الگ ایک دوسرے کو پھاڑ کھانے والے انداز میں ملنے لگی تھیں۔

تب عمارہ نے قسم کھائی کہ اگر سرمد ان کی بیٹی کا نصیب نہیں بن سکا تو سرمد کو بھی خوش نہ رہنے دیا جائے' لیکن ان کے ہاتھ ایسی کوئی وجہ نہیں لگ رہی تھی جس کو بنیاد بنا کر وہ اپنی مرضی کا نتیجہ نکال سکتیں۔

سرمد کی دلہن کو دیکھ کر انہیں لگا کہ انہیں وہ مہرہ مل گیا' جس پر وہ گیم کھیل سکتی تھیں۔

☆ ☆ ☆

"زندگی بہت کم موقع دیتی ہے کہ آپ کی محنتوں اور محبتوں کا لگایا گیا پودا تناور درخت کی صورت آپ کے سامنے آن کھڑا ہو۔"

ثمو نے بھاپ اڑاتے کپ کو لبوں سے لگا کر سمیع الدین کی طرف دیکھا جو دلہن کے لیے لائے گولڈ کے بریسلٹ کو بار بار دیکھ رہے تھے اور دلی طور پر ثمو کے اس بیان سے متفق تھے کہ دلہن نے ایک بیٹی کی کمی پوری کر دی تھی۔

سمیع الدین جو بیٹے کی وجہ سے دل گرفتہ رہتے تھے بہو کے رویے سے پھر سے جی اٹھے تھے اور بہت بے قراری سے وہ ان دونوں کا انتظار کر رہے تھے۔ آج عمارہ کے ہاں ڈنر تھا۔ ثمو کی طبیعت کی خرابی کی وجہ

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

سے وہ نہیں جا سکے تھے۔

"بیگم صاحبہ کھانا لگادوں۔" ملازم لڑکے نے چوتھی بار آکر پوچھا تھا۔

اور ثمو نے سمیع الدین کی طرف دیکھا تھا۔

"ہمیں بھوک لگے گی تو ہم کھالیں گے۔ عمرانی بیٹا! تم اپنے کوارٹر میں چلے جاؤ تمہاری بہن تمہاری راہ دیکھ رہی ہوگی۔" انہوں نے ملازم کو جواب دیا۔

"نہیں صاحب جی ابا جی کے زمانے سے ساتھ ہیں ابا نے مرتے وقت صرف ایک وعدہ لیا تھا' کبھی سمیع الدین اور ثمو بی بی کے کھانے سے پہلے منہ میں ایک کھیل بھی نہ ڈالنا ورنہ ان کی محبت کے گناہ گار کہلاؤ گے' ہم باپ دادا کے زمانے سے آپ کے چاکر ہیں جی ہم اپنا فرض نہیں بھول سکتے۔"

سمیع الدین نے عمرانی کو قریب بلایا تھا پھر محبت سے بولے تھے۔

"تم میں اور سرمد میں' میں نے کبھی کوئی فرق نہیں رکھا' تعلیم کے لیے بھی زور دیا مگر تم غیر نصابی سرگرمیوں میں اتنا مگن تھے پڑھ کے نہیں دیے۔"

عمرانی نے سمیع الدین کے گھٹنے کو بالکل ان کی طرح چھوا اور سمیع الدین اس زمانے میں پہنچ گئے جب اس طرح انہوں نے اپنے ابا جی کے گھٹنے کو چھوا تھا اور دلداری سے اپنی کوتاہی پوچھی تھی۔

آج منظر بالکل ویسا تھا لیکن عمرانی کی آنکھوں میں بابا جیسا اظہار تھا۔

"نہیں صاحب جی میں گواہ ہوں۔ آپ نے سرمد صاحب اور مجھ میں کوئی فرق نہیں رکھا جو ان کے لیے پسند کیا وہ ہی میرے لیے پسند کیا۔ ابا جی کو آپ نے بہت کہا تھا کہ آپ ان کی تنخواہ نہیں دے سکتے۔ وہ کہیں اور چلے جائیں مگر ابا جی ایک دن کے لیے بھی آپ کو چھوڑ کر نہیں جاسکے۔ روکھی سوکھی میں ہم نے جس طرح ایک دوسرے کی بھوک بانٹی ہے اس کا قرض یہی ہے کہ میری اولاد بھی آپ کی خدمت گاری کرتے کرتے زمین کا رزق بن جائے۔"

سمیع الدین اور ثمو کی آنکھوں میں اس بے لوث محبت پر تشکر کے آنسو تھے عمرانی ان کی ٹیبل پر کھانا سرو کررہا تھا کہ تن فن کرتی زیبی گھر میں داخل ہوئی وہ سمیع الدین اور ثمو کو عجب طرح سے گھور رہی تھی۔ دونوں کا موڈ سخت خراب لگ رہا تھا۔

سمیع الدین نے ثمو کو دیکھا تھا۔ "یہ انہیں کیا ہوا ہے۔ آخر ایسی کیا بات ہوگئی جو ان کا موڈ اتنا خراب ہوگیا۔"

ثمو مسکرانے لگیں "ہوگی کوئی بات' میاں بیوی میں چھوٹی موٹی بات ہو ہی جاتی ہے۔"

سمیع الدین کھانے کے بعد چائے پی رہے تھے جب سرمد کے کمرے سے چیخنے چلانے کی آوازیں آنے لگی تھیں۔

"کیا ہمیں دخل اندازی کرنی چاہیے؟" سمیع الدین نے ثمو کی طرف دیکھا اور بہت مدھم پوچھا بھی تھا۔ ثمو نے نفی میں سرہلایا تھا اور دونوں اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔

صبح بھی رات کی طرح بھونچال پیدا کرتی طلوع ہوئی تھی ثمو اور سمیع الدین سوچ ہی رہے تھے کہ وہ اس جنگ میں فریق بنیں کہ نہیں یکدم زیبی لاؤنج میں چلی آئی۔

"آپ نے اتنا بڑا فراڈ کیا ہے میری زندگی سے کہ میں کبھی آپ کو معاف نہیں کرسکتی۔"

"کون سا فراڈ؟ کیسا فراڈ؟" دونوں نے سوالیہ اسے دیکھا۔

"پاپا کہتے تھے آپ بزنس مین فیملی سے ہیں' مگر آج پتا چلا۔ آپ اپنی جدوجہد کے آغاز میں ٹیکسی ڈرائیور ہوتے تھے' اگر میں کسی نہ کسی طرح یہ گندی حقیقت حلق سے اتار بھی لوں تو میں یہ کبھی برداشت نہیں کرسکتی کہ آپ لوگ ذات کے دھوبی ہیں۔"

"اس میں فراڈ والی کیا بات ہے۔ مظفر جانتا ہے۔ ہمارے باپ دادا ذات کے دھوبی تھے جب میں کویت نہیں گیا تھا تو میں نے بھی ابا کے ساتھ مل کر کپڑے دھوئے ہیں استری کیے ہیں' بڑے بھیا اور چھوٹے فرید الدین اعلا تعلیم حاصل کرنے کی وجہ سے کبھی ابا کا ہاتھ

نہیں بٹا پائے' کبھی ان کے قریب نہیں آئے حالانکہ ان کی ساری تعلیم ابا کی اسی محنت کے بدولت تھی' وہ لوگوں کے کپڑوں سے میل نکالتے تھے تو ان کی قسمت کا رنگ نکھرتا تھا' ہمارا بہت بڑا کاروبار تھا۔ پورے سو افراد منسلک تھے اس کاروبار میں۔"

"آپ کے لیے نہیں ہوگی یہ شرمندگی کی بات' لیکن مجھے سوچ سوچ کر کوفت ہوتی ہے کہ میرے سسر ایک دھوبی ہوا کرتے تھے۔ میرا دماغ خراب ہوگیا تھا جو میں نے پاپا کے کہنے پر اس گھر میں شادی کی۔"

سرمد نے سمیع الدین کو دیکھا اور تلخی سے بولا۔

"میں ایم بی اے ہوں' میری صرف یہ شناخت ہے بابا کیا کرتے تھے کیا نہیں۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے۔ تم مجھ سے مس بی ہیو کرنے میں حق بجانب نہیں' میں نے جو تم سے کہا۔ وہ ہر بات پوری کی جیسی زندگی تم سے کہی۔ اس سے بڑھ کر زندگی تمہارے قدموں میں لارکھی ہے۔"

ثمو آگے بڑھیں تو زیبی چیخ پڑی۔

"پلیز اب آپ مجھے سمجھانے نہ بیٹھ جایئے گا۔ میں صرف اپنے دل کی مانتی ہوں۔"

سرمد زیبی چلے گئے تھے اور ثمو نے سمیع الدین کے گھٹنے سے ٹیک لگا کر بہت بے بسی سے کہا تھا۔

"کچھ بھی کہتی زیبی! لیکن اس وقت سرمد اگر ایک جملہ میری حمایت میں بول دیتا تو میرا قلق جاتا رہتا' لگتا ہی نہیں ہے میں نے اسے جنم دیا ہے۔"

سمیع الدین کا چہرہ اتر گیا تھا۔ انہوں نے ثمو کو قریب کرکے اس غم سے نکالنے کی کوشش کی تھی۔ پانچ منٹ بعد عمرانی ناشتے کی ٹرالی لیے کھانے کے کمرے میں چلا آیا تھا۔

سمیع الدین نے عمرانی کو دکھ سے دیکھا تھا' غیر پھر غیر ہوتا ہے اس کی آنکھ میں حیا اور رشتوں کی پہچان باقی رہ جاتی ہے' اپنی اولاد حق سمجھ کر لیتی ہے بھلے وہ آسائش ہو محبت ہو یا بھروسا ہو لیکن اگر آپ کسی غیر پر کوئی مہربانی کرتے ہیں تو وہ اسے احسان سمجھ کر ہمیشہ سر جھکا لیتا ہے' احسان کا بدلہ واقعی احسان کے سوا کچھ نہیں لیکن یہ کوئی نہیں سمجھتا۔

سمیع الدین نے دل سے ایک رائے کی روح کی ایک رائے دی اور خاموشی میں لپٹ گئے لیکن زیبی کا رویہ سمیع الدین اور ثمو سے ہتک آمیز ہی تھا۔ ثمو نے یہ معاملہ زیبی کے والد کے سامنے رکھا تو ایک ہفتے بعد اس کے پاپا پاکستان آگئے' ماں زیبی کو سپورٹ کررہی تھی لیکن سمیع الدین کے دوست صرف حق بات کے ساتھ کھڑے تھے' اور زیبی اس بات سے اور بھی سے اکھڑ گئی تھی اور پھر ایک دن زیبی ہر حد پار کرگئی' سمیع الدین کے سامنے آکر ایک دم سے بولی۔

"اگر میں ان کے وجود کو برداشت کررہی ہوں تو صرف اس لیے کہ یہ سرمد کے ماما' پاپا ہیں ورنہ اتنا بڑا فراڈ کرنے پر تو اگر آپ ہوتے پاپا تو میں آپ کو بھی معاف نہیں کرتی۔"

زیبی کے پاپا منہ کھولے بیٹی کو دیکھتے رہے۔ سنبھلے تو غصے سے کھڑے ہوئے "یہ اتنا بڑا ایشو نہیں ہے زیبی! تم نے رائی کا پہاڑ بنالیا ہے' تمہارا شوہر ایم بی اے ہے پھر اتنا کیوں ہنگامہ مچا رکھا ہے۔" ایک طرح سے زیبی کے پاپا نے پھر سے سمیع الدین کا ساتھ دیا تھا۔

اور زیبی کی ماما غصے سے پھنکاری تھیں۔

"نسل بگاڑ دی ہماری رائل فیملی میں ٹاٹ کا پیوند لگا دیا ہے دھوبی کی نسل۔ او گاڈ! میں جب سوچتی ہوں میرے دماغ کی رگیں پھٹنے لگتی ہیں۔ یہ تو ان لوگوں کے ساتھ رہ رہی ہے۔"

"اگر برداشت نہیں ہوتا تو کہیں اور رہ لو جاکر۔" ثمو نے یکدم غصے میں کہہ دیا۔ سرمد نے برا سا منہ بنا کر ماں کو دیکھا' اور زیبی کی تیز زبان پھر سے میان سے نکل آئی۔

"کہیں بھی چلے جائیں۔ کسی بھی شہر کسی بھی ملک سمیع الدین دھوبی والے کا لیبل ماتھے سے ہٹنے والا نہیں ہے۔"

ثمو سمیع الدین کے ہاتھ پکڑنے کے باوجود کھڑی ہوگئی تھیں۔ "کیا کریں پھر ہم دونوں بولو؟"

"میری بیٹی سے اتنے سخت لہجے میں بات کرنے کی

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

ضرورت نہیں ہے وہ کوئی لاوارث نہیں۔"
زیبی کی مما کو جوش آگیا اور ثمو نے بھی اسی انداز میں کہا۔
"اور یہ بھی خیال رکھیں میں یا میرے شوہر بھی لاوارث نہیں ہمارا پورا ماضی ہماری وراثت ہے اور اپنے ماضی اور اپنے حوالوں کے ساتھ بہت خوش ہیں۔"
ثمو سمیع الدین کو اٹھا کر اپنے کمرے میں لے گئی تھیں۔ سمیع الدین کا دوست اپنی دوستی میں خاموش رہنے والی زبان کی معافیاں مانگ رہا تھا مگر بہو کے جملوں اور بیٹے کی خاموشی نے سمیع الدین کو اندر سے گم صم کر دیا تھا۔
اور دھیرے دھیرے یہ غم سمیع الدین کو اسپتال لے گیا سرمد اپنی زندگی کے رنگ اور اپنے ددھیالی رشتے داروں میں مگن تھا زندگی "جو آپ کی خواہش وہ میرے لیے حکم ہے" کے مطابق گزر رہی تھی ثمو نے بھی سرمد کو کبھی کسی معاملے میں تنگ کرنا یا کہنا چھوڑ دیا تھا زندگی دو متوازی دھاروں کے مطابق بہہ رہی تھی، سمیع الدین کی آنکھوں میں زندگی بجھتی جا رہی تھی مگر ثمو صبح سے شام تک سمیع الدین کے ساتھ لگی رہتی تھیں اب کھانا بھی ڈائننگ روم کی جگہ وہ کمرے میں کھانے لگے تھے اور پھر ایک صبح ثمو اٹھیں تو انہیں سمیع الدین کی خاموشی نے گم صم کر دیا تھا۔
"اللہ نے انسانوں کو پیدا کیا لوگوں کے حصے میں کام بانٹے، پیشے بنائے اور واضح کہا، کسی عربی کو کسی عجمی پر کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی کالے کو کسی گورے پر کسی گورے کو کالے پر فوقیت نہیں سوائے اس کے تقویٰ کے، پھر لوگ ذلیل و خوار کیوں کرتے ہیں ایک دوسرے کو لوگ تو کیا میرا اپنا بیٹا۔"
ثمو کو لگا۔ سمیع الدین ابھی بھی ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹے اس ناقدری پر بلک رہے ہیں، سرمد کو عمرانی نے یہ خبر پہنچائی تھی، وہ ننگے پاؤں بھاگتا آیا تھا۔ بیوی کی محبت اپنی جگہ مگر ایک لمحے کو دل پرانی محبت سے دھڑکتا تو ہے کسی کی رفاقت کا ایک لمحہ قبر میں اتارتے ہوئے

ہاتھ کپکپا دیتا ہے۔ وہ تو پھر باپ تھا برسوں ہاتھ پکڑ کر چلا تھا۔ ان کے کندھے پر بیٹھ کر دنیا دیکھی تھی، خوف میں سینے سے لگ کر محفوظ ہونے کا احساس پایا تھا۔ آنسو محبت کا دامن تھامے خود بخود پلکوں سے امنڈ آئے تھے۔
صرف ثمو تھیں جو بت کی طرح ساکت تھیں، زیبی کو لگا تھا وہ اب بول اٹھیں گی کیونکہ جو ایک زبان کے آگے لگام تھی وہ ٹوٹ کر گر گئی تھی۔ مٹی میں مل کر مٹی ہو گئی تھی، مگر ثمو نے ایک لفظ نہ کہا تھا۔ عدت میں بیٹھ گئی تھیں، کون آرہا تھا کون جا رہا تھا انہیں کوئی غرض نہیں تھی یہاں تک کہ عدت کے بعد بھی وہ سفید جوڑے میں باہر آئیں تو سرمد نے ان سے قریب ہونے کی کوشش کی، انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے وہیں روک دیا اور زیبی ماں کے کان میں اتنا تیز بولی کہ ثمو آسانی سے سن لیں۔
"نکل پھر بھی قابل قبول تھے مگر اب مجھے لگتا ہے ممی اس گھر میں روز نوٹنکی ہوا کرے گی۔"
عمرانی دروازے کی اوٹ میں کھڑا تھا اور دھاڑیں مار کر رو رہا تھا، بقول اس کے وہ اس کے لیے ہمیشہ رانی ماں جیسی ہی رہنی تھیں مگر سرمد بد قسمت تھا۔ ثمو زیبی کے سامنے آن کھڑی ہوئی تھیں اور استہزائیہ ہنسی تھیں۔
"یہ تمہارا ایم بی اے شوہر اس کی کیا وقعت ہے تمہاری نظر میں؟"
"پلیز آنٹی! اس کے بارے میں کچھ کہنے سے پہلے یہ یاد رکھیے گا۔ وہ میرا شوہر ہے اور میں اس کی بے عزتی کرنے کا حق اپنے ماں باپ کو بھی نہیں دے سکتی۔"
ثمو کے سینے سے ایک اور قہقہہ بلند ہو کر ڈرائنگ روم میں بکھر گیا تھا۔
"تمہارا یہ شوہر تمہاری عزت اور قدر دانی کے کسی معیار پر پورا نہیں اترتا، وہ قدر دانی جو تمہاری زندگی کی طرح بودی اور سطحی ہے۔
کیا سمجھتی ہوا سے یہی ناں کہ یہ سمیع الدین کی اولاد

ہے، سمیع الدین جو ایک دھوبی کی اولاد تھا جس نے ہمیشہ اپنے باپ کا محبت سے ساتھ دیا، جس نے خود بھی دھوبی گھاٹ پر کپڑے دھوئے اور یہ لڑکا، یہ لڑکا وہیں بستا ہوا آیا تھا، میرے شوہر سمیع الدین کا پتا ٹھکانا نام نسب تو ہے تیرے پاس کیا رہ گیا نام نسب، قدر دانی کرا اپنے میاں کی قدر دانی۔"
سرمد نے آگے بڑھ کر ماں کا ہاتھ پکڑنا چاہا تو ثمو نے ہاتھ جھٹک دیا۔ "بے قدر بد نصیب لوگ ہو تم سب پرائے خون کو جتنا بھی سینچوں ہاتھ کچھ نہیں آتا ہے۔"
مڑ کر بہو کی طرف دیکھا تھا "دیکھ لے، خالی ہاتھ جا رہی ہوں اور یاد رکھ ایک وقت ہو گا تو بھی خالی ہاتھ جائے گی۔"
زیبی کا باپ منت کرنے کے لیے آگے بڑھا تھا مگر ثمو گھر سے باہر نکل آئیں اور ادھر عمرانی ان کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔
"رانی ماں بیگم صاحبہ! نصیب ہو آپ ہمارا، ہمیں بد نصیب مت کرو۔" مگر ثمو جس کیفیت میں تھیں ان تک عمرانی کی آوازیں نہیں پہنچ رہی تھیں ان کے قدم تیز تیز اٹھ رہے تھے یہاں تک کہ عمرانی نے انہیں قبرستان میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔
"اتنا ناراض ہوا اپنے بیٹے سے بیگم صاحبہ! اپنی اولاد کو اولاد ماننے سے انکار کر گئی ہو۔ سرمد آپ کا اپنا بیٹا ہے آپ کا اپنا خون اور آپ!"
ثمو دنیا مافیہا سے بے نیاز سمیع الدین کی قبر کے سرہانے بیٹھ گئی تھیں دونوں ہاتھوں میں مٹی کی ڈھیری کا یوں کلاوہ بھر لیا تھا جیسے وہ قبر کی مٹی نہیں خود سمیع الدین تھے اور کسی بچے کی سی خوشی سے بولی تھیں۔
"لے لیا بدلہ سمیع صاحب! آپ کی ساری بے عزتی کا بدلہ لے لیا ایک ایک خاموش آنسو کا بدلہ، ساری زندگی اس زخم کو چاٹتی رہے گی، ڈھونڈتی رہے گی۔ سرمد کا نام و نسب، وہ سب لوگ اس کی کوئی مدد نہیں کر سکیں گے جنہوں نے اس کے اندر زہر بھرا۔ ماں سے بڑھ کر سچ کون جان سکتا ہے صرف ماں

جانتی ہے کہ یہ اولاد کس کی ہے اور آج میں یہی سوال اس کے دل میں پھینک آئی ہوں، سمیع الدین میں نے بدلہ لے لیا۔ آپ کی ساری بے عزتی کا سود سمیت بدلہ۔"
وہ سمیع الدین کی قبر سے اٹھی تھیں اور ہولڈ ہوم کے دروازے سے داخل ہو رہی تھیں ان کی آنکھ میں ایک آنسو نہیں تھا، وہ خود کو رجسٹر کروا رہی تھیں اور پھر اپنے بستر پر بیٹھی تھیں کہ فیضی بیگم آکر بیٹھ گئی تھیں۔
"عورت کا ایک دل ہوتا ہے، آدھا شوہر کی محبت سے بھرا ہوتا ہے آدھا اولاد کی محبت سے اور وہ اس محبت میں اتنی جہاندیدہ ہوتی ہے کہ تمام عمر کہ ایک محبت کو دوسری محبت میں کبھی گڈمڈ نہیں ہونے دیتی لیکن کبھی کبھی کم بخت یہ دل کا پلڑا کسی ایک طرف ایک دم سے جھک جاتا ہے اور وہ اس بارے میں خود سے نہ کوئی لڑائی کر پاتی ہے نہ ہی اپنی مخالفت۔"
ثمو نے گھٹنوں پر سر جھکا دیا تھا۔
"تم ٹھیک کہتی تھیں اماں! عورت کا واقعی ایک دل ہوتا ہے۔ آدھا شوہر کی محبت سے بھرا ہوتا ہے۔ آدھا اولاد کی محبت سے، ایک طرف ایک دم سے جھک جاتا بس ایک دم سے۔"
اماں، دکھ افسوس سے ثمو کو دیکھ رہی تھیں کہ یہی دکھ اب ساری حیاتی سانس سانس اس کے گرد چکر لگانے والا تھا۔

☆

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

کون جیتا ہے کون ہارا ہے

فرحین اظفر

گرج چمک کے ساتھ بارش برس رہی تھی۔ بند کھڑکیوں پر گرے بھاری پردے شیشوں کے اس پار بجلی کی چمک اور کڑک روکنے میں ناکام تھے۔

گھر کے سب سے قیمتی بڑے اور پر تعیش بیڈ روم سے ایک مرد اور عورت کے چلانے کی مدھم آوازیں آرہی تھیں۔

نچلی منزل پر واقع نسبتاً چھوٹے کمرے میں اپنے کمبل میں دبکی لڑکی دھڑکتے دل کے ساتھ کانوں پر ہاتھ جما کر ان آوازوں کا خود تک پہنچنے کا راستہ بند کردینا چاہتی تھی۔

خوف سے اس کا دل بے قابو ہو کر باہر آنے کے لیے مچل رہا تھا۔ آنکھیں سختی سے میچی ہوئی تھیں۔ اتنی احتیاطی تدابیر کے بعد بھی نوکیلے الفاظ اور بارش کی تڑتڑ اس کی سماعتوں میں چھید ڈال رہے تھے۔ وہ سراپا کپکپارہی تھی اور سردی میں پسینہ پسینہ ہو رہی تھی۔

دفعتاً کسی چھناکے کی آواز نے اس کے لرزہ براندام وجود کو ساکت کردیا۔ اور صرف وہی نہیں۔۔۔ یوں لگتا تھا جیسے وقت، ہوا، بارش، کڑکتی بجلی۔ سب ساکن ہو گیا تھا۔ صرف اس کا تنفس جاری تھا۔ اکھڑا اکھڑا۔ بے ترتیب۔

کتنے لمحے گزرے تھے۔ کوئی آواز نہیں تھی۔۔۔ بس ایک جامد خاموشی۔ اس نے ڈرتے ڈرتے کمبل سے سر نکالا۔

کمرے میں ٹیبل لیمپ کی دھندلی روشنی تھی۔ اس نے اسی زرد روشنی میں دائیں جانب نگاہ ڈالی۔ کمرے میں موجود دوسرے سنگل بیڈ پر اس سے قدرے سمجھ دار بچہ گہری نیند میں تھا۔

چند لمحوں تک وہ صرف آنکھیں کمبل سے باہر نکالے یونہی پڑی رہی پھر کمبل ہٹا دیا۔ باہر خنکی تھی۔ اس کے سفید پیروں کی ننھی منی انگلیوں میں خون منجمد ہونے لگا۔ اس کا رخ اوپر کی منزل کی طرف تھا۔ جہاں سے کچھ دیر قبل آتی آوازیں معدوم ہو چکی تھیں۔ سیڑھیاں چڑھ کر سامنے ہی اس بیڈ روم کا دروازہ تھا۔ جہاں کچھ دیر قبل غدر مچی تھی۔ دروازہ مکمل طور پر بند نہیں تھا۔

اس نے ڈرتے ڈرتے بھیگی ہتھیلی ہینڈل پر جما کر باریک جھری سے اندر جھانکا اور سنہری بالوں کے لچھے سر جھٹک کر پیچھے کیے۔ اندر ہلکی روشنی تھی۔

مکمل ناول

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

جب مکمل اطمینان ہوگیا کہ اندر کوئی ذی نفس موجود نہیں۔ تب وہ دروازے کو بے آواز دھکیل کر اندر داخل ہوئی۔ چند قدم کے بعد ایک دل دہلا دینے والا منظر سامنے تھا۔

الماریاں کھلی پڑی تھیں اور یوں بے ترتیب تھیں گویا بری طرح کھسوٹا گیا ہو۔ تجوری بھی کھلی پڑی تھی اور زیورات کے ڈبے قالین پر بکھرے ہوئے تھے لیکن۔۔۔

وہ اس سب پر توجہ دینے کے قابل کہاں تھی۔

وہ زمین پر گری ہوئی عورت کو دیکھ رہی تھی۔ جو یوں گری تھی گویا بے ہوش پڑی ہو۔

اسی پل زور سے بجلی کڑکی اور کمرے کا منظر واضح ہوا۔ مگر فقط ایک لمحے کے لیے اور یہ ایک لمحہ اس قدر ظالم اور سفاک تھا کہ اس کی ہولناکی نے اس کے ہوش وحواس کو نگل لیا۔

زمین پر گری ہوئی عورت کی پھٹی ہوئی آنکھوں کی پتلیاں ساکت تھیں۔ گلے سے گاڑھا سرخ خون ابل کر عورت کے کپڑوں اور قالین کو داغ دار کر رہا تھا۔ بے جان ہاتھ میں کرسٹل کا گلدان دبا تھا اور وجود بے حس و حرکت ہو چکا تھا۔

وہ وحشت زدہ نظروں سے چند لمحے چمکتی بجلی میں واضح ہو کر اندھیرے میں ڈوب جانے والے اس وجود کو دیکھتی رہی جہاں ملگجی روشنی میں اب صرف ایک ہیولا سا دکھائی دے رہا تھا اور پھر۔۔۔

"ماما۔۔۔!"

اس کے گلے سے دل خراش چیخ نکلی اور وہ الٹے پیروں واپس بھاگی۔

چیخ اتنی دردناک اور بلند تھی کہ رات کے اس پہر اونگھتے بنگلے کے درو دیوار جاگ اٹھے۔ بدحواسی میں بھاگتے ہوئے سیڑھیوں کی ابتدا پر ہی اس کے پیروں میں گلابی مہین نائٹی الجھ گئی اور وہ کسی گڑیا کی طرح لڑھکتی ہوئی پہلی سیڑھی سے آخری تک جا پہنچی۔

"موی کیا ہوا۔۔۔ کیا ہوا موی۔" کوئی بدحواسی سے اس پر جھکا چلا رہا تھا۔ اور وہ۔۔۔ وحشت زدہ نظریں ایک ٹک اس پر جمائے اسے دیکھے چلی جارہی تھی۔ وہ چیخنا چاہتی تھی۔ اپنے اندر کے خوف کو باہر نکالنا چاہتی تھی مگر۔۔۔ یوں لگتا تھا کسی نے اس کی ماں کی جگہ اس کا گلا کاٹ ڈالا ہو۔

وہ چاہنے کے باوجود ایک بھی لفظ منہ سے نہ نکال سکی۔

اس پر جھکا وجود اب اسے نوکرانی کے رحم و کرم پر چھوڑ کر سیڑھیاں پھلانگتا اوپر کی طرف جارہا تھا۔

وہ اسے بھی روکنا چاہتی تھی مگر۔۔۔

☼ ☼ ☼

وقفے وقفے سے بوندا باندی کا سلسلہ صبح سے جاری تھا۔ اس وقت رات کے تین بجے تھے۔ اس نے کمپیوٹر کی چمک دار اسکرین پر سے نظریں ہٹائیں تو ہلکے سے دکھن کے احساس نے پپوٹے بوجھل کر دیے۔

"اف!" ایک تھکن زدہ سانس خارج کر کے گردن کے پچھلے حصے کو اپنے ہاتھ سے سہلاتے ہوئے اس نے گردن کو چاروں جانب حرکت دی اور بائیں ہاتھ سے ٹیبل پر پڑا سیل اٹھایا۔

"بن گیا اسائنمنٹ؟"

"اللہ کی بندی جواب تو دو۔"

"شب بخیر۔" ان باکس بھرا پڑا تھا۔

وہ جانتی تھی۔ ڈھیروں پیغام اس کے منتظر ہوں گے مگر یہ کام اسے آج رات ہر حال میں مکمل کرنا ہی تھا۔ گہری سانس بھر کے اس نے تھکے تھکے انداز میں سیل واپس ڈال دیا۔ پھر کرسی دھکیل کر اٹھی۔ اس کا رخ اپنی ماں کے کمرے کی طرف تھا۔

حسب معمول وہ تہجد ادا کر رہی تھیں۔ وہ اس وقت تک وہیں کھڑی رہی جب تک انہوں نے سلام نہیں پھیرا۔

"ارے اب تک جاگ رہی ہو۔" وہ اسے دیکھ کر

مسکرائیں۔

"جی۔ چائے پینے جارہی ہوں۔ آپ کے لیے بنا دوں۔"

"نہیں، فجر میں کافی ٹائم ہے۔ میں سو جاؤں گی اور تم بھی سو جاؤ جا کے۔ کوئی ضرورت نہیں ہے اس ٹائم چائے وائے پینے کی۔"

"میرا تھوڑا کام باقی ہے اور ویسے بھی نیند آنی ہوگی تو چائے پی کر بھی آجائے گی ورنہ نہیں۔" وہ سنجیدگی سے کہہ کر پلٹنے لگی۔

"اچھا رکو۔۔۔ تم جا کر اپنا کام ختم کرو۔ میں چائے لاتی ہوں۔"

وہ نماز کی طرح بندھا ہوا دوپٹا کھولنے لگیں۔ اس نے ایک دو لمحے سوچا۔ پھر اثبات میں سر ہلا کر پلٹ گئی۔ اس کے چہرے کی سنجیدگی میں رتی برابر فرق نہ پڑا تھا۔ نغمانہ کے چہرے پر افسردگی چھا گئی۔

☼ ☼ ☼

رات دیر تک جاگنے کے باوجود صبح نہ صرف ٹائم پر آنکھ کھلی، بلکہ طبیعت میں کسلمندی بھی ندارد تھی۔ اس نے بطور خاص یہ بات نوٹ کی تھی کہ نیند کا دورانیہ کم سے کم ہوتا چلا جارہا ہے۔ دیر تک کروٹیں بدلنے کے بعد کہیں جا کے بے خبری مہمان بنتی، ورنہ ماضی کے دریچوں سے جھانکتے مہربان چہرے کرلاتے رہتے سو کبھی کبھی پلز کا سہارا ابھی لینا پڑ جاتا۔

گزرے وقتوں سے جڑا ایک میگرین ہی تھا، جو مستقل مزاجی سے ساتھ نبھا رہا تھا۔ بس اسٹاپ پر سیاہ گاڑی کھڑی تھی۔

"ارے تم یہاں۔۔۔" وہ حیرت سے بولتی ہوئی فرنٹ سیٹ پر آگئی۔

"میں نے سوچا، رات دیر تک جاگی ہو تو صبح لیٹ نہ ہو جاؤ۔"

"تم جانتے ہو، میں لیٹ نہیں ہوتی کبھی بھی۔" وہ سامنے دیکھ رہی تھی۔

"ہوں۔۔۔" گاڑی سفر کرتی رہی۔ تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر وہ اچانک بولا۔

"یہ بات مسکرا کر بھی جتائی جاسکتی ہے۔"

"کون سی بات۔" وہ چونک گئی۔

"یہی آفس سے لیٹ نہ ہونے والی۔" اس کے لبوں پر اب بھی مدھم مسکراہٹ تھی۔ وہ چند لمحے سنجیدگی سے اسے دیکھتی رہی۔ پھر رخ پھیر لیا۔

"مجھے بات بے بات مسکرانے کی عادت نہیں۔"

"میں جانتا ہوں زیادہ ہنسنے سے دل مردہ ہو جاتا ہے۔ مگر مسکرانے میں تو کوئی حرج نہیں۔" اس کی بات سن کر اس کا چہرہ اور بھی سپاٹ ہو گیا۔

"تم۔۔۔ بھلا جانتے ہی کیا ہو۔۔۔ کچھ بھی نہیں۔۔۔ ورنہ یہ کبھی نہ کہتے کہ دل مردہ ہو جاتا ہے۔ تم جانتے ہی تو نہیں۔۔۔ میرا دل تو کب کا مردہ ہو چکا ہے۔"

باقی تمام راستہ اسے اپنی سوچوں سے الجھتا تھا۔

☼ ☼ ☼

آفس میں پورا دن بے حد مصروف گزرا۔ وہ دن کے اختتام تک خود کو بہت تھکا ماندہ محسوس کر رہی تھی۔

ثمیر نے اس کے چہرے سے اس کی اعصابی اور جسمانی تھکن کا اندازہ کر لیا تھا۔ جب ہی واپسی پر اس کے گھر ڈراپ کرنے کی آفر پر اس نے اپنی ازلی سنجیدگی سے نہ صرف ہامی بھرلی بلکہ اس وقت بھی کچھ نہ بولی۔ جب گاڑی کو گھر کے بجائے سی ویو پر رکتے دیکھا۔

ثمیر جانتا تھا۔ اس کی سنجیدہ مزاج دوست کو سمندر کا کنارہ اور شور مچاتی لہریں پسند ہیں مگر وہ وہاں تک پہنچ کر کھو کیوں جاتی تھی۔ لوگ تو پسندیدہ جگہوں پر جا کر تازہ دم ہوتے ہیں۔ پسند کے مناظر طبیعت میں شوخی بھر دیتے ہیں مگر ادھر حال مختلف تھا۔

وہ جتنے شوق سے وہاں جاتی۔ اتنا ہی وہاں سے واپسی پر نڈھال نظر آتی۔ بلکہ ثمیر نے تو کئی بار سے رنجیدگی میں ڈوبے ہوئے بھی دیکھا۔

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

جیسے آج۔۔۔

ثمیر بغور اس کا چہرہ اور انداز کھوجتا رہا۔ اس نے راستے بھر کوئی بات نہیں کی مگر وہ ہمیشہ کی طرح اداس تھی۔

"کاش! تم کبھی مجھ پر بھروسا کر سکو۔" دل کی خواہش عجیب نہ تھی۔

✡ ✡ ✡

کراچی کا موسم بھی بہت ناقابل اعتبار ہو رہا تھا۔

پرسوں بوندا باندی ہوئی تھی اور آج بھی الگ الگ علاقوں میں بارش کا سلسلہ جاری تھا۔

خنک فضا کی خوش گوار ریت موسم پر طاری تھی۔ یہی اثر اس کے موڈ پر پڑا تھا۔ اسلام آباد سے کراچی کی خوشبودار فضاؤں میں قدم رکھتے ہی اس نے بوجھل دل کو ہلکا پھلکا محسوس کیا۔ ورنہ کراچی کی جانب اس کا سفر اسے ہمیشہ ہی اداس کرتا تھا۔

نہا دھو کر تازہ دم ہونے کے بعد اس نے اپنے لیے کافی منگوائی اور جس وقت وہ گرم گرم مزے دار کافی سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ کسی نے لاؤنج میں قدم رکھا۔

"ارے ثمیر تم۔۔۔ آؤ آؤ۔" وہ پرتپاک خیر مقدم کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

"اسی طرح اچانک بغیر اطلاع کے۔" آنے والا اس سے بے تکلفی سے بغل گیر ہو گیا۔

"ہاں یار۔ بس کچھ ایمرجنسی تھی۔ کافی پیو گے۔" اب آداب میزبانی نبھا رہا تھا۔

ثمیر اور اس کی دوستی بہت پرانی نہیں مگر بہت گہری ضرور تھی۔ کچھ عرصے پہلے وہ۔۔۔ ثمیر کے بنگلے کی انیکسی میں بطور پے انگ گیسٹ رہتا تھا۔ پھر اسلام آباد میں نوکری مل جانے کی وجہ سے وہاں چلا گیا۔ مگر ثمیر نے پھر دوستی یوں نبھائی کہ کسی اور کو انیکسی کرائے پر نہیں دی۔ وہ جب بھی کراچی آتا۔ صاف ستھری انیکسی اسے اپنی منتظر ملتی۔ کچھ اس کی نوکری کی نوعیت بھی ایسی تھی کہ اسلام آباد سے کراچی آنا جانا لگا ہی رہتا تھا۔

اور سناؤ مون! کیسی ہے۔"

"ویسی ہی ہے یار! اسے کیا ہونا ہے۔" مسکراتے ہوئے ثمیر کے لب ایک فکرمندی کے عالم میں اچانک ہی سکڑ گئے تھے۔

✡ ✡ ✡

شاہ خاور اپنی تمام تر تلخیاں سمیٹ کر مغرب کی گود میں جا سویا تھا۔ وہ دن بھر کی مصروفیات کو سوچتے ہوئے کھڑکی سے باہر مصروف شاہراہ پر بھاگتا ٹریفک خالی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

ڈائننگ ٹیبل پر پلیٹ میں ڈھک کر رکھے سینڈوچ ٹھنڈے ہو چکے تھے۔

"کیا ہوا تم نے سینڈوچ کھائے نہیں۔" نغمانہ کے پوچھنے پر وہ چونکی پھر ڈھکی ہوئی پلیٹ کو دیکھ کر نفی میں سر ہلا دیا۔

"آفس سے نکلتے وقت ہی لنچ لیا تھا۔ اب بھوک نہیں ہے۔"

نغمانہ سوچنے لگیں۔ اب اور کیا بات کریں۔ حقیقت یہ تھی کہ اس نے اپنے اور نغمانہ کے درمیان بہت سالوں پہلے حد اور تکلف نامی ایک لکیر کھینچ دی تھی۔ اور اتنے سالوں بعد بھی یہ لکیر عبور نہیں کر پائی تھیں۔

اتنے سالوں بعد بھی اور اتنا کچھ ہو جانے کے بعد بھی۔

بہت کچھ جھیلنے کے بعد اور بہت کچھ سہہ لینے کے بعد بھی۔

انہیں ایک دوسرے کے نزدیک آجانا چاہیے تھا' پر ایسا ہوا نہیں۔ گزرتے وقت کے ساتھ نغمانہ نے اس فاصلے کو پاٹنے کی بے حد کوششیں کی تھیں مگر اس نے۔۔۔ ان کی سوتیلی بیٹی نے ان کی ہر کوشش پر بڑی بے رحمی سے پانی پھیرا تھا۔ اس وقت بھی پانچ منٹ ہی انہیں وہاں بیٹھے ہوئے گزرے تھے کہ وہ بول پڑی۔

"آپ کو کوئی کام ہے مجھ سے۔"

"نہیں تو بس۔" ان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ جو بات وہ اس سے کرنے آئی تھیں۔ اسے شروع کہاں سے کریں۔

ثمیر سلطان نامی کولیگ کو وہ کافی عرصے سے اس کے ساتھ دیکھ رہی تھیں۔ وہ انہیں اچھا لگتا تھا اور یقیناً" ان کی بیٹی کو بھی۔ لیکن یہ پسندیدگی کس حد تک تھی اور آگے چل کر اس کے منطقی انجام تک پہنچنے کے کوئی چانسز تھے یا نہیں۔۔۔ وہ چاہ کر بھی ذکر چھیڑ نہ سکیں۔ سوتیلی ہی سہی لیکن ہر ماں کی طرح ان کے دل میں بیٹی کو اپنے گھر کا کر دینے کا ارمان بہرحال موجود تھا۔

"تو ٹھیک ہے۔ مجھے آفس کا کچھ کام کرنا ہے۔ دو تین گھنٹے تک کوئی ڈسٹرب نہ کرے۔" ان کے کشمکش میں مبتلا چہرے کو ذرا بھی خاطر میں نہ لاتے ہوئے وہ فیصلہ کن انداز میں کمپیوٹر کے سامنے جا بیٹھی۔

نغمانہ بے بسی سے اسے دیکھتی ہوئی وہاں سے اٹھ گئیں۔

✡ ✡ ✡

نغمانہ بختاور صرف نام کی بختاور نہ تھیں۔ نہ ان کی حیثیت ہمیشہ ایسی "معزول" رہی تھی۔ وہ اپنے آپ کو اپنے لیے اور خود سے جڑی ہستیوں کے لیے واقعی بختاور تصور کرتی تھیں۔ غیر معمولی حسن کی مالک تو بچپن سے ہی تھیں۔ جب ہی نچلے طبقے سے تعلق رکھنے کے باوجود ان کے لیے ایک کھاتے پیتے شخص کا رشتہ اس وقت ہی آگیا' جب انہوں نے جوانی کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھ کر اڑے ہوئے روغن والے اپنے گھر کے در و دیوار کو اجنبیت بھری نظروں سے دیکھنا شروع ہی کیا تھا۔

کچھ اپنی ذات سے خود شناسی تھی اور کچھ ماں باپ اور خاندان والوں کے ستائشی جملے اور باتیں۔ وہ خود کو اس غریب گھرانے اور ماحول میں شروع سے ہی غیر آرام دہ اور غیر موزوں تصور کرنے لگی تھیں۔

اپنے باپ کی معمولی نوکری اور چھوٹے چار چار بھائیوں کی لائن ان کی آنکھوں میں بری طرح کھٹکنے

پیارے بچوں کے لئے

قصص الانبیاء

تمام انبیاء علیہ السلام کے بارے میں مشتمل
ایک ایسی خوبصورت کتاب جسے آپ
اپنے بچوں کو پڑھانا چاہیں گے۔

ہر کتاب کے ساتھ حضرت محمد ﷺ
کا شجرہ مفت حاصل کریں۔

قیمت -/300 روپے
بذریعہ ڈاک منگوانے پر ڈاک خرچ -/50 روپے

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

گئی۔ یہی وجہ تھی کہ عمر میں واضح فرق اور والدین کے دل سے رضامند نہ ہونے کے باوجود وہ سلیم اللہ سے عقد ثانی کے لیے ضد پر اڑ گئیں۔

سلیم اللہ ایک چھوٹا کاروباری تھا مگر ان کے ابا جی سے بہت بہتر تھا۔ نغمانہ کو دیکھتے ہی بقول خود اس کے، بری طرح ان پر مرمٹا تھا۔

نغمانہ خود بھی کچھ کم کافرادانہ تھیں۔ خاموشی سے ان سے میل ملاقات بڑھا کر ان کو اپنی نام نہاد محبتوں کا یقین کچھ اس طرح سے دلایا کہ سلیم اللہ نے تو ان کے اباجی کی دہلیز ہی پکڑلی۔

ماں باپ خوش نہ تھے۔ بھائی ناراض مگر نغمانہ کو چنداں پروانہ تھی۔ ان کی نظروں کے آگے ان چند تحائف نے پردہ ڈال رکھا تھا جو انہوں نے وقتاً ”فوقتاً“ سلیم اللہ سے وصول کیے تھے۔

جوان ہوتی اولاد کی سرکشی ماں باپ کی جہاندیدہ نظروں سے بھلا کیسے چھپتی نتیجتاً ”دل پر پتھر رکھ کر پھول سی بیٹی کو کچے عمر کے مرد کے ساتھ بیاہ دیا۔

نغمانہ بختاور کے دل کی دنیا آباد ہو گئی۔

سال بھر بعد ہی گود میں اولاد نرینہ کی نعمت بھی آگئی۔ گویا زندگی مکمل۔ بختاور اپنے نام کی طرح سلیم اللہ کے لیے بختاور ثابت ہوئیں۔ سلیم اللہ کا کاروبار تیزی سے ترقی کرنے لگا۔

وہ اترا اتر جاتیں لیکن زندگی ہمیشہ پھولوں بھری گزرگاہ ثابت نہیں ہوتی۔ یہ کبھی کبھی کانٹوں کا بستر بھی بن جایا کرتی ہے۔ یہی ان کے ساتھ ہوا۔

تین سال کا عرصہ بے حد مختصر ٹھہرا اور کسی سبک خرام جھونکے کی مانند گزر گیا۔ پتا بھی نہیں چلا۔

ایک نئے کاروبار کے آغاز کے لیے سلیم اللہ کو رقم کی ضرورت تھی۔ نغمانہ تو تھیں ہی ان کی محبت میں پور پور غرق۔ فوراً ”اپنے ابا اور سلیم اللہ کے بنوائے زیورات پیش کردیے۔ مگر یہاں ان کے بخت نے یاوری نہ کی۔

لگایا گیا سارا پیسہ نہ صرف ڈوب گیا بلکہ پہلے کے کاروبار کو سنبھالا دینے کے لیے بے اندازہ قرضہ سر پر چڑھتا چلا گیا۔

آنے والے ماہ و سال میں ان کی جگہ وقت کے پہیے کے نیچے تھی۔

قرضہ اتارنے کے لیے چھوٹا لیکن آسائشوں سے بھرپور گھر گروی رکھنا پڑا۔ اور اس کے بعد۔ تنگ دستی اور مشکلات کا ایک طویل دور تھا۔ جس سے گزرتے نبرد آزما ہوتے کب سلیم اللہ۔ نغمانہ سے دور ہوتے چلے گئے۔

وہی نغمانہ جو انہیں اپنے دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرتے کاروبار کے لیے مبارک باد دیتی تھیں۔ اب اپنی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ لگنے لگیں۔

حالات بھی پلٹا کھاتے کھاتے ہی کھاتے ہیں۔ ایسے ہی نہیں کوئی راتوں رات آنکھ کا شہتیر بن جاتا۔ نغمانہ کو بھی اپنے ذرائع سے خبر مل گئی کہ حالات سے تنگ آکر سلیم اللہ نے بدنام محلے کی آوارہ گلیوں کو اپنا مسکن بنالیا ہے۔

انہوں نے اپنا دل تھام لیا۔

ابھی تک تو وہ حالات کو بگڑتا دیکھ رہی تھیں۔ اب زندگی بگڑنے کا آغاز تھا۔

گرتے پڑتے کاروبار سے ہونے والا معمولی منافع بھی گھر آنے کے بجائے کہیں اور جانے لگا۔ اور جب نغمانہ نے بازپرس کرنے کی کوشش کی تو بجائے سدھرنے کے سلیم اللہ الٹا ان ہی پر بگڑ گئے۔ ماضی کے حوالے سے ان پر الٹے سیدھے الزامات لگانے کے بعد ان سے شادی کو زندگی کی سب سے بڑی غلطی گردانا۔ اور بچے سمیت گھر سے نکال باہر کیا۔

پہیے کے نیچے نغمانہ کا وقت اوپر کی نسبت طویل ہوتا چلا گیا۔ وہ بری طرح پس کر رہ گئیں۔ چہرے کی شادابی اور آنکھوں کی چمک خواب و خیال ہو گئی۔

سالوں پر محیط عرصہ جو سختی اور آزمائش میں گزارا تھا۔ چھوڑ کر والدین کے پاس پلٹیں تو والد تو گزر ہی چکے تھے۔ والدہ کماؤ پوت بیٹوں کے آسرے پر تھیں۔ جنہوں نے نغمانہ سے کسی بھی قسم کے تعاون سے انکار کردیا۔

دو بھائی بڑے ہو کر بھی نوکری پر لگ چکے تھے۔ بلکہ گھر بھی بسا چکے تھے۔ تیسرے کی جلد ہی شادی متوقع تھی۔ سب سے چھوٹا ابھی پڑھ رہا تھا۔

ایسا نہیں تھا کہ انہوں نے اس عرصے میں ماں باپ سے کوئی تعلق رکھا ہی نہ تھا۔ مگر پھر بھی اچھے وقتوں میں انہوں نے اپنے ماں باپ اور بھائیوں کو اپنی مالی آسودگی میں اس طرح حصہ دار نہ بنایا تھا جیسا بنانا چاہیے تھا۔ نتیجہ؟

آج وہ بالکل تہی داماں تھیں۔

روتی دھوتی یہ سوچ کر واپس گھر کو پلٹیں کہ سلیم اللہ سے رشتہ تو بہرحال قائم و دائم تھا۔ وہ ہر صورت انہیں منالیں گی۔ چاہے جو بھی ہو جائے۔

آخر شادی کے بعد اتنے ڈھیروں دن، مہینے، سال انہوں نے ایک دوسرے کی سنگت میں بہت خوشگوار گزارے تھے۔

مگر۔

وہاں تو منظر ہی اور تھا۔

سلیم اللہ کسی رات بالکل اچانک حرکت قلب بند ہو جانے سے خالق حقیقی سے جا ملے تھے اور اب ان کے گھر ان کے خوابوں کے گھر پر منہ بولے بیٹوں اور کسی اور قانونی بیوی کا قبضہ تھا۔

”میرے ابا کے پاس گروی تھا یہ مکان۔ میرے کو تو بہت بعد میں پتا چلا۔ جب پیسے مانگے تو بدلے میں مجھ سے بیاہ کرلیا۔“

ان کے پاس سننے کے لیے کیا کچھ نہ تھا۔ اور دیکھنے کے لیے کیا بچا تھا باقی۔

آتے وقت وہ اس گمان میں تھیں کہ ہر صورت ہاتھ پیر جوڑ کر اپنے مجازی خدا کو منائیں گی۔

واپسی پر وہ سوچ رہی تھیں کہ پیر بھی پکڑنے پڑے تو اپنے بھائیوں کو راضی کرلیں گی۔ بیٹا سہما سہما سا ساتھ ساتھ اس گھر سے اس گھر اور اس در سے اس در پھرتا رہا۔ اور ماں کی مٹی پلید دیکھتا رہا۔ اس بار ان کے ساتھ منت سماجت کرنے میں ان کی ماں بھی شامل تھی۔ مستقل بہتے آنسوؤں کی روانی سے بڑے بھائیوں کے دل ذرا پگھلے اور وہ پھر سے وہیں جا پہنچیں، جہاں سے زندگی کے خوبصورت سفر کا آغاز کیا تھا۔

☆ ☆ ☆

”امی! امی انڈا کھانا ہے۔ کتنے دن سے ناشتے میں انڈا نہیں کھایا۔“ فاخر کتنی دیر سے بھوکا بیٹھا ان سے ایک ہی ضد کررہا تھا۔ نغمانہ نے گہری سانس بھری۔

”بیٹا میں نے کہا تھا ماسی سے۔ وہ کہہ رہی ہیں، انڈے ختم ہو گئے ہیں۔“

”وہ جھوٹ بولتی ہیں۔ ختم نہیں ہوئے، انہوں نے بلی کے لیے رکھ لیے ہیں اٹھا کے۔ مجھے نہیں دے رہیں وہ۔ آپ دے دیں ناں۔“

فاخر کی آواز اتنی بلند ضرور تھی کہ کچن میں کام کرتی ماسی کے کانوں تک جا پہنچی۔

تن فن کرتی کمرے کی دہلیز تک آئیں۔

”اے لڑکے اپنی زبان سنبھال۔ ہوش میں ہے کہ نہیں۔“

”حاشی! یہ۔ یہ کیسے بات کررہی ہو بچے سے تم۔“ نغمانہ کی آواز میں ماضی کا طنطنہ نہیں بلکہ گھبراہٹ تھی۔

”اے لو میں نے کیا کہا ہے۔ جو کچھ کہا ہے اسی چھٹانک بھر کے لڑکے نے کہا ہے۔ تمہارے سامنے مجھے جھوٹا کہہ رہا ہے اور تم بیٹھی سن رہی ہو۔“

نغمانہ مزید اور کیا کہتیں وہ تو اس طرز تخاطب پر ہی حیران رہ گئیں۔ جو بھابھیاں کل تک ان کے قدموں تلے پلکیں بچھانے کو تیار تھیں۔ آج آپ سے تم تک تو آگئی تھیں۔ اب جانے کب یہ تم تو تک کا سفر طے کرتا۔ یقیناً ”بہت جلد یا شاید ابھی۔

سوچ تھی یا بچھو کا ڈنک۔ وہ اچھل کر بیٹھے سے کھڑی ہو گئیں۔

”اچھا اچھا۔ بات کو بڑھاؤ نہیں۔ تم جاؤ، میں اسے سمجھاتی ہوں۔“

اپنے تئیں انہوں نے بات ختم کرنے کی کوشش کی تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"اے لو بات کو میں بڑھا رہی ہوں۔"

آگے بہت طویل فضیحتہ تھا۔ جو ان کی بھاوج کے ہاتھوں تشکیل دیا گیا۔ اور جس میں چھوٹی بھابھی اور دونوں بھائیوں نے صبح سویرے شوق سے اپنے کردار نبھائے۔

انڈے سے ناشتے کی ضد کرنے والا لاڈلا بیٹا اور وہ خود بھی اس کے ساتھ بھوکی ہی رہ گئیں۔ وہ دن، وہ صبح، وہ وقت اور اس کی کڑواہٹ۔

انہیں تو لگا تھا وہ زندگی بھر وہ ذلت بھرا سے بھول نہیں پائیں گی۔ مگر بھلا ہو ان خونی رشتوں کا۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے ایسے ایسے مناظر دیکھنے کو ملے اور ایسی ایسی ذلت کے طوق گلے میں ڈالے کہ پہلی پہلی بے عزتی اور بھرم ٹوٹ جانے کے اول اول وقت یاد کرنے سے بھی یادداشت میں آنے نہ پاتا۔ اور وہ روز صبح خود کو رضائے الٰہی جان کر کسی نئی زیادتی کے لیے تیار کر دیتیں۔

اور یہ وہ دن تھے۔ جب وہ سنجیدگی سے خودکشی کے بارے میں سوچنے لگی تھیں۔

انہیں بھولے سے بھی یاد نہ تھا کہ کبھی ان کے نام کے ساتھ لگا ہوا بختاور انہیں کتنا عزیز تھا۔ بلکہ انہیں تو شاید اپنا پورا نام یاد بھی نہ تھا۔

یہاں کسی کے لیے وہ نغمانہ منحوس تھیں یا محض بخت۔

اور ایک بار پھر قدرت کو ان پر رحم آیا۔ قسمت نے جوش مارا۔ اور کسی جاننے والی کے توسط سے ان کے لیے مقیم زبیری کا پیغام آ گیا۔

☼ ☼ ☼

"میں اپنے بیٹے کے مستقبل کے تحفظ کے لیے یہ شادی کر رہی ہوں۔ اس لیے میری پہلی اور آخری شرط یہ ہے کہ میرا بیٹا میرے ساتھ رہے گا۔"

انہوں نے رشتہ والی سے سارے معاملات خود ہی طے کیے۔ اور سوچنے سمجھنے کے لیے اتنا ہی وقت لیا۔ جتنا زبیری صاحب نے ان کی بات سننے اور اس کا جواب دینے میں لگایا۔

انہیں کوئی اعتراض نہ تھا۔ انہیں بھی نہیں۔

اس بار گھر میں سے کوئی ان کے معاملے میں نہ بولا۔ سب ہی جانتے تھے۔ اب جو ہونے جا رہا تھا۔ اسی میں سب کی بھلائی تھی۔ بھابھیاں البتہ کچھ جلی جلی سی تھیں۔

بقول ان کے نغمانہ نے ایک بار پھر میدان مار لیا تھا۔

مقیم زبیری کے حالات نغمانہ کے پہلے شوہر کے مقابلے میں کہیں بہتر تھے۔ اور بہت ارمانوں سے نہیں مگر بہرحال عزت و احترام سے انہیں بیاہ کر لے کر گئے۔

ان کی پہلی بیوی سے دو بیٹیاں تھیں۔ بڑی صندل اور چھوٹی قندیل۔ لڑکیوں نے سوتیلی ماں کو آسانی سے قبول بھی کیا اور ایڈجسٹ بھی۔ نغمانہ بھی دل کی بری تو بہرحال نہ تھیں۔

انہوں نے لڑکیوں سے سگی ماؤں جیسا التفات نہیں برتا تو سوتیلیوں والا سلوک بھی نہ کیا۔ وہ بیاہ کر اپنے نئے گھر میں آئیں۔ تو مالکانہ حقوق کے احساس نے انہیں پہلے سے بڑھ کر تقویت بخشی۔ اور وہ دل و جان سے گھر اور گھر کے انتظامات سنبھالنے لگیں۔

☼ ☼ ☼

اکلوتا بیٹا فاخر جو ان کی تمام امیدوں اور تمناؤں کا مرکز تھا۔ پہلے سے زیادہ توجہ پانے لگا۔ مقیم زبیری نے نغمانہ بختاور سے شادی کی بھی اس لیے تھی کیونکہ انہیں اولاد نرینہ کی خواہش تھی۔

ان کی خواہش پوری کرنے کی خوشی میں نغمانہ بھی ان کی توجہ اور محبت کی حقدار ٹھہریں۔ نغمانہ کی آنکھوں کا تارا تو تھا ہی فاخر۔ یوں دونوں بیٹیاں صندل اور قندیل کب، کہاں اور کس طرح نظرانداز ہونے لگیں۔ نغمانہ اگر بھانپ بھی گئی تھیں تو خاموش ہی رہیں۔ کیونکہ انہیں فی الحال اپنے سالوں سے ذرا ذرا سی چیزوں کو ترستے بیٹے کے ارمان پورے کرنے کا

بھرپور جوش چڑھا تھا۔ رہ گئے مقیم زبیری تو وہ سیاہ و سفید کا مالک نغمانہ کو بنا کر خود اپنی نوکری میں گم ہو گئے۔

☼ ☼ ☼

"میں تو سمجھتی تھی کہ آپ کی پہلی بیگم کے پاس کافی زیورات اور جائیداد وغیرہ ہو گی مگر یہاں تو کچھ بھی نہیں۔"

مقیم زبیری سیدھے سادے نوکری پیشہ آدمی تھے۔ نوکری بے شک بہت ٹھاٹھ والی سہی مگر لینڈ لارڈ تو وہ بھی نہ تھے۔ اور یہ ان کی سادہ فطرت تھی کہ آفس کے معاملات کو سادگی اور خوش اسلوبی سے حل کرنے والے مقیم زبیری، نغمانہ کے لہجے میں چھپے تاثرات کو پہچان نہ سکے۔

نہ شک کو۔ نہ ناگواری کو۔ نہ مایوسی کو۔

"حالانکہ آپ کی تنخواہ تو اتنی گئی گزری نہیں۔"

"ہاں لیکن اخراجات بھی تو دیکھو۔ اور جو تھوڑے بہت زیور وغیرہ تھے بھی تو وہ عافیہ اپنی زندگی میں ہی بچیوں کے نام کر کے لاکر میں رکھوا گئی۔" اصل انکشافات تو اب ہو رہے تھے۔ مقیم زبیری کے پاس سیونگ کے نام پر چند پرائز بانڈز تھے اور بس۔ ان کی خوش حالی صرف اور صرف حال پر مبنی تھی۔

"عجیب آدمی ہے۔ پیسہ محفوظ کرنے کا کوئی خیال ہی نہیں۔"

"گھر کے اخراجات بھی تو آسمان کو چھو رہے ہیں امی۔" فاخر اب اتنا چھوٹا بچہ نہیں رہا تھا۔ انہوں نے چونک کر اسے دیکھا۔ اور پھر۔ ان کا ذہن تیزی سے تانے بانے بننے لگا۔

وہ پچھلی زندگی بھگت کے آئی تھیں۔ انہوں نے عروج و زوال دونوں سورج ڈوبتے ابھرتے دیکھے تھے اور وہ نہیں چاہتی تھیں کہ زندگی انہیں ایک بار پھر انہیں اس طرح پٹخنی دے۔

اس بار انہیں بہت سوچ سمجھ کر، سوچی سمجھی حکمت عملی کے تحت چلنا تھا۔ گھر کے نظام میں بہت تیزی سے ایسی تبدیلیاں آئیں کہ ان کی بیٹیوں کے منہ کھل گئے۔ اور اس کی ایک وجہ شاید یہی تھی کہ سگے باپ کی آنکھیں گھر کی طرف سے مکمل طور پر بند ہو چکی تھیں۔

بہت بچپن سے۔۔۔ دونوں بہنوں کے الگ الگ چھوٹے سے بیڈروم سیٹ تھے۔

دو بیڈروم مطلب۔ ڈبل خرچا۔ دو اے سی۔ دو پنکھے۔ دو لائٹیں اور تو اور مستقبل قریب میں شاید دو دو کمپیوٹر بھی۔

"ابھی یہ ان کی عمر سے بہت زیادہ ہے۔ صندل میٹرک میں ہے اور یہ عمر الگ بیڈروم اور الگ کمپیوٹر جیسی سہولت کے لیے بہت خطرناک ہے۔ کچا ذہن ہے۔ اور پتہ نہیں کیا کیا۔ بیڈروم ایک ہو گیا۔ اے سی بھی ایک ہو گیا۔ ایک ڈبل بیڈ، ایک وارڈروب ایک رائٹنگ ٹیبل۔ دوسرے کا سارا سامان خود بخود فاخر کے قبضے میں چلا گیا۔

قندیل نے اتنا نوٹ نہیں کیا۔ وہ چھوٹی تھی۔ مگر صندل بڑی تھی۔ اس کا بیڈروم بھی بڑا تھا اور اصل میں وہی اس کے تصرف سے چھینا گیا تھا۔ سو اس کا کڑھنا بجا تھا۔

کچن ڈائننگ ٹیبل کے صاف ستھرے کور کے اوپر بچھے پلاسٹک کے نیچے راتوں رات، نغمانہ کے ہاتھ سے لکھا ایک ٹائم ٹیبل اور کھانے کا چارٹ نمودار ہوا۔

"آئندہ سے کھانے اس شیڈول کے مطابق پکیں گے۔" انہوں نے فیصلہ صادر کیا۔ ویسا ہی شیڈول یا چارٹ یا جو بھی کہہ لیں۔ کچن کے داخلی دروازے پر بھی چسپاں تھا۔

یہاں بھی صندل باشعور تھی۔ اس نے بطور خاص نوٹ کیا کہ چکن اور فاسٹ فوڈ کے علاوہ گوشت اور چائنیز آئٹم کی اس ٹائم ٹیبل میں شدید کمی تھی۔ ہاں سبزیاں اور طرح طرح کی پتلی، بھنی مسالے دار دالیں ضرور تھیں۔

مقیم زبیری پہلے تو دیکھ کر ہنس پڑے۔ بعد میں جب نغمانہ نے انہیں اپنے فیصلے کے دوراس نتائج سے آگاہ کیا تو، خوب سر دھنا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

صندل اور قندیل کو دور دراز کے مہنگے ترین اسکول سے اٹھا کر نزدیکی اسکول میں ڈال دیا گیا۔ وین کا خرچا بھی بچا۔ ایک ذمہ دار ماں کی ذمہ داریاں پوری کرنے کے واسطے وہ خود اسکول جا کر ٹیچنگ اسٹاف اور بلڈنگ کے علاوہ پڑھائی کے طریقوں' کمپیوٹر لیب اور لائبریری تک کا وزٹ کر آئیں۔

"سب اچھا ہے۔ اطمینان بخش ہے۔ کم خرچ ہے۔" کی رپورٹ میاں کے سامنے پیش کر کے سرخرو ہو گئیں۔

صندل عرف صنی اور قندیل عرف کینڈی کے اوپر سال کے بیچ میں اسکول کی تبدیلی کیا رنگ چھوڑے گی یا جمائے گی۔ اس کی فکر کرنے کی انہیں ضرورت نہ تھی۔ مگر۔

صندل کو بہت ضرورت محسوس ہونے لگی۔

گھر کے انتظام کو گہری نگاہوں سے دیکھنے لگی اور تب یکے بعد دیگرے ہونے والے انکشافات نے نہ صرف اسے حیرت زدہ کیا۔ بلکہ ان کی تکلیف نے اسے خود بخود نغمانہ سے دور بھی کر دیا۔

فاخر کا داخلہ شہر کے سب سے مہنگے اور بہترین اسکول میں کروایا گیا۔ اور ایک انتہائی مہنگا ٹیوٹر بھی رکھا گیا۔ جبکہ ان دونوں بہنوں کو مقیم زبیری خود ہی پڑھاتے تھے۔

"بیٹا! وہ آپ دونوں سے بڑے ہیں ناں۔ جب آپ کالج لیول پر آؤ گی تو آپ کو بھی ٹیوٹر رکھ دیں گے۔"

گھر میں پکا ہر کھانا وقت پر پیٹ بھر کر بنا ضد کیے کھانے کی دونوں بہنوں کی ذمہ داری تھی۔ جسے انہیں ہر حال میں پورا کرنا تھا۔ ورنہ مقیم زبیری ناراض ہو جاتے۔ جبکہ فاخر ایسی کسی بھی ذمہ داری سے مبرا تھا۔

اس کا جیب خرچ دونوں بہنوں سے زیادہ تھا۔ اس کے کمرے میں نیو برانڈ کمپیوٹر و انٹرنیٹ کنکشن اور ایک زبردست قسم کا ایل سی ڈی مہیا کیا گیا۔ صندل اور قندیل کے کمرے میں سیکنڈ ہینڈ کمپیوٹر تو تھا۔ مگر انٹر نیٹ نہیں۔ جانے کس احتیاط کے پیش نظر اس نے وقت سے بہت پہلے اور بنا ضرورت کے فاخر کے پاس قیمتی موبائل دیکھا۔

"بیٹا وہ لڑکا ہے۔ اس کی سو ضرورتیں ہوتی ہیں۔ وہ کمبائن اسٹڈی بھی تو کرتا ہے ناں۔"

مقیم زبیری جواب فاخر کے بھی ڈیڈی تھے۔ اس کے ہر پر زور احتجاج کو ٹھنڈا کرنے کے لیے ہر موقع پر پیش پیش رہتے۔

یہ جانے بنا کہ وہ پرائی اولاد کو سگی بنانے کے چکر میں اپنے خون سے لاپروائی برتتے انہیں خود سے کتنا دور کرتے چلے جا رہے ہیں۔ جیسے جیسے قندیل سمجھ دار ہوتی گئی۔ وہ اور صندل ماں باپ سے دور دلوں میں پلتی کدورت کی پرورش کرتی اپنے خول میں سمٹتی ایک دوسرے کے نزدیک آتی چلی گئیں۔ اور۔

ایک وقت ایسا آیا۔ کہ۔

کہ انہیں ایک دوجے کے علاوہ کسی تیسرے جذباتی سہارے کی ضرورت نہ رہی۔ ہاں لیکن مالی سہارے کے لیے اب وہ باپ کے بجائے ماں کی محتاج تھیں۔

اور ماں تھی تو۔ مگر سوتیلی۔

☼ ☼ ☼

ناگہانی اگر بتا کر آئے تو ناگہانی کہلائے کیوں۔ یہی ان کے گھرانے کے ساتھ ہوا۔

فاخر جو سگے باپ سے بڑھ کر محبت کرنے والے سوتیلے باپ اور سگی ماں کی محبتوں اور توجہ کے سائے میں پلا بڑھا۔ بجائے ان کی امیدوں پر پورا اترنے کے دونوں کے ہی اس کے مستقبل کے بارے میں دیکھے گئے خوابوں کو ایک ایک کر کے چکنا چور کرتا چلا گیا۔

وقت بے وقت اس کی خالی ہتھیلی ماں کے آگے پھیلتی اور وہ بہت چپکے سے اسے بھر دیتیں۔ یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس مٹھی میں نوٹ نہیں ان دیکھے اژدھے دبا رہی ہیں۔ جو آنے والے وقتوں میں ان کے خوابوں اور خوشیوں کو اس طرح ڈسیں گے کہ وہ پانی تک مانگنے کے قابل نہیں رہیں گی۔

سالہا سال کی بنائی گئی عزت اور آفس کی ریپوٹیشن اس دن خاک میں ملی جب' مقیم زبیری پر ان کے کسی بدخواہ افسر نے غبن کا الزام لگایا۔

وہ بے گناہ تھے۔ ان کے ہاتھ صاف تھے۔ اور وہ خود کو ثابت بھی کر سکتے تھے۔ مگر۔ اس کے لیے انہیں کمپنی کی طرف سے خود پر دائر کردہ کیس لڑنا تھا۔

وکیل کیا گیا۔ کیس بھی کافی دن چلا۔ مگر خاطر خواہ کامیابی نہ مل سکی۔ تاریخوں پر تاریخیں ملتی رہیں۔ یہاں تک کہ وہ معمولی جمع جتھا' جس کے لیے نغمانہ بختاور نے ان کی بیٹیوں سے زندگی کی ہر سہولت اور آسائش چھیننے کی مکمل کوشش کی تھی۔ ایک دن اختتام پذیر ہو گیا۔

بڑی مشکل اور دقتوں کے بعد مقیم زبیری کیس تو جیت گئے۔ سزا سے بچ گئے مگر' بے روزگاری کے عفریت سے نہ بچ سکے۔

ایسے میں ان کی امیدوں کا واحد مرکز اکلوتا بیٹا تھا بھی۔ تو اس میں غلط کیا تھا۔

مگر مصیبت یہ تھی کہ بیٹا۔ سخت نااہل تھا۔

چار سالوں بعد روپیٹ کر بھی گریجویشن نہ کر سکنے کے بعد تعلیم ادھوری چھوڑ چکا تھا۔ آمدنی کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ اور اس کی وہی شاہ خرچیاں تھیں۔

"ڈیڈی! میرے خیال میں ہمیں یہ گھر سیل کر دینا چاہیے۔" زندگی میں پہلی بار صندل' اس گھر کی بڑی بیٹی کسی معاملے میں بولی تھی۔

"لو یہ کیا بات کر دی تم نے۔" نغمانہ فوراً" ہی بھڑک اٹھیں۔

"ایک منٹ۔"

زندگی میں پہلی بار اس کے سامنے مقیم زبیری نے انہیں ٹوک کر خاموش کیا۔

"ڈیڈی اس گھر میں بہت سی چیزیں ہماری ضرورت سے زیادہ ہیں۔ گھر سمیت اس سب کو سیل کر دیں۔ ایکسٹرا فرنیچر' ڈیپ فریزر' چار چار اے سی' دو کمپیوٹرز اور ہاں۔ دو میں سے کوئی ایک گاڑی بھی جو زیادہ مہنگی بک سکے۔"

تھوک نگل کر وہ جو بولنا شروع ہوئی تو بولتی چلی گئی۔ نغمانہ نے زندگی میں پہلی بار اسے نفرت انگیز انداز میں گھورا تھا۔ مگر وہ نظریں چرا گئی۔

"تھوڑے سستے علاقے میں ایک چھوٹا فلیٹ لے کر رہ لیں گے۔ جس میں ہم لوگوں کے پاس ایک ایک بیڈ روم ہو بس۔ ڈرائنگ ڈائننگ نہ بھی ہو تو کوئی بات نہیں۔ یہ اتنا بڑا گھر لاکھوں روپے کا بکے گا۔ یہ سب سہولت کی چیزیں۔ انہیں سیل کر کے ملنے والی رقم کو بینک میں ڈال دیں گے تو آمدنی کا مستقل ذریعہ تو ہو گا۔ آپ کے سر سے بھی ٹینشن ہٹے گی تو آپ بھی تھوڑا ریلیکس ہو جائیں گے۔"

اس کی نظریں باپ کے کمزور' زرد چہرے پر پڑتیں تو دل سکڑ سکڑ جاتا۔ نغمانہ کے تاثرات دیکھنے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔

بگڑتے مالی حالات سے انہیں کوئی سروکار نہ تھا۔ انہیں صرف اس طرز زندگی کے چھن جانے کا خوف تھا۔ اس سے پہلے کہ صندل کوئی اور خوفناک تجویز پیش کرتی۔ وہ جھٹکے سے اٹھیں۔ صندل اور مقیم زبیری نے بیک وقت انہیں دیکھا۔ صندل کی بات ادھوری رہ گئی تھی۔

"میں۔ میں آپ کے لیے کچھ کھانے کو لاتی ہوں۔"

وہ بمشکل مسکرائی تھیں۔ صندل نے اسی طرح چور نظروں سے انہیں کمرے سے نکلتے دیکھا۔ پھر ڈیڈی کے قدموں میں جا بیٹھی۔

"ڈیڈی۔ ہم ہر چیز کے بغیر رہ سکتے ہیں' ہر سہولت کے بغیر۔ یہاں تک بغیر کھائے پیے بھی۔ مگر ہم آپ کے بنا نہیں جی سکتے ڈیڈی۔ اگر آپ کو کچھ ہو گیا تو میں اور کینڈی۔ ہم مر جائیں گے ڈیڈی۔"

وہ بالکل اچانک بلک اٹھی۔ اور اسے خود میں سموتے ہوئے مقیم زبیری نے سوچا۔

"میری بیٹیاں اتنی بھی بے خبر نہیں جتنا میں نے سمجھا تھا۔ اور بے حس تو خیر بالکل نہیں۔"

کیس کی تاریخوں کے دوران ہی ان کو ہلکا ہلکا انجائنا

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

پین شروع ہوا تھا۔ جو انہیں مستقل دل کے عارضے میں مبتلا کر چکا تھا۔ اور وہ یہ سمجھتے تھے 'اس بارے میں صندل اور قندیل انجان بھی ہیں۔ اور انہیں ان کے مستقل کمزور پڑتے وجود سے کوئی دلچسپی بھی نہیں۔

☼ ☼ ☼

مقیم زبیری نے صندل کی بات مان لی۔

وہ لوگ نچلے درجے کے علاقے اور چھوٹے سے فلیٹ میں شفٹ ہو گئے۔ گاڑیاں بک گئیں اور اے سی ایک بھی نہیں۔ جنریٹر بھی بک گیا۔ انٹرنیٹ اور پی ٹی سی ایل کنکشن تو ختم ہو ہی گئے تھے۔ گھر میں صرف تین بیڈ روم تھے۔ جو افراد خانہ میں تقسیم ہو گئے۔ اور ایک ننھا سا کامن رہ گیا مل بیٹھنے کے لیے۔

نغمانہ کو یوں لگتا جیسے یہ سب صندل نے انہیں نیچا دکھانے کے لیے کیا ہے۔ زندگی میں دوسری بار تنزلی کا یہ سفر ان کی برداشت سے باہر تھا۔ وہ بے حد چڑچڑی اور بد مزاج ہو گئیں۔ اور ظاہر ہے ان کا بیٹا بھی۔

مقیم زبیری کی توقعات پر تو خیر وہ پورا اترا ہی نہ تھا۔ حالات سنورے تو نہ تھے۔ مگر قدرے سنبھل ضرور گئے تھے۔ ایسے میں اس سے نوکری کی توقع کرنا بے جا نہ تھا۔ مگر اس کے تو خواب ہی اور تھے۔ اوقات اور پہنچ سے باہر۔ بہت اونچے۔

"میں باہر جانا چاہتا ہوں۔"

ایک دن اس نے بلی تھیلے سے باہر نکال ہی دی۔ اور مقیم کو یوں لگا۔ اس بلی نے باہر نکلتے ہی اپنے نوکیلے پنجوں سے ان پر حملہ کر دیا ہے۔

"سنی اور کینڈی کے لیے جو زیور لاکر میں پڑا ہے۔ وہ اگر بک جائے تو میرے باہر جانے کا بندوبست ہو جائے گا۔"

اب بکنے کے لیے اور بچا ہی کیا تھا۔ شاید صرف عزت اور وہ زیور۔

جو نغمانہ نے کبھی دیکھا نہ تھا اور جس کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ وہ اتنا بھاری ضرور ہو گا کہ ان کی نگاہیں خیرہ کر دے۔

مگر قسمت نے یہاں بھی ان سے بے وفائی کر دی۔

فاخر کے سر پر باہر جانے کا بھوت سوار تھا اور نغمانہ کے سر پر اسے باہر بھجوانے کا۔ یوں بھی وہ ان سے ہر جائز ناجائز منوانے کا عادی ہو چکا تھا اور وہ ماننے کی عادی ہو چکی تھیں۔

ہر روز نئے طریقے سے مقیم زبیری کی عدالت میں اس کا کیس پیش کیا جاتا۔

"ارے باہر جا کے پیسے بھیجے گا تو ہم پھر سے زیور بنوالیں گے۔ آخر اس میں حرج ہی کیا ہے۔" نغمانہ یوں بولتے بولتے تڑپ جاتیں جیسے زیور نہ ملا تو فاخر یا خود ان کا دم تو نکل ہی جائے گا۔ کافی رو دھو کر اور درد سری کے بعد وہ مانے اور فاخر کی دلی مراد بر آئی۔

زیور نکلوائے گئے اور جب نغمانہ نے ان کا دیدار کیا تو کون کون سے خواب نہیں تھے جو چھناکے سے ٹوٹ گئے۔

"یہ۔ یہ؟۔ بس یہ۔ یہ ہیں وہ چھلکے جن کے لیے تمہارا باپ دم دیے دے رہا تھا۔"

بے حد تضحیک آمیز انداز میں انہوں نے زیور کے ڈبے صندل کے سامنے پھینک دیے۔ فاخر الگ ایک طرف تپا تپا بیٹھا تھا۔

مقیم کے کانوں میں بھی ان کے ذلت آمیز الفاظ پڑ چکے تھے۔ اسی رات سوتے میں ان کی سانس اکھڑ گئی۔ فاخر پڑا سوتا رہا۔ اور نغمانہ کے بے حد بری طرح دروازہ پیٹ ڈالنے پر بھی اس کے کمرے کا دروازہ نہ کھلا۔ تھک ہار کر صندل نے ایمبولینس بلائی اور نغمانہ اور وہ ڈیڈی کو لے کر اسپتال بھاگیں۔

انجائنا کا اٹیک تھا۔ بہت معمولی۔ مگر تھا تو دل کا دورہ۔

ڈاکٹرز نے انتہائی نگہداشت کے یونٹ میں داخل کیا۔ چوبیس گھنٹے کشمکش میں گزرنے کے بعد اگلی رات تین بجے ڈاکٹروں نے ان کی حالت خطرے سے باہر بتائی تو وہ بصد اصرار نغمانہ کو لے کر گھر آئی۔

"آپی۔ آپی۔ وہ فاخر بھائی۔" کینڈی نغمانہ کی طرف دیکھ کر پھر چپکے سے بولی۔

"وہ ابھی چوروں کی طرح چھپ کر ڈیڈی کے کمرے میں گئے تھے آپ لوگوں کے آنے سے پہلے میں نے خود دیکھا۔" قندیل کی بات اس کے پیروں تلے سے زمین کھینچنے کے لیے کافی تھی۔

وہ دبے قدموں ڈیڈی کے کمرے میں داخل ہوئی۔ توقع کے عین مطابق وہ الماری کھولے اندر گھسا ہوا تھا۔

"فاخر!" اس کی آواز اگر سرگوشی نما ہوتی تب بھی وہ اچھل پڑتا۔ مگر اس وقت تو اس نے بہت کڑک کر پکارا تھا۔ زیورات کے ڈبے اس کے ہاتھ سے چھوٹ گرے۔

"کیا کر رہے ہو۔ تم۔ چوری؟" بھائی اور آپ جناب کا تکلف وہ سالوں پہلے چھوڑ چکی تھی۔

"نہ۔ نہیں نہیں چوری کیوں؟" وہ بوکھلایا پھر سنبھل گیا۔

"امی نے فون کیا تھا کہ ڈیڈی کے لیے اسپتال میں پیسے چاہئیں۔ چارجز پے کرنے ہیں۔ تو انہوں نے یہ منگوائے ہیں۔"

بے ربط انداز میں بولتے ہوئے اس نے بیٹھ کر ڈبے سمیٹے اور ڈبے تھے ہی کتنے۔ دو ان دونوں کے سیٹ تھے اور ایک چار چوڑیوں والا گول ڈیزائن دار کیس۔

"امی میرے ساتھ آئی ہیں۔ باہر بیٹھی ہیں اور انہوں نے کوئی فون نہیں کیا تمہیں۔ صاف صاف بتاؤ کہاں لے جا رہے تھے انہیں۔" طیش سے بولتی ہوئی وہ ذرا آگے بڑھی۔

وہ بجلی کی سی تیزی سے آگے بڑھا اور اسے ایک زوردار دھکا دیا۔

"ہاں کر رہا ہوں چوری کیا کر لو گی پھر؟"

"اف!" وہ اس حملے کے لیے کب تیار تھی۔ ڈیڈی کے لکڑی کے بیڈ کا کونا اس کے پیٹ پر لگا۔ وہ تڑپ گئی۔ پھر بھی آواز دبانا نہ بھولی۔

"ماما۔ ماما فاخر کو روکیں، دیکھیں وہ ہمارے۔ آہ!" درد کی شدید لہر نے اسے بات مکمل نہیں کرنے دی۔ مگر مقصد ضرور مکمل ہو گیا۔

باہر سے نغمانہ، قندیل اور فاخر کے جھگڑنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ فتح اس بار بھی فاخر کا نصیب بنی اور نغمانہ بخت آور اپنے نصیب کی سیاہی کو روتی رہ گئیں۔

☼ ☼ ☼

فاخر باہر گیا تو ایسا گیا کہ واپس ہی نہ پلٹا اور اسی کی طوطا چشمی ڈیڈی کی جان لینے کا سبب بنی۔

ساری زندگی کسی اور کے خون پر اپنی خون پسینے کی کمائی لٹائی اور آخر میں جب ان کے پھل کھانے کا وقت آیا تو تمام بچی کھچی جمع پونجی بھی لوٹ کر چلتا بنا۔

مقیم زبیری کی موت اور فاخر کی حرام خوری نغمانہ کو بری طرح توڑ گئی۔ مگر اب وقت گزر چکا تھا۔ وہ ٹوٹ بھی گئی تھیں۔ بکھر بھی گئی تھیں۔ اور بیوگی کی چادر میں دو جوان ہوتی بیٹیوں کی ذمہ داری دیکھ کر، خود کو تنہا پا کر سہم بھی گئی تھیں۔

وقت ایک بار پھر الٹی چال چل رہا تھا۔

وہ تنہا تھیں۔ اور کوئی دلجوئی کرنے والا نہ تھا۔ وہ بیٹیوں کے قریب آنا چاہتی تھیں۔ مگر اب بیٹیاں ان سے مکمل طور پر متنفر ہو چکی تھیں۔ وہ پہلے بھی ایک دوسرے کا سہارا تھیں اور ایک دوسرے کے لیے کافی تھیں اور نغمانہ ایک بار پھر بڑی بڑی راتیں جاگ کر گزارتی بڑے دنوں کا انتظار کرنے لگیں۔

☼ ☼ ☼

زندگی کے اس سفر میں بہت کچھ کھونے والی وہ اکیلی نہیں تھیں۔ صندل نے بھی بہت قیمتی انمول اور بیش قیمت سہارے وقت کی دھول میں گم کر دیئے تھے۔

جتنی اکیلی وہ اندر سے تھیں، اتنی نہیں تو اس سے ذرا کم ہی۔ مگر تنہا تو صندل بھی تھی۔ تب ہی۔ تیز آواز میں الارم بج اٹھا تھا۔ اور بجتا ہی چلا جا رہا تھا۔

"کمال ہے۔ آج صندل اٹھی نہیں۔" ان کی سوچوں کا تسلسل ٹوٹ گیا۔ وہ بڑبڑاتی ہوئی اٹھ کر اس کے کمرے میں آئیں۔ صندل بخار میں جل رہی تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"اوہو۔" انہیں بے اختیار گھبراہٹ اور جھنجلاہٹ نے بیک وقت گھیرا۔

بخار بہت تیز تھا اور صندل بیماری میں بھی اپنی پروا کرنے والی نہیں تھی۔ اگر وہ دوا کھانے پر زور دیتیں تو وہ چڑچڑاہٹ سے الٹا ان ہی پر چڑھ دوڑتی۔

دفعتاً انہیں کسی کا خیال آگیا۔

وہ سوچتے ہوئے اس کے سیل میں سے کانٹیکٹ لسٹ کھنگالنے لگیں۔

☼ ☼ ☼

آج ناشتے کی میز پر جبران بھی ان لوگوں کے ساتھ تھا۔ اسی لیے روز سے کچھ بڑھ کر رونق نظر آرہی تھی۔

"تم اتنی صبح کیوں اٹھ گئیں موں! تمہیں رات نیند تو ٹھیک سے آئی۔" ثمیر کے لہجے میں بہن کے لیے محبت اور تفکر تھا۔ جبران نے اس کی بات سن کر چونک کر موں کو دیکھا۔ جس کے چہرے پر ایک بے بسی اور اداس مسکراہٹ کے سوا کچھ نہ تھا۔

"تم اتنی بڑی ہوگئی ہو موں۔ کب نکلے گا تمہارے دل سے یہ خوف۔"

ثمیر اب ناشتہ چھوڑ کر افسوس سے اسے دیکھ رہا تھا۔

وہ ہمیشہ کی طرح خاموش تھی۔ اور جبران اس معصوم اور خاموش حسن کی تجلیاں آنکھوں کے راستے دل میں اتار رہا تھا۔ جہاں اس کی خوبصورتی کے اعتراف کے ساتھ ایک ملال بھی پنہاں تھا۔

"ایسا حسن بلاخیز مگر۔ نامکمل۔"

"اب تم ایسا کرنا کہ ناشتہ کرکے تھوڑی دیر بعد سلیپنگ پلز لے لینا۔ میں کشور سے کہہ دوں گا' تمہارے کمرے میں سوجایا کرے۔ جب تک یہ موسم چینج نہیں ہوتا۔"

وہ اب مصروف انداز میں بولتا ہوا چائے کے گھونٹ بھر رہا تھا۔ جبران نے اس کی بات میں حصہ لینا ضروری نہیں سمجھا۔ یوں بھی اسے لگتا تھا کہ موں کے سامنے آکر کسی بھی دوسرے موضوع پر بات کرنا یا کسی اور طرف دھیان لگانا ایک کٹھن امر تھا۔ وہ کسی بھی ذی ہوش شخص کا دھیان مکمل طور پر خاموشی سے بھی اپنی طرف مرتکز کرسکتی ہے۔

وہ اب بھی مستقل اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا جب ثمیر کے موبائل کی بیپ نے اسے چونکایا۔

"اوہو!" ثمیر کے ماتھے پر بل نمودار ہوئے۔

"کیا ہوا۔"

"میری کولیگ کی طبیعت خراب ہے اس کی مدد کا مسیج آیا ہے۔" وہ بولتے ہوئے وہاں سے اٹھ گیا۔ وہ اپنا ناشتہ ختم کرچکا تھا۔

"میں تھوڑی دیر میں اسلام آباد کے لیے نکل جاؤں گا۔" جبران نے اسے مطلع کرنا ضروری سمجھا اور ایک اچٹتی نگاہ موں پر ڈالی۔

انتہائی غیر متوقع طور پر وہ اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ نظریں ملنے پر سٹپٹا کر اپنی پلیٹ پر جھک گئی۔

باقی کا سارا وقت جب تک جبران وہاں بیٹھا رہا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک دبی دبی مسکراہٹ کھیلتی رہی۔

☼ ☼ ☼

"آپی!۔ آپی!۔ صندل۔"

کوئی گہری نیند میں اسے دور سے آواز دے رہا تھا۔ کبھی یہ آواز قندیل کی بھیانک آوازوں میں بدل جاتی۔ خوفزدہ پھٹی ہوئی اور بیٹھی ہوئی آواز اور کبھی۔ کوئی مردانہ آواز میں پکارتا۔

"صندل!"

اس نے بے چینی سے سر کو دائیں بائیں پٹخا۔ بے انتہا تپش اور گرمی میں ایک ٹھنڈا احساس پیشانی سے ہوتا ہوا پورے چہرے کو ٹھنڈا کرنے لگا۔

اس کی نیند پرسکون نہیں تھی۔ مگر گہری ضرور تھی۔ جب ہی بے انتہا بے چینی کے باوجود بجائے اس کی آنکھ کھلنے کے بند پلکوں تلے کچھ بوجھل آوازیں اسے اپنی طرف بلا رہی تھیں۔

وہ ان آوازوں کا تعاقب کرنا چاہتی تھی۔ وہ اس آواز کو پہچانتی بھی تھی۔ وہ قندیل کی آواز تھی۔ "آپی۔

آپی۔ ی۔ ی۔" درد میں ڈوبی۔ کرب واذیت کے سمندر میں ڈوبتی ابھرتی آواز۔

اس نے اسے بلانے کے لیے لب کھولنے چاہے۔ مگر آواز نہیں نکلی۔ اسے لگا پورا زور لگا کر بھی وہ صرف سرگوشی کی صورت اس کا نام پکار سکتی ہے اور بس۔ جبھی ایک اجنبی مردانہ آواز نے اسے پکار لیا۔

"صندل!" ساتھ ہی اپنی کلائی پر کسی کا لمس بھی۔

وہ آدھی سوئی اور آدھی جاگتی کیفیت میں سامنے کھڑے ثمیر کو دیکھ رہی تھی۔ مگر یوں جیسے پہچاننے کی کوشش کررہی ہو۔

"کیا ہوا! یہ میں ہوں صندل۔ ثمیر۔"

وہ چہرے پر تشویش لیے۔ بظاہر مسکرا کر اس سے پوچھ رہا تھا۔ مگر اس مسکراہٹ کے ساتھ ہی اس کی پیشانی پر پڑے بل اس کے تفکر کو بڑھا رہے تھے۔ چند لمحے اسے یونہی دیکھنے کے بعد اس نے سائیڈ ٹیبل سے چند ٹشو نکال کر اس کی طرف بڑھائے۔

"لو اپنا چہرہ صاف کرو۔"

"کس قدر پسینہ پسینہ ہورہی ہو۔ لگتا ہے بخار اتر گیا۔" نغمانہ کی آواز پر وہ چونکی۔ وہ اس کے دائیں جانب کھڑی محبت سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

منظر کچھ واضح ہوچلا تھا۔ اس نے خاموشی سے ثمیر کے ہاتھ سے ٹشو پیپر لے لیے۔

☼ ☼ ☼

آفس میں کام بہت زیادہ تھا۔ وہ چھٹی نہیں کرسکتا تھا۔ ورنہ آج جس حالت میں صندل کو دیکھا۔ اسے چھوڑ کر آنے کا بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا۔

جانے کب اور کیسے وہ سادہ اور سنجیدہ مزاج کی لڑکی اس کی دھڑکنوں میں اس طرح آن بسی کہ اب اس کے بغیر زندگی گزارنے کا تصور بالکل ناممکن نہیں تو مشکل ترین ضرور لگنے لگا تھا۔

اس کے گھر سے نکلتے وقت گو کہ وہ صندل سے کوئی بات نہیں کرسکا۔ کیونکہ تھوڑی دیر جاگنے اور بہت تھوڑا سا سوپ پینے کے بعد دواؤں کے زیر اثر وہ پھر سے غنودگی میں چلی گئی تھی۔ ہاں لیکن اس کی ماما۔

نغمانہ بختاور نے اسے کچھ ضروری بات کہنے کے لیے روکا تھا۔ اور وہ ضروری بات کیا تھی۔ اس کے گمان میں دور دور تک بھی ایسا خیال نہ تھا۔ کہ نغمانہ اس کے دل کی بات خود ہی کہہ دیں گی اور وہ بھی اس قدر جلدی۔

"تم بہت کم عرصے میں صنی کے بہت قریب آچکے ہو۔ یقیناً" اسے اچھی طرح جان بھی چکے ہوگے۔ بہت کم عمری سے گھر کے بگڑے ہوئے حالات اور ایک ایب نارمل طرز کی زندگی گزارنے کی وجہ سے وہ بہت سوبر اور سنجیدہ مزاج ہوگئی ہے۔ پہلے والد اور پھر بعد میں اپنی چھوٹی بہن کی حادثاتی موت نے اسے وقت سے پہلے ہی اپنی عمر سے دگنا بڑا کردیا ہے۔"

ایک قدرے طویل تمہید کے بعد جب انہوں نے اپنا مدعا اس کے سامنے رکھا تو' اس کا جی چاہا کہ ہر مصلحت بالائے طاق رکھ کر کم سے کم ایک بار ضرور کھل کر زور سے خوشی سے بھرپور قہقہہ لگائے۔

"میری طرف سے خود پر کوئی دباؤ مت سمجھنا۔ بس تم مجھے اچھے لگتے ہو۔ بہت اپنے اپنے سے۔ اس لیے تم سے یہ بات کہہ دی۔" آخر میں وہ اپنے اس اقدام پر کچھ شرمندہ بھی نظر آئیں۔

"بس مجھ پر ایک احسان کرنا' چاہے تمہارا ارادہ کچھ بھی ہو' صندل کو کبھی اس بات کی بھنک نہ پڑے کہ میں نے خود تم سے یہ بات کی ہے۔ تم جانتے تو ہوگے۔ میں اس کی سگی ماں نہیں ہوں۔ اس لیے ہوسکتا ہے۔ وہ میرے اس فعل کو اپنے لیے بھلائی کی کوشش سمجھنے کے بجائے کچھ اور سمجھ بیٹھے اس لیے۔"

اور جب وہ وہاں سے نکل کر آفس کی طرف جارہا تھا تو' نہ صرف ان کی تشفی کرواچکا تھا۔ بلکہ لبوں سے بات بے بات نکلتی مسکراہٹ کو بمشکل اور مسلسل قابو میں رکھنے کی کوشش کررہا تھا۔

☼ ☼ ☼

نغمانہ کی بات نے اس کے دل میں دبی خواہش کو

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

جیسے راستہ دے دیا تھا۔ وہ جلد از جلد صندل کو اس خواہش سے آگاہ کر دینا چاہتا تھا کہ وہ صندل کو زندگی بھر کے لیے اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا ہے۔

لیکن وہ جتنی جلدی کرنا چاہتا تھا۔ قدرت کی طرف سے اتنی ہی دیر ہوتی جا رہی تھی۔ پہلے تو صندل چار پانچ دن بخار میں جلنے کی وجہ سے نہ آفس آسکی۔ نہ اس قابل ہو سکی کہ اتنی سنجیدہ نوعیت کی بات سن کر کوئی فیصلہ کر سکتی۔

اس کے فٹ سے انکار کر دینے کا امکان بھی بہر حال اپنی جگہ موجود تھا۔ خدا خدا کر کے اس کا بخار اترا اور وہ آفس آنے کے قابل ہوئی بھی تو آنہ سکی۔ بلکہ آفس میں ہی اس صبح صبح اس کی کال موصول ہو گئی۔

”ثمیر! ماما کی طبیعت بہت خراب ہو گئی ہے۔ ان کا بلڈ پریشر خطرناک حد تک شوٹ کر گیا ہے اور ناک سے خون نکل رہا ہے۔“

وہ انہیں لے کر ہسپتال جا رہی تھی۔ اور ظاہر ہے ثمیر کو فون کرنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ وہ پہلی فرصت میں وہاں پہنچ جائے۔

ڈاکٹرز نے ایمرجنسی میں ایڈمٹ کر کے فوری ٹریٹمنٹ دینا شروع کر دیا۔ کئی گھنٹے ذہنی پریشانی میں گزرے۔

اس صورت حال میں اسے پروپوز کرنے جیسی بات کر کے اسے گنوانا نہیں چاہتا تھا۔

☼ ☼ ☼

”بھائی جی! جبران صاحب کا صبح سے تین بار فون آچکا ہے۔ وہ ہر بار آپ کا پوچھ کر کہتے ہیں کہ جیسے ہی آپ آئیں ”فوراً“ انہیں فون کریں۔“

اس نے گھڑی دیکھی۔ رات کے گیارہ بجے تھے۔ نیند سے اس کی پلکیں جڑ رہی تھیں۔ پھر بھی جبران کے انداز کے غیر معمولی پن کو سوچ کر اس نے اسی وقت فون کر لیا۔

”صبح سے کہاں تھے تم خیریت۔ تمہارا فون بھی آف تھا۔“

”ہاں بس ایک کولیگ کی والدہ ایڈمٹ تھیں۔ اور بیٹری صبح ہی ڈیڈ ہو گئی تھی۔ میں صبح سے بلکہ تین دن سے ان کے چکر میں پھنسا ہوا تھا۔“

”اوہ۔ اب کیسی ہیں وہ۔“

”ٹھیک ہیں۔ کل ڈسچارج ہوں گی۔ تمہیں کیا کام تھا۔ کشور نے کہا کہ جیسے ہی آؤں تمہیں فون کروں۔“ اس نے ملازمہ کے نام کا حوالہ دیا۔

”ہاں میں نے یہی کہا تھا۔ بات تو خاص ہے مگر فون پر کرنے والی نہیں۔ کراچی میں اکیلا آنا نہیں چاہتا۔“

”اکیلے نہیں آنا چاہتے۔ خیریت، کوئی بیگم ویگم تو نہیں کر کرالی۔ ایمرجنسی میں۔“

”کر بھی سکتا ہوں۔ اگر تمہاری اجازت اور تعاون مل جائے۔“ دوسری جانب اس کے مذاق کے جواب میں وہ ازحد سنجیدہ تھا۔

”میری اجازت اور تعاون۔ خیریت ہے۔ وہ کس لیے۔“ اب کی بار ثمیر بھی ذرا کی ذرا سنجیدہ ہوا۔ لہجہ البتہ ابھی بھی مسکرا رہا تھا۔

”ہاں یار۔ اگر تم برا نہ مانو تو۔۔۔“

”اب بول بھی چکو ایسی بھی کیا بات ہے۔“

”ثمیر! میں۔۔۔“ دوسری جانب وہ بات ادھوری چھوڑ کر کسی سوچ میں پڑ گیا۔ ثمیر کو الجھن تو ہوئی مگر خاموشی سے منتظر ہی رہا۔

”میں مناہل سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔“ اس نے اٹک اٹک کر بات مکمل کی۔ دوسری طرف ثمیر نے ہی ایک جھٹکے سے سیدھا ہو بیٹھا۔

”کیا۔۔۔ کیا کہا تم نے۔“

”ثمیر۔۔۔ پلیز۔ برا مت ماننا۔ اگر تم نہیں چاہو گے تو میں زندگی بھر اس کا نام تک دوبارہ نہیں لوں گا۔“ اس کے اس طرح کہنے سے جبران گھبرا سا گیا۔ جبکہ ثمیر کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلتی جا رہی تھی۔ ایک تسلسل کے ساتھ۔۔۔

”پاگل ہے کیا تو یار۔۔۔ بس کر دے اب میں کیوں برا مانوں گا۔ یہ کوئی برا ماننے والی بات ہے۔“

بات مکمل کرتے کرتے ہنس دیا۔ جبران اب اپنی بات ادھوری چھوڑ کر اس کے مزید بولنے کا منتظر تھا۔

”ممی آ رہی ہیں کیا؟“

”ہاں اسی ہفتے۔۔۔“

”بس تو پھر تو پہلے ان سے بات کر۔۔۔ میری طرف سے مطمئن ہو جا۔“ فون بند کرتے وقت اس کی آنکھیں نم تھیں۔

”تم نہیں جان سکتے جبران۔ تم جس بات کو کرتے ہوئے میری ناراضی کی وجہ سے ڈر رہے تھے۔ اس نے کتنی انوکھی اور شاید زندگی کی سب سے بڑی خوشی بخشی ہے مجھے۔“

تکیہ سیدھا کر کے لیٹتے سے وہ جانتا تھا کہ آج کی رات نیند مہربان نہیں ہونے والی۔ جبران کی کی ہوئی بات کی خوشی ماضی کی تکلیف دہ یادوں سے ٹکراتی رہے گی۔

☼ ☼ ☼

مناہل اس کی چھوٹی بہن عمر میں اس سے کافی چھوٹی تھی۔

اسے وہ اس کی بد قسمتی گردانتا تھا کہ عمر کے اس دور میں جب بچیاں تتلی کے پروں سے رنگ چراتی ہیں اور پھولوں کی خوشبوؤں کو صابن اور شیمپو میں ڈھونڈ کر خوش ہوتی ہیں۔ مناہل نے اس معصوم عمر میں اپنی ماں کا بہیمانہ انداز میں قتل ہوتے دیکھا اور اس واقعے کے نشانات زندگی بھر کے لیے اس کی قوت گویائی چھین کر اس کی شخصیت پر ثبت ہو گئے۔

وہ رات۔۔۔ وہ کوئی طوفانی رات نہ تھی۔ نہ گرج چمک تھی۔ نہ موسلا دھار بارش۔

وہ تو ایک بہت خوب صورت بارش کی مدھم بوندوں میں شرماتی اور کچی مٹی کی خوشبو سے بھری رات تھی۔ پھر جانے کب اور کیسے کہاں سے گہری گھٹائیں امڈ آئیں۔ تراتر بوندیں برسنے لگیں۔

وہ گہری نیند میں سویا رہا۔ لیکن سدا کی ڈرپوک مناہل جاگ گئی۔ اور اس کا جاگنا ہی اس کے بخت کی سیاہی بن گیا اس کی اپنی آنکھ اس وقت کھلی جب اس کی دل خراش چیخوں سے گھر گونج اٹھا تھا۔

وہ یاد نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لیکن وہ رات۔۔۔

اپنی پوری ہولناکی کے ساتھ اس کی یادداشت میں یوں زندہ تھی کہ وہ چاہ کر بھی اپنے ذہن سے اسے کھرچ نہیں پاتا تھا۔

مناہل کی زبان ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئی۔ صرف جسم زندہ رہ گیا۔ خاموش، اداس اور خوف زدہ۔ پھر کتنے بہت سے سال گزرے۔

ڈیڈ کے اوپر اس واقعہ نے اپنے اثرات تو چھوڑے مگر بے حد مدھم، وہ اپنی کاروباری مصروفیات میں پہلے بھی گم رہتے تھے۔ بعد میں اور زیادہ رہنے لگے۔

ایسے میں صرف ایک وہ ہی تھا جو سائے کی طرح مناہل کے ساتھ رہتا۔ جانے کس احتیاط کے پیش نظر اس نے ڈیڈ سے کہہ کر اس کے لیے ایک نہیں، دو نہیں، تین ملازم رکھے۔ ایک باڈی گارڈ جو گھر سے باہر اس کے ساتھ ساتھ رہتا۔ ایک کل وقتی ملازمہ جو گھر کے اندر اس کی سنگی سہیلی کی طرح سایہ بنی رہتی اور ایک بے حد میٹھے نقوش اور نرم لہجے والی جرمن کیئر ٹیکر۔ جو نہ صرف اس کی دواؤں اور ڈائٹ کا خیال رکھتی۔ بلکہ اسے پابندی سے سائیکاٹرسٹ کے پاس لے جاتی۔

خود اس نے اپنی پڑھائی کے علاوہ باقی تمام مشاغل اور مصروفیات سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔

اس کی محنت محبت اور توجہ کا اسے یہ صلہ ملا کہ مناہل کبھی کبھی اسے ”بھائی“ کہہ کر پکارنے لگی۔ ہنسنے مسکرانے لگی۔ اور خوشی کا اظہار کرنے لگی۔

ہر بار اس کی کسی نئی پیش رفت پر وہ خود یوں خوش ہوتا کہ جیسے اسے قارون کے خزانہ مل گیا ہو۔ رفتہ رفتہ بہت دھیرے دھیرے وہ زندگی کی طرف واپس لوٹنے لگی تو تب۔۔۔ اس نے بھی اپنی پڑھائی کے ساتھ ساتھ دوستیاں، مشاغل اور کچھ وقت گھر سے باہر گزارنا شروع کیا۔

یوں بھی اب وہ اس کی ذاتی ملازمہ اور جرمن کیئر

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

ٹھیکر پر بہت اعتماد کرنے لگا تھا۔ انہوں نے بھی منال کو بالکل کسی سگے خونی رشتے کی طرح توجہ اور محبت سے پروان چڑھایا تھا۔

وہ ان کی کارکردگی سے مطمئن نظر آتا تھا اور بہت پرامید تھا کہ ایک دن منال بالکل عام اور نارمل لڑکیوں کی طرح ہنسنا بولنا اور دوسری سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کردے گی۔ لیکن۔۔۔

زندگی اتنی مہربان ثابت ہوئی نہ آسان۔ جتنا اس نے سوچا تھا۔ ڈیڈ کی کاروباری رقابت بڑھتے بڑھتے آفس سے گھر تک پہنچ گئی اور ایک رات۔۔۔

وہ بھی ایسی ہی طوفان خیز اندھیری رات تھی۔ جب چاند گھرے بادلوں کی اوٹ میں جا چھپا تھا۔

* * *

کسی نے بہت اچانک بہت وحشیانہ انداز میں دروازے کو پیٹا تھا۔ کشور سے لپٹ کر سوتی ہوئی منال اور خود کشور بھی لحظہ بھر میں جاگ گئی اور منال بری طرح کشور کی گود میں گھس گئی۔

آنے والے کے انداز نے جتا دیا تھا کہ وہ کوئی گھر کا فرد نہیں اور یہ بھی کہ وہ ان کا خیر خواہ بھی نہیں ہے۔۔۔

بہت کم وقت میں نہ صرف دروازہ ٹوٹ گیا بلکہ اندر گھس آنے والوں نے کشور کے ہاتھ پیر باندھ کر اسے باتھ روم میں بند کردیا۔ وہ رات۔۔۔ شاید نہیں یقیناً" اس کی زندگی میں آنے والی ہر رات سے زیادہ بھیانک اور ہولناک تھی۔

اس رات کی سیاہی بڑھ کر اس کے پورے نصیب پر چھا گئی۔

گھر میں کوئی مرد ایسا نہ تھا جو ان وحشی جانوروں کے بے رحم شکنجے سے اس کا نازک بے ضرر وجود بچا سکتا۔

وہ تعداد میں کتنے تھے؟ کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا تھا۔

وہ کون تھے؟ کوئی نہیں جانتا تھا۔ ان کا مقصد کیا تھا؟ کسی کو معلوم نہ تھا۔

اور نہ ہی کوئی یہ جان سکتا تھا کہ بھلا منال جیسی لڑکی جس نے اپنی پندرہ سالہ زندگی میں نہ کسی سے لینا تھا نہ دینا۔ اس کی زندگی رگید کر انہیں کون سی تسکین ملنے والی تھی۔

وہ چیخ نہیں سکتی تھی۔ اس کی آواز نکلتی ہی نہ تھی۔ خوف سے اور بھی بند ہوجاتی۔ انہوں نے اسے بے دردی سے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹنا شروع کیا۔ اوپری منزل کی سیڑھیوں سے گرتے پڑتے گھسیٹتے، خوف اور دہشت سے اس کی آنکھیں پھٹنے والی ہوگئیں۔ نرم ملائم کپڑے ماربل کی بنی سیڑھیوں اور بجری کی روش تک پہنچتے پہنچتے تار تار ہوگئے اور اس رات۔۔۔

ثمیر کی سالوں کی محنت، توجہ اور امیدوں کی بھی دھجیاں اڑ گئیں۔ برستی بارش نے کوئی پردہ نہ رکھا۔

کرب و اذیت سے خود کو جانوروں کی طرح رلتے دیکھ کر اس نے پوری طاقت لگا کر چلانا چاہا تھا۔ کسی کو پکارنا چاہا تھا۔ اپنے باپ کو۔ جس کی بیشتر راتیں گھر سے باہر گزرتی تھیں۔ کہاں۔۔۔ کوئی نہیں جانتا تھا۔

اپنے ماں جائے کو۔۔۔ اپنے بھائی کو۔۔۔ جو اس کی حفاظت کے خیال سے ہر وقت اس کے ساتھ رہنا چاہتا تھا۔

مگر۔۔۔ کوئی نہیں تھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ جو اس کی مدد کر پاتا۔ اس کی دادرسی کرتا۔

وہاں صرف بھیڑیے کے روپ میں انسان تھے یا انسان کے روپ میں درندے۔۔۔ جن کے چہروں پر سفاکیت تھی اور سینوں میں دل کی جگہ پتھر۔

بند ہوتی آنکھوں سے جو اس نے آخری منظر دیکھا 'وہ ان کے چوکیدار کی لاش تھی ویسی ہی خون میں لت پت، بے جان لیکن کھلی آنکھوں والی ساکت لاش۔

بارش میں برسنے والی پانی کی نرم ٹھنڈی بوندیں پتھر کی طرح اس کے زخمی وجود سے ٹکراتی رہیں اور وہ نیم برہنہ حالت میں بے حس و حرکت گھر کے بیرونی دروازے کے قریب گھنٹوں پڑی رہی۔

* * *

وہ اس رات جانے کتنے عرصے بعد اپنے دوستوں کے بے انتہا اصرار پر رات کا کھانا کھانے اس

ریسٹورنٹ میں آیا تھا۔

چند دن بلکہ کچھ مہینوں پہلے بالکل اچانک اور غیر متوقع طور پر وقوع پذیر ہونے والے ایک واقعے نے اسے حد درجہ ڈپریس کردیا تھا۔ اس نے اپنے سرکل سے تعلق رکھنے والی ایک لڑکی کو پسند کیا مگر بعد میں حالات کچھ ایسے ہوئے کہ وہ اس سے خوف زدہ ہو کر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھی۔

یہ حادثہ اتنا معمولی نہ تھا کہ وہ روزمرہ روٹین میں لگ کر بھول جاتا۔ وہ اس لڑکی سے طوفانی قسم کی محبت نہیں کرتا تھا۔ مگر ایسا بھی نہیں تھا کہ اتنی بڑی بات پر سر جھٹک دیتا۔

صد شکر تھا کہ اس کے گھر والوں سے یہ بات چھپی رہ گئی۔ ورنہ کیس بھی بن سکتا تھا۔ بس اللہ نے اس کا پردہ رکھ لیا۔۔۔

مگر وہ بری طرح ڈسٹرب ہو کر رہ گیا۔ یار دوست تھے تو۔۔۔ مگر اتنے قریب کوئی نہ تھا کہ اس کی الجھن شیئر کرنے کے قابل ہوتا۔ وہ خود ہی سوچ سوچ کر شرمندہ ہوتا رہا۔ مگر لفظ "شرمندہ" اس احساس جرم کے لیے بہت چھوٹا تھا جو دھیرے دھیرے اس کے دل میں اپنی جڑیں پھیلا رہا تھا۔

فرینڈ سرکل میں بھی اس کی حادثاتی موت کو کافی عرصے ڈسکس کیا گیا۔ کچھ کو افسوس تھا کہ بے چاری اتنی سی عمر میں جان سے گئی۔ جانے اس کے ساتھ ایسا کیا ہوا تھا اور کچھ کو شک تھا کہ یہ سیدھا سیدھا مرڈر کیس ہے اور اگر گھر والے چاہیں تو اس کا قاتل پکڑا بھی جاسکتا ہے۔

وہ بہت عرصے اس لڑکی کے گھر والوں کی طرف سے کسی پیش رفت کا منتظر رہا مگر قدرت کو شاید اس کا پردہ رکھنا منظور تھا۔ جب ہی دن پر دن گزرتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ معاملہ دب گیا۔

دنیا کا نظام بھلا کسی کے چلے جانے سے کب رکا ہے جو اب رکتا، بس یہ ہوا کہ وہ کچھ اور بھی اپنے خول میں سمٹ گیا، لیکن دن رات کی سوچوں سے چھٹکارا حاصل کرنا بھی ضروری تھا۔ اسی لیے ایک قریبی دوست کے بہت بلانے پر وہ کشور کو بتا کر اپنے دوست کے پاس چلا آیا۔

جس وقت وہ گھر سے نکلا، آسمان پر بادل بھی تھے اور ہلکی بوندا باندی کے آثار بھی۔ اس نے بطور خاص کشور کو منال کے پاس رہنے اور بالکل نہ ہٹنے کی تاکید کی تھی۔ کھانا ختم ہوتے ہی وہ گھر چلا جانا چاہتا تھا۔ کیونکہ موسم کے تیور بگڑنے لگے تھے پھر یوں ہوا کہ قدرت نے اپنی سی کی اور اس کی گاڑی اس کے دوست کے گھر کے سامنے ہی پنکچر ہوگئی۔

اس نے تھوڑی دیر پہلے ہی گھر بات کی تھی تو کشور نے بتایا تھا کہ منال سو چکی ہے اور وہ بھی اس کے ساتھ ہی سونے جارہی ہے۔ لیکن ڈیڈ گھر پر نہیں تھے اور موسم بگڑتا ہی جارہا تھا۔ یہی بات اس کے لیے تشویش کا باعث تھی۔ کہ اس وقت مون گھر پر صرف نوکروں کے رحم و کرم پر تھی۔

"اتنی طوفانی بارش میں جاؤ گے کیسے۔ گاڑی کا مسئلہ نہیں۔ تم میری لے جاؤ۔ مگر باہر حال تو دیکھو۔"

ایک دو کے علاوہ تقریباً" سارے ہی دوست اس کے گھر میں رک گئے تھے۔ لیکن گھر پہنچنے کے لیے اگر کوئی آتاؤلا ہو رہا تھا تو وہ صرف ثمیر تھا۔

اس نے ایک فکر مند نظر باہر اندھیرے میں ڈوبے لان پر ڈالی۔ کبھی کبھی بجلی کڑکتی تو منظر واضح ہوجاتا۔ ورنہ پورا لان پھر سے اندھیرے میں ڈوب جاتا۔ شاید گھر کے مالک نے آرائشی لائٹس بھی بند کروادی تھیں۔

لمحے بھر کی بجلی کی چمک، برستی بارش میں بڑا خوف ناک سا منظر پیش کرتی اور وہ ہر بار پتا نہیں کیوں بے چین سا ہوجاتا۔

"میری مانو تو آج رات رک ہی جاؤ۔ اس طوفانی بارش میں تو خیر تم جا ہی نہیں سکتے۔ عرصے بعد یار دوستوں سے مل بیٹھے ہو۔ ورنہ تم نے تو دنیا کی ہر تفریح ہی خود پر حرام کرلی ہے۔ آج رک جاؤ۔ لیٹ نائٹ جاگیں گے۔ ہلا گلا موج مستی۔۔۔"

کئی گھنٹے کی موسلا دھار بارش کے بعد جب موسم

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

سدھرنے کے ذرا آثار پیدا ہوئے تو گھر کے لیے نکلنے والا سب سے پہلا فرد وہی تھا۔

اور وہی فرد واحد تھا جو نشے کے بجائے بالکل ہوش و حواس میں تھا۔ کار پورچ میں کھڑی اپنی گاڑی کا ٹائر اس نے گاڑی گھر کے اندر کرتے ہی برستی بارش میں ہی تبدیل کرلیا تھا۔

اس نے کئی بار کشور کو فون کرنے کا بھی سوچا کہ پوچھ لے ڈیڈ گھر آئے یا نہیں۔ مگر پھر کشور اور مناہل کی نیند خراب ہونے کا سوچ کر اپنے ارادے پر عمل نہ کرسکا۔

تیز رفتاری سے گاڑی دوڑاتے' سیاہ پہیوں کے نیچے سے گدلے پانی کے چھپاکے اڑاتے جیسے اس کا گھر نزدیک آتا گیا غیر ارادی طور پر ایکسیلیٹر پر اس کے پاؤں کا دباؤ بھی بڑھتا گیا اور دل کی دھڑکن بھی۔۔۔

☆ ☆ ☆

اس نے بہت دور سے ہی دیکھ لیا تھا۔

گھر کا بیرونی بڑا گیٹ. جو صرف گاڑیوں کی آمدورفت کے لیے کھلتا تھا اس وقت یوں پاٹوں پاٹ کھلا ہوا تھا۔ جیسے ابھی ابھی یا تو کوئی گاڑی اندر گئی ہے یا باہر نکلی ہے۔ مگر اس میں کوئی غیر معمولی پن سا تھا۔ کیا۔۔۔

وہ پٹھان چوکیدار جو گھر کے سب ملازمین کا مشترکہ لالہ تھا۔ کہیں نظر نہیں آرہا تھا۔ ورنہ کوئی گاڑی اندر آتی یا باہر جاتی' وہ بڑی مستعدی سے فوراً" بھاگ کر دروازہ کھولتا اور فوراً" ہی بند کرنے دوڑتا تھا۔

کچھ تو تھا جو معمول سے ہٹ کر تھا۔ کوئی بات تھی جو اس کا دل دھڑکا رہی تھی۔

گیٹ کے سامنے گاڑی روکتے ہی اسے اپنے دل کی بے کلی کا جواب ملا اور وہ جواب اس قدر بھیانک تھا کہ اس کے ڈراؤنے پن نے اس کے لبوں پر زندگی بھر کے لیے تالے ڈال دیے۔

پٹھان لالہ کی لاش' چوپٹ کھلا دروازہ اور چند قدم دور مسلی ہوئی کلی کی طرح اپنے نصیبوں کا بے زبان خاموشی ماتم کرتی نیم مردہ مناہل۔۔۔

اسے آج بھی حیرت تھی کہ اس کا دماغی توازن اسی وقت ہی بگڑ کیوں نہ گیا۔ ہفت آسمان اس کے سر پر ٹوٹے تھے۔ تو پھر آج وہ زندہ کیوں تھا۔ اس لمحے ہی ان آسمانوں کے بوجھ تلے دب کے مر کیوں نہ گیا۔

اس نے کس طرح مناہل کا نیم برہنہ وجود اپنے بازوؤں میں سمیٹا تھا۔ اسے لگا اس کے بازو کسی نے کندھوں سے کاٹ ڈالے۔

اسے آج بھی لگتا تھا اس کی زندگی بے غیرتی کا دوسرا نام ہے اور کچھ نہیں۔

کیوں۔۔۔

کیونکہ وہ اس قبیح جرم کے مرتکب افراد کو کیفر کردار تک پہنچانا تو دور کی بات۔ انہیں تلاش تک نہ کرسکا۔ مناہل کو طبی امداد دینا ضروری تھا۔۔۔ ازحد ضروری۔۔۔ لیکن وہ تو میڈیا والوں کو بھی اس تک پہنچنے سے روک نہیں پایا۔ ایک بہت معمولی ہی سہی۔ لیکن اخبار میں خبر لگ ہی گئی تھی۔ آخر ایک مشہور و معروف کاروباری شخصیت کی اکلوتی بیٹی کے ساتھ "اجتماعی زیادتی" کی گئی تھی۔

"اجتماعی زیادتی۔۔۔ اووف۔۔۔"

اس کے پورے جسم پر اس لمحے بھی چیونٹیاں سی رینگ جاتی تھیں۔ سرخ انگارہ سی چیونٹیاں۔ جو کاٹتی نہیں تھیں۔ آبلے ڈال دیتی تھیں۔ وہ آبلے جو جسم کے بجائے روح میں پڑتے تھے اور ہمیشہ کے لیے سلگتے رہ جاتے تھے۔

☆ ☆ ☆

رات کا سفر دھیرے دھیرے اپنے اختتام کو پہنچا اور یادوں کا بھی۔۔۔ اور یہ ماضی کی یادیں. بہت ہی عجیب شے ہوتی ہیں۔

انسان ان سے پیچھا نہیں چھڑا سکتا۔ اگر یہ یادیں خوش گوار ہوں تو کون چاہتا ہے بھولنا۔ مگر یہ تب بھی آنکھیں نم کرنے کا سبب ہی بنتی ہیں۔ مگر اگر یہ یادیں اس قدر زہریلی ہوں' اتنی تکلیف دہ ہوں۔ تو پھر آنکھوں کے سرخ ڈوروں میں انسان کے پچھتاووں'

دکھ اور افسوس کا لہو جم کر صاف دکھائی دیتا ہے۔

"بھائی جی! آپ کی طبیعت ٹھیک ہے۔"

گھر کے پرانے ملازمین میں سے صرف کشور کا ساتھ باقی بچا تھا۔ وہ بھی اس کے اپنے اصرار پر۔ ورنہ اس دل سوز واقعے کے بعد تقریباً" سارے ہی ملازمین ایک ایک کرکے جاچکے تھے۔

صرف ایک کشور ہی تھی جو بڑی وفاداری بلکہ محبت کہیں تو غلط نہ ہوگا' کے ساتھ اس گھر سے اپنا تعلق نبھارہی تھی اور مناہل کو اپنی بیٹیوں کی طرح چاہتی تھی۔

مون کی وہ جرمن کیئر ٹیکر جو اس کے علاج اور شخصیت کی گرومنگ کے لیے ہر وقت ہمیشہ بڑی مستعد رہتی تھی۔ اسی رات رسی میں جکڑے ہاتھ پاؤں کے ساتھ فقط ایک ہی رات واش روم میں گزار کر صبح کاذب کے آثار نمودار ہوتے ہی نوکری چھوڑ گئی تھی۔

شاید وہ بھی اپنی جگہ ٹھیک تھی۔ نوکری کتنی ہی آسان اور شاہانہ کیوں نہ ہو۔ جان سے بڑھ کر تو نہیں تھی۔ اس کے لیے۔۔۔

"ہوں۔" وہ کشور کی بات پر چونکا اور پھر رات بھر کی مضمحل مسافت کی اوٹ سے ایک خوش خبری نے اپنا سر نکال کر جھانکا۔

"ہاں۔۔ں۔۔ں۔۔۔ ہاں کشور' اب تو طبیعت ٹھیک ہونے کے دن آئے ہیں۔"

اس کی سرخ انگارہ آنکھوں اور نڈھال وجود کے برعکس اس کا لہجہ بشاش ہوگیا۔

کشور کچھ نہ سمجھی اور کچھ نہیں۔ اس نے چپ چاپ ایک کاغذ کا ٹکڑا اس کی طرف بڑھا دیا۔

"اوپر والے کرائے دار' کرائے کا چیک دے کر گئے تھے کل۔"

اس نے مسکراتے ہوئے لے کر جیب میں ڈال لیا اور جلد جلدی ناشتا کرنے لگا۔ اسے جلدی تھی۔۔۔ آفس جانے کی نہیں۔ صندل کے پاس جاکر اس سے یہ خوش خبری شیئر کرنے کی کہ اسے اپنی بہن کے لیے ایک بہت ہی اچھا شخص مل گیا تھا۔ جو نہ صرف خود سے مناہل کا طلب گار تھا بلکہ اس کے ماضی کے ان سیاہ اوراق سے بھی واقف تھا۔ جن پر کوئی دن کی روشنی میں بھی نگاہ ڈالنا پسند نہیں کرتا۔

☆ ☆ ☆

نغمانہ کی طبیعت میں خاطر خواہ بہتری آچکی تھی۔ ڈاکٹرز نے ان کی چھٹی کردی تھی۔ وہ شام میں گھر آنے کا کہہ کر آفس چلا آیا۔ اس کا ارادہ آج شام میں ہی صندل کو مناہل کی بابت بتا کر اسے پرپوز کردینے کا تھا۔

وہ اب اس کام میں مزید تاخیر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

نغمانہ کی بیماری کی شدت نے صندل کو بھی پریشان کردیا تھا۔ وہ یقیناً" اپنے مستقبل کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہوچکی تھی۔

نمیر نے ایک سرخوشی اور عجیب بے نیازی کے سے عالم میں دن بھر کے معمولات نمٹائے اور آفس سے واپسی پر سیدھا صندل کے گھر جاپہنچا۔

آج دل کی امید اور خوشی کا عالم ہی کچھ اور تھا۔ اسے پورا یقین تھا کہ صندل اس کے پرپوزل کو مسترد کر ہی نہیں سکے گی۔

اور وہ۔۔۔ کتنی ہی دیر اس کی بات سن کر اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ پھر نظریں جھکالیں۔

"تم۔۔۔ تم یہ بات سوچ سمجھ کر کہہ رہے ہونا۔"

"بالکل۔"

نمیر کو اس کی بات سے ذرا کی ذرا حوصلہ ہوا۔ اس نے چٹا انکار منہ پر نہیں دے مارا تھا بلکہ اس کی آنکھوں میں سوچ کی گہری پرچھائیاں لہرا رہی تھیں۔

"کیا سوچنے لگیں؟" وہ اس کے چہرے کا ایک ایک تاثر پڑھ رہا تھا۔

"سوچ رہی ہوں۔ تم نے مجھ میں بھلا دیکھا ہی کیا ایسا۔ جو اتنا بڑا فیصلہ کرلیا۔"

"جو میرے مطلب کا تھا' وہ میں نے دیکھ لیا۔ مجھے اور کچھ نہیں دیکھنا۔"

"تم میرے بارے میں کچھ نہیں جانتے نمیر! اور۔۔۔" اس نے گہری سانس لی۔ "اور ہوسکتا ہے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

میرے بارے میں ' میرے ماضی کے بارے میں جاننے کے بعد تمہارے کوئی تحفظات ہوں۔"

"جانتی تو تم بھی نہیں ہو میرے ماضی کے بارے میں ' لیکن جب ایک نئے رشتے کی بنیاد اعتبار اور اعتماد پر رکھی جائے گی تو ظاہر ہے ہم دونوں ایک دوسرے کو سب کچھ بتا ہی دیں گے۔ سب جان جائیں گے اور میرا خیال ہے کہ ہم دونوں کے لیے ہی یہ بات زیادہ اہم ہے۔ ہم فی الوقت کیا ہیں۔" صندل نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ پتا نہیں کس ادھیڑبن میں مبتلا تھی۔

"تمہیں مجھ پر بھروسا نہیں ہے کیا۔" ثمیر نے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "یا تمہیں لگتا ہے۔ میں تمہارے ماضی کے بارے میں جان کر برداشت نہیں کرپاؤں گا۔"

"ہاں مجھے ایسا لگتا ہے۔" کچھ رک کر ' اٹک کر اس نے بول ہی دیا۔

"دیکھو۔ مجھے کوئی جلدی نہیں ہے۔ نہ تمہارے ماضی کے بارے میں جاننے کی بے تابی۔ تم بہت سوچ سمجھ کر اچھی طرح دیکھ بھال کر فیصلہ کرو۔ تمہارا جو بھی فیصلہ ہوگا۔ مجھے دل و جان سے قبول ہوگا میں۔۔۔"

اس نے صندل کی گود میں رکھا اس کا سرد ہاتھ تھپتھپایا۔

"میں اپنی دوستی پر ' تمہارے فیصلے کی ذرا سی بھی آنچ نہیں آنے دوں گا۔ تم چاہو تو مجھے سب بتادو۔ دل پر کوئی بوجھ ہے تو ہلکا کرلو۔ نہیں مناسب سمجھو تو نہ بتاؤ۔ میں نے تم شادی کا فیصلہ کر ہی لیا ہے تو یونہی تو نہیں کیا ہوگا نا اور اب جبکہ میں نے فیصلہ کر ہی لیا ہے تو میں ' اس سے پیچھے ہٹنے والا نہیں ہوں۔" اس کا لہجہ دھیما لیکن مضبوط تھا۔

صندل کی آنکھیں بہہ نکلیں۔۔۔ جانے کیوں۔۔۔

وہ ضبط نہیں کرپائی۔

جانے کون کون سی آہٹیں در دل پر دستک دے رہی تھیں وہ خاموش گم صم سی بیٹھی رہی۔ ثمیر اسے دیکھتا رہا۔

"مجھے تھوڑا وقت دو۔۔۔ میں فیصلہ کرنے میں جلد بازی نہیں کرنا چاہتی۔" اس کا گلا رندھا ہوا اور آواز بھیگی ہوئی تھی۔

"جتنا چاہے وقت لو۔ ہر زاویے سے۔ ہر ہر طرح سے سوچو ' سمجھو ' پرکھو۔ یہ زندگی بھر کا فیصلہ ہے اور میں چاہتا ہوں۔ تمہیں زندگی کے کسی بھی موڑ پر آئندہ کسی بھی لمحے کوئی پچھتاوا نہ گھیرے۔" بات مکمل کرکے اس نے چائے لاتی نغمانہ کو دیکھا۔

"اب کیسی طبیعت ہے آنٹی آپ کی۔"

"اللہ کا شکر ہے بہت بہتر ہے پہلے سے۔"

"میں دراصل آپ لوگوں سے ایک خوش خبری شیئر کرنے آیا تھا۔ میری بہن کی انگیجمنٹ متوقع ہے۔ شاید اگلے پندرہ دنوں میں۔ میں چاہتا ہوں آپ دونوں ضرور آئیں۔" اس نے بہت جلدی اور بے ساختہ خود کو اور ماحول کو سنبھالا دیا تھا۔

"یہ تو بہت خوشی کی بات ہے۔"

صندل کو منائل پر گزرنے والے حادثات کا ایک حد تک پتا تھا۔ جب ہی اس کے لہجے میں محسوس کی جانے والی خوشی کھنکی۔

"ہاں ' بہت خوشی کی بات ہے۔ اللہ نے بہت اچانک میری وہ دعا سن لی جو شاید میں بند ہونٹوں سے بھی ہر وقت مانگا کرتا تھا۔" اس کے لہجے میں بہن پر جان نچھاور کرنے والے بھائی کا مان بول رہا تھا۔

نغمانہ شفقت سے اس کا گندمی دلکش نقوش والا چہرہ دیکھتی مسکرا رہی تھیں اور صندل ' اس شخص کے زندگی میں شامل ہوجانے پر نازاں نہیں تو مطمئن ضرور تھی۔ کیوں کہ اس کا دل اسے ابھی سے ثمیر کی طرف مائل کررہا تھا۔

☆ ☆ ☆

جبران کی والدہ کی کراچی آمد اور منائل کے رشتے کی بات سے لے کر منگنی کے فنکشن تک کے تمام مرحلے بخیر و خوبی نمٹ گئے۔

جس دن فنکشن تھا وہ ' صبح سے ہی نغمانہ سے شرکت کے لیے زور دے رہی تھی ' مگر ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ بڑھتے گھٹتے شوگر لیول اور گڑبڑ کرتے بلڈ پریشر نے انہیں ویسے بھی اپنی عمر سے کہیں آگے پہنچا دیا تھا۔

"میں اکیلی کیسے جاؤں گی مما! بہت آکورڈ لگے گا۔ ثمیر نے آفس اسٹاف میں سے بھی کسی کو نہیں بلایا۔ وہاں صرف اس کی فیملی کے لوگ ہوں گے۔"

وہ صبح سے جانے کیا کیا سوچ کر نروس ہو رہی تھی۔

"کوئی لمبا چوڑا فنکشن نہیں۔ وہ بتا کے تو گیا تھا۔ بس اس کا وہ ہونے والا بہنوئی اپنی والدہ اور گھر والوں کے ساتھ ہوگا اور شاید ثمیر کے ایک دو دوست ہوں۔ اس نے خاندان والوں کو نہیں بلایا۔ وہ منائل کے بارے میں الٹی سیدھی باتیں لگادیں گے اس کے سسرال والوں سے۔"

تھوڑی بے دلی سے ہی سہی۔ وہ جانے کے لیے تیار ہو ہی گئی۔

بلیک اور سلور کامبنیشن کے جارجٹ کے سوٹ میں نغمانہ کے بے حد اصرار پر اس نے عرصہ دراز کے بعد میرون لپ اسٹک کے ساتھ تھوڑا ڈارک آئی میک اپ کیا تھا۔

اس کا روپ ' اس کا چہرہ اور وجود کس قدر بدلا بدلا منفرد اور خوب صورت لگ رہا تھا آئینے نے اس کی گواہی دی تھی اور اس کے لبوں پر ایک مدہم مسکراہٹ سج گئی تھی۔

ثمیر نے مقررہ ٹائم پر نہ صرف گاڑی ڈرائیور سمیت بھیجی بلکہ جب وہ اس کے گھر پہنچی تو وہ گیٹ پر ہی اسے ریسیو کرنے کے لیے موجود تھا۔

"واؤ۔ تم تو آج پہچانی نہیں جا رہیں۔" کھلنڈرے لڑکوں کی طرح تعریفی انداز میں ہونٹ سکیڑنے پر اس نے ثمیر کو گھورا۔

"ارے سچ کہہ رہا ہوں رئیلی۔ اتنے دن کہاں چھپا رکھا تھا اپنا یہ رنگ روپ۔" اس کے اپنے انداز بھی آج بڑے اجنبی سے تھے۔ مسلسل سرگوشیوں نے صندل کو اچھا خاصا نروس کردیا تھا۔ وہ جھجکی جھجکی سی اس کے ساتھ اندر بڑھ رہی تھی۔

"تم نے اگر اپنی بکواس بند نہ کی تو میں یہیں سے پلٹ جاؤں گی اور یاد رکھو ' ابھی میں نے تمہارے پرپوزل کا جواب نہیں دیا ہے۔"

دبی دبی آواز میں شوخی دکھاتے ہوئے وہ اس کے ساتھ ہی لاؤنج میں داخل ہوئی تھی۔

منائل کے سسرال والے تشریف لاچکے تھے اور لاؤنج میں ہی بیٹھے تھے۔ یہ ایک بہت سادہ ' پروقار اور ان فارمل سی گیدرنگ تھی۔

دھیمی باتوں اور ہنسی کی آواز باہر تک آرہی تھی۔

اس کے دہلیز پر قدم رکھتے ہی لاؤنج میں سناٹا چھا گیا۔ وہی سناٹا بل کھاکر دہلیز پر رکے اس کے وجود پر کودا اور اسے پتھر کا بنا گیا۔

سامنے کا منظر ' اطراف کے لوگ ' ثمیر ' منائل اس کی اپنی تیاری سب جیسے سیاہی میں بدل گیا۔ صرف ایک چہرہ روشن تھا۔

صرف ایک وجود باقی تھا۔ اسے صرف ایک شخص اپنے بالکل سامنے منائل کے برابر میں بیٹھا دکھائی دے رہا تھا۔ جو یقیناً "ثمیر کا دوست اور منائل کا منگیتر تھا اور جواب اطمینان سے بیٹھا ہوا نہیں تھا بلکہ خود صندل ہی کی طرح سکتے کی سی کیفیت میں اٹھ کر کھڑا ہوچکا تھا۔

ہاں وہ۔۔۔ وہ تھا۔

وہ ثمیر کا گہرا دوست اور اس کی بہن کا ہونے والا شوہر ' وہ۔۔۔ وہی تھا۔ جو کبھی صندل کے لیے کیا تھا۔ یہ کوئی اس کے دل سے پوچھتا۔

شاید اس کی زندگی ' اس کی پوری ہستی یا اس کی کل کائنات۔۔۔ اس کے دل نے بے اختیار کرلا کر اپنے پر پھڑپھڑائے اور قطرہ قطرہ پگھل کر آنکھوں سے بہہ نکلا۔

تمام حاضرین محفل اور ثمیر حیرت زدہ سوالیہ نظروں سے کبھی اسے اور کبھی جبران کو دیکھ رہے تھے۔ معاً" جبران کے ساکت وجود میں جنبش ہوئی اور اس کے لبوں سے ایک نام نکل کر فضاؤں میں بکھر گیا۔

"صندل۔۔۔ تم۔۔۔؟" وہ ایک قدم آگے بڑھا۔ اور

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

صندل کے وجود کو جیسے کسی نے اپنے طلسم سے آزاد کردیا۔

وہ بے اختیار لبوں پر ہاتھ رکھ کر اپنی آواز دباتی وہیں سے پلٹ گئی۔ تیز قدموں سے روش عبور کرتے اسے اپنے پیچھے دو لوگوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ دونوں آوازیں مانوس تھیں۔ دونوں آوازیں۔۔۔ لیکن اسے ان آوازوں سے کوئی سروکار نہ تھا۔

اسے تو یوں لگ رہا تھا۔ جیسے آس پاس کھڑے دیو قامت بنگلوں کا سارا ملبہ اس کے سر پر آن گرا ہے جس کے بوجھ تلے اس کا وجود دب رہا تھا۔ اس کا دم گھٹ رہا تھا اور سانس رکی جارہی تھی۔

☼ ☼ ☼

سمیع نام کے اس شخص کی اہمیت صندل کی زندگی میں روزنِ زنداں سے کم نہ تھی۔ ڈیڈی کے انتقال اور اس قدر مشکل وقت میں سوتیلے بھائی کی طرف سے دکھائی جانے والی طوطا چشمی بہت دل شکن تھی۔

اس کا نغمانہ کی شکل دیکھنے کو بھی دل نہ چاہتا اور حال یہ تھا کہ چھوٹے سے فلیٹ میں دن رات کا ساتھ تھا۔

جن دنوں اس نے یونیورسٹی اور قندیل نے کالج جوائن کیا۔ وہ دنیا جہان سے بے زار رہتی تھی۔ نہ کوئی دوست تھی۔ نہ کوئی غمگسار۔ سوائے ایک بہن کے۔

وہ اپنا ہر دکھ سکھ اس سے کہہ کر دل کا بوجھ ہلکا کرلیتی۔ مگر ایک حد تک۔ قندیل کے اندر لوگوں کے رویوں کو پرکھنے اور بین السطور چھپی باتوں کے معنی سمجھنے کی صلاحیت نہیں تھی اور اگر تھی بھی تو بہت کم۔

صندل کی مسلسل توجہ اور خیال رکھنے کی عادت نے اسے قدرے لاپروا سا کردیا تھا۔ خود صندل بھی نہیں چاہتی تھی کہ اس کی شخصیت پر بھی حالات کی سنگینی اور سنجیدگی کی چھاپ لگ جائے۔ یونیورسٹی ٹائمنگز کے بعد اس نے صرف اور صرف قندیل کی خواہشات اور معصوم فرمائشوں کو پورا کرنے کی خاطر ٹیوشنز پڑھانی شروع کی تھیں جو کہ بعد میں اس کی بھی ضرورت بنتی چلی گئیں۔

سمیع اس سے دو سال سینئر تھا۔ جس سال اس کا یونیورسٹی میں ایڈمیشن ہوا' وہ ماسٹرز کے پریولیس ایئر میں تھا۔ خوش شکل' خوش اخلاق اور پڑھائی میں نمایاں پوزیشن لینے والے سمیع جبران کو بھلا اس میں ایسی کون سی خوبی نظر آئی کہ وہ نہ صرف اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا بیٹھا بلکہ اسے اس ہاتھ کو تھامنے پر مجبور بھی کردیا۔

یہ اس کی نظروں سے جھلکتی پسندیدگی تھی۔ یا اس کی خود پر دی جانے والی توجہ وہ جو اپنے پورے ڈیپارٹمنٹ میں اپنی محتاط طبیعت کی وجہ سے مشہور تھی۔ سمیع کی دوستی کے سامنے اپنا سب کچھ ہارتی چلی گئی۔

اس نے بھی ہمیشہ ایک سچے' پرخلوص' نیک نیت دوست کی طرح ہر مشکل میں اس کا ساتھ دیا۔ چاہے وہ مشکل مالی ہو یا جذباتی۔ صندل کو ایک سہارے کی ضرورت تھی اور سمیع اس کا سہارا بن گیا۔ پھر ان کی دوستی کب پسندیدگی کی سیڑھیاں چڑھتی' محبت تک جا پہنچی۔ ان دونوں کو شاید خود بھی پتا نہیں چلا۔

ان کے مضامین جدا تھے۔ ڈیپارٹمنٹ الگ۔ مزاج مختلف۔

پھر بھی وہ روز پیدل مارچ کرتا اس سے ملنے اس کی کلاس تک آجاتا اور جس دن نہ آپاتا اس دن فون کرکر کے اس کی جان کھاتا رہتا کہ مجھ سے ملے بغیر گھر نہیں جانا۔

وہ خود کون سا یہ چاہتی تھی کہ وہ یونیورسٹی آئے اور سمیع سے ملے بغیر' اسے دیکھے بغیر ہی چلی جائے۔ دونوں کو ایک دوسرے کا عادی بننے میں زیادہ وقت نہیں لگا۔ صندل کو جہاں اپنی روکھی پھیکی زندگی میں چند ایک رنگ نظر آئے۔ وہیں قندیل کو سنانے کے لیے روز ایک نئی بات' ایک نئی کہانی مل گئی۔

قندیل ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائے اسے سنتی رہتی۔ اور وہ روز رات کو سونے سے پہلے اپنی آنکھوں میں ایک نیا سنہرا خواب سجالیتی۔

یوں لگتا تھا' وہ میلے میں اپنے ماں باپ سے بچھڑی کوئی ننھی بچی تھی۔ جس کو سمیع نے روتا ہوا پاکر محض دل بہلانے کو اپنے کندھوں پر اٹھالیا اور اس کی ساری پریشانی ختم ہوگئی۔ اکیلے پن کا خوف اڑنچھو ہوگیا۔ وہ ہنسنے لگی۔ پھر کھلکھلانے لگی۔۔۔ پھر۔۔۔ قہقہے لگانے لگی۔

نغمانہ کو اس نے خود ہی سمیع سے متعارف کروایا تھا۔ نغمانہ جو شوہر کی جدائی اور بیٹے کی بے وفائی کی چوٹ کھا کر بیٹیوں کی طرف پلٹنے کی تگ و دو میں تھیں۔ سمیع کے بارے میں جان کر خوش ہوگئیں۔

یقیناً" ان کی بیٹی کو (جسے وہ اب اپنی حقیقی بیٹی سے بڑھ کر سمجھنے لگی تھیں) صحیح وقت پر پرخلوص جیون ساتھی ملنے والا تھا۔ جو اس کی زندگی کے سارے دلدر دور کردیتا۔ غم سمیٹ لیتا اور صندل کو بھی یقیناً"۔

☼ ☼ ☼

"اف اللہ! میں نے تو سوچا ہی نہیں تھا کہ ایسا بھی ہوگا۔" آنسو ایک تواتر سے اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے اور سمعی کے ہاتھ میں موجود ٹشو اتنی ہی تیزی سے اپنی تہیں کھولتا جارہا تھا۔

"کچھ تو خیال کرو صنی یار۔ یہ کینٹین ہے۔ یہاں لوگ کھانے پینے آتے ہیں۔ سب کس قدر کوفت سے تمہیں دیکھ رہے ہیں۔"

"تو میں کیا کروں۔" وہ اور بھڑکی۔

"دیکھو صنی۔ مجھے تم سے پہلے یہاں سے پاس آؤٹ کرنا ہی تھا۔ تم اچھی طرح جانتی تھیں۔" صندل نے اپنی سرخ نم اور سوجی ہوئی آنکھیں ترچھی کرکے ایک نظر اسے دیکھا۔

"پھر اب یہ رونا دھونا مچانے کا کیا فائدہ۔" جب سے فائنل سمسٹر کی ڈیٹ آئی تھی۔ وہ صندل کو پچاس بار یہ بات سمجھا چکا تھا' صندل کا اپنا موقف تھا۔

"میرا تو یہاں کوئی دوست ہی نہیں ہے۔ میرا ٹائم کیسے گزرے گا اور سب سے بڑی بات یہ کہ مجھے کوئی پرابلم ہوئی تو' وہ سولو کیسے ہوگی۔"

"اِن ڈیپینڈینٹ ہونا سیکھو۔" کل تک تو اسے وہ یہی سمجھاتا رہا تھا' مگر آج۔۔۔

"صندل! اپنی ہر مشکل اور پریشانی کے حل کے لیے اللہ سے مدد مانگا کرو۔ بندوں سے نہیں۔" آج نہ صرف اس کی آواز' اس کا لہجہ بلکہ اس کے تسلی آمیز انداز تک بدل گئے تھے۔

"اور ہر پل شکر ادا کرتی رہا کرو۔ جس نے تمہیں آج تک اکیلا نہیں چھوڑا وہ 'یقیناً" آگے بھی نہیں چھوڑے گا۔"

اس نے نرمی سے صندل کا نم اور سرد ہاتھ دبایا تھا۔

☼ ☼ ☼

سمیع کو ماسٹرز کرتے ہی ایک اچھے مقامی اخبار میں نوکری مل گئی۔ کچھ دن لگے صندل کو اس کے بغیر یونیورسٹی میں وقت گزارنا بہت مشکل لگتا۔ حالانکہ سمیع ہر ویک اینڈ پر اس سے ملنے اس کے گھر آجاتا تھا۔ نغمانہ سے اس نے خصوصی اجازت لے رکھی تھی۔ انہیں کوئی اعتراض بھی نہ تھا۔ وہ ہفتے کی شام کو آتا گھنٹہ' کبھی دو گھنٹہ دونوں بہنوں کے ساتھ گزار کر صندل سے ہفتے بھر کی تفصیل' پڑھائی کے متعلق اور یونیورسٹی کے متعلق باتیں کرتا۔ اگر صندل کو کوئی ہیلپ چاہیے ہوتی تو اس کی مدد کرتا۔ پڑھائی میں کوئی مسئلہ ہوتا تو اسے سولو کرکے جاتا۔

غرض یہ کہ اگر اس نے خود کو صندل کا دوست کہا تھا تو ہر لحاظ سے ثابت بھی کیا تھا۔

پھر بھی کبھی کبھی وہ صندل سے اپنی اس خواہش کا اظہار کرتا کہ وہ چاہتا ہے کہ صندل کو اگر کوئی مسئلہ ہوتا ہے۔ خاص طور پر پڑھائی میں تو وہ دوسرے کلاس فیلوز اور پروفیسرز سے مل کر اس کو اپنے طور پر حل کرنے کی کوشش بھی کیا کرے۔ تاکہ مکمل طور پر سمیع پر انحصار کرنے کا عمل رک جائے۔ لیکن صندل۔

وہ ذرا ذرا سے مسئلے کے لیے ویک اینڈ کا انتظار کرتی

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

اور سمیع بھی بنا ماتھے پر ایک بھی شکن لائے حاضر خدمت رہتا۔

یہی وہ دن تھے۔ جب اس کی شخصیت کو دیکھتے ہوئے قندیل اس کے بارے میں مختلف انداز میں سوچنے لگی۔

کچھ سمیع کی شخصیت جاذب نظر تھی اور کچھ وہ خود کو ایجوکیشن میں پڑھنے کی وجہ سے ذرا بے باک سی ہوگئی تھی۔

سمیع صندل کا دوست تھا اور شاید اس کی پہلی محبت بھی۔ اور۔۔۔

قندیل اگر اس بات سے واقف بھی تھی تو رفتہ رفتہ سمیع کی شخصیت سے اتنی متاثر ہوگئی کہ اس بات کو یکسر بھلا بیٹھی کہ اس کی اپنی سگی بہن کے بھی سمیع کے حوالے سے کچھ خواب اور خواہشیں ہیں۔ اس نے از خود فرض کرلیا کہ۔۔۔

"اگر میں نے صنی آپی کے سامنے اپنے دل کی خواہش رکھی تو وہ میرے حق میں یقیناً" دست بردار ہوجائیں گی۔ وہ مجھ سے اتنا پیار کرتی ہیں کہ میری کوئی بات رد کر ہی نہیں سکتیں۔ یہ تو پھر میرے دل کی خواہش کا سوال ہے۔ اور ہے بھی پوری زندگی پر محیط۔"

قندیل کو اتنا چاہنے۔ اتنا خیال رکھنے۔ اتنی محبت دینے اور پورے ارتکاز کے ساتھ اس کی تربیت پر اتنی توجہ دینے کے باوجود اس کی سوچ میں یہ کیسی کجی باقی رہ گئی۔۔۔

کب۔۔۔ کیوں۔۔۔ اور کیسے۔۔۔ صندل کو کبھی خبر ہو ہی نہ سکی۔

سمیع تو بلاشبہ اسے صندل کے حوالے سے اپنی چھوٹی بہن ہی سمجھتا تھا، مگر اس نے کب سمیع کو اپنا بھائی سمجھنا چھوڑ کر اسے اور ہی زاویے سے دیکھنا شروع کردیا۔ سمیع کو تو کیا، خود صندل کو بھی کبھی پتا نہیں چلا اور قندیل اسے چپکے چپکے دل میں بسائے اس کے حوالے سے بالکل اسی طرح سوچنے لگی، جیسے صندل سوچتی تھی۔

"اتنا لونگ۔۔۔ اتنا کیئرنگ۔"

وہ تصور کی آنکھ سے، خود کو اس کے سنگ ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر دور تک چلتا ہوا دیکھتی۔ اور اپنے خیالوں سے خود ہی چونک چونک جاتی۔

اس نے اپنی مرضی اور پسند کے راستے پر قدم رکھ دیے تھے۔ اور چلنا شروع کردیا تھا۔ یہ سوچے سمجھے اور جانے بغیر کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔

کسی دوسرے کی منزل کو اپنا بنانے اور کسی اور کے خوابوں کو نوچ کر اپنی آنکھوں میں سجا لینے سے ہمیشہ تعبیر مل نہیں جاتی۔ کبھی کبھی انسان اپنے بہت قریبی عزیز، کسی بہت پیارے کی نظروں میں گر بھی جاتا ہے۔

لیکن وہ کسی اور کا سوچتی تب نا۔ اس نے سمیع کو اپنے حوالے سے سوچا اور دیکھا اور صندل کو بھی۔ اور پھر مطمئن ہوگئی کہ "صنی آپی مجھے انکار نہیں کرسکتیں۔"

اس نے ان دونوں کو ایک دوسرے کے حوالے سے دیکھنے، سوچنے سمجھنے کی نہ ضرورت محسوس کی۔ نہ سوچا۔ اور شاید یہی اس کی زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھی۔

☆ ☆ ☆

"میں ماسٹرز نہیں کررہی ہوں۔ آنرز ہوجائے تو بس۔۔۔ کافی ہے۔"

"کیوں۔۔۔ کیا مطلب ہے؟"

اسے معلوم تھا۔ سمیع اس کی بات سن کر اچھل ہی پڑے گا۔ اور وہ اچھل پڑا تھا۔

"بس ناں۔ تم نے بتایا تھا ناں کہ تمہارے آفس میں کوئی ویکنسی ہے۔"

"تو۔" سمیع نے ناسمجھی سے اس کی طرف دیکھا۔

"صندل مجھے دیکھو، جسٹ شٹ اپ۔ اوکے۔"

"سمیع پلیز، تمہیں نہیں پتا میں۔ میں بہت پریشان ہوں آج کل۔"

"کیوں پریشان ہو۔ اور اگر ہو بھی، تو شیئر کرو۔ سولو کرو، حل نکالو۔ یا بس ہر مشکل کا حل ریت میں سر

چھپالینا ہے۔"

"میں کون سا بھاگ رہی ہوں۔ اور اگر بھاگ بھی رہی ہوں تو شاید تمہاری طرف۔ تم سے قریب ہونے کے لیے۔" اس نے ایک تھکی تھکی گہری سانس بھری۔

"مجھے بتاؤ تو سہی۔ پرابلم کیا ہے آخر۔ اور یہ تمہیں مجھ سے دوری کا خیال کیوں ستانے لگا۔"

"قندیل بہت بدتمیز ہوتی جارہی ہے۔ میں اسے کانفیڈینٹ کرنا چاہتی تھی اور وہ بہت بولڈ ہوگئی ہے۔" اس نے سمیع کو وہ بات بتادی۔ جس نے اسے کئی دن سے پریشان کررکھا تھا۔

"میں نے تم سے کہا تھا۔ کو ایجوکیشن میں پڑھنے کی ابھی اس کی ایج نہیں۔ اس ایج میں زیادہ تر لڑکے لڑکیاں پڑھائی کے بجائے دوسرے فضول چکروں میں پڑجاتے ہیں۔"

"مگر میں اس کی اسٹڈیز کی وجہ سے نہیں۔ اس کے فرینڈز سرکل کے بارے میں ٹینس ہوں۔ اس کے فرینڈز میں تیزی سے لڑکوں کی تعداد میں اضافہ ہورہا ہے۔ اور مجھے یہ بات پسند نہیں۔"

"تمہیں پسند نہیں تو قندیل سے کہو ناں۔ تم اس کا اتنا خیال کرتی ہو۔ اسے بھی تمہاری بات کی پروا ہونی چاہیے۔"

"یہی تو پرابلم ہے۔ وہ کہتی ہے۔ وہ اس کے فرینڈز نہیں۔ جسٹ کلاس فیلوز ہیں۔ اور اسٹڈیز کے لیے سب سے ہیلو ہائے رکھنی پڑتی ہے۔"

"چلو تم سے زیادہ عقل مند تو تمہاری بہن نکلی۔ کم از کم تمہاری طرح کسی ایک بندے کی دم پکڑ کر تو نہیں بیٹھی۔"

"مجھے پتا تھا تم یہی کہو گے۔ سمیع! وہ چھوٹی ہے۔ اسے اتنی سمجھ نہیں کہ کون صحیح ہے اور کون غلط۔" وہ جھنجھلا سی گئی۔

"میں بات کروں اس سے؟ سمجھاؤں اسے۔ تم یہ چاہتی ہو۔"

"ہاں۔"

"اوکے میں آؤں گا۔ پھر بات کریں گے اس سے۔ مل کر سامنے بیٹھ کر اوکے۔"

"اوکے؟" اس نے ایک اطمینان بھری سانس خارج کی۔

"ویسے مجھے معلوم نہیں تھا کہ موصوف کی دم بھی ہے۔" ہمیشہ کی طرح اپنی ٹینشن سمیع کے حوالے کرکے وہ ہلکی ہوگئی تھی۔

"ویری فنی!" وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

☆ ☆ ☆

اگلے روز وہ حسب وعدہ قندیل سے بات کرنے کے لیے موجود تھا۔

صندل اس کے لیے ٹھیک ہی پریشان تھی۔ وہ نہ صرف بدتمیزی کی حد تک منہ پھٹ ہوچکی تھی بلکہ بد لحاظی میں بھی ہر توقع سے ایک قدم آگے ہی تھی۔

پہلے تو کچھ دیر وہ پیشانی پر بل ڈالے بمشکل نگاہیں جھکائے سمیع کی بات سنتی رہی۔ پھر درمیان میں ہی تنک کر بول اٹھی۔

"آپ کہنا کیا چاہ رہے ہیں۔ کیا آپ مجھے کوئی لوز کریکٹر لڑکی سمجھتے ہیں۔ جو لڑکوں سے ٹائم پاس کرنے کے لیے دوستیاں کرتی پھرتی ہے۔" اس کا مخاطب براہ راست سمیع تھا۔

نعمانہ، صندل اور وہ خود۔ کمرے میں موجود تینوں ہی نفوس اس طرز تخاطب پر بھونچکا رہ گئے۔ سمیع ایک دم خاموش سا ہوگیا۔

"کینڈی۔ کیسے بات کررہی ہو تم۔"

"جیسے کرنی چاہیے اور کیسے۔ اور آخر مجھے کوئی وضاحت دے گا کہ یہ بات میرے ساتھ کیا سوچ کر کی گئی ہے۔"

"میرا مقصد تمہارا دل دکھانا یا تمہیں نیچا دکھانا نہیں۔ مگر ابھی تم بہت چھوٹی اور ناسمجھ ہو قندیل! آج کل ماحول بہت خراب ہے۔ میں صرف یہ کہہ رہا تھا کہ تمہاری آپی کو تمہارا حد سے زیادہ بڑھا ہوا فرینڈز سرکل ٹھیک نہیں لگتا۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

سمیع نے بہت ٹھنڈے لہجے میں معاملہ سنبھالنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن قندیل نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹ دی اور اس کا لہجہ سمیع سے زیادہ سرد تھا۔

"آپ مجھ سے یہ بات کرنے والے ہوتے کون ہیں۔"

"قندیل!" اب کی بار نغمانہ تنبیہاً بول پڑیں۔ ورنہ صندل نے انہیں کبھی اتنی اہمیت نہیں دی تھی۔ کہ وہ دونوں بہنوں کے کسی بھی ذاتی معاملے میں بولیں تاوقتیکہ کہ صندل خود ہی انہیں کسی بات میں شامل نہ کرے۔

"چھوٹے بڑے سے بات کرنے کی تمیز بھول گئی ہو کیا۔"

"اسے میں نے کہا ہے تم سے بات کرنے کے لیے۔" صندل بھی تیزی سے بولی۔

"اور اگر سمجھو تو جیسے صندل کی تم چھوٹی بہن ہو۔ ویسے ہی میری بھی۔"

"جی نہیں۔" اس نے پوری بات سننے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی۔ "میں صنی آپی کی بہن ضرور ہوں۔ لیکن مزید کسی کی نہیں۔ مجھے منہ بولے بہن بھائیوں کے ڈھیر لگانے کا کوئی شوق نہیں۔"

"شٹ اپ قندیل۔"

"ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہوں میں آپی!" وہ ایک دم ہی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"اور تم خود کو دیکھو آپی! تم کو بھی شرم نہیں آئی۔ مجھ سے یہ بات کرتے ہوئے۔ خود تو تم ہر ہفتے ان کو اس قدر پابندی سے یہاں بلاتی ہو۔ باتیں کرتی ہو اور کیا پتا باہر بھی ملتی ہو۔ مجھ پر پھر یہ پابندیاں کیوں۔ میں کون سا کسی سے ملتی ہوں یا گھر بلاتی ہوں۔ اور یہ لگتے کیا ہیں میرے یا تمہارے جو اتنے خلوص سے مجھے زمانے کی اونچ نیچ سمجھانے میرے گھر چلے آئے۔ ہیں کون یہ صاحب۔ تمہارے بوائے فرینڈ۔"

اس نے بدتمیزی اور بے ہودگی کی حد کر دی۔

"قندیل۔" نغمانہ کی آواز کسی چیخ سے مشابہ تھی۔ اگلے ہی لمحے وہ آگے بڑھیں اور دائیں ہاتھ سے اس کے منہ پر تھپڑ دے مارا۔

"آپ۔ آپ نے مجھے مارا۔ ان کے لیے۔"

چند لمحوں کے لیے کمرے میں سکوت چھایا۔ پھر قندیل جیسے بپھر سی گئی۔

"آپ کون ہوتی ہیں، مجھ پر ہاتھ اٹھانے والی۔"

اس کی آواز اس قدر بلند تھی کہ پھٹ سی گئی تھی۔

"کوئی رشتہ نہیں میرا نہ آپ سے نہ ان سے۔" اس نے سمیع کی طرف اشارہ کیا۔

"اور رہی بھائی سمجھنے کی بات۔ تو جسے اپنا بھائی سمجھا اور کہا تھا میں نے، اس کی اصلیت دیکھ لی ہے میں نے اچھی طرح۔ اب مجھے کسی کو بھائی بنانے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ کوئی بھائی وائی نہیں ہے میرا۔ کان کھول کر سن لیں آپ اچھی طرح۔ اور آپ بھی۔"

دھونکنی کی طرح چلتی سانس کے ساتھ، اس کے آنسو ابل رہے تھے۔ مگر آواز کی سختی اور بلندی اپنی جگہ تھی۔

سمیع کی نگاہیں جھک چکی تھیں۔ نغمانہ غصے سے بھری ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ اور صندل۔ اس کی حالت کاٹو تو بدن میں لہو نہ ہو۔ جیسی تھی۔

چند لمحے وہ قہر برساتی نگاہوں سے تینوں کو گھورتی رہی۔ پھر کمرے میں جا کر زوردار آواز سے دروازہ دے مارا۔

صندل اور نغمانہ اپنی جگہ سے حرکت نہ کر سکیں۔ سمیع خاموشی سے بنا کچھ کہے باہر نکل گیا۔ کہنے کے لیے مزید الفاظ باقی بچے تھے۔ نہ تینوں میں سے کسی ایک میں بھی ہمت۔

☼ ☼ ☼

پورا ہفتہ گزرا، ویک اینڈ آیا اور نہایت دبے پاؤں اداسی کی چادر میں لپٹا ہوا سر جھکائے گزر گیا۔ صندل اس ہفتے میں صرف دو دن ضروری کام کے لیے یونیورسٹی گئی۔ قندیل البتہ پابندی سے کالج جاتی رہی۔ صندل کو امید تھی کہ شاید ایک دو دن گزریں تو وہ اپنے رویے کی معافی مانگے مگر ایسا کچھ نہ ہوا۔ اس بات سے اس کے دل کو اور بھی ٹھیس پہنچی۔ سمیع کا بھی اس دن کے بعد نہ کوئی فون آیا نہ میسج۔ اور صندل خود میں اتنی ہمت نہیں پاتی تھی کہ خود سے اس سے بات کرتی۔ ہفتے بھر سے رابطہ منقطع تھا۔ اور ایسا پہلی بار ہی ہوا تھا۔ وہ اس کا سراسر قصوروار قندیل کو ٹھہراتی تھی۔ مگر قندیل کو تو کسی کی پروا ہی نہ تھی۔

دوسری طرف قندیل تھی۔ جو اپنے تئیں یہ سوچ کر مطمئن تھی کہ اچھا ہوا اس نے جلد، خود ہی یہ بات واضح کر دی کہ اگر کوئی اسے اور سمیع کو بہن بھائی کے حوالے سے دیکھتا بھی ہے۔ تو اپنی غلط فہمی دور کر لے۔ وہ جان بوجھ کر یہ حکمت عملی اختیار کر کے بیٹھی تھی۔ جو مستقبل میں سمیع کے حوالے سے اس کے لیے آسانی پیدا کرے۔

گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ سمیع کو سوچتے ہوئے اس کے خیالات میں پختگی آتی جا رہی تھی۔ اسے یہ اطمینان بھی تھا کہ صندل کو وہ جب چاہے گی سوری کر کے فوراً "منا لے گی۔ مگر اس نے سوچ رکھا تھا کہ ساتھ ہی ساتھ سمیع کے حوالے سے اپنے خیالات اور پسندیدگی بھی اپنی بہن پر پوری طرح واضح کر دے گی۔

چونکہ صندل خود بھی سمیع میں انٹرسٹڈ تھی۔ لہٰذا اس تک کس طرح، اور کس الفاظ میں اپنی پسندیدگی پہنچائے کہ صندل کا دل بھلے ہی ٹوٹے مگر وہ اس کے حق میں اپنی پسند سے دستبردار ہو جائے۔ اور ایک بار اگر صندل راضی ہو جاتی تو قندیل کے لیے سمیع کو ہموار کرنے کی ذمہ داری وہ ازخود اپنے سر لے لیتی۔ اس بات کا بھی قندیل کو بدرجہ اتم یقین تھا۔

اس کو صندل سے بات کرنے میں اور اس سے اپنے گزشتہ رویے کی معافی مانگنے میں اسی لیے دیر لگ رہی تھی۔ اس نے ایک بار بھی اپنی خود غرضی کے بارے میں غیر جانب دار ہو کر نہیں سوچا تھا۔ نہ اسے اپنی سوچ پر شرمندگی تھی۔ نہ بڑی بہن سے اس طرح کی بات کرنے میں کوئی جھجک۔

"بھئی وہ ہے ہی اتنا ڈیشنگ کہ کسی بھی لڑکی کو کبھی بھی پسند آسکتا ہے۔ اب اگر اس پر میرا دل آگیا تو اس میں میرا کیا قصور۔"

اس نے دو تین بار اکیلے میں اور اپنے دوستوں کے درمیان بیٹھ کر برملا اپنی پسند اور خیالات کا اظہار کیا۔

"اپنے سرکل میں کسی ایک کی بھی پرسنالٹی اتنی گریس فل اور ڈیسنٹ نہیں یار، یہاں تو سب ہی الٹے سیدھے فیشن کر کے اپنے آپ کو ہیرو بنانے کی کوشش میں اور کارٹون ہی لگ رہے ہوتے ہیں۔"

وہ بلا جھجک اپنے خیالات کا اظہار کرتی۔ اس کی شخصیت کی اس بولڈنیس کو بڑھانے میں اس کے ساتھ پڑھنے والی ان لڑکیوں کا بہت ہاتھ تھا جو پیسے والی فیملیز سے تعلق رکھتی تھیں۔ اپر مڈل کلاس کی وہ فطری خود اعتمادی جو ان لڑکے لڑکیوں میں جھلکتی تھی۔ اب قندیل کے مزاج اور شخصیت کا حصہ بنتی جا رہی تھی۔

کچھ قدرت نے اسے نوازا بھی ذرا کھلا تھا۔ وہ صندل کے مقابلے میں زیادہ خوبصورت دکھتی تھی۔ اور پھر اوپر سے اس کے حسن کے قصیدے پڑھنے والے اس کے کلاس فیلوز۔ اس کے دل و ذہن میں یقین جڑ پکڑنے لگا کہ وہ مسترد ہونے کے لیے پیدا ہی نہیں ہوئی۔ اور کچھ ہی عرصے میں ذرا سی محنت کے بعد وہ یقیناً" سمیع کو بھی اپنی جانب راغب کر ہی لے گی۔ گو کہ ابھی ذرا مشکل لگتا تھا۔ مگر، ناممکن تو نہیں تھا ناں۔

ویک اینڈ کے بعد سمیع کی سالگرہ تھی۔ جس کا علم صرف صندل کو ہی تھا۔ قندیل کی بے حسی سے ہار مان کر اس نے خود ہی سمیع کی ناراضی دور کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اور اس کی سالگرہ والے دن، بہت سوچ سمجھ کر اس کے آفس فون کیا۔ اس کے پرسنل نمبر پر فون کرنے کی یوں ہمت نہ ہوئی کہ اس کا ڈر تھا۔ ہو سکتا ہے سمیع اپنی ناراضی کے باعث فون اٹینڈ ہی نہ کرے۔

"وہ دو دن سے آفس نہیں آئے۔ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" آفس سے موصول ہونے والی

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

اطلاع نے اسے پریشان کردیا۔

"پتہ نہیں کتنی طبیعت خراب ہے۔ میں نے پہلے رابطہ کیوں نہیں کیا۔ اف!۔" اسے شرمندگی کے احساس نے نئے سرے سے گھیرلیا۔ اور شام سے ذرا پہلے وہ حسب معمول نعمانہ کو محض اطلاع دے کر اس کے گھر جانے کے ارادے سے نکلی۔

یہ پہلی بار تھا کہ وہ اس کے گھر جارہی تھی۔ اس سے پہلے ہمیشہ سمیع ہی ان کے گھر آتا تھا۔ اول تو وہ اسے بلاتا ہی نہ تھا۔ اور کبھی اپنی خواہش کا اظہار کیا بھی تو' ساتھ ہی منع بھی کردیا۔ کیونکہ اس کی والدہ اور بہن' اس کے ماموں کے پاس اسلام آباد میں ہوتی تھیں۔ وہ پہلے تعلیم اور بعد میں بہ سلسلۂ روزگار اکیلا ہی کراچی میں رہتا تھا۔

اس کا فلیٹ گھر سے زیادہ دور نہیں تھا۔ صندل کو ڈھونڈنے میں مشکل نہیں ہوئی۔

بے تحاشا دھڑکتے دل کے ساتھ اس نے کال بیل پر انگلی رکھی۔ ذرا دیر کے انتظار کے بعد ہی دروازہ کھل گیا۔ وہ سامنے ہی کھڑا تھا۔ حیران پریشان سا۔

"صندل! تم یہاں۔" پھر یہ حیرانی' خوشی میں بدل گئی۔ وہ ایک دم ہی ایک طرف ہٹ گیا۔

"آؤ آؤ۔ اندر آؤ ناں۔"

صندل خوامخواہ ہی ڈر رہی تھی سمیع کا انداز اتنا پرجوش اور والہانہ تھا کہ وہ جھینپ سی گئی۔ اور جب اس نے ہاتھ میں پکڑا کیک اور پھول اس کی طرف بڑھائے تو وہ ایک دم سے ہنس پڑا۔

"واٹ اے پلیزنٹ سرپرائز یار۔ تم نے مجھے خوش کم اور حیران زیادہ کیا ہے آج۔"

"کیوں۔"

"کیونکہ میں سمجھتا تھا تم اکیلی یونی کے علاوہ کہیں نہیں جاسکتیں۔" اس نے سامنے دکھائی دیتے دو میں سے ایک کمرے میں داخل ہو کر لائٹس آن کیں اور سامنے والی کھڑکی کے پردے سمیٹے۔ کمرہ روشنی سے بھر گیا۔ وہ ڈرائنگ روم تھا۔ صندل دائیں بائیں ستائشی نظروں سے دیکھتی ہوئی بیٹھ گئی۔

"کیا کھاؤ گی۔ کیا پیو گی۔ جلدی سے بتاؤ۔"

"کچھ نہیں میں بس۔" اس سے بات بتائی نہیں گئی۔

"تم سوچ نہیں سکتیں' میں کتنا خوش ہوں آج یہاں تمہیں دیکھ کر۔"

چائے کے ساتھ دوسرے لوازمات منٹوں میں اس نے صندل کے منع کرنے کے باوجود ٹیبل پر ڈھیر کردیے۔ اور خود صوفے پر اس سے ذرا فاصلہ رکھ کر بیٹھے۔ پرشوق نگاہوں سے اسے دیکھتا ہوا بولا۔ صندل ایک بار پھر جھینپ گئی۔

اس کے انداز پکار پکار کر کہہ رہے تھے کہ وہ اس کے آنے سے کس قدر خوش ہوا ہے۔

"سمیع!" اس نے چائے کا کپ اپنی طرف بڑھاتا اس کا ہاتھ روک لیا۔

"تم۔" اس کی نظریں جھک گئیں۔ بات مکمل نہیں کی گئی۔

"میں ناراض نہیں ہوں صنی۔ بالکل بھی نہیں۔" اس کا لہجہ کتنا نرم اور انداز کتنا مہربان تھا۔ اس کی شفاف آنکھیں صندل کے چہرے کو کتنی مٹھاس سے دیکھ رہی تھیں۔ صندل نے ایک ذرا نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا اور۔ اور پھر جانے کیا ہوا۔ اس کی اپنی آنکھیں بھر آئیں۔

"میں بہت شرمندہ ہوں سمیع اور میں تم سے کینڈی کی طرف سے معافی مانگتی ہوں' پلیز تم۔"

اس کے حلق میں آنسو پھنس گئے۔ آواز کا راستہ بند ہوگیا۔

خود سمیع بھی چند لمحوں کے لیے چپ سا رہ گیا۔ بات یقیناً" اتنی معمولی نہ تھی۔ کہ بغیر ڈسکشن کے دب جاتی۔ مگر' صندل اس طرح اس کے سامنے روئے اور اس بات کی معافی مانگے جو اس نے کی ہی نہیں۔ یہ اسے کسی صورت گوارا نہیں تھا۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ قندیل کبھی اس طرح اپنی لمٹس کراس کرے گی۔ اگر مجھے ذرا بھی اندازہ ہوتا تو۔ تو میں کبھی تمہیں اس سے بات کرنے

کے لیے نہ کہتی۔" اس کا گلا رندھ گیا۔ "اوپر سے وہ اپنی حرکت پر شرمندہ بھی نہیں۔"

"جو ہو گیا اسے بھول جاؤ۔ وہ ابھی بچی ہے نادان ہے' سمجھ جائے گی۔ تم کیوں رو رہی ہو۔ تمہاری کوئی غلطی نہیں۔ اور اگر ہوتی بھی تب بھی میں تم سے ناراض ہونے کے بجائے اسی وقت بول کر بات کلیئر کرلیتا۔ تم جانتی تو ہو میں۔ پلیز صنی یار۔ بند کردو رونا۔"

اس نے دونوں ہاتھوں سے صندل کا رویا رویا چہرہ اوپر کیا۔ اور دل اور ایمان ایک لمحے کے لیے ڈول ڈول گیا۔

صندل اس لمحے کتنی پرکشش لگ رہی تھی۔ کتنی معصوم اور کتنی اپنی اپنی۔ اس نے خود پر سے اختیار کھوتے ہوئے ہاتھوں کے پیالے میں اس کا چہرہ بھر لیا۔ نم چہرہ۔ کپکپاتے لب اور جڑی جڑی پلکیں۔ لرزتی کانپتی۔

"صندل۔۔! صندل!۔ مت روؤ میری جان۔"

احساس کی بے اختیاری لفظوں اور لہجے میں سمٹی تو وہ روتے سے یکدم چونک اٹھی۔ اس نے ذرا کی ذرا نگاہ اٹھا کے اپنے بالکل قریب سمیع کو دیکھا۔ ایک لمحے کی بات تھی۔ مگر وہ لمحہ اس کے ہاتھ سے پھسل گیا۔ اور جب تک وہ چھٹی حس کی خبرداری میں آتی۔ سمیع سے ایک بہت انجان غلطی ہوگئی۔

"آئی لو یو صندل۔ آئی لو یو سو مچ۔" دھیمے گمبھیر لہجے میں بولتا وہ اتنے ہی دھیمے انداز میں جسارت کر گیا۔

"سم۔ سمیع۔" وہ بجلی کی سی تیزی سے تڑپ کر اس سے دور جا کھڑی ہوئی۔ وہ بھی بنا کچھ کہے اٹھ کر کھڑا ہوا اور ایک قدم اس کی طرف بڑھا۔ صندل کا سانس چڑھ گیا۔ آنکھیں باہر ابل آئیں۔

"آئی ایم سوری۔ آئی ایم سوری۔ میرا کوئی غلط ارادہ نہیں تھا بس پتہ نہیں کیسے۔"

صورت حال کی نزاکت نے فوراً" ہی اسے اپنی غلطی کا احساس بھی دلا دیا۔ اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر جیسے صندل کو فوری طور پر خوف کے اس احساس سے نکالنا چاہا۔ جو عدم تحفظ کی تصویر بن کر اس کے وجود پر چھا رہا تھا۔

صندل نے بے یقینی سے اسے دیکھا اور کپکپاتے ہاتھوں سے اپنے چہرے پر پھوٹ نکلنے والا پسینہ صاف کیا۔ پھر اس کے بے حد نزدیک صوفے پر رکھے اپنے ہینڈ بیگ کو۔

"صندل پلیز۔ مجھے غلط مت سمجھنا۔ میرا کوئی برا ارادہ نہیں۔ یہ بس پتا نہیں کیسے۔" اس نے بات ادھوری چھوڑ کر اس کی نظروں کا تعاقب کیا۔ پھر اس کا ہینڈ بیگ اٹھا کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

اس کی آدھی ادھوری بے ربط بات سنے بغیر اپنا بیگ جھپٹ کر وہ جیسے اڑتی ہوئی بیرونی دروازے سے باہر نکل گئی۔

آدھی ادھوری صفائی' سمیع کے لبوں تلے دبی رہ گئی۔

اس نے سخت بے بسی کے عالم میں صندل کو اپنے فلیٹ سے نکلتے دیکھا۔ اور دونوں ہاتھوں میں سر تھام کر صوفے پر گر گیا۔

☼ ☼ ☼

رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی۔ مگر اس کی آنکھوں میں دور دور تک نیند کا شائبہ نہیں تھا۔

آج کتنے دن کے بعد قندیل نے اس کی بکھری بکھری حالت کو بطور خاص نوٹ کرکے اس سے معافی مانگی تھی۔ مگر وہ۔

جو پچھلے کئی دن سے اس سے اس اقدام کی توقع کررہی تھی۔ اس وقت یوں تھی جیسے اسے نہ کچھ سنائی دے رہا ہو نہ دکھائی دے رہا ہو۔ بس خالی خالی نظریں اور خاموش سے لب۔

اس وقت بھی قندیل نے نیند میں سے اٹھ کر اس کی بے چینی دیکھی تو رہ نہیں سکی۔ وہ گم صم سی اپنے بستر پر پالتی مارے بیٹھی تھی۔ اور گھڑی رات کے تین بجا رہی تھی۔

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"کیا بات ہے آپی! کیا ہوا ہے۔ جب سے سمیع کے پاس سے آئی ہو۔ اتنی ہی گم صم اور خاموش ہو۔ کیا بہت ناراض ہیں وہ۔"

وہ چاہتے ہوئے بھی بہن کی حالت کو نظرانداز نہیں کر سکی۔

"آپی!۔" جواب نہ ملنے پر اس نے صندل کا کندھا ہلایا۔ وہ چونک کر وڑ سی گئی۔

"کیا ہوا آپی۔ یہ میں ہوں کینڈی۔ کیا بات ہے۔ سمیع نے کچھ غلط کہہ دیا کیا۔"

وہ فکر اور ٹٹولتی نظروں سے صندل کو کھوجنے کی کوشش میں لگی تھی۔ اور صندل کو بھی جیسے ایک کندھا درکار تھا۔

وہ بالکل اچانک ہی اس کے کندھے پر سر رکھ کر سسک پڑی۔ قندیل بری طرح گھبرا گئی۔ اور اسے جھنجوڑ کر رکھ دیا۔

"پلیز بتادو آپی۔ ورنہ میں ماما کو بلالوں گی۔ کیا ہوا ہے۔ کیا کیا ہے اس نے تمہارے ساتھ۔ کوئی غلط حرکت تو نہیں کی۔"

اندیشے اور وسوسے' بدگمانی کی بدترین حد کو چھو رہے تھے۔ جب صندل نے دھیرے سے نفی میں سرہلایا تو اس کی جان میں جان آئی۔

"پھر۔ پھر کیا ہوا ہے۔ بتاؤ ناں آخر کیا ہوا ہے۔"

اس نے بمشکل اپنی آواز کو سرگوشی کی صورت ڈھالا تھا۔

"سمیع نے میرا اعتبار توڑ دیا قندیل۔ اس نے خود کو میری نظروں سے خود ہی گرا ڈالا۔"

بہت مشکل سے سسکتے ہوئے اس کے لبوں سے نکلا۔ اور پھر دھیرے دھیرے وہ اسے آج شام کی تفصیلات بتاتی چلی گئی۔

اسے اپنے فلیٹ پر دیکھ کر سمیع کی بے اختیار خوشی' حیرت۔ اس کی خاطرمدارت' صندل کی معافی' سمیع کی اعلا ظرفی۔ اور پھر۔ پھر۔

اس کی وہ حرکت۔ جس نے صندل سمیت قندیل کو بھی حیرت و بے یقینی کی پاتال میں دھکیل دیا۔

وہ صندل کا سر اپنی گود میں رکھ کر دھیرے دھیرے تھپکنے لگی۔ بنا کچھ کہے۔ کیونکہ جانتی تھی۔ اس وقت کسی بھی قسم کی بات اس کی تکلیف کا ازالہ کرنے کے بجائے اس میں اضافہ ہی کرے گی۔

"صبح بات کریں گے۔ ابھی سو جاؤ۔ شاباش۔" اس نے بالکل اسی طرح صندل کو پیار سے پچکارا جیسے صندل اسے پچکارتی تھی۔ ذرا دیر بعد صندل پُرسکون ہو چکی تھی۔

اس نے صندل کا سر تکیے پر رکھا۔ پھر متلاشی نظروں سے اردگرد دیکھا۔ اور اپنی مطلوبہ چیز اٹھائی۔

یہ صندل کا ہینڈ بیگ تھا۔ جو اس کی واپسی کے بعد سے شاید ابھی تک کھولا بھی نہیں گیا تھا۔ اس نے بہت احتیاط اور دھیرے سے صندل کا سیل فون نکالا۔

حسب توقع اس میں سمیع کی طرف سے بھیجے گئے پیغامات کا ڈھیر تھا۔ جس میں پے در پے معافی کی درخواستیں تھیں۔ اپنی بے اختیاری کی وضاحتیں' صفائیاں' صندل نے ان میسجز کو ابھی تک کھولا نہیں تھا تو پڑھتی کیا۔

قندیل کا دماغ نئے ٹریک پر چل نکلا۔ وہ ایک ایک کر کے ان میسجز کو پڑھنے کے بعد ڈیلیٹ کرنے لگی۔

اس کے دل میں کیا تھا کوئی نہیں جان سکتا تھا۔ ہاں مگر کوئی دیکھتا تو اس کے لبوں پر کھیلتی پراسرار مسکراہٹ کے پس پردہ چھپی کسی سازش کا سراغ ضرور پا جاتا۔

☼ ☼ ☼

وہ اس سے ناراض نہیں تھی۔ لیکن راضی بھی نہیں تھی۔

سمیع مسلسل اسے کال کرتا رہا۔ میسج کرتا رہا۔ اور وہ کتنے ہی دن خاموشی سے اس کے میسجز پڑھتی رہی۔ کال اٹینڈ کرتی بھی تو ہوں ہاں سے زیادہ بات نہ کرتی۔

سمیع واقعی میں شرمندہ تھا۔

"اس دن جو ہوا' سراسر بے اختیاری میں ہو گیا۔ صندل پلیز یار کب تک ناراض رہو گی۔"

وہ روز اسے فون کر کے ایک ہی بات کرتا اور صندل۔

اس کے دل میں جو سمیع کے لیے ڈھیروں ڈھیر عزت و محبت تھی۔ بھلا وہ اس ڈھیر میں ایک چھوٹی سی بدگمانی کو کب تک جگہ دیتی۔ حالانکہ وہ کوئی بدگمانی نہیں ایک جیتی جاگتی حقیقت تھی۔ مگر یہ جو دل ہے ناں۔

"چلو ہو گئی غلطی۔ پھر" کی گردان کرنے لگا۔ صندل کو ہار ماننی ہی پڑی۔ غلطی تو بہرحال اس کی بھی تھی۔

قندیل کے تاثرات اپنی جگہ تھے۔ وہ جب بھی صندل کو سمیع سے فون پر بات کرتے سنتی یا اس کا کوئی میسج پڑھ کر کھویا کھویا دیکھتی تو اور زیادہ شدومد سے اس کی برائی کرتی۔ اور اپنی باتوں سے ثابت کرنے کی کوشش کرتی کہ سمیع کی حرکت بالکل ناقابل معافی ہے۔

لیکن ایسا کرتے سے وہ یہ بھول گئی کہ صندل اگر سمیع سے بدگمان ہو گئی۔ تو جو شخص وہ اپنے لیے مناسب نہ سمجھے گی۔ اسے قندیل کے لیے کیسے مناسب خیال کرے گی۔ لیکن پھر یوں ہوا کہ صندل اور سمیع کی ناراضی ختم ہو گئی۔

جس دن صندل نے خوشی خوشی قندیل کو یہ خبر سنائی' قندیل اپنا دل مسوس کر رہ گئی۔ اس کے پاس اور کوئی چارہ نہ تھا سوائے اس کے کہ صندل کی خوشی میں اپنے آپ کو خوش ظاہر کرے اور بس۔

قندیل کمرے میں پُرسوچ نظروں سے اپنا سیل فون دیکھ رہی تھی۔ جس پر ایک انجان نمبر سے آنے والا پیغام چمک رہا تھا۔

یہ لڑکا اس کے دوستوں میں شامل نہیں تھا۔ مگر اس کی ایک قریبی دوست نے بتایا تھا کہ وہ اس سے دوستی کا خواہش مند ہے اور بہت دن سے اس کا نمبر مانگ رہا ہے۔ قندیل نے اپنی دوست کی بات کو سرسری سا سن کر اپنا نمبر دینے کا کہہ دیا تھا۔ مگر اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اتنی جلدی اس تک پہنچ جائے گا۔

ابھی بھی وہ اس سے فون کرنے کی اجازت مانگ رہا تھا۔ اس وقت تو نہیں مگر رات گئے قندیل جب اس سے فون پر بات کر کے اٹھی۔ تو نہ صرف اس سے کافی حد تک فری ہو چکی تھی۔ بلکہ بالکل بے سوچے سمجھے اسے اپنے گھر آنے کی دعوت بھی دے بیٹھی تھی۔

وہ نغمانہ اور صندل پر یہ جتانا چاہتی تھی کہ جیسے صندل کسی غیر اور اجنبی لڑکے سے اس حد تک دوستی کر سکتی ہے کہ اسے گھر بلالے۔ تو پھر میں کیوں نہیں۔

اس کے اندر کی ضدی اور بے باک لڑکی ایک دم ہی جاگ گئی تھی۔ شاید یہ سمیع اور صندل کی بالکل غیر متوقع طور پر ختم ہو جانے والی ناراضی تھی۔ جس نے اسے شدید دھچکا پہنچایا تھا۔ اور وہ جانتی تھی کہ اس ویک اینڈ پر سمیع ایک بار پھر پچھلی تمام باتیں بھلا کر صندل سے ملنے ضرور آئے گا۔

یوں بھی صندل کا فائنل سمسٹر شروع ہوا ہی چاہتا تھا اور اسے سمیع کی ہیلپ کی بہت ضرورت تھی۔

اس نے اپنے نئے دوست کو بھی ویک اینڈ پر گھر آنے کی دعوت دے ڈالی تھی۔

☼ ☼ ☼

صندل اور نغمانہ شاپنگ کرنے نکلی تھیں۔ وہ اس وقت گھر میں اکیلی تھی۔ جب کال بیل کی آواز پر اس نے دروازہ کھولا تو سمیع کو سامنے پایا۔

"اوہ آپ۔"

ایک لمحے کو وہ خود اور سمیع دونوں ہی گڑبڑا گئے۔ چند روز پہلے ہونے والی تلخ کلامی کے بعد یہ ان کا پہلا سامنا تھا۔ قندیل نے بنا سوچے سمجھے اسے اندر آنے کا راستہ دیا۔ وہ اندر آتو گیا۔ لیکن لاؤنج تک آ کے بیٹھنے کے بجائے وہیں کھڑا رہا۔

"میرا خیال ہے۔ صندل ابھی تک پہنچی نہیں گھر پر؟" پورے فلیٹ پر چھایا سناٹا یہی کہہ رہا تھا۔

"ہاں بس آتی ہی ہوں گی۔ کافی دیر ہو گئی نکلے ہوئے۔" قندیل مسکرا کر بولی۔ سمیع فوراً" ہی کھڑا

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہو گیا۔

"تو پھر میں چلتا ہوں۔ جب وہ آئے تو اس سے کہنا کہ مجھے کال کرلے۔"

"ارے نہیں۔ ایسے کیسے اتنی جلدی آپ پلیز بیٹھیں۔"

اس کے دماغ میں یکدم ہی کسی شیطانی سوچ نے سر اٹھایا اور وہ بالکل اچانک اس انداز میں اس کے سامنے آئی کہ وہ بے اختیار ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"میری آپی سے بات ہوئی ہے ابھی۔ وہ آنے والی ہیں۔ ایکچوئیلی میں آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔" اس نے دھیرے سے بولتے ہوئے سمیع کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

دل نہ چاہتے ہوئے بھی مجبوراً اسے بیٹھنا پڑا۔ قندیل کچھ اس انداز میں اس کے سامنے کھڑی تھی کہ وہ آگے نہیں بڑھ سکتا تھا۔

"میں، میں آپ سے اس روز کے لیے معافی مانگنا چاہتی تھی۔ دراصل۔ دراصل سمیع۔ بات یہ ہے کہ۔" اس نے جان بوجھ کر خود کو تذبذب میں ظاہر کرنے کے لیے اپنی انگلیاں مروڑیں جیسے اسے اپنی بات کہنے میں مشکل پیش آرہی ہو۔

"جلدی کہو۔ میں سن رہا ہوں۔" سمیع کی چھٹی حس اسے مسلسل خبردار کررہی تھی۔

"میں۔ مجھے اس دن آپ کا خود کو میرا بھائی کہنا بالکل اچھا نہیں لگا۔ میں نے کبھی آپ کو اپنے بھائی کی نظر سے نہیں دیکھا۔"

وہ جانتی تھی' اس کی بات سمیع کے لیے کسی شاک سے کم نہیں ہوگی مگر' آج موقع مل ہی گیا تھا تو وہ اسے ضائع نہیں کرنا چاہتی تھی۔ سمیع ہکا بکا سا اسے دیکھنے لگا۔ جبکہ وہ ایک خاص ادا سے مسکرائی۔

"دراصل آپی نے ہمیشہ آپ کی اتنی تعریفیں کیں میرے سامنے کہ میں آپ کے بارے میں اپنا زاویۂ نظر بدلنے پر مجبور ہوگئی۔ اور میں نے فیوچر کے حوالے سے آپ کے علاوہ اور کسی کے بارے میں نہیں سوچا۔"

"قندیل! میرا خیال ہے تم اپنے حواسوں میں نہیں ہو۔" سمیع کے چہرے کے تاثرات اس کی بات کے گواہ تھے۔

"کیوں۔ کسی کے لیے اپنے دل میں موجود پسندیدگی کے جذبات کا اظہار کرنا پاگل پن ہے۔"

"نہیں لیکن۔" اس نے خود کو سخت بے بس محسوس کیا۔

"قندیل! دیکھو۔ مجھے جانے دو۔ میں پھر آجاؤں گا۔"

اس کے خیال میں اس سے کوئی بھی بات کرنا فضول ہی تھا۔ وہ ایک دم اٹھ کر کھڑا ہوا اور اتنی ہی تیزی سے قندیل بھی۔

"چلے جائیے گا۔ میں آپ کو زبردستی نہیں روکوں گی مگر۔ میری بات کا جواب تو دیتے جائیں۔" وہ ایک بار پھر اس کی راہ میں رکاوٹ کی طرح کھڑی تھی۔

"قندیل!۔ جیسا تم چاہتی ہو ویسا نہیں ہوسکتا۔" ایک گہری سانس لے کر اس نے جیسے قصہ ختم کرنا چاہا۔

"کیوں۔ کیوں نہیں ہوسکتا؟" پل بھر کا وقفہ تھا اور اس کا انداز ہی بدل گیا۔ وہ بے حد گہرے انداز میں بولتی اس کے بے حد قریب آگئی۔ اور دایاں ہاتھ اس کے شانے پر ٹکا دیا۔

"کیا صندل مجھ سے زیادہ خوبصورت ہے۔" سمیع نے اپنے پسینے چھوٹتے محسوس کیے۔

"یا پھر۔ کچھ ایسا ہے اس کے پاس جو میرے پاس نہیں۔" وہ براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانک رہی تھی۔

سمیع نے تھوک نگل کر خشک گلے کو تر کرنے کی کوشش کی۔ اور اس کے چہرے سے نگاہیں ہٹا کر دائیں بائیں گھمائیں۔

"قندیل! تم واقعی ہوش میں نہیں ہو۔ میں بعد میں تم سے۔"

اس کی بات آدھی ادھوری لبوں پر رہ گئی۔ قندیل نے اگلی حرکت ایسی ہی کی تھی۔ سمیع نے اپنے آپ کو

ان دیکھے شکنجے میں جکڑا ہوا محسوس کیا۔ قندیل نے مردانہ اسٹائل کی شارٹ باڈی شرٹ اور ٹائٹ جینز پہن رکھی تھی۔ اور پھر اس نے ایسی حرکت کی کہ جس کی توقع کسی بھی شریف گھرانے کی لڑکی سے نہیں کی جاسکتی تھی۔

وہ مسکراتے لبوں اور چیلنج کرنے والی نگاہوں سے یوں سمیع کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جیسے اس کی حالت سے حظ اٹھا رہی ہو۔

سمیع نے تھوک نگل کر اس کی آنکھوں میں جھانکا اور اگلے ہی پل اس نے اپنے کندھے پر رکھا ہاتھ جھٹک دیا۔ قندیل کو اس حرکت سے معمولی سا جھٹکا لگا۔ لیکن اس نے ہٹنے کے بجائے سمیع کے دونوں ہاتھ تھام کر اسے آگے بڑھنے سے روکنا چاہا۔

"اب بھاگ کہاں رہے ہو۔ سامنا کرو اور میری بات کا جواب دو۔"

اس نے بنا کچھ کہے مزاحمت کی اور جب قندیل نے سامنے سے ہٹنے کے بجائے مزید ڈھٹائی دکھائی۔ تو ایک زوردار تھپڑ اس کے گال پر رسید کردیا۔ وہ الٹ کر دائیں جانب رکھی کانچ کی آرائشی ٹیبل پر جاگری۔

سمیع فوراً" سے پیشتر باہر نکل جانا چاہتا تھا۔ لیکن اس کا تھپڑ اتنا زوردار تھا۔ کہ چند لمحوں کے لیے قندیل کا دماغ سن سا ہوگیا۔ وہ چند لمحے ٹیبل کے پاس زمین پر گری رہی۔ اور سمیع اس کی حالت کو سمجھتے ہوئے اس کے نزدیک گیا۔ اسے اٹھا کر سیدھا کیا تو دیکھا کہ اس کے ہونٹ کا کنارا پھٹ چکا تھا۔ اور سرخ خون کی باریک سی بوند وہاں نمودار ہورہی تھی۔

اس کا دل پسیج گیا۔ جانے کیوں اور کس کے کہنے میں آکر وہ یہ سب کر بیٹھی تھی۔ حاصل وصول تو کچھ نہ ہوا تھا بس خود کو اس کی نظروں میں گرایا ہی تھا۔

سمیع کے خیال میں اس کے تھپڑ نے قندیل کو سبق سکھا دیا تھا۔ مگر اس کا خیال غلط تھا۔ حواس بحال ہوتے ہی قندیل بری طرح اس پر جھپٹی۔ سمیع نے خود کو چھڑ کر پیچھے ہٹنا چاہا۔ مگر وہ اسے بری طرح کھسوٹ رہی تھی۔ اپنے لمبے ناخنوں سے اس کا چہرہ نوچ ڈالا تھا۔ جب ہی دل میں آئے ہوئے اس پر ترس اور رحم کے خیال پر لعنت بھیجتے ہوئے سمیع نے اسے ایک اور تھپڑ رسید کیا۔

اور یہ تھپڑ پہلے والے سے کہیں زیادہ زوردار اور طاقت سے بھرپور تھا۔

وہ جس جگہ گری تھی وہاں' جگہ کم ہونے کی وجہ سے اور ٹھیک سے پوری طرح کھڑے نہ ہوسکنے کے باعث اس بار اس کا سر شیشے کی میز کے کونے سے ٹکرایا اور ٹھیک ٹھاک خون کا فوارہ ابل پڑا۔

اس پر نیم بے ہوشی سی طاری ہوگئی۔ اور لبوں سے بے اختیار چیخ سی نکل گئی۔ لیکن سمیع کا اس بار اس سے ہمدردی کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ بلکہ دل میں امڈتے غصے کو دباتے دباتے بھی اس نے آگے بڑھ کر اس کے جبڑے کو اپنے دائیں ہاتھ میں جکڑ لیا۔

"اس میں اور تم میں کردار کا فرق ہے۔ اور یہ فرق زمین آسمان جتنا ہے۔ سمجھیں؟" قندیل کی حالت دو تھپڑوں اور لگنے والی چوٹ نے غیر کردی تھی۔ اس نے جان بوجھ کر دوبارہ جھٹکے سے اسے پیچھے کی طرف دھکیل دیا۔

قندیل بے دم سی ہو کر وہیں کارپٹ پر گر گئی۔ اور سمیع پلٹ کر چہرے سے پسینہ صاف کرتا باہر نکل گیا۔

فلیٹ کی پانچویں منزل سے دھیرے دھیرے سیڑھیاں اترتے ہوئے کوئی منظر بار بار ذہن میں تازہ ہورہا تھا۔ اور اسے پیروں میں شدید لرزش محسوس ہورہی تھی۔

اب بھی۔

☆ ☆ ☆

اس نے بے حد کوفت بھری نگاہ سامنے قطار در قطار پھنس کر کھڑی گاڑیوں پر' اور پھر کلائی پر بندھی گھڑی پر ڈالی۔

پچھلے پندرہ منٹ سے ٹریفک بدترین جام تھا۔ اور اگلے پندرہ منٹ بھی اس کے رواں ہونے کے کوئی چانسز نہ تھے۔

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

شدید ترین بیزاری سے اس نے ایک تھکی ماندی سانس فضا کے سپرد کی پھر نغمانہ پر ایک نظر ڈال کر سر پیچھے سیٹ پر ٹکا دیا۔ ٹیکسی ڈرائیور بھی اس ساری صورت حال سے شدید بیزار نظر آرہا تھا۔

"پتا نہیں کتنی دیر لگے گی۔"

اس نے ذرا دیر پہلے ہی سمیع سے فون پر بات کر کے اسے بتایا تھا کہ وہ شاپنگ مکمل کر چکی ہے اور گھر جارہی ہے۔ وہ اگر چاہے تو ذرا دیر بعد گھر آسکتا ہے' وہ بھی آدھے گھنٹے میں پہنچ جائے گی۔ اور اب یہ آدھا گھنٹہ اسے راستے میں ہی ہو چکا تھا۔

"پتا نہیں۔ سمیع کہاں ہے۔ کہیں گھر نہ چلا گیا ہو۔" دفعتاً ایک خیال نے اسے چونکا دیا۔

"کہیں گھر پر اسے اکیلا دیکھ کر کینڈی اس کے ساتھ پھر کوئی بدتمیزی۔" تھکن کے احساس کے تحت موندی گئی آنکھیں جھٹ سے کھل گئیں۔ تیزی سے سیدھی ہوتے ہوئے اس نے اپنے بیگ سے سیل فون نکالا۔ اور سمیع کو کال ملائی۔ اور ذرا دیر کے بعد تعجب سے اپنے فون کو دیکھا۔ سمیع کا موبائل آف تھا۔

"حیرت ہے۔ ابھی تو بات ہوئی ہے۔ اب کیا ہو گیا ہے کئی بار کی مسلسل کوشش کے بعد بھی فون آف ہی رہا۔ نغمانہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"کینڈی کو فون کرتی ہوں۔ دل عجیب سا ہو رہا ہے۔" اس نے ان کے پوچھے بغیر ہی وضاحت دی اور قندیل کو فون ملایا۔

ایک بار' دوسری بار پھر تیسری بار۔

بیل جاتی رہی مگر کسی نے ریسیو نہیں کیا۔ اس نے جھنجلا کر لائن کاٹ کر سیل بیگ میں پھینکا۔

"کیا ہوا۔"

"ریسیو ہی نہیں کر رہی۔ پتا نہیں کیا بات ہے۔"

اسے تشویش بھی تھی اور غصہ بھی۔

"ہو سکتا ہے واش روم میں ہو۔ یا سیل تکیے کے نیچے ہو۔ آواز نہ آرہی ہو۔" وہ چند لمحے پُرسوچ انداز میں نغمانہ کو دیکھتی رہی۔

"ہوں۔" پھر نظریں سامنے جما دیں۔

ٹیکسی کی ونڈ اسکرین کے اس پار گاڑیاں چیونٹی کی رفتار سے سرک رہی تھیں۔ اسے ایک بار پھر شدید کوفت کے احساس نے گھیر لیا۔

☼ ☼ ☼

اس کی آنکھیں سختی سے بند تھیں۔ اور سر اور چہرے سمیت پورے جسم پر ٹھنڈے پانی کی تیز دھاریں پڑ رہی تھیں۔

اسے یاد نہیں تھا وہ کس طرح گھر پہنچا۔ کتنی اسپیڈ سے گاڑی بھگائی۔ اور کہاں کہاں خطرناک قسم سے ایکسیڈنٹ سے بچا۔ راہ چلتوں نے اور دوسری گاڑی چلانے والوں نے اس کی ریش ڈرائیو کے سبب اسے کن القابات سے نوازا اور کون سے الفاظ میں یاد کیا۔

ٹھنڈے پانی کی تیز بوچھاڑ جسم کو تراوٹ اور تازگی دینے کے بجائے نوکیلے نشتروں کی مانند اس کا جسم چھید رہی تھی۔ وجود میں جلتے بھانبڑوں کو سرد کرنے کے بجائے اور بھڑکا رہی تھی۔

قندیل کے اوپر ہاتھ اٹھا لینے کے باوجود' اس کے اندر کی تپش کم نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے کسی سلگن نے مستقل اس کا احاطہ کر لیا تھا۔

"کیا ہے اس کے پاس ایسا۔ جو میرے پاس نہیں۔" سماعتوں پر کسی غیبی آواز کے کوڑے مسلسل برس رہے تھے۔ کوئی جلتی سلاخ جیسا منظر بار بار آنکھوں کو داغتا تھا۔

اس نے شاور کی طرف چہرہ اٹھا کر پانی کی ٹھنڈی دھار کو دیر تک آنکھوں پر برسنے دیا لیکن۔۔ بے سود۔

کافی دیر بعد' وہ فل اسپیڈ سے کھلے شاور کے نیچے اکڑوں بیٹھا زور زور سے رو رہا تھا۔

نہ کوئی اس کی آواز سننے والا تھا۔ نہ کوئی اس کے احساس کو سمجھنے والا۔۔ وہ بس مستقل روتا چلا جا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

خدا خدا کر کے گاڑیوں کا راستہ کھلا تو اپنے فلیٹ کی

بلڈنگ تک آتے آتے اس نے جانے کتنی بار ٹیکسی ڈرائیور کو تیز ڈرائیو کرنے کا کہہ ڈالا۔

کیسی بے چینی اس کی رگ و پے میں بھری تھی۔ کہ وہ نہ تو نغمانہ کو کوئی وضاحت دے پارہی تھی۔ جو بار بار حیرت سے اس کی بے تابی دیکھ رہی تھیں۔ اور نہ خود کو۔ دل کو ایسی گھبراہٹ لاحق تھی۔ جیسے بس کچھ ہونے والا ہے۔

اور یہ ہونے والا کیا تھا۔

بے خبری اگر نعمت ہے تو بے خبری زندگی بھر کا پچھتاوا بھی بن جاتی ہے۔ ایک کاش کی مہر یادداشت کے خانے میں لگا کر اپنے ان مٹ نقوش چھوڑ جاتی ہے۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ شاپرز ہاتھوں میں سمیٹ کر ٹیکسی سے اترے گی تو اوپر بہت ہی اوپر اونچائی پر فلیٹ کی بلڈنگ کی پانچویں منزل پر کیسا ہولناک منظر اس کا منتظر ہو گا۔

"آپی۔ ی۔ ی۔"

کسی نے بہت بلندی سے اسے آواز دی تھی۔ دل خراش چیخ اور ہولاتا ہوا منظر۔ اس نے اور نغمانہ نے بری طرح ہڑبڑا کر اپنے فلیٹ کی بالکونی کو دیکھا۔ جس کی خستہ حالی کے باعث بہت سے دیکھنے والوں نے اسے خطرناک قرار دے کر ان سے فلیٹ بدل لینے کا کہا تھا۔ اور وہ' ہر بار ہی بالکونی کی مرمت کے خیال میں رہ جاتی تھی۔

"آپی۔ ی۔ ی۔ آپی۔ ی۔ ی۔"

اس وقت اسی بالکونی کے ٹوٹے ہوئے کنارے سے قندیل کا وجود آدھا باہر کی سمت یوں لٹکا ہوا تھا۔ جیسے آن واحد میں نیچے آجائے گا۔

صندل کے ہاتھ میں تھمے شاپرز چھوٹ گئے۔ اس کی آنکھیں پھٹ گئیں۔

"قندیل! قندیل۔"

وہ اور نغمانہ چلائیں اس کی طرف دوڑیں۔ راستے میں ایک پتلی ذیلی سڑک پر چلتا معمولی ٹریفک بے ہنگم شور پیدا کر تا رکا۔

وہ زمین پر ارد گرد دیکھے بغیر دیوانہ وار اس کی طرف دوڑیں۔ مگر۔

اس سے پہلے کہ وہ لوگ خود یا دیکھنے والا کوئی اور شخص صورت حال کو سمجھ کر کوئی احتیاطی تدبیر کر پاتا۔ قندیل کا وجود اس قدر بلندی سے ہوا کے دوش پر سفر کرتا۔ دھپ کی آواز کے ساتھ زمین پر آگرا۔

گرنے کے ساتھ ہی چار سو خاموشی چھا گئی۔

صندل اور نغمانہ نے اسے بلندی سے نیچے کی طرف آتے اور پھر زمین پر گر کر بے حس و حرکت ہوتے دیکھا۔ اور خود بھی اس سے چند قدم کے فاصلے پر منجمد ہو گئیں قندیل کے سر کے پاس خون کا تالاب بنتا جا رہا تھا۔ فضا میں شور مچاتی اور پکارتی اس کی آواز خاموش ہو چکی تھی۔

دیکھتے ہی دیکھتے چاروں طرف مردوں اور عورتوں کا ہجوم اکٹھا ہونے لگا۔

تب ہی کسی کا کندھا ٹکر کھانے سے اس کے ساکت وجود میں جنبش ہوتی۔ اور وجود میں بجلی سی بھر گئی۔ وہ ایک جست میں لوگوں کو چیرتی قندیل تک پہنچی تھی۔

"قندیل!۔ قندیل میری بہن۔"

پاگلوں کی طرح وحشت بھرے انداز میں اس کا سر اٹھا کر اپنی گود میں رکھتے ہوئے اس نے بری طرح اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں سے تھپتھپایا۔

چہرے پر نیل اور خون کے نشان۔ زخمی پیشانی اور سر کے پچھلے حصے سے نکلتے خون کے فواروں نے لمحوں میں اس کے دامن اور ہاتھوں کو بھگو ڈالا۔

"قند۔ قندیل۔ آنکھیں کھول۔ کس نے کیا یہ۔ یہ کس نے کیا۔" وہ بے تابی سے اسے جھنجوڑ رہی تھی۔

"بول نا۔ بول میری جان۔"

قندیل کی جڑی ہوئی پلکوں میں ذرا کی ذرا لرزش ہوئی۔

"آپی۔۔! سمیع۔۔ سمیع۔۔"

اس کے لبوں سے نکلنے والا نام صندل اور نغمانہ کو

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

ساکت کرنے کے لیے کافی تھا۔

☼ ☼ ☼

"آپی۔۔۔ی۔۔۔ی"

کسی نے دور سے، اونچائی سے، بہت بلندی سے اسے پکارا اور وہ بری طرح ہڑبڑا کر کسی ڈراؤنے خواب سے جاگی۔ پھر سامنے کھڑی اسے تشویش سے دیکھتی نغمانہ کو دیکھتی گہری سانس لے کر پھر پرسکون ہو گئی۔

"کیا بات ہے۔ صنی۔ تم اتنی جلدی واپس آگئیں۔ کوئی مسئلہ ہو گیا تھا کیا۔"

اس نے اپنی لہو رنگ آنکھیں اٹھا کر انہیں دیکھا پھر، نظریں جھکالیں۔ اس کے پاس جواب میں کہنے کے لیے کچھ نہ تھا۔

"کیا بات ہے صندل! بتادو مجھے، اگر بہتر سمجھو۔"

انہیں آج بھی صندل سے کوئی بات پوچھنے کے لیے، یا شیئر کرنے کے لیے معاملہ صندل کی مرضی پر چھوڑنا پڑتا تھا۔

"ماما!" اس کی پرسوچ نظریں بالکونی سے باہر نظر آتے منظر پر بھٹک رہی تھیں۔

"پانچویں منزل سے نیچے گرنے میں کتنی تکلیف ہوئی ہوگی۔" اس کے بہت ٹھنڈے لہجے نے، نغمانہ کو بری طرح ڈرا دیا تھا۔

"بہت تکلیف ہوتی ہوگی نا۔ ہم محسوس نہیں کرسکتے۔ ہڈیاں ٹوٹنے کا درد۔ سر پھٹنے کا درد اور ریڑھ کی ہڈی۔۔۔ لیکن ہم اندازہ تو کرسکتے ہیں نا۔" اس کی بھید بھری سرگوشی نما آواز اتنی ہلکی تھی کہ نغمانہ کو بغور سننی پڑ رہی تھی انہوں نے اس کی آنکھوں سے آنسو نکل کر بہتے دیکھے۔

"صندل۔۔۔! بیٹا۔" انہوں نے دھیرے سے آگے بڑھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"آج اتنے سالوں بعد تم یہ سب۔ کیوں کہہ رہی ہو۔"

"آج اتنے سالوں بعد قندیل کی یاد پھر سے آرہی ہے ماما۔۔۔! آج اتنے سالوں بعد یوں لگ رہا ہے۔ قندیل ابھی ہم سے بچھڑی ہے۔"

"لیکن کیوں، تم تو اچھی بھلی ثمیر کی بہن کی منگنی میں گئی تھیں نا۔ پھر اتنی جلدی کیوں آگئیں واپس۔ کیا بات ہوئی ہے وہاں۔"

انہیں یقین ہو چلا تھا کہ جو بھی غیر معمولی بات ہوئی ہے وہ، ثمیر کے یہاں ہوئی ہے۔ ایک تو وہ جانے کے تھوڑی دیر بعد ہی واپس آگئی تھی۔ یوں جیسے راستے سے یا وہاں پہنچتے ہی واپس پلٹ آئی ہے۔ اوپر سے اس کی طویل خاموشی اور اب یہ بات۔۔۔

اس نے گہری سانس بھر کر چہرے پر بہنے والے آنسو صاف کیے اور نغمانہ کی طرف دیکھا۔

"ثمیر کی بہن منال کی منگنی جس شخص کے ساتھ ہو رہی ہے وہ، کوئی اور نہیں ہے سمیع ہے۔ سمیع جبران۔" نغمانہ کا منہ کھل گیا۔ حیرت کی زیادتی سے ان سے آگے بات نہیں کی گئی۔

"جی۔" صندل نے جتاتی ہوئی نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔

"اسی لیے میں وہاں سے فورا" واپس آگئی اور اب۔۔۔ اب شاید میں ثمیر سے بھی اپنا ہر تعلق ختم کرلوں۔"

وہ بات مکمل کرکے پلٹی پھر رکی۔ پھر نغمانہ کو دیکھا۔

"بلکہ شاید کیوں یقینا"۔ میں اپنی بہن کے قاتل سے قریب یا دور کا کوئی بھی تعلق بھلا کیسے رکھ سکتی ہوں۔"

نغمانہ کی اب بھی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ وہ اس سے کیا کہیں۔ بات یقینا" جتنی غیر متوقع تھی۔ اتنی ہی افسوس ناک بھی۔

وہ سمجھتی تھیں اگر سمیع، ثمیر کے گھر میں صندل کو نہ ملا ہوتا تو "یقینا"" وہ آج ثمیر کے پرپوزل کا مثبت جواب دے کر ہی آتی۔ مگر اب۔۔۔

وہ اس سے واقعی ہر تعلق ختم کرلے گی۔ وہ جانتی تھیں اچھی طرح۔

☼ ☼ ☼

وہ رات تین نفوس کے لیے بہت بھاری تھی۔ سمیع کے لیے۔۔۔ ثمیر کے لیے اور۔۔۔ صندل کے لیے تو تھی ہی۔۔۔

اسے رہ رہ کر وہ وقت یاد آرہا تھا۔ جب کئی دن سمیع کا موبائل آف رہنے کے بعد کھلا تو قندیل کی تدفین کے بعد کے مراحل بھی نمٹ چکے تھے۔

اس کی خاموشی اور منظر سے مکمل طور پر غیر حاضری یہ زبان خود اس کے جرم کی گواہ تھی۔ بے یقینی سے یقین تک کا سفر کرنے میں اس کی روح تک میں آبلے امڈ آئے تھے۔ وہ شاید کبھی یقین کرتی بھی نا۔ اگر چند دن پہلے ہی سمیع نے صندل کے ساتھ وہ حرکت نہ کی ہوتی جس سے وہ خوف زدہ ہو کر اس کے فلیٹ سے نکل بھاگی تھی۔

"تو کیا قندیل کو گھر میں اکیلا پاکر سمیع نے۔۔۔"

وہ جلتی آنکھوں اور سلگتے دل کے ساتھ خود سے سوال جواب کیے جاتی۔ سمیع کا نمبر چار دن بعد کھلا اور اس نے نغمانہ سے کہا کہ وہ صندل سے ملنے گھر آنا چاہتا ہے۔ نغمانہ کا کہنا تھا کہ اسے گھر بلانے کے بجائے سیدھے سیدھے اس کے خلاف ایف آئی آر کٹوانی چاہیے۔ مگر وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ اگر کیس کر بھی دیا تب بھی وہ سمیع کے خلاف یا تو کچھ ثابت ہی نہ کرپائیں۔ یا پھر فیصلہ ہوتے ہوتے اتنی دیر لگ جائے کہ ان کے پاس جمع شدہ معمولی رقم جو ان کی مستقل آمدنی کا ذریعہ تھی۔ وہ اوپر لگ جائے۔

صندل بھی اس کی شکل دیکھنے کی روادار نہ تھی۔ دل کے لاکھ تاویلیں گھڑنے کے باوجود وہ جیسے خود کو یقین دلانا چاہتی تھی کہ لمحاتی ہی سہی۔ مگر یقینا" سمیع کسی لغزش کا شکار ہوا تھا۔

اس کا اور صندل کا ساتھ دنوں، مہینوں کا نہیں سالوں کا تھا۔ اس نے کبھی سمیع کی شخصیت میں کوئی جھول یا اوچھا پن نہیں دیکھا تھا۔ اسے کوئی واقعہ کوئی دن یہاں تک کہ کوئی لمحہ بھی ایسا یاد نہ تھا جب سمیع نے اس کے یا صنف نازک کے حوالے سے کسی ہلکے پن کا مظاہرہ کیا ہو۔ سوائے اس ایک دن کے۔۔۔

جب وہ اس کے فلیٹ میں اکیلی اس سے ملنے گئی تھی۔

اس واقعے کو بنیاد بنا کر وہ کس طرح اسے اتنے بڑے حادثے کا ذمہ دار ٹھہرادیتی۔ وہ مستقل ایک بار اس سے ملنے کی التجا کر رہا تھا۔ نغمانہ ہی اسے ڈیل کر رہی تھیں۔ ہر بار وہ اسے بے عزت کرکے فون بند کرتیں اور ذرا دیر بعد یا دوسرے ہی دن پھر اس کا فون آجاتا۔

"ابھی کچھ دیر پہلے سمیع کا فون آیا تھا۔ اسے کسی نے قندیل کی ڈیتھ کے بارے میں بتادیا ہے۔ وہ پھر گھر آنے کا کہہ رہا تھا۔ میں نے اس کی کال بلاک کردی ہے۔ بہتر ہو گا، تم بھی کردو۔ اب۔۔۔ اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔"

نغمانہ ستے ہوئے چہرے اور بھاری آواز کے ساتھ اس سے مخاطب تھیں۔ وہ بھی کیا کرتیں۔

لوگوں کی باتیں، قیافے اور طرح طرح کے سوالات سن سن کر، انہیں جوابات دے دے کر تنگ آچکی تھیں۔

وجہ کچھ بھی ہو۔ قندیل کے یوں فلیٹ کی بالکونی سے نیچے چھلانگ لگا کر جان دے دینے سے بدنامیوں اور رسوائیوں کے دہانے کھل گئے تھے۔ ہر ایک ملنے والا اپنے تئیں کھوجی بنا بیٹھا تھا۔

اگر اس کی موت کے وقت فلیٹ میں کسی انجان شخص یا سمیع کی ہی موجودگی ثابت ہو جاتی تو ہو سکتا تھا کہ ان ماں بیٹیوں کے قصے میڈیا تک جا پہنچتے۔

وہ خود کو، سمیع کو کسی طرح کی رعایت دینے کے قابل نہیں سمجھتی تھیں۔ اور اگر مان بھی لیا جاتا کہ اس سب میں سمیع کا کوئی ہاتھ نہ تھا تب بھی، تب بھی وہ اس کی شکل تک دیکھنے کی روادار نہ تھیں۔

"آپ اس سے کہیں کہ وہ گھر آکر ایک بار مجھ سے

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

ملے۔" صندل کی سپاٹ آواز پر انہوں نے اسے یوں دیکھا۔ جیسے اس کا دماغ چل گیا ہو۔

"کیا کہہ رہی ہو۔ تم ہوش میں تو ہو؟"

اس نے بنا کچھ کہے اثبات میں سر ہلا دیا۔ نغمانہ اب کی بار کچھ کہنے کے بجائے شاکی نظروں سے اسے دیکھتی فون ملانے لگیں۔

☼ ☼ ☼

"جو بات میں تمہیں بتانے جا رہا ہوں۔ پلیز' اسے صبر اور حوصلے کے ساتھ سننا۔"

سوئم کے دوسرے دن وہ خود عجیب اجڑی ویران حالت میں صندل کے سامنے بیٹھا تھا اور صندل نفرت بھری نگاہوں سے اس کا چہرہ کھوج رہی تھی۔

"قندیل نے خودکشی کی کوشش کیوں کی' مجھے نہیں پتا۔ میں یہاں صرف اپنی پوزیشن کلیئر کرنے آیا ہوں۔۔۔ اس نے جو کچھ بھی کیا' وہ اس کا اپنا عمل تھا۔ بہرحال اس میں میرا کوئی ہاتھ نہیں۔"

وہ آگے اور بھی کچھ کہہ رہا تھا۔

غصے اور طیش کے عالم میں صندل کی مٹھیاں بھنچ گئیں۔

وہ اس کی معصوم' بہن پر جو اس کی کسی غلط حرکت کے باعث اپنی جان سے جا چکی تھی۔ الزام لگا رہا تھا۔ بجائے اپنی غلطی تسلیم کرنے کے اس کی بے راہ روی کا الزام لگا رہا تھا۔

"میں نے۔۔۔ ہمیشہ اسے اپنی بہن سمجھا اور کہا تھا صندل! تم جانتی ہو میں۔۔۔"

"ایک بات بتا سکتے ہو تم۔۔۔" اس نے اچانک ہی سمیع کی بات کاٹی۔

"میں نے تو تم سے کچھ بھی نہیں کہا نا۔ تم پر کوئی الزام' تہمت' بہتان نہیں لگایا نا۔ پھر تمہیں صفائی دینے کی ضرورت کیوں پیش آ گئی۔"

اس کا ٹھنڈا لہجہ بھی اپنے اندر اتنی تپش لیے ہوئے تھا کہ سمیع کی ہتھیلیاں نم ہو گئیں۔

"تم مجھے اگر قصوروار نہیں سمجھتیں تو یہ تمہارا بڑا پن ہے۔ ورنہ آنٹی کی باتوں سے مجھے اندازہ ہو چکا ہے کہ تم' اور وہ میرے بارے میں کیا سوچ رہی ہیں اور میں اپنے ضمیر کے آگے بھی تو۔۔۔"

"یہ تمہارے چہرے اور گردن پر نشان کیسے ہیں۔۔۔" سمیع کی بات صندل کے آگے پھر ادھوری رہ گئی تھی اور اس بار اسے یوں لگا جیسے اس کے پاس کہنے کے لیے بھی کچھ باقی نہیں بچا۔

"صندل میں۔۔۔" اس نے اپنا گلا کھنکار کر صاف کیا۔

"میں تمہیں اس دن کی ایک ایک بات حرف بہ حرف بتا دوں گا تم۔۔۔ تم یقین کرنے والی بنو تو سہی۔"

اس کے الفاظ حلق میں اٹکنے لگے۔ صندل کی چھیدتی طنزیہ نگاہیں اس کے چہرے پر جمی تھیں۔

اس نے جرم کیا نہیں تھا۔ مگر وہ خود کو مجرم سا سمجھنے لگا تھا۔

"اپنی گندی زبان سے میرا نام مت لو اور ابھی اور اسی وقت یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ اس سے پہلے کہ میں فون کروں اور پولیس کو بلاؤں۔"

سمیع اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

یہ وہ لڑکی تھی جس نے کبھی دو منٹ سے زیادہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر نہ دیکھا تھا اور آج وہی لڑکی اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے دھمکی دے رہی تھی اور سب سے بڑھ کر یہ۔۔۔ کہ۔۔۔

اس نے اس لڑکی سے محبت کی تھی۔ اپنے دل کی گہرائیوں سے۔ اور اپنے جذبوں کی تمام تر سچائیوں اور پاکیزگی کے ساتھ۔

جن آنکھوں میں اس نے اپنے لیے ہمیشہ محبت دیکھی تھی۔ احسان مندی' شکر گزاری' الفت اور حیا دیکھی تھی۔ آج ان آنکھوں میں کیا کچھ نہ تھا۔

نفرت' بے زاری اور بے اعتباری۔

اور یہ دیکھنا سمیع کی برداشت کے لیے بہت بڑا امتحان تھا۔ وہ بنا کچھ بولے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا سر

جھک گیا تھا۔ وہ صندل کا دل صاف کرنے میں ناکام ہو گیا تھا۔ وہ اپنے آپ کو بری نہیں کر پایا تھا۔ وہ اسے قصوروار اور گناہ گار سمجھتی تھی۔ یہ بات سہنا اس کے لیے آسان نہ تھا۔

"اور جاتے جاتے ایک بات اور سنتے جاؤ۔ میں زندگی میں آئندہ کبھی تمہاری صورت دیکھنا چاہتی ہوں نہ آواز سننا چاہتی ہوں۔ بہتر ہو گا تم آئندہ کبھی میرے سامنے آنے کی غلطی مت کرنا۔"

اس نے دہلیز پر رک کر پلٹے بنا صندل کی آواز سنی اور باہر نکل گیا۔ چند دن پہلے یہ سیڑھیاں اترتے ہوئے اس کے قدموں میں کپکپاہٹ تھی اور آج۔۔۔ آج لگتا تھا اس کے وجود سے جان نکل چکی ہے۔

وہ ایک چلتا پھرتا روبوٹ بن چکا تھا۔

صندل اپنے کمرے میں بند ہو کر پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ بلک رہی تھی۔ اس کے سینے سے قندیل کی تصویر لگی تھی اور آنسوؤں میں گزشتہ دنوں سے جڑی ہر شے بہہ رہی تھی۔

سمیع اور اس کا اعتبار' محبت' بھروسا

قندیل اور اس کی زندگی سے جڑا آخری خونی اور سگا رشتہ بھی۔

☼ ☼ ☼

وہ جانتی تھی' یہ انکشاف کہ نمیر کی بہن مناہل کے منگیتر سمیع اور اس کا اپنا آپس میں ماضی میں کوئی تعلق رہ چکا ہے اتنا معمولی نہ تھا۔

نمیر یقیناً" اس کی طرف سے مسلسل خاموشی سے تھک ہار کر سمیع سے ہی اس کی وجہ پوچھے گا۔

تمہارا اور صندل کا کیا رشتہ ہے یا ماضی میں کبھی تھا؛

اور ایسا کیا کچھ وقوع پذیر ہو چکا ہے تم دونوں کے درمیان کہ وہ ایک پل کے لیے بھی تمہارے سامنے ٹھہر نہ سکی۔

اور کیا سمیع اسے سب کچھ سچ سچ بتا دے گا۔ کیا اس میں اتنی ہمت ہو گی کہ اپنی ہونے والی بیوی اور اسے دیوانوں کی طرح چاہنے والے بھائی کے سامنے اعتراف جرم کر سکے۔ اسے اپنا اور میرا تعلق اور بعد میں اس تعلق کے ختم ہو جانے کی وجہ بتا سکے۔

اسے یہ بتا سکے کہ وہ کسی بے گناہ کا قاتل ہے۔ اس کی دست درازی' وقتی ہی سہی لیکن اس کی ہوس کسی معصوم کی جان لینے کا سبب بن گئی۔

سوچیں اور ان گنت سوچیں آتش فشاں سے ابلتے لاوے کی طرح اس کے اعصاب کو جھلسا رہی تھیں۔ ٹوٹے پھوٹے جملوں اور بے ربط سی لکھائی میں اس نے استعفیٰ لکھا اور باہر نغمانہ کے پاس آ گئی۔

"میرے لیے یہ جاب چھوڑ دینا ہی بہتر ہے۔ میں نمیر کا سامنا نہیں کرنا چاہتی۔ میرے پاس اس کا پرپوزل ریجیکٹ کرنے کے لیے جو وجہ ہے۔ اسے سن کر اسے شدید شاک پہنچے گا کیونکہ' وہ سمیع کے ماضی سے واقف نہیں۔ وہ بالکل میری طرح اس کی شخصیت سے متاثر ہے اور اسے آئیڈیلائز کرتا ہے اور میں نہیں چاہتی کہ جس طرح میری نظروں میں سمیع کی پرسنالٹی کا بت ٹوٹ کر بکھرا تھا اور اس سے مجھے جس قدر دھچکا پہنچا تھا ویسا ہی نمیر کو لگے۔"

"میرا تو خیال تھا کہ تمہیں نمیر کو سب بتا دینا چاہیے۔"

"کیا فائدہ ہو گا۔ وہ اپنی بہن کے لیے بہت پوزیسو ہے اور بہت خوش بھی کہ اس کی بہن کو جیون ساتھی مل گیا ہے۔"

"لیکن اس کی اصلیت سے تو تم ہی واقف ہو نا۔ کیا یہ نمیر کے لیے بہتر نہیں ہو گا کہ تم اسے سمیع کے بارے میں بتا دو۔"

"پتا نہیں کیا بہتر ہے اور کیا نہیں۔ میں بہت بری طرح تھک چکی ہوں' ٹوٹ چکی ہوں۔ سب کچھ' ہر چیز الٹ پلٹ ہو گئی ہے۔ کیا کیا نہیں سوچ لیا تھا میں نے اپنے اور نمیر کے حوالے سے اور کیا ہو گیا یہ سب۔"

اس نے ہارے ہوئے انداز میں سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔ نغمانہ تاسف سے اسے دیکھنے لگیں۔

☼ ☼ ☼

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

لاؤنج سے نغمانہ کے بولنے کی آواز آرہی تھی۔ وہ بہت زور زور سے روتے ہوئے بات کررہی تھیں۔ اس نے گہری نیند سے جاگ کر اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ کون آسکتا ہے اس وقت رات کے ڈھائی بج رہے تھے۔

اس نے ذہن پر زور ڈالا تو یاد آیا کہ نو بجے رات میں نغمانہ نے اس کی مسلسل بگڑتی ہوئی اعصابی کیفیت کے پیش نظر اسے زبردستی سلیپنگ پلز دے کر سلایا تھا اور سونے سے پہلے اس نے ارادہ کیا تھا کہ وہ کل ہی اپنا استعفیٰ ڈاک کے ذریعے آفس بھجوادے گی۔

ابھی تو ایک ہی دن گزرا تھا۔ ممکن تھا کہ نمیر اسے آفس میں دیکھ کر اس سے بات کرنے کی کوشش کرتا اور وہ کسی صورت اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

قندیل کی یاد اور اس کی اندوہناک موت کی اعصاب شکن تکلیف سالوں بعد پھر سے اس کے ذہن پر سوار ہونے لگی تھی۔ پتا نہیں وہ کتنی دیر وہاں بیٹھی کھوئی رہتی، مگر نغمانہ کی آواز نے اسے پھر سے چونکا دیا۔

اس بار اس نے کوئی مردانہ آواز بھی سنی۔ اور یہ آواز کسی اجنبی کی نہیں تھی۔

اس نے بے اختیار اٹھ کر باہر کی طرف دوڑ لگائی اور لاؤنج میں پہنچ کر ساکت ہوگئی۔

وہ... وہ سامنے ہی بیٹھا تھا۔

نغمانہ اس کے برابر میں اس کے کندھے پر سر رکھے رو رہی تھیں۔ وہ خوش بھی تھیں اور رو بھی رہی تھیں۔ بلاشبہ ان کی کیفیت، بالکل صندل جیسی تھی جس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اپنے جذبات کا اظہار کیسے کرے۔ بلکہ وہ تو شاید اپنے ردعمل کو ٹھیک سے پہچان بھی نہیں پارہی تھی۔

اسے خوش ہونا چاہیے؟ یا اسے غصہ کرنا چاہیے۔ یا پھر۔

نغمانہ کی ہی طرح دوڑ کر سالوں بعد وطن واپس لوٹنے والے اپنے بھائی سے لپٹ جانا چاہیے۔

☼ ☼ ☼

فاخر کی آمد، مایوس اور دکھی زندگیوں میں خوشیوں بھری ہلچل لانے کا سبب بنی۔ وہ پہلے سے بہت بدل گیا تھا۔ وہ بہت فرض شناس ہوکر واپس لوٹا تھا اور بہت پیسے والا بھی۔

چند ہی دنوں میں اس نے اپنے اخلاق اور رویے سے نغمانہ اور صندل پر یہ بات واضح کردی تھی کہ وہ محض ان لوگوں کا خیال کرکے ہی بیرون ملک سے واپس آیا ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کے ساتھ کسی گوری میم کا دم چھلا نہیں تھا۔

قندیل کی حادثاتی موت کے بارے میں اسے نغمانہ نے ہی سرسری اور محتاط انداز میں بتادیا تھا۔ بعد میں اپنا گھر تبدیل کرلینے کے بارے میں بھی۔ اس نے موجودہ گھر کا ایڈریس بھی بہت مشکلوں سے حاصل کیا تھا۔

صندل اس کی شخصیت میں آجانے والی تبدیلیوں کی معترف ہونے کے باوجود اتنی جلدی اس پر بھروسا کرنے کو تیار نہ تھی۔ اور یہ بات اس نے اکیلے میں نغمانہ پر واضح بھی کردی تھی۔ نغمانہ کو حسب توقع و حسب معمول دکھ تو ہوا تھا۔ مگر وہ اس کی کیفیات سمجھ رہی تھیں۔

ایسی ہی موسم سرما کی ایک خنک شام جب فاخر نغمانہ کو لے کر شاپنگ کروانے نکلا تھا اور اس نے ہمیشہ کی طرح انکار کردیا تھا۔ اس نے نمیر کو اپنے فلیٹ کے دروازے پر کھڑا دیکھا۔

وہ جانتی تو تھی کہ یہ وقت آئے گا ضرور۔ مگر اس وقت اس کے ذہن میں نہیں آیا کہ وہ کیا کہے۔ جب ہی کچھ متذبذب سی ایک طرف ہوگئی۔

نمیر بھی چپ چپ سا تھا۔ اس کے انداز سے پتا چل رہا تھا کہ اس کی سمیع سے یقیناً کوئی نہ کوئی بات ہوئی ہے اور وہ بات کیا ہے۔ وہ کوئی بھی اندازہ لگانے سے قاصر تھی۔

"تم جانتی ہو۔ میں یہاں کیوں آیا ہوں۔" وہ لاؤنج میں بیٹھتے ہی بنا تمہید باندھے پوچھنے لگا۔

"شاید... جانتی ہوں... شاید نہیں۔" اس کا جواب اس کی ذہنی کیفیت کا عکاس تھا۔ چند لمحے خاموشی طاری رہی۔

"نہیں... تم نہیں جانتیں۔ بلکہ شاید تم کچھ بھی نہیں جانتیں۔ کچھ بھی نہیں۔" صندل نے گہری سانس لے کر اس کا چہرہ دیکھا۔

"ہوسکتا ہے، تمہارا خیال غلط ہو۔"

"نہیں۔ میرا خیال سو فیصد درست ہے، کیونکہ میں یہاں ایسے ہی منہ اٹھا کر نہیں آگیا ہوں میں..." وہ چند لمحے رک سا گیا۔ پورے گھر میں گہری خاموشی ہانپنے لگی۔ "میں سمیع سے مل کر اس سے بات کرکے یہاں آیا ہوں۔"

"نمیر پلیز! میں اس شخص کا نام سننا چاہتی ہوں۔ نہ اس کے بارے میں بات کرنا چاہتی ہوں۔ نہ ہی مجھے اس بات سے غرض ہے کہ اس نے تمہیں اپنے اور میرے بارے میں کیا بتایا ہے۔"

"میں تمہیں اس کے بارے میں بتانے نہیں آیا۔ نہ میں تم سے اس کے بارے میں بات کرنے آیا ہوں۔"

"تو پھر... میں تم سے شادی نہیں کرسکتی۔ اگر تم اپنے پرپوزل کا جواب لینے آئے ہو تو یہ بھی میں پہلے ہی کلیئر کردوں۔" وہ پھر سے چپ ہوکر اسے دیکھنے لگا۔ صندل کو الجھن ہوئی۔

"مجھے پتا تھا، آفٹر آل تمہارا جواب یہی ہوگا اور ہونا بھی چاہیے، لیکن میری بات سننے کے بعد... میں یہاں تمہیں اپنے بارے میں کچھ بتانے آیا ہوں۔ اپنے اور قندیل کے بارے میں۔" اسے معلوم تھا وہ جتنے دھیرج سے اپنا اور قندیل کا نام لے گا۔ صندل اتنے ہی زور سے چونک جائے گی۔ اور ہوا بھی یہی۔

"قندیل کے بارے میں... تم کیا جانتے ہو، اس کے بارے میں؟"

"وہ سب کچھ جو تم نہیں جانتیں۔" صندل منہ کھولے اسے دیکھ رہی تھی۔

"تمہارا مجرم سمیع نہیں... میں ہوں صندل... میں۔ نمیر سلطان..."

☼ ☼ ☼

اس نے قندیل کا نمبر اپنی اور اس کی مشترکہ دوست سے لیا تھا۔

اس کی کس بات نے نمیر کو متاثر کیا وہ ٹھیک سے جانتا تک نہ تھا۔ شاید اس کی معصوم شکل و صورت یا اس کے بے باک انداز نے۔

وہ اس کے فرینڈز میں شامل نہیں تھی۔ نہ ہی یونیورسٹی میں اس کے ساتھ تھی۔ اس کی اور نمیر کی ملاقات بہت کم چند ایک بار اپنی مشترکہ دوستوں کے گھر پارٹیز اور گیٹ ٹوگیدرز میں ہی ہوئی تھی۔ پھر متعدد بار اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے کے باوجود اس نے کوئی خاص توجہ نہیں دی تھی۔

اول تو مناہل کی وجہ سے وہ شاذ و نادر ہی کبھی دوستوں کی گیدرنگ میں جاتا تھا اور اتنا کم جانے کی وجہ سے وہ قندیل سے اور بھی کم مل پایا تھا۔ بہرالحال قندیل کے گریز نے اس کے دل میں قندیل کے لیے پسندیدگی کے جذبات کو کچھ اور بڑھا دیا اور کچھ اس کے بارے میں جمع کی گئی معلومات نے۔

وہ ایک نچلے متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے گھرانے سے رکھتی تھی۔ لڑکوں سے دوستی تھی، مگر اس کے حلقہ احباب میں نوے فیصد لڑکیاں شامل تھیں اور سب سے بڑھ کر اس کا لباس۔

اس کی دوستیں اسے ڈریسنگ کے معاملے میں دقیانوسی اور بڈھی روح کہہ کر پکارتی تھیں۔ کیوں کہ وہ نہ تو سلیولیس پہنتی تھی۔ نہ اتنے شارٹ ٹاپس کہ اٹھتے بیٹھتے اس کی کمر دکھائی دے۔

جب ہی ایک دن اچانک اس کے فون کرنے پر اس نے اسے ویک اینڈ پر گھر آنے کی دعوت دی تو وہ خوشی بھری حیرت کا شکار ہوگیا۔

وجہ چاہے جو بھی ہو مگر اس نے سوچ لیا تھا کہ جب وہ اس کے گھر تک جا ہی رہا ہے تو اپنے اور اس کے درمیان دوستی کو اس نہج پر لے جانے کی پوری کوشش کرے گا کہ جلد از جلد نہ صرف اسے پرپوز کرسکے بلکہ قندیل اس کے پرپوزل کو ایکسپٹ کرنے میں کوئی ردو کد نہ کرے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

وہ زندگی میں پہلی بار واقعی کسی لڑکی کے لیے اتنا سنجیدہ ہو کر سوچ رہا تھا اور اسے علم نہ تھا کہ قدرت اس کے ساتھ کیسا سنگین مذاق کرنے والی ہے۔

☼ ☼ ☼

فلیٹ کا مین ڈور کھلا ہوا تھا۔ پھر بھی اس نے ازراہ اخلاق دوبار بیل دی۔ کال بیل کی آواز گھر کے باہر تک سنائی دی' لیکن گھر کے اندر کسی ذی نفس کی موجودگی کا پتا نہیں چل رہا تھا۔

اس نے تھوڑی دیر انتظار کے بعد' نا سمجھی سے دائیں بائیں دیکھا۔ یہ اس بلڈنگ کا پانچواں فلور تھا اور سیڑھیاں چڑھنے کے بعد آمنے سامنے دو فلیٹوں کے دروازے تھے۔ سامنے والے فلیٹ میں تالا لگا ہوا تھا جس سے پتا چلتا تھا کہ سامنے والے مکین گھر پر نہیں تھے اور اس فلیٹ کا دروازہ کھلا تھا' مگر کسی گھر والے کے آثار ندارد تھے۔

اس نے قندیل کو آواز دی۔ ایک بار۔۔۔ دوبار۔۔۔

رفتہ رفتہ اس کی الجھن تشویش میں بدل گئی۔ اول تو قندیل اکیلی فلیٹ پر رہتی نہ تھی اور اگر تھی بھی تو اس وقت کہاں تھی۔ اس نے اللہ کا نام لے کر اندر قدم رکھ دیا۔

اندر داخل ہوتے ہی جو کمرہ تھا' وہ یقیناً "ٹی وی لاؤنج تھا جیسا کہ عموماً" فلیٹس میں ہوتا ہے۔ ایک سرسری طائرانہ نگاہ میں ہی اس نے لاؤنج سے کھلی ہوادار بالکونی کے دروازے کے پاس زمین پر قندیل کو گرے ہوئے دیکھا۔

وہ قندیل سے اتنا بھی فری نہ تھا کہ لمحے بھر کی دیر کے بغیر اسے جا کر سیدھا کرتا' اس کی خبر لیتا۔ بلکہ اس کے برعکس وہ کچھ جھجک سا گیا۔ پتا نہیں وہ وہاں گر گئی تھی یا لیٹی تھی' مگر اس کا اندازہ بتا رہا تھا کہ اتنی تنگ جگہ کو کوئی یونہی لیٹنے کے لیے استعمال نہیں کر سکتا۔

اس نے ایک نظر سامنے نظر آتے کمروں کے کھلے دروازوں پر ڈالی۔ صاف ظاہر تھا کہ گھر میں اس وقت قندیل کے سوا کوئی نہ تھا۔

اس نے پلٹ کر پہلے بیرونی دروازے کو بند کیا پھر اس کے نزدیک آ کر اسے سیدھا کیا تو پتا چلا کہ وہ تو بری طرح زخمی تھی۔ اس کا ماتھا قریبی کانچ کی میز سے ٹکرا کر زخمی ہوا تھا۔ شاید خون زیادہ بہہ جانے سے وہ غشی کی حالت میں چلی گئی تھی۔

مگر کچھ اور بھی تھا جو اسے چونکا گیا تھا۔

اور وہ تھا قندیل کا حلیہ۔

یوں لگتا تھا۔ جیسے کسی نے اس کے ساتھ زیادتی کرنے کی کوشش میں ناکام ہو کر اسے دھکا دیا اور خود وہاں سے فرار ہو گیا۔ یا پھر۔۔۔

اس نے کچن سے جا کر پانی گلاس میں بھرا اور اس کے چہرے پر چھینٹے مارے۔

باوجود کوشش اور شدید خواہش کے اس کے اندر اتنی ہمت نہ ہو سکی کہ وہ اس کی بے خبری کے عالم میں ہی ہاتھ بڑھا کر اس کے گریبان کے کھلے بٹن بند کر دیتا۔

پانی کے چھینٹے منہ پر پڑنے سے قندیل کی پلکوں میں لرزش سی ہوئی۔ پھر اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ اور آنکھیں کھلتے ہی جس شخص کو اس نے خود پر جھکے دیکھا۔ اسے دیکھ کر اس کے واپس پلٹتے حواس جیسے اس کا ساتھ چھوڑ گئے۔

وہ بے انتہا خوف زدہ انداز میں اٹھنے کی کوشش کرتی ذرا سی پیچھے کھسکی۔

"کون ہو تم۔۔۔ اندر کیسے آئے؟" سوال بہت غیر متوقع تھا۔

اس صورت حال سے کہیں زیادہ۔ وہ بھونچکا ہی تو رہ گیا۔ اسے بھلا کب اندازہ تھا کہ وہ اسے بلا کر پہچاننے سے انکار کر دے گی۔

"میں۔۔۔ میں ثمیر ہوں۔" گڑبڑاہٹ میں اس کے لبوں سے فقط یہی نکل سکا۔

"کون ثمیر۔ میں کسی ثمیر کو نہیں جانتی۔ تم۔۔۔ تم اندر کیسے آئے؟ اوہ۔۔۔ اور۔" اب کی بار اس نے بے چینی سے ادھر ادھر نظریں گھمائیں۔

"سمیع کہاں گیا۔ میں نے تو اسے بلایا تھا۔ تم کون ہو اور کیوں آئے ہو یہاں۔" اس نے یک دم کھڑا ہونے کی کوشش کی' مگر سر پر لگی چوٹ نے اسے چکرا دیا اور وہ ایک بار پھر گرتے گرتے بچی۔

اس صورت حال نے صرف اسے ہی نہیں ثمیر کو بھی ڈرا دیا۔ گھر کا دروازہ اس نے خود بند کیا تھا اور قندیل کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ ایسے میں اگر وہ شور مچا کر کسی کو بلا لیتی تو شاید وہ زندگی بھر کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہ رہتا۔

لمحہ بھر کو اپنا سر تھام کر ٹھہرنے کے بعد وہ ایک بار پھر اٹھی اور تیزی سے باہر والے دروازے کی طرف بڑھی۔ ثمیر نے چشم زدن میں صورت حال کو بھانپا اور ایک جست میں جا کر اسے پکڑ لیا۔

"میری بات سنو قندیل۔ ریلیکس میں تمہیں کوئی نقصان پہنچانے۔۔۔"

وہ اسے پرسکون کرنا چاہتا تھا۔ اسے یاد دلانا چاہتا تھا کہ وہ یہاں کسی بری نیت سے' کسی برے ارادے سے نہیں بلکہ خود اس کے بلانے پر ہی آیا ہے۔ مگر وہ کچھ سنتی تب نا۔۔۔

وہ مچھلی کی طرح تڑپ کر اس کی گرفت سے نکلی۔

"قندیل پلیز' میری بات سنو۔ ایسا مت کرو۔۔۔" وہ حتی الامکان اپنی آواز دبا کر رکھنا چاہتا تھا۔

قندیل اس کی گرفت سے نکل کر بالکونی کی طرف بھاگی۔ شاید وہ وہاں سے کسی کو آواز دینا چاہتی تھی' مگر ثمیر نہیں چاہتا تھا کہ اس کی موجودگی میں اس فلیٹ کی چار دیواری سے باہر جائے۔ وہ خود بھی آوازیں دیتا اس کی طرف بڑھا۔

"قندیل۔۔۔ قندیل۔۔۔ نہیں پلیز۔۔۔"

اسے' اس کو روکنے کا موقع نہیں ملا۔ وہ پاگلوں کی طرح بالکونی کی چھوٹی سی دیوار سے آدھے سے زیادہ باہر جھک کر چلائی۔

"آپی۔۔۔ ی۔۔۔ ی۔۔۔"

اسی وقت ٹوٹی ہوئی بالکونی میں ایک دوسرے کے سہارے رکھے ہوئے بلاکس ہٹ گئے اور وہ ہو گیا۔ جس کا اس نے گمان بھی نہیں کیا تھا۔

"آپی۔۔۔ ی۔۔۔ ی۔۔۔"

پکارتی ہوئی آواز بازگشت بن کر اس سے دور ہوتی چلی گئی۔ خاموشی چھا گئی۔

"یہ۔۔۔ یہ کیا ہو گیا۔"

گمان و سوچ کی حدود سے کوسوں پرے جا کر ایک حادثہ اتنی اچانک رونما ہوا کہ اس کے اپنے حواس ساتھ چھوڑنے لگے۔

اپنی عزت بچانے کی دھن میں وہ کسی کی جان لے بیٹھا تھا۔

اب یہاں سے بھاگ کر اپنی جان بچانے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ اس نے بجلی کی سی تیزی سے دروازہ کھولا اور دھڑ دھڑ سیڑھیاں اتر کر جائے حادثہ سے دور ہوتا چلا گیا۔

☼ ☼ ☼

"تمہارا مجرم سمیع نہیں میں ہوں۔"

اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ وہ صندل کی ان بے یقین اور بے اعتبار نظروں کا سامنا کرنے کی ہمت خود میں نہیں پاتا تھا۔ جن میں اس وقت صرف آنسو تھے یا پھر دکھ۔۔۔

"میں یہاں تم سے کسی رحم کی بھیک مانگنے نہیں آیا۔ نہ ہی یہ کہنے کہ تم مجھے معاف کر دو۔ اس وقت تمہارے دل میں میرے لیے غصے اور نفرت کے جو جذبات پیدا ہو رہے ہوں گے۔ ان کے سامنے ایک معافی تو کیا۔ تلافی اور مداوے کا ہر لفظ بہت معمولی اور چھوٹا ہے۔ میں تو۔۔۔ یہاں۔۔۔ صرف اپنے ضمیر کا بوجھ ہلکا کرنے آیا ہوں۔ اور اپنے لیے نہیں سمیع کے لیے معافی مانگنے آیا ہوں۔ اسے معاف کر دو۔ اسے دل سے معاف کر دو صندل! اسی نے مجھے سب کچھ بتایا ہے اور یہ بھی کہ تم اسے اپنا اور قندیل کا مجرم سمجھتی ہو۔ میں۔۔۔ میں سمیع کی طرف سے تم سے معافی مانگتا ہوں۔"

اس نے جھکی نظروں سے صندل کے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔ "اگر قندیل نے خود اپنے منہ سے یہ الفاظ نہ کہے ہوتے کہ اس نے خود سمیع کو بلایا تھا تو شاید کوئی

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

سمیع کی بات پر یقین نہ کرتا۔" صندل کا بے حس و حرکت وجود یوں ساکت تھا کہ اس میں سانس کا زیروبم بھی گم ہو گیا تھا۔

اس کی آنکھوں کی سطح نم ہو گئی۔

صندل اب بھی خاموش اور جامد تھی۔

درحقیقت الفاظ ختم ہو چکے تھے۔ بلکہ صندل کو یوں لگ رہا تھا جیسے اس کی زندگی' اس کا دل سب کچھ ختم ہو چکا ہے۔ وہ خالی ہو گئی تھی۔ اندر تک بالکل خالی۔ اور آتی جاتی سانسیں یوں تھیں۔ جیسے خالی ٹن میں نوکیلے پتھر ہیں۔

☼ ☼ ☼

دن پر دن ایک دوسرے کے پیچھے رینگتے ہوئے سرک رہے تھے۔ آفس کے رولز اور ریگولیشن کے مطابق اسے استعفیٰ دینے کے ایک ماہ بعد جاب چھوڑنی تھی اور آفس میں ہونے والا ہر روز کا نمیر سے سامنا کسی آزمائش سے کم نہ تھا۔

وہ اس کے سامنے ضرور آتا تھا' لیکن صرف کام کے وقت' اس کے علاوہ اس نے اتنے دن میں کبھی صندل سے اپنے اور اس کے تعلق یا ماضی کے بارے میں' یا کسی بھی اور چیز کے متعلق کوئی فالتو بات نہیں کی۔

نمیر کا دن بھر میں کئی بار سامنا اس کے دل کو' اعصاب کو' روح کو جس شکست و ریخت سے دوچار کرتا تھا۔ یہ صرف وہ خود ہی جانتی تھی۔

نمیر کا اعتراف جرم اس کے لیے ایک بڑا ذہنی دھچکا تھا۔ سمیع اس کے لیے کیا حیثیت رکھتا تھا' یہ شاید نمیر نہ جان سکتا تھا۔ اس نے سمیع کو بری الذمہ قرار دے کر صندل کو خود اس کی نظروں میں گرا دیا تھا۔

نمیر کا دل اسے دیکھ دیکھ کر شرمندگی کے پاتال میں اترتا جاتا' لیکن اس کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ وہ اس سے اپنی صفائی یا اس کی دل جوئی کے لیے ہی کچھ کہہ سکے۔ اپنی جگہ وہ خود بھی ایک خوف کے حصار میں تھا۔

ہو سکتا تھا' اس ذہنی کیفیت سے نکل کر صندل پھر سمیع کی طرف پلٹ جاتی اور سمیع منا ہل کو چھوڑ کر۔۔۔

یہی وہ نکتہ تھا جہاں آکر نمیر ہر طرح سے پسپائی اختیار کر کے اسے اس کے حال پر چھوڑ دینے پر مجبور تھا۔

"ہو سکتا ہے یہ جاب چھوڑ کر کہیں اور جوائن کرے تو اس کا دل بہل جائے۔ اور وہ سنبھل جائے۔"

خود کو تسلی دینے کے لیے اس کے پاس فی الحال صرف یہی الفاظ تھے۔

دوسری طرف صندل تھی۔ مرے پر سو درّے کے مصداق۔ اس کا یہ عارضی' ظاہری سکون بھی اس وقت چھن گیا جب ایک دن اچانک فاخر دبئی فلائی کر گیا اور نغمانہ اس کے سامنے آبیٹھیں۔

"مجھے اس کا فیصلہ بالکل ٹھیک لگا' آج کل جو حالات جا رہے ہیں۔ پاکستان میں نہ کسی کی عزت محفوظ ہے نہ جان و مال۔ ایسے میں سالہا سال سے جمے جمائے کاروبار لے کر بیٹھے ہوئے لوگ باہر جانے کی سوچ رہے ہیں۔ یہاں سرمایہ کاری کرنا بے وقوفی ہوگی۔" انہوں نے لمحہ بھر کے لیے رک کر اس کا سپاٹ چہرہ دیکھا۔

"اور پھر وہاں اس کے کچھ عرب دوست ہیں' جو اس کے ساتھ پارٹنر شپ کے لیے بھی تیار ہیں۔ اس نے کہا ہے کہ وہ وہاں جاتے ہی مجھے بلا لے گا۔ میں نے سوچا کہ۔۔۔"

"آپ نے سوچا کہ آپ فوراً" اپنے بیٹے کے پاس چلی جائیں گی۔ ہمیشہ کی طرح خود غرضی کا اعلا ترین ثبوت دیتے ہوئے۔"

اس کے لب حرکت میں آئے اور اس نے سالوں بعد زہر اگلا۔ نغمانہ کی بات ادھوری رہ گئی۔ وہ حیرت زدہ سی ہو کر اسے تکنے لگیں۔

"تو کیا میرا فیصلہ غلط ہے؟" بہت وقت کے بعد ان کی آواز نکلی۔

"نہیں۔ آپ نے بالکل ٹھیک فیصلہ کیا۔ ایکچوئیلی آپ کو یہ فیصلہ کرنے کا اختیار بہت دیر میں ملا۔ اگر فاخر چند سال پہلے آجاتا تو آپ تب بھی یہی

فیصلہ کرتیں۔ اصل میں تو فاخر نے واپس آنے میں اتنے سال لگا دیے کہ آپ کو اس جہنم میں اپنی ناپسندیدہ ہستیوں کے ساتھ رہنا پڑا لیکن۔۔۔ دیر آید درست آید۔ آپ جائیں شوق سے۔ مجھے نہ کل کسی سہارے کی ضرورت تھی نہ آج ہے۔" وہ اپنی بات مکمل کر کے کھلے دریچے میں جا کھڑی ہوئی۔

وہ نہیں چاہتی تھی کہ نغمانہ اس کی پلکوں پر جمع ہوئی نمی دیکھیں۔ اسے حقیقتاً" نغمانہ کی بات نے دکھ پہنچایا تھا۔

"تم نے میری بات پوری نہیں سنی صندل! اور ہمیشہ کی طرح میرے بارے میں منفی قیاس آرائیاں کر کے فیصلہ کر لیا۔" صندل نے جواب نہیں دیا۔

"میں نے فاخر کے پاس جانے کا سوچا ضرور تھا' لیکن اکیلے نہیں' تمہیں ساتھ لے کر۔ اپنی بیٹی بنا کر نہیں بلکہ اپنی بہو۔ فاخر کی دلہن بنا کر۔"

صندل کی سماعتوں پر کسی نے بم دے مارا۔

☼ ☼ ☼

آج آفس میں اس کا آخری دن تھا۔

اس کی دماغی غیر حاضری کے سبب پچھلے کچھ دنوں میں اس کے خلاف اتنی کمپلینز جمع ہو چکی تھیں کہ اگر وہ استعفیٰ نہ دے چکی ہوتی تو ویسے بھی آفس میں اس کے آخری دن نزدیک ہی ہوتے۔

آدھے سر کا درد مستقل مکین بن چکا تھا۔ جیسے تیسے کر کے اس نے دو تین کام نمٹائے۔ اس کی طبیعت کی ابتری اس کی شکل سے ہی نمایاں تھی۔ جو آفس اسٹاف کے دو چار ممبر سلام دعا کی حد تک اس کے قریب تھے۔ وہ بھی سمٹ کر چپ چاپ بیٹھے تھے۔

وہ بمشکل اپنا دھیان گھسیٹ کر کسی اور جانب لگاتی اور اگلے ہی لمحے نغمانہ کی باتیں اس کی دماغی رو کو ہزار وولٹ کے جھٹکے لگانے لگتیں۔

نمیر نے صبح سے دوپہر اور دوپہر سے شام تک اسے کئی بار اس کیفیت میں دیکھا اور ہر بار اپنے دل کو دکھ کی نئی کیفیت سے نئے سرے سے گزرتا محسوس کیا۔

آفس ٹائم ختم ہونے سے کچھ دیر پہلے اس کے کیبن کے سامنے سے گزرتے ہوئے اس نے یوں ہی اچٹتی نظر اس کے چہرے پر ڈالی تھی۔ وہاں وہی پتھریلی کیفیت رقم تھی۔ دل کے ہاتھوں بے حد مجبور ہو کر وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ایک نمبر پر کال کر بیٹھا اور جب ساری صورت حال گوش گزار کر کے اس نے چپراسی کے ذریعے صندل کو کچھ دیر چھٹی کے بعد آفس میں ٹھہرنے کا پیغام بھجوایا تو وہ اپنی سیٹ سے اٹھ کر جا چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

"کیا ماما اتنا عرصہ میرے ساتھ رہنے کی سزا دینا چاہتی ہیں مجھے۔" اس کے دل اور دماغ اپنی بدگمانیوں کی انتہا پر تھے۔

"جب ہی تو وہ فاخر کے ساتھ مجھے نتھی کرنے کا سوچ رہی ہیں۔ جانتی جو ہیں کہ میں نے زندگی میں کبھی اس شخص کو پسند نہیں کیا۔ میں نے تو بھائی ہونے کے باوجود اسے کبھی اپنا بھائی نہ مانا نہ سمجھا۔ تو پھر اب کیسے۔ میں ایک نیا بندھن۔۔۔ ایک نیا رشتہ۔۔۔ کیا اوندھی سوچ ہے۔۔۔ جس شخص کی مطلب پرستی نے میرے باپ کی جان لی۔ میں اس کے ساتھ۔۔۔ اف نہیں!"

اس کا دماغ کلّی طور پر ماؤف تھا۔ نگاہوں کے سامنے ترمرے سے ناچ رہے تھے اور دل میں اٹھتے طیش کے بگولوں نے سامنے کا رستہ دھندلا دیا تھا۔

جب ہی وہ سامنے سے آتی فل اسپیڈ کار دیکھ نہ سکی اور تیز قدموں سے چلتی اس کے سامنے آگئی۔ گاڑی کے ٹائر چرچرائے' مگر وقت پر بریک نہ لگ سکا اور ایک زوردار دھکے نے اسے کئی فٹ فضا میں اوپر کی طرف اچھال کر بے رحمی سے کسی نوکیلے پتھر پر پٹخ دیا۔

☼ ☼ ☼

شہر کے مہنگے اور مصروف ترین اسپتالوں میں سے ایک میں وہ پچھلے تین دن سے زیر علاج تھی۔ پچھلے

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

تین دن سے اس کے لبوں پر لگے خاموشی کے قفل نہیں کھلے تھے اور پچھلے تین ہی دن سے اس کی آنکھیں بھیگی تھیں۔ وہ تین دن سے مسلسل سمیع کو اپنی عیادت کے لیے آتا ہوا دیکھ رہی تھی۔

ہاں۔۔۔ سمیع جبران۔۔۔ جو اس کی زندگی کا حاصل، اس کے خوابوں کی تعبیر اور تمناؤں کا مرکز تھا جسے اس نے کئی سال ہر دعا میں مانگا تھا۔ وہی سمیع جبران۔ اب بن مانگے کسی کو مل چکا تھا۔ کسی اور کو خوشی کے ساتھ اپنی زندگی میں شامل کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

اس کے لیے اس دل و دماغ کو اذیت سے چیر کر رکھ دینے والی حقیقت کو قبول کرنا اس حادثے سے کہیں بڑھ کر تھا۔ جس کی یاد دہانی سر کے پچھلے حصے میں اٹھنے والی ٹیس رہ رہ کر کرواتی رہتی تھی۔

بظاہر دکھائی دے جانے والے جسم کے زخم تو دھیرے دھیرے مندمل ہو ہی رہے تھے مگر وہ اپنی روح میں پڑ جانے والی دراڑیں کسے دکھاتی اور مداوا کرنے والا بھی کون تھا۔ نغمانہ پر بھی سمیع کی حقیقت واضح ہو چکی تھی۔ اور یہ بھی کہ وہ ثمیر کی بہن کا منگیتر اور عن قریب ہونے والا شوہر ہے۔

حیرت انگیز طور پر وہ بالکل خاموش تھیں۔ شاید صندل کی باتوں اور بدگمانی نے ان کے دل کو جو ٹھیس پہنچائی تھی، اس کے بعد سے وہ خاموش رہ کر اپنے آپ کو اس کی زندگی کے ہر معاملے سے مکمل طور پر لاتعلق ظاہر کرنا چاہتی تھیں۔

دروازہ ہلکی سی چرچراہٹ سے کھلا تو اس نے سامنے والی دیوار سے نظریں ہٹا کر اسے اندر آتے دیکھا۔

اس کے چہرے پر تفکر کی تھکن تھی۔ اور بڑھی ہوئی شیو اس کی خود سے لاپروائی اور صندل کی طرف سے پروا کا ثبوت تھی۔

صندل کے دل میں پھر احساسِ زیاں زور پکڑنے لگا۔ اس کا وجود چیخنے لگا۔

"کیا ضروری تھا کہ سب ٹھیک ہو جانے کے بعد میری زندگی میں یہ خلا باقی رہ جاتا۔" اس کے دل میں بے اختیار ایک شکایت نے سر اٹھایا۔

"نغمانہ آنٹی نے مجھے بتایا ہے کہ وہ اپنے بیٹے کے پاس دبئی جانا چاہتی ہیں تمہیں ساتھ لے کر۔ لیکن تم نے جانے سے منع کر دیا۔ کیوں؟"

آج پہلی بار اس نے، صندل سے اس کی صحت سے ہٹ کر کوئی بات کی تھی۔ صندل نے ایک خاموش شکایتی نگاہ اس پر ڈالی۔

"آئی ایم سوری! اگر وہ مجھ سے نہ کہتیں تو میں تم سے بات نہیں کرتا۔ آفٹر آل پچھلے بہت سارے فیصلوں کی طرح یہ بھی تمہاری زندگی کا اور تمہارا ذاتی فیصلہ ہے اور۔ شاید احمقانہ بھی۔"

"میرا فیصلہ بالکل احمقانہ نہیں۔ انہوں نے مجھے ساتھ لے جانے کی جو شرط رکھی ہے وہ میرے لیے قطعی ناقابل قبول ہے۔" وہ ہر بات بھلا کر تڑپ کر بول اٹھی۔

"کیسی شرط۔" صندل نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا۔ پھر رخ پھیر لیا۔

"وہ فاخر سے میری شادی کرنا چاہتی ہیں۔"

اسے معلوم تھا سمیع چپ کا چپ رہ جائے گا۔ اور ہوا بھی یہی۔

لیکن کچھ دیر بعد جب وہ بولا تو اس کے لہجے میں ایسی لمبی مسافت کی تھکن تھی۔ جس کا انجام ایک لاحاصل کے سوا اور کچھ نہ ہو۔

"تو اس میں حرج ہی کیا ہے۔" صندل حیرت اور دکھ سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

"یہ تم کہہ رہے ہو سمیع! تم! تم جانتے ہو اس میں کیا حرج ہے۔" اس کی آواز رندھ گئی۔

"ہاں۔ تم یہ کہہ سکتے ہو۔ بالکل ٹھیک کہا تم نے تم ہی کہہ سکتے تھے یہ بات۔ کیونکہ۔" اس نے جیسے معاملہ سمجھ کر گہری سانس لی۔

"میری جگہ کسی اور کو دے دینا۔ مجھے چھوڑ کر کسی اور سے رشتہ بنا لینا تمہارے لیے بہت آسان ہے۔ مگر، میرے لیے نہیں۔" اس کی آنکھوں میں آنسو بھر گئے۔

"تم بھول رہی ہو صندل۔ میں نے تمہیں نہیں چھوڑا۔ مجھے چھوڑنے کا فیصلہ تم نے کیا تھا۔ میری بات پر اعتبار نہ کرکے۔ مجھے میری ہی نظروں میں گرا کر۔" اس کا لہجہ شدید زخمی تھا۔

"تم بھول کیوں نہیں جاتے۔ وہ سب ایک غلط فہمی کی وجہ سے ہوا۔" وہ شدید عاجزی سے اسے دیکھ کر بولی۔ سمیع چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔

"میں نہیں بھول سکتا۔ بہتر ہوگا تم بھی سب کچھ یاد رکھو۔ ہر بات۔ ہر موقع۔ اپنا ہر فیصلہ اور اس سے جڑا ہر نتیجہ۔ جس کے آخر میں خسارہ صرف اور صرف تمہارے اپنے حصے میں آیا۔" صندل نے منہ کھولنا چاہا۔ لیکن سمیع نے ہاتھ اٹھا کر اسے ٹوک دیا۔

"تمہیں میری بات پوری سن لینی چاہیے۔ اور اچھی طرح سمجھ بھی لینی چاہیے مجھے رد کرنے کا فیصلہ تمہارا اپنا تھا۔ نغمانہ آنٹی کو زندگی بھر معاف نہ کرنے اور فاخر کے کیے کو بھی نہ بھولنے کا عہد تم نے خود میرے سامنے کئی بار دہرایا۔ ثمیر ہزار چاہنے کے باوجود تمہارے دروازے سے نامراد لوٹا اور اب ایک بار پھر فاخر کو ٹھکرا کر تم نے تنہا رہنے کا جو فیصلہ کیا ہے وہ بھی تمہارا اپنا ہے۔ سراسر ذاتی۔"

صندل کی زبان تالو سے چپک گئی۔ یہ وہ سمیع نہیں تھا جو اس کی ہر بات پر آنکھیں بند کرکے سر تسلیم خم کر دیتا تھا۔ یہ تو کوئی اور ہی۔ بلکہ شاید وہ کوئی آئینہ تھا۔ جس میں اسے اپنا عکس بہت مسخ شدہ نظر آ رہا تھا۔

"لوگوں کو معاف کرنا سیکھو صندل! ورنہ تم زندگی بھر تنہا رہ جاؤ گی۔ بھول جاؤ جو کہ تمہارے بچپن سے لڑکپن تک نغمانہ آنٹی نے تمہارے ساتھ کیا کیا۔ بھول جاؤ جو فاخر نے کیا۔ اور بھلا دو وہ تلخ ترین حادثہ جس نے تمہارے دل و دماغ کو جکڑ رکھا ہے۔ معاف کر دو ثمیر کو۔ باوجود اس کے کہ وہ گناہ گار نہیں ہے۔ اس نے قندیل کا برا چاہا نہ اس کے ساتھ برا کیا۔ نہ میں نے قندیل کا برا چاہا تھا نہ اس کے ساتھ کچھ بھی کیا تھا۔ مگر تم نے۔"

وہ بولتے بولتے جیسے تھک سا گیا۔

صندل کا سر جھکا ہوا تھا۔ اور اس کی پلکوں سے نمکین موتی ٹوٹ کر گود میں رکھے اس کے زرد ہاتھوں پر گر رہے تھے۔

"زندگی جمود کا نہیں آگے بڑھنے کا نام ہے۔ مر جانے والوں کو یادوں میں زندہ رکھا جاتا ہے۔ یہی زندگی کا اصول ہے۔ ان کے ساتھ نہ تو خود مرا جاتا ہے۔ نہ زندہ بچ جانے والوں کو اس طرح پل پل موت کی اذیت سے دوچار کیا جاتا ہے۔ جس طرح تم نے ثمیر کو کیا۔"

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

کتاب کا نام	مصنفہ	قیمت
بساطِ دل	آمنہ ریاض	500/-
زرد موسم	راحت جبیں	750/-
زندگی اک روشنی	رخسانہ نگار عدنان	500/-
خوشبو کا کوئی گھر نہیں	رخسانہ نگار عدنان	200/-
شہرِ دل کے دروازے	شازیہ چودھری	500/-
تیرے نام کی شہرت	شازیہ چودھری	250/-
دل ایک شہرِ جنوں	آسیہ مرزا	450/-
آئینوں کا شہر	فائزہ افتخار	500/-
بھول بھلیاں تیری گلیاں	فائزہ افتخار	600/-
پھلاں دے رنگ کالے	فائزہ افتخار	250/-
یہ گلیاں یہ چوبارے	فائزہ افتخار	300/-
مَیں سے عورت	غزالہ عزیز	200/-
دل اُسے ڈھونڈ لایا	آسیہ رزاقی	350/-
بکھر نا جائیں خواب	آسیہ رزاقی	200/-

ناول منگوانے کے لئے فی کتاب ڈاک خرچ -/30 روپے
منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ - 37 اردو بازار، کراچی۔
فون نمبر: 32216361

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

وہ تاسف اور ترحم سے اس نازک سی لڑکی کو دیکھتا رہا۔ جس نے زندگی میں پے در پے جھٹکے اور ٹھوکریں کھائی تھیں۔ مگر اب بھی عقل پکڑنے کو تیار نہ تھی۔

"میں تمہاری طرف نہیں پلٹ سکتا۔ چاہ کر بھی نہیں۔ اس لیے نہیں کہ میرے دل میں تمہارے لیے کوئی میل یا بدگمانی ہے۔ نہیں۔ شاید تمہاری جگہ کوئی اور لڑکی بھی ہوتی تو یہی کرتی جو اس وقت تم نے کیا تھا۔ وجہ صرف اتنی ہے کہ میں جس لڑکی سے وعدہ کرچکا ہوں۔ اب اسے توڑ نہیں سکتا۔ وہ بھی معصوم ہے۔ اسے کس بات کی سزا ملے۔ اور تم۔ اب جو تم کررہی ہو وہ سراسر غلط ہے۔ تم نے ثمیر کو کیوں مایوس کیا صندل؟ اس کا کیا قصور تھا۔ صرف یہی کہ تم مجھ سے بدگمان تھیں اور میں اس کا دوست نکلا۔

اس کی شرافت یہ تھی کہ وہ اپنی اور میری بے گناہی ثابت کرنے تمہارے پاس آیا تم پر بھروسا کر کے۔ اپنی محبت کا مان لے کر۔ اور تم نے اسے بھی نغمانہ آنٹی، میری اور فاخر کی طرح کٹہرے میں کھڑا کر کے فرد جرم عائد کردی۔ کیوں صندل۔ اور کب تک خود کی طرف بڑھنے والے ہاتھ یوں جھٹکتی رہو گی تم۔"

سمیع کے لہجے پر کمزوری غالب آگئی اور صندل دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

اس نے زندگی کو، اپنے طرز عمل کو اس رخ سے کب دیکھا تھا۔ نغمانہ کمرے میں داخل ہوئیں تو بے طرح گھبرا گئیں۔

"کیا ہوا۔ اسے کیا ہوا۔ صندل بیٹا۔"

اس نے جلدی سے اپنا چہرہ صاف کیا۔

"پلیز مجھے ایک گلاس پانی پلادیں۔ بول بول کر میرا گلا خشک ہو گیا۔"

سمیع چند لمحے پیشتر کے برعکس شگفتگی سے بول رہا تھا۔

صندل میں ہمت نہیں تھی کہ اس سے نظریں ملا سکتی۔

☼ ☼ ☼

ہفتہ بھر بعد اسے ڈسچارج کیا گیا۔

اس نے اپنے سوجے ہوئے پپوٹوں کو دھیرے سے مسل کر آنکھیں کھولیں۔ نغمانہ گنگناتے ہوئے اس کا سامان سمیٹ رہی تھیں۔ ان کے لبوں پر ان کی آواز جیسی ہی مسکان تھی۔ دھیمی لیکن اندرونی خوشی کا پتا دیتی ہوئی۔

اور یہ اندرونی خوشی اس کی اپنی ذات سے جڑی تھی۔ اس کے ایک فیصلے نے بہت سارے لوگوں کو یہ خوشی دی تھی۔ سچی، خالص اور پر خلوص۔

نغمانہ، سمیع، منال، فاخر اور سب سے بڑھ کر ثمیر۔

موبائل پر بیپ ہو رہی تھی۔ اس نے سوچ سے نکل کر اسکرین دیکھا۔

"کیا حال ہیں مادام۔ بندۂ ناچیز آپ کو پک کرنے آرہا ہے۔ چھٹی میں کتنی دیر ہے۔" اس کے لبوں کو بھی نغمانہ کی طرح دھیمے سے ایک نرم مسکان نے چھو لیا۔

اس نے جوابی پیغام لکھ کر بھیجا۔ اور ذرا ہی دیر کے بعد کمرے میں داخل ہوتے ثمیر کو دیکھ کر مسکرادی۔ وہ اکیلا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ منال بھی تھی۔ تھوڑی شرمائی ہوئی سی۔ نغمانہ اس سے بہت محبت سے ملیں۔ اور وہ خود بھی دیر تک صندل کا ہاتھ اپنے مومی ہاتھوں میں دبا کر سہلاتی رہی۔

وہ واقعی بہت خوبصورت تھی۔ معصوم، پاکیزہ اور بالکل گڑیا سی۔

"بھلا کس کا دل چاہے گا کہ بنا کسی وجہ کے تم جیسی مومی گڑیا کے جذبات سے کھیلے۔" اس کے دل نے سمیع کو باعزت بری کرنے میں ہمیشہ کی طرح جلدی کی۔ اور اپنی نظریں ثمیر پر ٹکا دیں۔ اس کے صرف لب نہیں پورا وجود مسکرانے لگا۔ اور ذہن میں تکرار سی ہونے لگی۔

دل کو راہ راست پر لانے میں کچھ وقت لگے گا
پاگل ہے اس کو سمجھانے میں کچھ وقت لگے گا

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

اسماء خان

عشق سکن مصاحب

ناولٹ

کیلی فورنیا ہائی وے پر "معرز خان" نامی ایک نوجوان کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے۔ آفیسرز کے مطابق اس نوجوان کے زندہ بچنے کے امکانات کم ہیں۔

معرز خان اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہے۔ روڈ ایکسیڈنٹ میں اس کے والدین کی وفات ہوچکی ہے۔ اب وہ کیلی فورنیا میں اپنے پرانے اور بااعتماد ملازم جیری کے ساتھ رہتا ہے۔ رضا اس کا دوست ہے۔ معرز کا اس کے گھر بھی آنا جانا ہے۔ رضا کی چھوٹی بہن عنبر کو وہ بھی اپنی بہن سمجھتا ہے۔

رامین ایک مغموم و معصوم لڑکی ہے۔ ماں کے ظلم کی وجہ سے ہروقت وحشت زدہ رہتی ہے۔ ماں کے انتقال پر اس کی پھوپھیاں آمنہ بیگم اور قدسیہ بیگم اسے سنبھالتی ہیں۔ تایا شفیق الرحمان اسے اپنے ساتھ لے جانے پر اصرار کرتے ہیں مگر وہ منع کردیتی ہے۔

رامین اور معرز کے درمیان اسکول کے پہلے دن سے ہی خوب اچھی دوستی ہوجاتی ہے۔ پھر حسن بھی ان کے ساتھ شامل ہوجاتا ہے مگر ایک دن رامین کے والد اسے معرز اور حسن کے ساتھ باتیں کرتے دیکھ کر بہت سختی کرتے ہیں۔ اس دن کے بعد سے رامین ان دونوں سے کھنچ جاتی ہے۔ میٹرک تک آتے آتے رامین کی سرد مہری کے باوجود معرز اس کو پسند کرنے لگتا ہے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

مطیع الرحمان اور صبیحہ بیگم کے دو بیٹے شفیق الرحمان اور عبید الرحمان اور بیٹیاں آمنہ بیگم اور قدسیہ بیگم ہیں۔ لاڈلی بیگم، مطیع الرحمان کی چھوٹی بہن ہیں اور صالحہ بیگم، صبیحہ بیگم کی چھوٹی بہن ہیں، جو بیوہ اور تین بچوں کی ماں ہیں۔ صبیحہ بیگم اپنے میاں کی رضامندی سے انہیں اپنے ساتھ رکھ لیتی ہیں۔ ان کی بہت سگھڑ، مگر قدرے عام صورت بیٹی گل ناز کو صبیحہ بیگم عبید الرحمان کے لیے لینے کا ارادہ رکھتی ہیں۔ گل ناز بھی عبید الرحمان کو پسند کرتی ہے۔ دوسری طرف لاڈلی بیگم کی خواہش ہے کہ عبید الرحمان کے لیے ان کی بیٹی طوبیٰ کو لیا جائے۔ صبیحہ بیگم بہت ہوشیاری سے مطیع الرحمان اور اپنی ساس کو گل ناز کے حق میں راضی کرلیتی ہیں۔

لیکن عبید الرحمان کسی شادی میں نازنین کو پسند کرلیتے ہیں، جو محسنہ اور شاکر علی کی سب سے چھوٹی اور نہایت حسین بیٹی ہے۔ شاکر علی کی ہی طرح مغرور بھی۔ محسنہ انبالہ سے تعلق رکھنے والی ایک سادہ، ان پڑھ اور کم صورت خاتون تھیں۔ جبکہ شاکر علی خوش شکل، خوش لباس پروفیسر تھے۔ انہوں نے محسنہ اور بچوں کی کفالت کے علاوہ کبھی بیوی بچوں میں دلچسپی نہ لی مگر نازنین پر انہوں نے خوب توجہ دی، جس کے باعث وہ مزید مغرور اور خود سر ہوگئی۔

عبید الرحمان بہت مشکل سے اپنے گھر والوں کو نازنین کے لیے راضی کرپاتے ہیں۔

شادی کے بعد ناز بے تحاشا مسائل میں پھنس جاتی ہے۔ عبید الرحمان اپنی والدہ کے فرماں بردار ہوتے ہیں اور صبیحہ بیگم بہرحال ناز کو پسند نہیں کرتی تھیں۔ لاڈلی بیگم بھی شادی کے دوسرے دن ہی گلناز کے خلاف اس کے کان بھر دیتی ہیں۔ سسرال والے اس کی خوشیوں میں اچھی خاصی رکاوٹ ڈالتے ہیں، عبید ماں کے بارے میں نازیبا الفاظ بولنے پر ناز پر ہاتھ اٹھا دیتے ہیں۔ ناز کے دل میں سسرال والوں سے شدید نفرت پیدا ہوجاتی ہے پھر وہ حتی المقدور اس نفرت کا اظہار اپنی باتوں اور حرکتوں سے کرنے لگتی ہے۔ اس کی دوست عالیہ اسے مزید شہ دیتی ہے۔ وہ عبید الرحمان کو ان کے گھر والوں سے برگشتہ کرنے کے لیے ایسی حرکت کرتی ہے کہ عبید الرحمان پھپو سے سخت ناراض ہوجاتے ہیں اور الگ ہونے کا فیصلہ کرلیتے ہیں۔ بعد میں پتا چلتا ہے کہ یہ سب ناز کی منصوبہ بندی تھی۔ ناز، شاہ زیب اور رامین کو باپ اور ددھیال سے بدگمان کرنا شروع کردیتی ہے۔

رامین کو باپ کی طرف داری کرتے دیکھ کر وہ عبید الرحمان کو زچ کرنے کے لیے اس پر ظلم کرنے لگتی ہے۔ الگ گھر میں آکر ناز آزاد ہوجاتی ہے۔ اور عبید الرحمان کے منع کرنے کے باوجود اپنی پرانی ایکٹویٹیز شروع کردیتی ہے۔ وہ غلط بیانی کرکے عبید الرحمان سے رامین کو پٹواتی ہے۔

چوتھی قسط

اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی اس کے پاپا کا ہاتھ اٹھ گیا اور پھر انہوں نے کچھ بھی نہیں سنا نہ رامین کی قسمیں، نہ واسطے۔ شاہ زیب انہیں نہ روکتا تو شاید آج وہ اسے جان سے ہی مار ڈالتے۔ رامین کو اپنے پاپا کے بھاری ہاتھ سے جسم پر اتنی چوٹ نہیں لگ رہی تھی جتنا ان کے آنسوؤں سے تر چہرے کو دیکھتے ہوئے اس کا دل لہولہان ہو رہا تھا۔ وہ روتے ہوئے اس سے شکوہ کناں تھے کہ اس نے ان کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہے۔ کسی کو بھی اس کی بات پر یقین نہیں آرہا تھا۔

یقین تو اسے بھی نہیں آرہا تھا کہ مہریز ایسا کیسے کرسکتا ہے؟ ایک ذرا سی بات کا اتنا بتنگڑ کیسے بن گیا تھا؟

"جاؤ اپنے کمرے میں۔ ہٹو یہاں سے۔" "بس" کا بھائی پاپا کو کاندھوں سے تھامے ہوئے اسے جانے کے لیے کہہ رہا تھا۔ عبید بے دم سے ہوکر صوفے پر گر گئے تھے۔ شاہ زیب انہیں سنبھالنے کی کوشش کررہا تھا اور نازنین۔۔۔ وہ صرف زہر اگل رہی تھی۔

"اپنی اس بیٹی کی چوکیداری کرنے کے لیے میرے آنے جانے پر پابندی لگادی تھی۔ اب اسے قید کرکے دکھائیں۔ ایسی بے غیرت۔۔۔ ابھی سے یہ حال ہے، آگے کیا کرے گی؟ ان مزدوروں سے "ٹیک پروین" کو ڈر لگ رہا تھا؟ اب پتا چلا کتنی بڑی "جھوٹی" ہے آپ کی بیٹی، بلاوجہ کوئی کسی کے آگے پیچھے نہیں پھرتا۔ آپ کی ایسی بھی حور پری نہیں ہے کہ ساری دنیا کے مرد۔۔۔"

"بس۔۔۔ اب ایک لفظ مت کہنا نازنین، ورنہ میں تمہارا منہ توڑ دوں گا۔" عبید سے نازنین کی جلی کٹی باتیں برداشت نہیں ہورہی تھیں، انہوں نے پوری قوت سے چلا کر اسے خاموش رہنے کو کہا، مگر وہ چپ رہنے والوں میں سے نہیں تھی۔

"میرا منہ کیوں توڑیں گے؟ اپنی لاڈلی کے ٹکڑے ٹکڑے کیوں نہیں کردیتے؟ اتنی ہی غیرت ہے تو۔۔۔؟ میرا سلیولیس بلاؤز نظر آتا ہے۔ اپنی بیٹی کے کرتوت نہیں؟ بس! میں نے بہت سہ لیا، اب جہاں دل کرے گا میں جاؤں گی۔ اپنی بیٹی کو سنبھالنا ہے تو خود سنبھالیں، میں اس کی ذمہ دار نہیں ہوں، اور خبردار جو آئندہ مجھے روکنے کی کوشش کی۔ پوری دنیا میں مشہور کردوں گی کہ آپ کی بیٹی پڑھائی کے بہانے منہ کالا کرتی پھرتی ہے۔"

وہ الفاظ نہیں تھے، پگھلا ہوا سیسہ تھا جو ناز عبید کے کانوں میں انڈیلتی جارہی تھی۔ عبید نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا، ناز اپنے ترکش کا آخری تیر چلا کر کمرے میں چلی گئی۔ اور شاہ زیب پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے پاپا کو چپ کروانے کی ناکام کوشش کرتا رہا۔ وہ اپنے کمرے میں بستر پر بیٹھی تھی۔ لیکن ہر آواز سن سکتی تھی۔ پاپا کے رونے کی آواز۔ اس نے بے اختیار گردن موڑ کر اندھیرے ہال کی طرف دیکھا۔ جانے کیوں ابھی بھی اسے لگ رہا تھا کہ عبید کی سسکیاں ہر طرف گونج رہی ہیں۔ اس نے اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپالیا۔

اگلے دو روز وہ بے تحاشا روتی رہی تھی، شاہ زیب اسے چپ کروانے آیا تھا۔ اسی نے پاپا کو سمجھایا تھا کہ وہ رامین کے ساتھ اسکول جاکر ساری صورت حال معلوم کرے گا۔ اس دن مہریز کو اچھی طرح برا بھلا کہنے کے بعد جب وہ چھٹی کے وقت بھائی کے ساتھ اسکول سے باہر نکلنے والی تھی تو اسد گیٹ سے اندر آتا دکھائی دیا۔ اس کے ہاتھ میں رامین کی بک تھی۔ انہیں دیکھتے ہی وہ سیدھا ان کے پاس آیا اور رامین کی بک اسے دیتے ہوئے کہا۔

"سوری، مجھے فلو تھا، صرف آپ کی بک واپس کرنے آیا ہوں۔ یہ سوچ کر کہ آپ پریشان ہورہی ہوں گی۔ ویسے آپ کو میسج تو مل گیا ہوگا، میں نے آپ کے گھر فون کرکے آنٹی کو بتایا تھا کہ ٹیبل پر یہ بک ویٹر کو مل گئی تھی، میرے پاس ہے۔ میں پیر کو واپس دے دوں گا۔"

رامین سن کھڑی اس کی ہر بات سن رہی تھی۔ شاہ زیب نے تھینکس کہہ کر اس سے ہاتھ ملایا اور وہ دونوں گھر واپس آگئے۔ اسی شام شاہ زیب نے عبید کو بھی سب کچھ بتادیا تھا۔

نازنین کے جھوٹ کا سچ پہلی بار ان کے سامنے نہیں آیا تھا۔ اپنے دفاع میں جھوٹ بولنے والی نازنین اب اس حد تک آگے بڑھ چکی تھی کہ بیٹی پر تہمت لگانے سے بھی گریز نہیں کیا۔ عبید رامین سے بھی سخت شرمندہ تھے۔

کچھ بعید نہیں تھا کہ ناز اپنے کہے پر عمل کرتے ہوئے خاندان بھر میں یہ قصہ مشہور کردیتی اور رامین بدنام ہوجاتی۔ رامین کے لیے مزید احتیاط لازم ہوگئی۔ گھر کا فون نمبر تبدیل کردیا گیا اور ہر جگہ آنے جانے پر پابندی لگ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے باپ کی نظروں میں تو معتبر کردیا تھا مگر وہ خود سے بہت شرمندہ تھی۔ مہریز جس نے کچھ نہیں کیا تھا، اس کے غصے کا نشانہ بن گیا تھا۔ وہ اس سے معافی مانگنا چاہتی تھی لیکن کیسے؟ اب تو ملاقات کا کوئی امکان ہی نہیں تھا۔

"یا اللہ۔۔۔ مجھے زندگی میں ایک موقع ملے کہ میں

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

اس سے معافی مانگ سکوں۔ اس کا کوئی قصور نہیں تھا۔ مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوگئی۔ مجھے معاف کروے اور میرزا سے اتنی خوشیاں اور کامیابیاں عطا فرما کہ لوگ اس پر رشک کریں۔ وہ جو چاہے اسے مل جائے، میں اس کے لیے تیرے آگے ہاتھ پھیلاتی ہوں۔ اسے عزت، نام، پیسہ سب کچھ دے ہمیشہ اسے اپنی حفظ و امان میں رکھ۔"

اس نے رامین سے کہا تھا کہ وہ اس کے لیے دعا کرے وہ کر رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

عبید نے اٹھتے بیٹھتے رامین کی تربیت کرنی شروع کردی تھی۔ وہ ہرگز نہیں چاہتے تھے کہ رامین اپنی ماں کی شخصیت کا ذرا سا بھی اثر قبول کرے۔

باتوں باتوں میں وہ رامین کو سمجھاتے رہتے کہ اسے ہرگز نازنین جیسا نہیں بننا ہے۔ ایک اچھی بہو اور بیوی ویسی نہیں ہوتی جیسی ناز تھی۔ عورت وہی کامیاب ہے، جس سے اس کا شوہر خوش ہو۔

عبید چاہتے تھے کہ رامین کی جلد از جلد شادی کردی جائے۔ ان کے خاندان میں تو ابھی تک کسی نے رامین کے لیے دلچسپی کا اظہار نہیں کیا تھا۔ ان کا ارادہ قدسیہ کے بڑے بیٹے سعد کے لیے تھا مگر ان کی بہن نے اپنی بیٹی کے لیے شاہ زیب کا نام لیا تو وہ پریشان ہوگئے تھے۔ قدسیہ کو کسی نہ کسی طرح ٹال کر انہوں نے رامین کے لیے کہیں اور کوشش شروع کردی۔

رامین کا ایڈمیشن کالج میں ہوگیا تو گھٹن میں کچھ کمی واقع ہوئی۔

اس کی فرینڈز مل جل کر لنچ، مووی اور گیٹ ٹوگیدر کے پروگرام بناتیں اور کالج کے باہر بھی ایک دوسرے کے ساتھ خوب انجوائے کرتی تھیں۔ رامین سے ان کا تعلق صرف کالج کی حد تک ہی تھا، ان کے لاکھ کہنے پر بھی وہ کبھی ان کے گھر نہیں گئی تھی۔ اپنے گھر وہ اس لیے نہیں بلا پاتی تھی کہ معلوم نہیں کب ماما پاپا کا سین کری ایٹ ہو اور وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل ہی نہ رہے۔

☆ ☆ ☆

شاہ زیب اس کا بھائی اس کا دوست۔ جس سے کچھ نہ بھی کہتی وہ ہمیشہ اس کے دل کا حال جان جایا کرتا تھا۔ بھائی اپنی بہن کے لیے مضبوط پناہ بھی ہوتا ہے اور محبت کا سرچشمہ بھی۔ ان کا بچپن ماں باپ کے جھگڑوں سے جہاں جہاں محفوظ رہا تھا وہیں بہت خوب صورت اور معصوم یادیں سمیٹے ہوئے تھا۔ ساتھ کھیلتے، تتلیوں اور جگنوؤں کا پیچھا کرتے، پتنگ اڑاتے، اللہ کے نام چٹھی باندھ کر آسمان میں گیس بھرے غبارے کو چھوڑ دیتے۔ ان کی لڑائیاں بھی بہت ہوا کرتی تھیں جیسے سب بہن بھائی کی ہوتی ہیں۔ بہن نے بال گم کردی تو بھائی ناراض، بھائی نے چوٹی کھینچ دی گڑیاں توڑ دیں تو بہن کا غم سے برا حال۔ رو رو کر لڑائی شروع ہوتی اور ہنستے ہنستے ختم ہوجاتی۔

بہت سے مناظر جو رامین کو یاد تھے جنہیں دیکھ کر اسے زندگی کی بدصورتی کا احساس ہوا تھا۔ اس سے کہیں زیادہ خوف ناک منظر شاہ زیب نے دیکھے تھے۔ وہ لڑکا تھا، اس کے باوجود وہ رامین سے زیادہ حساس تھا اور یہی چیز اس کے لیے زیادہ نقصان دہ ثابت ہوئی تھی۔

اسے رامین کی طرح گھر میں قید نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اسے پڑھائی میں دشواری پیش آئی تو اسے اکیڈمی میں داخل کرا دیا گیا جہاں اس کی دوستی سر نبیل سے ہوگئی تھی۔ یہ شخص کچھ عجیب سے کردار کا مالک تھا۔ اکیڈمی میں انگلش پڑھایا کرتا تھا اور اپنے گھر میں اس نے ایک آرٹس اسکول کھول رکھا تھا جہاں دن بھر نو عمر لڑکے لڑکیوں کا آنا جانا لگا رہتا تھا۔

گھر کے کشیدہ ماحول سے فرار حاصل کرنے کے لیے شاہ زیب نے نازنین سے کہہ کر آرٹس اسکول میں بھی داخلہ لے لیا اور اپنی شامیں وہیں گزارنے لگا۔

یہیں سے اسے سگریٹ نوشی کی عادت پڑ گئی تھی۔ وہاں ہر قسم کے لڑکے لڑکیاں آتے تھے، زیادہ تر ایلیٹ کلاس کے بچے جنہیں نبیل کی پراسرار شخصیت اپنی جانب کھینچ لیتی تھی۔ یہاں سب آپس میں بے حد بے تکلف تھے۔ مذہب، آرٹس، کلچر، جنس یہاں ہر موضوع پر بے لاگ تبصرہ کیا جاتا۔ نبیل کے تمام خرچے ان ہی امیر والدین کی بگڑی ہوئی اولادیں اٹھایا کرتیں۔

شاہ زیب کو کبھی روپے پیسے کی کمی کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ ماں باپ کے پاس اولاد کو دینے کے لیے وقت اور خوشیاں نہ ہوں تو پیسے تھما دیا کرتے ہیں۔ اپنے گلٹ کا گلا دبانے میں آسانی رہتی ہے۔ شاہ زیب کے معاملے میں ناز اور عبید پوری قوت سے اپنے گلٹ کا گلا گھونٹنے میں مصروف تھے۔

شاہ زیب گھر سے لاتعلق ہوتا جا رہا تھا۔ کبھی گھر میں ایک دو وقت کا کھانا کھانے آجاتا تو سر پر لڑتے ماں باپ کو بھنبھناتی مکھیوں سے زیادہ اہمیت نہیں دیا کرتا تھا۔ اسے رامین کی فکر رہتی تھی، اپنے کمرے کی چابی وہ اسے دے جاتا کہ اس کے لیے ایک ایسی پناہ گاہ تو ہونی چاہیے، جہاں وہ ماں کے چنگل سے محفوظ رہ سکے۔ وہ ماں کو بپھرتے دیکھ کر اس کے کمرے میں چلی جاتی اور اندر سے لاک کر کے چند گھنٹوں کے لیے محفوظ ہوجاتی تھی۔

عبید الرحمان کو ان کے کسی دوست کے ذریعے معلوم ہوا تھا کہ جس آرٹس اسکول میں شاہ زیب جا رہا ہے اس کی شہرت اچھی نہیں ہے، پھر اپنے طور پر بھی انہوں نے معلوم کروایا تو یہی بات سامنے آئی تھی کہ نبیل جیسا شخص استاد کہلانے کے لائق ہرگز نہیں تھا۔ انہوں نے شاہ زیب کو وہاں جانے سے منع کیا تو اس نے انکار کردیا۔

عبید کی آنکھوں کے سامنے ان کا گھر برباد ہو رہا تھا۔ انہیں کچھ کرنا تھا۔ اپنے بھائی شفیق الرحمان کو ساری صورت حال سے آگاہ کیا۔

شفیق الرحمان نے نہایت سمجھ داری سے جوان ہوتے بھتیجے کو زور زبردستی سے روکنے کے بجائے ایک متبادل تفریح فراہم کی۔ وہ اسے آرٹس اسکول جانے کی ٹائمنگ پر اپنے گھر لے جاتے۔ اپنے بچوں کے ساتھ گپ شپ لگاتے اس کے ساتھ۔ کچھ ہی مہینوں میں شاہ زیب سر نبیل کو بھول گیا۔ پڑھائی کے لیے اسے جو مدد درکار ہوتی شفیق الرحمان کر دیا کرتے تھے۔ اپنے ددھیال والوں سے براہ راست رسم و راہ پیدا ہونے کے بعد شاہ زیب کو احساس ہوا تھا کہ نازنین کس قدر غلط سوچتی تھی۔ اس نے اپنے بچوں کے ذہنوں میں ابتدا ہی سے سسرال والوں کے ظلم و ستم کا وہ نقشہ کھینچ رکھا تھا کہ بچے کبھی بھی ان سے گھل مل نہیں پائے تھے۔ اب ناز کی کہی ہر بات شاہ زیب کو جھوٹ محسوس ہوتی تھی۔

اس معمول کی خبر جب تک نازنین کو نہیں ہوئی تھی، سب کچھ ٹھیک چل رہا تھا۔ جس دن ناز کو علم ہوا کہ اس کا چہیتا بیٹا اس کی آنکھوں میں دھول جھونک

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

رہا ہے' وہ فوراً" ہتھے سے اکھڑ گئی۔

اولاد کو بہت پہلے ہی بانٹ لیا تھا ناز نے۔ رامین عبید کی اور شاہ زیب صرف ان کا۔ وہ اس پر بے تحاشا روپیہ لٹاتی آئی تھی۔ اس کی ہر خواہش پوری کی، مگر شاہ زیب نے بھی اسے دھوکا دے دیا۔ وہ غصے میں پاگل ہو کر یہاں سے وہاں چکر لگا رہی تھی۔ اسی وقت شاہ زیب پسینے میں شرابور گھر کے دروازے سے اندر داخل ہوا۔ اس نے چور نگاہوں سے ماں کی طرف دیکھا جو لال انگارہ آنکھوں سے پہلے ہی اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔ وہ چپ چاپ سر جھکا کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا کہ ناز نے ہاتھ بڑھا کر اس کا راستہ روک لیا۔

"ٹھہرو۔۔۔"

"ماما! آپ اس وقت غصے میں ہیں۔۔۔ میں آپ کو بعد میں بتاؤں گا۔" نرمی سے کہتا وہ اس کا ہاتھ ہٹا کر آگے نکلنے لگا تو ناز نے اس کے ہاتھ سے وکٹ چھین کر اسے بے دریغ پیٹنا شروع کر دیا۔ بالکل اسی طرح جیسے وہ رامین پر اپنا غصہ نکالتی تھی۔

"آئندہ وہاں جانے کا سوچا بھی تم نے تو میں تمہاری ٹانگیں توڑ دوں گی۔"

"کیا کر رہی ہیں آپ۔۔۔ چھوڑیں۔"

"نہیں شاہ زیب۔" وہ غصے میں بالکل اندھی ہو رہی تھی۔ "تو نہیں جانتا۔۔۔ آج وہ لوگ جشن مناتے ہوں گے کہ بیٹے کو ماں کے خلاف کر دیا۔ تو مجھے جھوٹا سمجھتا ہے؟ میں سچ کہہ رہی ہوں انہوں نے مجھے بڑا ستایا تھا۔ تمہارا باپ ان کے ساتھ مل کر مجھے بے عزت کرتا تھا۔ رامین بھی باپ کے ساتھ ہو گئی اور اب تو بھی؟؟"

وہ مارنا چھوڑ کر جذباتی حربوں پر اتر آئی جن سے شاہ زیب نے عرصہ پہلے متاثر ہونا چھوڑ دیا تھا۔ اس وقت بھی اس کے چہرے پر ماں کی جذباتیت سے بے زاری نظر آ رہی تھی۔ اپنی بات کا کوئی اثر نہ ہوتا دیکھ کر ناز کا غصہ دوبارہ لوٹ آیا۔ اس نے اسے ڈرانے کے لیے پھر سے وکٹ اس کے سامنے بلند کی۔ اس بیٹے کے سامنے جو اس کے قد سے بھی اونچا تھا۔

نازنین نے شاہ زیب سے دوبدو ہو کر بہت بڑی غلطی کی تھی۔ اس کے باغیانہ رویے اور ماں کی بات سننے سے صاف انکار نے ناز کو ہاتھ اٹھانے کی ترغیب دلائی اور گالیوں اور مغلظات کے طوفان کے ساتھ اس نے وکٹ زور سے شاہ زیب کے گھٹنے پر دے ماری' وہ ایک لمحے کو لڑکھڑایا پھر اس نے اسی وکٹ کو ماں کے ہاتھ سے چھین کر اپنی ران پر دونوں کناروں سے پکڑ کر زور سے مار کر دو حصوں میں تقسیم کر کے ناز کی طرف پھینک دیا۔

"اب کیسے توڑیں گی میری ٹانگیں۔۔۔ آپ کا ہتھیار تو ٹوٹ گیا۔" نازنین اس کے طنز پر غراتے ہوئے اسے ہاتھوں اور تھپڑوں سے مارنے لگی۔ شاہ زیب اپنے آپ کو بچانے کے لیے پیچھے ہٹنے لگا۔ ناز نے مارنا چھوڑ کر دونوں ہاتھوں سے اسے دبوچ لیا۔

"کتے ذلیل۔۔۔ اپنی ماں کی ہنسی اڑاتا ہے۔" اس نے شاہ زیب کے بال پکڑ کر اس کے سر کو شدید جھٹکے دیے تو اپنا سر پیچھے کرتے ہوئے شاہ زیب نے ناز کو پیچھے دھکیل دیا۔ نازنین اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی اور لڑکھڑا کر زمین پر گر گئی۔ رامین اس کے پیچھے کھڑی ہوئی تھی۔ ماما کے گرتے ہی اسے بھی سانپ سونگھ گیا تھا۔ زمین پر گری ناز بے یقینی سے بیٹے کو دیکھ رہی تھی۔ اسے ہرگز ایسے ردعمل کی توقع نہیں تھی۔ اس نے فوراً" اونچی آواز میں رونا پیٹنا شروع کر دیا' ساتھ ساتھ وہ شاہ زیب کو منہ بھر بھر کے بددعائیں بھی دینے لگی۔ رامین بھی اپنے آنسو روک نہیں پائی تھی لیکن جب اس کی نظر شاہ زیب کے چہرے پر پڑی تو وہ اپنا رونا بھول گئی۔ شاہ زیب کا چہرہ بالکل سفید پڑ گیا تھا جیسے جسم کا سارا خون نچوڑ لیا گیا ہو۔

"بھائی۔۔۔!" رامین اسے پکارتی ہوئی آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھنے لگی۔ وہ اس کی پکار نہیں سن رہا تھا' کیوں کہ وہ خود بھی کچھ بڑبڑا رہا تھا اور جو وہ کہہ رہا تھا۔ رامین بخوبی سن سکتی تھی۔ وہ اس کے بالکل پاس آ چکی تھی۔

"میں نے اپنی ماں پر ہاتھ اٹھایا۔۔۔ میں تو جہنمی ہوں۔" اس کی آواز خودبہ خود بلند ہوتی گئی۔ وہ رامین کو اپنے حواسوں میں نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کے لاکھ پکارنے اور جھنجھوڑنے کے باوجود وہ مسلسل اسی ایک جملے کی گردان کیے جا رہا تھا۔

"میں جہنمی ہوں۔۔۔ میں جہنمی ہوں۔۔۔ میں دوزخ میں جاؤں گا۔" بلک بلک کر روتا ہوا وہ زمین پر بیٹھ گیا' پھر سجدے میں گر کر اللہ سے معافیاں مانگنے لگا۔ اس کے رونے کی آواز اتنی شدید تھی کہ رامین کو اپنا دل پھٹتا محسوس ہوا۔ اسے ماں کے واویلوں کی فکر نہیں تھی جنہیں وہ ہر روز سنا کرتی تھی' اسے اپنے بھائی کی فکر تھی جسے وہ پہلی بار اس طرح ٹوٹ کر بکھرتے ہوئے دیکھ رہی تھی' لیکن بے بس تھی۔ چاہ کر بھی وہ اس کے لیے کچھ نہیں کر پا رہی تھی۔ اس نے سوچا' اپنے روتے بلکتے بھائی کو دو گھونٹ پانی پلا دے تاکہ وہ سنبھل جائے۔

وہ گرتی پڑتی اٹھی اور بھاگ کر کچن میں پہنچی۔ پانی نکالا اور واپس ہال میں داخل ہوتے ہی اس نے شاہ زیب کو تیزی سے اٹھ کر داخلی دروازے سے باہر نکلتا دیکھا۔

رامین اس کے پیچھے لپکی' لیکن وہ اپنی بائیک لے کر نکل گیا۔ ایک بار بھی اس نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ رامین ہزار اندیشوں میں گھری اندر آ گئی۔ ناز اٹھ کر اپنے کمرے میں جا چکی تھیں۔ وہ بھی گھسٹ گھسٹ کر قدم اٹھاتی اپنے کمرے کی طرف جانے لگی۔

پھر وہ کرنٹ کھا کر اٹھی اور پاپا کو فون ملانے لگی۔

عبید فوراً" ہی گھر واپس آ گئے۔ رامین سے پورا واقعہ جان لینے کے بعد وہ بھی سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ شاہ زیب کے دوستوں کو فون کیا' مگر کسی کو اس کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔ وہ آخری دن تھا۔ جب رامین نے بھائی کی صورت دیکھی تھی۔

☼ ☼ ☼

نازنین فاتح کے روپ میں مسلسل آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ اسے اپنا آپ ثابت کرنا تھا۔ سب سے بڑھ کر عبید کی نظروں میں ستائش دیکھنے کی تمنا اسے ہمت ہارنے نہیں دے رہی تھی۔ اسے یقین تھا' ایک نہ ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب عبید الرحمن اپنی شکست تسلیم کر لیں گے۔

اپنی ہر کامیابی اور اس پر حاصل ہونے والی ستائش کے قصے بڑھا چڑھا کر عبید کے سامنے سنانے کا کبھی حسب منشا نتیجہ برآمد نہیں ہوا تھا۔ پوری دنیا اس کی صلاحیتوں کی معترف تھی' سوائے اس ایک شخص کے۔

عملی طور پر رامین باپ کے اصولوں کے مطابق چل رہی تھی۔ شاہ زیب پہلے پہل اس کے دکھڑے سن کر عبید سے جھگڑ لیتا تھا' پر اب تو وہ بھی بے نیاز نظر آتا۔ رامین باپ کے سائے میں چلی گئی اور شاہ زیب تو جنگ بیچ میں ہی چھوڑ کر چلا گیا تھا۔

بھائی بہنوں نے اسے بہت پہلے تنہا کر دیا تھا۔ رہی سہی کسر وہ خود وہاں جا کر پوری کر آئی تھی۔ امریکا میں تینوں بھائی بہنوں کے گھر کا عیش و آرام' ازدواجی زندگی کی خوشیاں ہنستے کھلکھلاتے چہرے اسے شدید محرومی میں مبتلا کر رہے تھے۔ سب ہی خوش تھے۔

محسنہ بیگم فوت ہو گئیں تو بھائی مکان بیچنے پاکستان آیا۔ عبید سے کسی معمولی بات پر جھگڑ کر وہ اس کے پاس ہوٹل میں آئی کہ شاید بھائی کی غیرت جوش میں آ کر عبید کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دے۔ سب کچھ الٹ ہو گیا۔ طارق اسے خود شوہر کے پاس چھوڑ گیا' عبید سے معافی مانگ کر۔ گویا ناز کو اس کے قدموں میں پھینک دیا۔ ذلت ہی ذلت تھی۔

آراستہ محل جہنم سے کہیں زیادہ جھلسائے دے رہا تھا۔ ہر مکین عذاب جھیل رہا تھا۔

شاہ زیب کے بعد عبیدالرحمان تھے جنہیں رہائی نصیب ہوئی تھی مرنے کے بعد۔

☼ ☼ ☼

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

زین کا کمرا سگریٹ کے دھوئیں سے بھرتا جارہا تھا۔ اسے اپنے فیصلے پر کوئی ملال ہرگز نہیں تھا۔ لیکن ہاں۔۔۔ اتنے سالوں بعد رامین کو دیکھ کر وہ ٹھٹک ضرور گیا تھا اور اب سگریٹ پیتے دھوئیں کے مرغولے اڑاتا رامین کے بارے میں سوچ رہا تھا، جو کبھی اس کی بیوی تھی۔ لندن سے ایم بی اے کرنے کے بعد جب وہ پاکستان واپس آیا تو اس کے والد صدیقی صاحب نے اس خوشی کو منانے کی غرض سے اپنے تمام دوستوں اور رشتہ داروں کو دعوت دی اور یہیں پہلی بار اس نے رامین کو دیکھا تھا۔

وہ اپنی ماں کی ایک عزیز دوست کی بیٹی سے پیچھا چھڑانے کا کوئی بہانہ تلاش کررہا تھا، جو پچھلے آدھے گھنٹے سے اسے متاثر کرنے کی کوشش میں ہلکان ہوئی جارہی تھی۔ سخت بے زاری کے عالم میں وہ اس کی بے سروپا باتیں سنتا ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ دعوت میں زیادہ تعداد ایسی خواتین کی تھی جنہیں اپنی کنواری بیٹیوں کے لیے "زین" ایک بہترین شوہر کے روپ میں نظر آیا تھا۔ "قریبا" ہر عورت اسے اپنی بیٹی سے ضرور ملوانا چاہتی تھی اور وہ لڑکیاں خود کو سر سے پیر تک یوں سجابنا کر اس کی سامنے آئی تھیں جیسے آج ہی رات وہ منگنی کی تقریب بھی کرڈالے گا۔ سخت کوفت کے عالم میں وہ اس لڑکی کے پاس سے اٹھ کر اپنے والد کی طرف چلا آیا۔ صدیقی اور عبید الرحمان ملکی سیاست پر بحث کرنے میں مصروف تھے، وہ چپ چاپ کھڑا ان کی گفتگو سننے لگا۔ کچھ دیر بعد عبید نے گھڑی دیکھی اور چلنے کی اجازت چاہی۔ پھر رامین کی تلاش میں انہوں نے ادھر ادھر نظر دوڑائی تو وہ انہیں ایک کونے میں بیٹھی نظر آگئی۔ صدیقی صاحب نے عبید کو روک لیا اور زین سے کہا وہ جاکر رامین کو بلالائے۔

" زین وہ بچی جو بیٹھی ہے لاسٹ ٹیبل پہ۔۔۔ اسے بلا کر لاؤ، رامین ہے اس کا نام۔"

زین نے اپنے والد کی نشاندہی پر اپنے قدم اس طرف بڑھا دیے جہاں وہ بیٹھی ہوئی تھی۔ اگر صدیقی صاحب اسے بلانے کے لیے زین کو نہ بھیجتے تو شاید اسے کبھی معلوم نہ ہوپاتا کہ یہ لڑکی بھی اس دعوت میں شریک ہے۔ وہ دو گھنٹوں میں ایک لمحے کے لیے بھی اس کے سامنے نہیں آئی تھی اور اسی لیے زین اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ فان کلر کے سادہ سے کاٹن کے شلوار قمیص پر چادر نما دوپٹا اوڑھے وہ ٹیبل پر ساتھ بیٹھی کسی باتونی خاتون کی باتوں پر محض ہوں ہاں کیے جارہی تھی۔ کانوں میں سونے کی چھوٹی سی بالیاں اور سفید کانچ کی چوڑیاں۔۔۔ اس نے یہی سنگھار کیا تھا بس۔۔۔ اس کے ہلکے براؤن بالوں کی لمبی چٹیا کاندھے سے ہوتی کہنی تک آکر رکی تھی اور مانگ کشادہ پیشانی سے صاف لکیر کی صورت نکلتی چلی گئی تھی۔ زین نے اس کے بالکل پاس آکر اس کا نام پکارا۔

"رامین۔۔۔!" وہ چونک کر سیدھی ہوگئی۔

"آپ کے پاپا بلا رہے ہیں آپ کو۔۔۔ عبید انکل۔۔۔" وہ اس کی حیرانی دور کرنے کے لیے ان کا نام لے کر اسے ساتھ چلنے کے لیے کہہ رہا تھا۔ کچھ لمحوں پہلے کی بے زاری اڑنچھو ہوگئی تھی۔ اب وہ نہایت دلچسپی سے زیر لب مسکراتے ہوئے اس کی شہد رنگ آنکھوں کو دیکھ رہا تھا۔ رامین نے ایک نظر دور بیٹھے صدیقی انکل کے ساتھ باتوں میں مصروف اپنے پاپا کی طرف دیکھا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ زین نے دیکھا اس نے پیروں میں کھسہ پہنا ہوا تھا، ہیل سلیپرز نہیں۔۔۔ آج کے دور میں بھی ایسی لڑکیاں ہوتی ہیں۔ اسے حیرت ہورہی تھی۔ دس پندرہ قدم چلتے ہوئے رامین نے ایک بار بھی اس کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھا تھا جبکہ وہ مسلسل اسی کو دیکھ رہا تھا۔

"میرا نام زین ہے۔ میں آپ کے پاپا کے دوست شہاب صدیقی کا اکلوتا بیٹا ہوں۔۔۔ ابھی ایم بی اے کرکے لوٹا ہوں لندن سے۔۔۔ ڈیڈ نے میری اسی کامیابی کو سیلیبریٹ کرنے کے لیے یہ پارٹی دی جس میں آکر آپ بہت بور ہوئیں۔" وہ براہ راست اس کی حیران آنکھوں میں دیکھتا ہوا بیچ راستے میں رک گیا۔ کیوں کہ وہ بھی ٹھہری گئی تھی۔

"نہیں۔۔۔ میں بور نہیں ہوئی۔" وہ صرف اتنا ہی

کہہ پائی۔ زین کی پرشوق نگاہیں اس کے وجود سے ہٹنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھیں۔ وہ آگے بڑھ گئی۔ زین اسے خاموشی سے جاتا دیکھتا رہا۔ اسے پہلی بار کوئی لڑکی اچھی لگ رہی تھی۔

دوسری ملاقات ایک ریسٹورنٹ میں ہوئی۔ وہ ڈنر عبید الرحمان کی طرف سے تھا۔ پچھلی بار کی طرح اب بھی اس نے مدھم رنگ کا لباس پہن رکھا تھا۔ یا تو وہ سادگی پسند تھی یا پھر اسے معلوم ہی نہیں تھا کہ آج کل کیا فیشن چل رہا ہے۔ زین کو اسے دیکھ کر یہی خیال آیا۔

حیرت تو رامین کو اپنے پاپا پر ہورہی تھی۔ وہ آج کل اسے بہت سی جگہوں پر اپنے ساتھ لے کر جارہے تھے اور وہ جہاں بھی جاتے وہاں زین ضرور موجود ہوتا۔ وہ کیا چاہ رہے تھے، یہ الجھن تین ہفتوں بعد ہی سلجھ گئی۔ جب پاپا نے اسے بتایا کہ زین اس سے شادی کرنا چاہتا ہے اور عبید اس رشتے سے بہت خوش ہیں۔ اس کوئی اعتراض نہ ہوا۔

نکاح ہوجانے کے بعد وہ بہت پرامید ہوگئی تھی۔ کچھ ہی مہینوں کی بات تھی اب۔۔۔ اور پھر وہ اس زنداں سے آزاد ہوجاتی ہمیشہ کے لیے۔

زین اس سے بات کرنے کے بہانے ڈھونڈتا تھا۔ کبھی فون کرتا، کارڈز بھیجتا اور اکثر اوقات کورئیر سے پھول اور چاکلیٹس بھجوایا کرتا تھا۔ اس کے لیے رامین ایک بند کتاب کی مانند تھی جس کے ہر صفحہ پر لکھی تحریر وہ پڑھنا بھی چاہتا تھا اور سمجھنا بھی۔ کچھ چہرے ایسے ہوتے ہیں جن پر نظر ڈال کر ہٹالینا آسان ہوتا ہے ان چہروں پر ہر جذبہ بہت واضح نظر آتا ہے۔۔۔ لیکن رامین۔۔۔ اس پر ایک نظر ڈال لینے کے بعد۔۔۔ ہٹالینا اتنا سہل ہرگز نہیں تھا۔ اس کی خاموشی میں پراسراریت تھی اور سنہری آنکھوں میں حزن و ملال تیرتا تھا۔

جب وہ بات کرتی تو رخسار دہکنے لگتے تھے اور مسکراتی تو اس کی آنکھیں ماتم کرتی نظر آتی تھیں۔ وہ خوش ہے یا اداس، محتاط ہے یا ناراض، کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ جو وہ ظاہر کرتی اس پر یقین نہیں آتا تھا اور جو کہتی۔۔۔ آنکھیں اس کا انکار کرتی نظر آتیں۔ عجب "ہاں ناں" کا کھیل تھا۔ زین اس کی پرکشش شخصیت کے سامنے خود کو بالکل بے بس پا رہا تھا۔

اکثر اوقات وہ عبید کی اجازت لے کر اسے اپنے ساتھ کہیں لے کر جانا چاہتا تو نازنین اس کی طرف سے انکار کردیتی۔

"وہ ہچکچارہی ہے ذرا۔۔۔ تمہیں جانتی نہیں ہے۔۔۔ گھبراتی ہے۔" اس کا عذر زین کی سمجھ سے بالاتر تھا، وہ اسے جان لے۔۔۔ سمجھ لے اسی لیے تو اسے اپنے ساتھ لے کر جانا چاہتا تھا، لیکن لاکھ کوشش کے باوجود وہ نکاح سے پہلے رامین کے ساتھ تھوڑا سا بھی وقت گزار نہیں پایا۔ وہ تو نکاح کرنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ ابھی صرف منگنی کرنے کی خواہش تھی اس کی، لیکن شہاب صدیقی نے اسے سمجھایا کہ عبید نکاح کا فنکشن ابھی کرنا چاہتا ہے۔ پھر تین ماہ بعد رخصتی ہوجائے گی۔ زین تھوڑی پس و پیش کے بعد مان گیا تھا۔ وہ پسند آہی گئی تھی تو نکاح کرلینے میں بھی کوئی حرج نہیں تھا۔ کم از کم نکاح کے بعد وہ اس کے ساتھ ہر جگہ آنے جانے کے لیے آزاد ہوتی۔

اس نے رامین کو کیوں چھوڑا؟

جو "وجہ" اس وقت نہایت اہم تھی "آج بے حد معمولی محسوس ہورہی تھی۔ نکاح ہوجانے کے ایک ہفتے بعد ہی وہ رامین کو اپنے ساتھ ڈنر پر لے کر گیا۔ اس رات جو کچھ اس نے دیکھا۔۔۔ کیا صرف اس بنا پر وہ اتنا بڑا فیصلہ کر بیٹھا تھا۔

"نہیں۔۔۔" اس فیصلے میں اس رات اس کے لیے مشاہدے سے زیادہ رامین کی ماما کی باتوں کا اثر موجود تھا۔ وہ جب بھی اس سے ملا اسے کچھ عجیب سا محسوس ہوتا تھا۔ وہ جانے اپنی بیٹی کا ایسا کون سا راز جانتی تھی جو اسے بتاتے ہوئے رک سی جاتی تھی۔ کبھی وہ اس سے رازداری سے نزدیک ہوکر پوچھتی۔

"تم سے فون پر ہنس ہنس کے باتیں نہیں کرتی۔" وہ صرف مسکرا کر رہ جاتا، جس پر نازنین برا سا منہ بنا کر

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

پیچھے ہٹتے ہوئے زیر لب کہتی۔

"ابھی تک بھول نہیں پائی اسے۔" اور یہ زیر لب کہے گئے الفاظ اتنی آواز ضرور رکھتے تھے کہ ساتھ بیٹھا زین چونک جاتا۔ کیا رامین کسی کو پسند کرتی تھی؟ وہ صرف سوچتا' پوچھ نہیں سکتا تھا۔

ایک بار وہ "آراستہ محل" جان بوجھ کر اس دن آیا' جب رامین کے والدین گھر پہ نہیں تھے۔ گارڈ اسے پہچانتا تھا اس لیے اندر جانے دیا تھا۔ گھر میں داخل ہو کر وہ رامین کو سرپرائز دینے کی غرض سے اس کے کمرے کی طرف بڑھا تو اسے رامین کے زور زور سے رونے کی آواز آئی۔ وہ چیخ چیخ کر روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"میں آپ کو بہت یاد کرتی ہوں۔ بہت زیادہ۔ آپ کہاں چلے گئے ہیں مجھے چھوڑ کر۔ واپس آجائیں۔ پلیز۔" وہ بلکتے ہوئے کیا اس شخص کو یاد کر رہی تھی جس کا ذکر ناز آنٹی کر رہی تھیں؟ یہی سوچتا وہ گھر سے باہر نکل آیا رامین سے ملاقات کیے بغیر۔

اور پھر ڈنر پہ لے جاتے ہوئے۔ رامین کا رویہ وہاں اس کی گفتگو۔ ناز آنٹی کے معنی خیز اور مبہم انکشافات' واپسی پر اس نے ایک منٹ نہیں لگایا تھا۔ وہ فیصلہ کر چکا تھا۔ رامین اس کے لائق نہیں تھی۔ اس وقت زین نے اپنے حق میں بہترین فیصلہ کیا تھا۔ آج وہ اپنی بیوی اور بیٹے کے ساتھ ایک خوش و خرم زندگی بسر کر رہا ہے۔ بھلا رامین جیسی لڑکی اسے آسودہ کر سکتی تھی؟ وہ تو سائیکو تھی۔

زین کو ہرگز اندازہ نہیں تھا کہ رامین کن حالات میں زندگی گزار رہی ہے۔ کوئی بھی اندازہ نہیں لگا سکتا۔ جو زخم کھائے' درد صرف اسی کو ہوتا ہے' لہو بھی اسی کا بہتا ہے۔ نشان بھی اسی کے جسم پر باقی رہ جاتا ہے۔ کسی اور کا کچھ نہیں بگڑتا۔ نہ زخم دیکھنے والوں کا۔ نہ ہی دینے والوں کا۔

وہ زین کے ساتھ پہلی بار اکیلی ڈنر کرنے آئی تھی۔ گھر سے یہاں آنے تک جانے کتنی بار وہ خود پر قابو پانے کی کوشش کر چکی تھی مگر بے سود۔

زین کے ساتھ کار میں فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے وہ بے حد خوش بھی تھی اور بے تحاشا نروس بھی۔ کسی مرد کے اتنے قریب اور وہ بھی تنہائی میں۔ یہ اس کی زندگی کا پہلا موقع تھا۔ زین کے تیز کلون کی خوشبو اس کے آس پاس رقص کرتی دل میں ہلچل مچانے لگی۔ پھر زین اپنی کار ریورس کرنے کے بعد گیٹ سے باہر نکل رہا تھا تو وہ پیچھے رہ جانے والے آراستہ محل کو گردن موڑ کر لحہ بہ لحہ خود سے دور ہوتے دیکھ رہی تھی۔ ایک دن آئے گا جب وہ ہمیشہ کے لیے اس گھر کو چھوڑ چلی جائے گی پھر کبھی اسے نہ مڑ کر دیکھے گی۔ کبھی بھی نہیں۔ اس نے دل ہی دل میں اپنے آپ سے پکا وعدہ کر لیا اور پھر اچھل کر سیدھی بیٹھ گئی اور تالی مار کر بے ساختہ ہنسی۔

زین نے موڑ مڑتے ہوئے اسٹیئرنگ گھمانے کے ساتھ ہی ایک حیران سی نظر اس پر ڈالی۔

"از ایوری تھنگ اوکے؟ زین نے اپنی نظر سامنے مین روڈ پر رکھتے ہوئے اس سے سوال کیا۔ رامین نے اس کے سوال کے جواب میں زور سے ہنستے ہوئے — یس کہا۔ وہ اب اس کا شوہر تھا۔ اپنی خوشی' اپنا غم وہ سب کچھ اسی سے شیئر کرنا چاہتی تھی۔ اس نے بہت کچھ سوچ رکھا تھا۔ عبید کا پڑھایا تلقین کا پہاڑہ وہ روز دہراتی۔ وہ ہمیشہ اچھی بیوی بننے کے خواب دیکھتی آئی تھی۔ اب وہ بیوی بن چکی تھی۔ اسے اچھی بیوی بن کر دکھانا تھا۔ زین کی فرمانبرداری میں آخری حد تک جانا تھا تاکہ وہ اپنے انتخاب پر فخر کر سکتا۔

زین نے پھر کچھ اور نہیں پوچھا تھا۔ وہ نہایت سنجیدگی سے ڈرائیو کرتا اپنے چائنیز ریسٹورنٹ کے سامنے پہنچ گیا۔ اب وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔

کار میں انتہائی خوش دکھائی دیتی رامین کے چہرے پر اب ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اس میں بھلا اس کا قصور بھی کیا تھا۔ ریسٹورنٹ میں بیٹھا ہر شخص اسے بری طرح گھورے جا رہا تھا۔ ان کے ساتھ تمام ویٹرز اور استقبالیہ پر موجود منیجر بھی اس کی طرف متوجہ تھے۔ کم از کم اسے تو یہی محسوس ہو رہا تھا۔ وہ باری باری ہر ایک

کا چہرہ دیکھنے لگی۔ آخر سب لے دیکھ کر مسکرا کیوں رہے ہیں؟

زین مینو کارڈ دیکھ رہا تھا پھر اس نے اشارے سے ویٹر کو بلایا پھر کچھ سوچ کر رامین سے کہا کہ وہ اپنی پسند سے آرڈر کرے۔ رامین گڑبڑا کر زین کی شکل دیکھنے لگی۔ وہ اپنی مرضی سے آرڈر کر دیتی اور زین کو پسند نہ آتا تو اس کا ڈنر خراب ہوتا۔ وہ ایسا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ لیکن اس وقت وہ یہ سب کچھ اسے سمجھا نہیں سکتی تھی۔

"مم۔ مم۔ میں۔ نہیں۔ میں کوئی آرڈر نہیں کروں گی۔ آپ کو جو اچھا لگے منگوالیں۔ میں شوق سے کھالوں گی۔ میں تو پیاز روٹی بھی شوق سے کھالیتی ہوں۔" یہ کہہ کر وہ پھر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ شکر ہے سب لوگوں نے اسے گھورنا تو بند کیا۔ اپنے وجود سے چپٹی آنکھوں کی تعداد میں کمی باعث تسکین تھی۔

زین نے ایک گہری سانس لے کر خود ہی آرڈر لکھوانا شروع کر دیا۔ وہ رامین کی ایک ایک حرکت نوٹ کر رہا تھا اور وہ ہرگز اسے نارمل نظر نہیں آرہی تھی۔ یا ہو سکتا ہے وہ جان بوجھ کر ایسا کر رہی ہو۔

"رامین"۔

زین نے اس کا نام لیا' اس نے سنا ہی نہیں۔ وہ اپنی کہنیاں میز پر ٹکائے بیٹھی تھی اور مٹھیوں میں اپنی ٹھوڑی پھنسائے ہوئے سر جھکایا ہوا تھا۔ البتہ اس کی آنکھیں ترچھی ہو کر دائیں سے بائیں حرکت کر رہی تھیں۔ زین نے اسے دوبارہ تھوڑا نزدیک ہو کر آواز دی تو وہ فوراً" اچھل کر سیدھی ہوئی اور پھر بے ہنگم طریقے سے ہنس پڑی۔

"ہائے۔ میں ڈر گئی تھی۔" وہ ہنستے ہوئے کہہ رہی تھی۔ اسے توقع تھی کہ زین بھی ہنس دے گا۔ لیکن زین ضرورت سے زیادہ سنجیدہ نظر آرہا تھا۔ رامین کی مسکراہٹ سکڑتی سمٹتی معدوم ہو گئی۔ زین کی جانچتی نگاہیں اس کے چہرے پر جمی تھیں۔ بہت سوچنے کے بعد اس نے کہا۔

"میں تم سے کچھ سوال کرنا چاہتا ہوں۔ صرف سچ کہنا! جو بھی تمہارے دل میں ہو' بے دھڑک کہہ دینا۔ یہ مت سمجھنا کہ مجھے برا لگے گا۔ میں تمہاری کسی بات کا برا نہیں مناؤں گا۔ لیکن اگر تم نے مجھ سے جھوٹ بولنے کی کوشش کی تو میں برداشت نہیں کروں گا۔ تم سمجھ گئیں میں تم سے کیا کہہ رہا ہوں۔"

وہ تھوڑا آگے ہو کر رامین کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ جواب میں رامین نے بچوں کی طرح سر کو ہاں میں کئی بار ہلایا۔ زین نے کہنا شروع کیا۔

"میں نکاح سے پہلے بھی کئی بار تم سے ملنے کی کوشش کرتا رہا۔ فون کرتا رہا۔ ملنے سے تمہارا گریز اور فون پر ہوں ہاں سے زیادہ گفتگو نہ کرنا میری سمجھ سے باہر تھا۔ میں منگنی کرنا چاہتا تھا۔ تمہارے پاپا نے نکاح کی بات چھیڑ دی۔ تم مجھے اچھی لگتی ہو۔ اس لیے مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوا۔ لیکن میں کچھ باتوں کو کلیئر چاہتا ہوں۔"

وہ اک لحہ رکا' شاید رامین کوئی سوال کرے لیکن وہ پورے انہماک سے پلکیں جھپکائے بغیر اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"ناز آنٹی کی باتوں نے مجھے الجھا دیا ہے۔ کیا تم مجھے بتاؤ گی کہ تم اس — شادی سے خوش ہو یا نہیں؟"

وہ جاننا چاہتا تھا کہ ناز نین کی مبہم گفتگو کے پیچھے ماضی کی کون سی کہانی چھپی ہوئی ہے۔ اس لیے رامین کا جواب اہم تھا۔

"میں۔" وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ اسے اپنی مسرت کے اظہار کے لیے مناسب لفظوں کی کمی کا سامنا تھا۔ "میں تو خوشی سے بھی زیادہ خوش ہوں زین! مجھے سمجھ میں نہیں آرہا میں آپ کو کیسے بتاؤں۔ میں۔ میں۔" وہ پھر ہکلاتے ہوئے باآواز بلند سوچ رہی تھی۔ اس کے واضح اقرار کے باوجود وہ مطمئن نہیں ہوا۔ اس نے ایک اور ملتا جلتا سوال پوچھ لیا۔

"میں تمہیں کیسا لگتا ہوں؟ پسند کرتی ہو مجھے؟"

زین کے دل میں شکوک شبہات کی دیوار کافی بلند ہو چکی تھی۔ جس رد عمل کی توقع اس نے کی تھی' وہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

اسے نہیں ملا تھا۔

رامین نے متعدد بار اپنی پلکیں تیزی سے جھپکائیں۔ وہ کیا بتاتی کہ زین اس کے لیے کیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ جو بھی دل میں ہے 'بے دھڑک کہہ دے۔ وہ کیسے بتاتی کہ اگر وہ ہینڈسم اور گڈ لکنگ ہے اور رامین کو پسند کرتا ہے تو یہ رامین کی خوش قسمتی تھی لیکن وہ دنیا کا بدصورت ترین شخص بھی ہوتا تو بھی اسے زین سے محبت ہو جاتی۔ وہ اسے بتانا چاہتی تھی کہ وہ اس کے لیے کس قدر اہمیت رکھتا ہے۔ یہ موقع اظہار کا تھا۔ اسے ضائع کرنا یقیناً "بے وقوفی ہوتی۔

"میں آپ کو پسند نہیں کرتی۔ شدید محبت کرتی ہوں آپ سے۔" زین گھبرا گیا۔ وجہ رامین کے الفاظ نہیں انداز تھا۔ وہ عجب وحشت سے بھری آنکھوں کو بساط بھر پھیلا کر کہنے لگی۔ "آپ میرے نجات دہندہ ہیں۔ آپ تو مجھے بچانے آئے ہیں۔ مجھے اندھیروں سے نکالنے آئے ہیں۔ آپ نہ آتے تو میں مرجاتی۔ میں مرجاتی۔" اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔

"آپ کو پتا ہے میں کتنی بے قرار ہوں۔ ایک ایک پل گن گن کر گزارتی ہوں کہ کب میری شادی ہو گی۔ میں رخصت ہو کر ہمیشہ کے لیے آپ کے پاس آجاؤں گی۔ آپ انکل آنٹی سے کہیں نا۔ وہ اگلے ہفتے ہی رخصتی کروالیں۔ میں اب اور انتظار نہیں کر سکتی۔"

رامین نے روتے ہوئے زین کا ہاتھ پکڑ لیا۔ زین نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی تو وہ منہ بسور کر بولی۔

"آپ کو یقین نہیں آرہا۔ سچ مانیں میں آپ سے بہت پیار کرتی ہوں۔ آپ جو کہیں گے میں کروں گی۔ کبھی لڑائی نہیں کروں گی۔ آگے سے جواب نہیں دوں گی آپ کے ممی پاپا کی بہت خدمت کروں گی۔ میں کبھی بچوں کو ان کے خلاف نہیں بھڑکاؤں گی۔ میں اپنی خدمت اور فرماں برداری سے سب کا دل جیت لوں گی۔ آپ دیکھیے گا میں..." ویٹر کھانا سرو کرنے لگا تھا لیکن وہ اپنی کہتی جارہی تھی تو زین کو روکنا پڑا "پلیز رامین چپ ہو جاؤ۔" اور وہ ایسے خاموش ہوئی جیسے ریموٹ کا بٹن دبتے ہی ٹی وی بند ہو جاتا ہے۔

زین کی بھوک پیاس سب اڑ چکی تھی۔ لیکن رامین نے بہت رغبت سے کھانا کھایا۔ بالکل چپ چاپ۔ اسے زین نے خاموش رہنے کے لیے کہا تھا اب جب تک زین خود نہ کہتا 'وہ کچھ بول نہیں سکتی تھی۔ اسے ناز جیسا تھوڑی بننا تھا وہ تو ایک اچھی بیوی بننا چاہتی تھی۔ زین پہاڑ سے کودنے کو بھی کہہ دیتا تو وہ کود جاتی۔ انہی سوچوں میں غلطاں وہ اپنی فرماں برداری کا بہترین مظاہرہ کر رہی تھی۔ خاموش رہ کر۔

خاموش تو زین بھی رہا۔ کھانا کھانے کے بعد بھی' گاڑی میں بیٹھنے کے بعد بھی اور رامین کو گھر تک پہنچانے کے بعد بھی۔ اس نے ایک لفظ نہیں کہا تھا۔ مگر گھر آکر شہاب صدیقی کے سامنے جو کچھ اس نے کہا وہ بالکل غیر متوقع تھا۔

"زین! تم کیا کہہ رہے ہو؟" اس کے والدین حق دق رہ گئے تھے۔ ابھی ایک ہفتے پہلے اس کا رامین کے ساتھ نکاح ہوا تھا اور اب وہ اسے طلاق دینا چاہتا تھا۔

"ڈیڈ! وہ لڑکی سائیکو ہے۔"

"یہ تمہیں اب معلوم ہوا ہے... نکاح کے بعد؟"

"غلطی میری نہیں آپ لوگوں کی ہے ڈیڈ! وہ آپ کے دوست کی بیٹی ہے۔ میں نے تو صرف پسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔ یہ آپ کی ذمہ داری تھی کہ اچھی طرح چھان بین کرتے۔ وہ لڑکی بالکل پاگل ہے ڈیڈ! اسی لیے ناز آنٹی اسے میرے ساتھ کہیں آنے جانے نہیں دے رہی تھیں۔ عبید انکل نے بھی ہمیں چیٹ کیا۔ زبردستی نکاح کروا کر ہمیں باؤنڈ کر دیا۔ انہیں بھی اپنی پاگل بیٹی سر سے اتارنے کی اتنی جلدی تھی۔ اور وہ رامین... وہ تو فوراً" ہی رخصتی چاہتی ہے۔ کہہ رہی تھی مجھ سے انتظار نہیں ہو رہا۔ یہ کس قسم کے لوگوں میں رشتہ کیا ہے آپ نے۔"

اس کے پاس کہنے کے لیے بہت کچھ تھا۔ اور شہاب صدیقی کچھ بھی کہنے کے قابل نہیں تھے۔ رامین ان کے عزیز دوست کی بیٹی تھی۔ وہ اس کے متعلق کیا چھان بین کرواتے۔ آج ان کا بیٹا ہر الزام ان کے سر پر رکھ کر بری الذمہ ہو گیا تھا اور شاید وہ صحیح کہہ رہا تھا۔ غلطی تو ہو گئی تھی۔

لیکن عبید سے بات کرنا بھی ضروری تھا۔ انہوں نے فوراً" عبید کا نمبر ملایا۔ رسمی سلام دعا کے بعد انہیں معلوم ہوا کہ عبید ان دنوں شہر سے باہر ہیں۔ یہ بات فون پر کرنے والی نہیں تھی سو انہوں نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا کہ جب واپس آؤ گے تب مل کر بتاؤں گا۔ وہ صبر اور حوصلے سے یہ معاملہ سلجھانا چاہتے تھے۔ لیکن یہ صبر اور حوصلہ زین میں نہیں تھا۔ اسے شک تھا کہ عبید انکل اپنی دوستی کا واسطہ دے کر شہاب صاحب کو مجبور کر دیں گے اور اس کی زندگی برباد ہو جائے گی۔ وہ اگلے ہی دن اپنے ایک دوست وکیل سے ملا اور رامین کو طلاق کے کاغذات بھجوا دیے۔

زین نے اسے مسترد کیا تھا 'جیسے ناز نے کیا تھا' عبید نے کیا تھا۔ بھائی بھی اسے اکیلا چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ کیا وہ کسی کے لیے بھی اہم نہیں ہے۔ "جیسی" وہ ہے کسی کے لیے بھی قابل قبول نہیں ہے۔ ناز کو جیسی بیٹی چاہیے تھی وہ "ویسی" نہیں تھی۔ پاپا جو اسے بنانا چاہ رہے تھے 'وہ ویسی بھی نہیں بن سکی اور زین... اپنے تمام وعدے وعید اور محبت کے اظہار کے باوجود اسے مسترد کر کے چلا گیا۔ "مسترد اور غیر ضروری" اس کی پیشانی پر لکھا تھا۔

پاپا شہر سے باہر تھے انہیں دیر سے پتا چلے گا۔ ناز نے پیپرز کھول کر پڑھے تھے اور ایک طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ اس کی طرف اچھال کر بولی۔

"تو مجھے ڈائیورس دلوانا چاہتی تھی نا دیکھ تجھے طلاق ہو گئی۔ اب کہنا اپنے باپ سے تیری دوسری شادی کروا دیں۔"

یہ اس کی بے حسی تھی یا اپنی بددعا پوری ہونے کی خوشی۔ رامین صدمے سے گنگ... بے حس و حرکت اس اسٹیمپ پیپر کو دیکھ رہی تھی جسے ناز نے فرش پر پھینک دیا تھا اور وہ ہوا سے اڑتا کر تا اس کے پیروں کے پاس پھڑپھڑا رہا تھا۔ قانونی طور پر اسے طلاق مل چکی تھی۔ وہ دیکھتی نہ دیکھتی کیا فرق پڑتا تھا۔

ہوا تھا... ایک بار ایسا ہوا تھا۔ رامین نے ایک رات ماں کی شدید مار کھانے کے بعد عبید کو اپنی بے بسی کا رونا روتے دیکھ کر یہی کہا تھا "ماما کو چھوڑ دیں... طلاق دے دیں۔"

وہ رو رہی تھی۔ اس کے ہاتھ کی ہڈی میں بہت درد ہو رہا تھا۔ ناز ہاتھوں کے بجائے اسے چیزوں سے مارتی تھی۔ پیتل کے گلدان 'لکڑی کے وائپر' جوتے' پیمبو اسٹک یا لوہے کا ڈسٹ بن... ہاتھ کی پہنچ میں جو شے آتی وہی اس کا ہتھیار بن جاتی۔

☼ ☼ ☼

"کیا وہ اتنا کمزور دل تھا... بیٹی برباد ہوئی اور اس نے موت کو گلے لگا لیا۔ وہ اتنی سی بات پر جان کی بازی ہار گیا... نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔"

اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ عبید' رامین کی طلاق کی خبر سنتے ہی ختم ہو گیا تھا۔

"کیسے؟ پیپرز تو میرے پاس تھے' اسے کیسے پتا چلا...؟"

"ہاں شفیق الرحمان آئے تھے نا... ان کے پاس بیٹھا تھا وہ اس وقت صدیقی صاحب کا فون سن کر دل کا دورہ پڑا تھا اسے... یہی کہا تھا انہوں نے مگر میں نہیں مانتی۔ جھوٹ بولتے ہیں سب۔"

"عبید کی دولت پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں یہ لوگ... اس محل پر قابض ہونا چاہتے ہیں۔"

وہ وحشت کے عالم میں آراستہ محل کے سارے دروازے کھڑکیاں بند کرنے لگی' کچھ دیر پہلے شفیق الرحمان آئے تھے۔ اس نے انہیں گھر میں داخل نہیں ہونے دیا تھا۔ دروازے کی درز سے روتے ہوئے بھائی کی آواز سنی تھی اس نے کہ... وہ بیوہ ہو گئی ہے... اس نے پھر بھی دروازہ نہیں کھولا تھا۔ رامین نے سب سن لیا تھا' وہ چیخی چلائی تھی۔ ناز پر کچھ اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ دروازہ کھول دیتی تو سب لوگ اس کے محل میں داخل ہو جاتے... اسے بے دخل کر دیتے... وہ سب تو شروع دن سے اسے ناپسند کرتے تھے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"ہائے! میں کیا کروں؟ کتنا کہا تھا عبید سے یہ گھر میرے نام کر دو۔۔۔ میرا بیٹا بھی مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔۔۔ میں دربدر ہو جاؤں گی۔۔۔ تنہا اکیلی کس کس سے لڑوں۔۔۔ کاروبار پر پہلے ہی قبضہ کر رکھا ہے۔"

ایک کے بعد ایک اندیشوں نے ذہن مفلوج کر کے رکھ دیا تھا اس کا۔ اوپر سے رامین کا اونچی آواز میں روئے چلے جانا۔

ناز نے غصے میں آکر رامین کو جوتا کھینچ مارا "تو تو چپ کر۔۔۔ ماتم بعد میں کر لینا۔۔۔ مجھے سوچنے دے کچھ۔"

اور وہ حیرت سے گنگ رہ گئی۔ "ماں کو شوہر کی موت پر کوئی غم نہیں، ابھی بھی ذہن مستقبل کے تانے بانے بن رہا ہے۔"

وہ سسکتی ہوئی اٹھ کر اپنے کمرے کی جانب چل پڑی۔ پیچھے سے نازنین خالی خالی نظروں سے اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

رامین اپنے کمرے میں آکر اندر سے دروازہ بند کر کے خوب روئی تھی۔ بلک بلک کر روتے ہوئے اس نے شاہ زیب کو پکارا "بھائی! کہاں چلے گئے ہو۔۔۔ آکر دیکھو تو۔۔۔ پاپا ہمیں چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔" وہ زور سے چیخی، پر شاہ زیب کہیں نہیں تھا۔ دھاڑیں مار مار کر روتے ہوئے وہ عبید کو یاد کرتی رہی۔ جانے کتنی دیر تک۔

نازنین کی عدت ابھی ختم نہیں ہوئی تھی مگر مجبوری تھی اسے گھر سے باہر نکلنا پڑا۔ عبید کے بینک اکاؤنٹس اور بزنس شیئرز کے معاملے میں وہ شفیق الرحمٰن پر اعتبار نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے خاندانی وکیل سے رابطہ کیا اور وکیل کی بات سن کر اسے شدید دھچکا لگا تھا۔ عبید کا مکان دونوں بچوں کے نام پر تھا۔ نازنین کے لیے بینک میں کچھ رقم موجود تھی جسے وہ اپنی مرضی سے استعمال کر سکتی تھی اور بس۔۔۔ کاروبار کی تفصیلات اور ان کے پیپرز شفیق الرحمان کے پاس تھے۔ جس کے لیے اسے اپنے جیٹھ سے ملاقات کا مشورہ دیا گیا۔

نازنین نہایت مایوسی کے عالم میں گھر واپس آئی تھی۔ دو دن بعد اس کے چوکیدار نے ایک چیک لا کر دیا جو شفیق الرحمان نے بھجوایا تھا۔

"ڈیڑھ لاکھ۔۔۔" اس نے رقم دیکھ کر سر جھٹکا۔ "کروڑوں کا کاروبار ہڑپ کرنے کے چکروں میں ہیں۔ میرا منہ بند کرنے کو یہ چیک بھجوا دیا ہے۔"

"ہر مہینے اتنے پیسے بھجوایا کریں گے۔۔۔ اگر زیادہ کی ضرورت ہو تو بتا دیں۔۔۔" رامین اس کی بدگمانی پر خاموش نہ رہ سکی۔

"بات ہوئی تھی فون پر۔۔۔ تایا جان کہہ رہے تھے!"

اور اس سے پہلے کہ وہ بات مکمل کر پاتی۔ نازنین نے پاؤں سے جوتی اتار اسے مارنا شروع کر دیا، رامین کی اپنی ذہنی کیفیت ایسی ہو گئی تھی کہ وہ خاموشی سے مار کھاتی رہی۔

اگلے ہی دن نازنین نے چوکیدار کو ہٹا کر کمپنی سے سیکیورٹی گارڈ بلوا لیا۔ گھر کا فون نمبر تبدیل کر لیا۔ ڈرائیور بھی نیا رکھ لیا اور ان تمام ملازمین کو یہی ہدایت تھی کہ کسی بھی شخص کو آراستہ محل میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔ اور نہ ہی رامین کو گھر سے باہر نکلنے کی اجازت تھی۔ یہ تمام اقدامات ضروری تھے رامین کو تایا جان سے دور رکھنے کے لیے۔ اس خاندانی وکیل کے ذریعے شفیق الرحمٰن کو نازنین کے عدت ختم ہونے سے پہلے گھر سے باہر نکلنے کا جواز معلوم ہو چکا تھا۔ اسی لیے انہوں نے وہ چیک بھجوایا تھا۔ اس کے علاوہ راشن اور ضروری استعمال کی چیزیں بھی پہنچا دی تھیں۔ وہ بس اتنا چاہتے تھے کہ ناز اپنی عدت مکمل کیے بغیر گھر سے باہر نہ نکلے۔ انہوں نے رامین سے فون پر یہی بات کی تھی مگر نازنین کے لیے یہ سب خطرے کی علامات تھیں۔

شفیق الرحمٰن عبید کے جانے کے بعد پورے بزنس کو خود سنبھال رہے تھے۔ سب کچھ ان کے قبضے میں تھا۔ اگر رامین ماں کو چھوڑ اپنے ددھیال چلی جاتی تو نازنین اس گھر سے بے دخل ہو سکتی تھی۔

عدم تحفظ کے احساس نے بہت جلد اسے ایک نفسیاتی مریضہ بنا ڈالا۔ آدھی آدھی رات کو اٹھ کر پورے گھر میں کہرام مچا دیتی۔ عبید کی اسٹڈی کے کاغذات سب اٹھا کر زمین پر پھینک دیتی۔ پھر اس ڈھیر میں سے ایک ایک صفحہ اٹھا کر پڑھتی اسے غور سے دیکھتی، شاید عبید نے اس کے لیے کچھ لکھا ہو۔ آخر وہ ان کی بیوی تھی۔۔۔ ان کی محبت تھی۔ مگر کچھ نہ ملتا، وہ تھک ہار کر وہیں سو جاتی۔

اس نے پھر سے لکھنا شروع کر دیا تھا۔ پبلشرز سے بھی رابطہ ہو چکا تھا۔ صبح رامین پورے گھر کو نئے سرے سے درست کرتی، ماں کے پاس اوپر چلی آتی۔ جو بے سدھ پڑی سو رہی ہوتی تھی۔

☼ ☼ ☼

"میں نے ناز چچی کو دیکھا تھا۔۔۔" نئے آؤٹ لیٹ کے افتتاح کے بعد عمر شفیق الرحمان کو گاڑی میں گھر چھوڑنے جا رہا تھا۔ تب ہی اس نے شفیق الرحمان کو بتایا۔ وہ چونک کر سیدھے ہو بیٹھے "کب؟"

"جب دکان کا ان آگوریشن (افتتاح) ہو رہا تھا، وہ وہیں پر موجود تھیں۔۔۔ پھر فوراً" چلی بھی گئیں۔"

"تم انہیں میرے پاس لے کر آتے۔۔۔ جانے کیوں دیا۔۔۔ یا کم از کم مجھے اس وقت ہی بتا دیتے۔"

"ابو! میرا نہیں خیال وہ آپ سے ملنے آئی تھیں!" شفیق الرحمان نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اپنا سر سیٹ کی پشت سے ٹکا دیا۔ سال ڈیڑھ سال ہونے کو آیا تھا انہوں نے رامین کی شکل بھی نہیں دیکھی تھی۔

"پتا نہیں، کوئی مسئلہ نہ ہو۔۔۔ ہمارے پاس تو نمبر بھی نہیں ورنہ فون پر ہی رامین کی خیر خیریت معلوم ہو جائے۔"

"ابو! رامین آپی سے میری بات ہوتی رہتی ہے۔ میں اکثر فون کرتا ہوں انہیں۔"

عمر کی بات سن کر وہ حیران رہ گئے "تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟"

"ابو! رامین آپی نے منع کیا تھا، انہیں ڈر تھا اس طرح ناز چچی کو خبر ہو جائے گی۔ میں جب ناز چچی کو گھر سے باہر نکلتے دیکھتا تو انہیں فون کرتا ہوں۔"

"لاؤ مجھے دو نمبر۔۔۔ میں بات کرتا ہوں خود اس سے۔۔۔ ابھی ناز گھر نہیں پہنچی ہو گی۔" شفیق الرحمان کے کہنے پر عمر نے ان کے موبائل سے آراستہ محل کا نمبر ڈائل کیا اور انہیں پکڑا دیا۔ فون چند بیلوں کے بعد ہی ریسیو کر لیا گیا تھا، وہ فوراً" کہہ اٹھے۔

"ہیلو رامین! میں تمہارا تایا جان بات کر رہا ہوں بیٹا! کیسی ہو؟ سب خیر خیریت ہے نا۔۔۔ تمہیں کسی چیز کی۔۔۔" اور فون دوسری طرف سے بند کر دیا گیا تھا۔

ان کی مایوس صورت دیکھ کر عمر نے موبائل اپنے ہاتھ میں لے کر کان سے لگایا، پھر سنجیدہ نگاہوں سے انہیں دیکھتے ہوئے فون آف کر دیا۔

"اس نے مجھ سے بات نہیں کی عمر۔۔۔ کیا وہ مجھ سے خفا ہے؟"

"نہیں ابو! ایسا نہیں ہے مجھے لگتا ہے ناز چچی گھر پر ہی ہیں۔۔۔" عمر نے اپنے اندیشے کا اظہار کیا، اور جیسے ہی ان کی گاڑی اپنے گھر کی سڑک پر آئی، آراستہ محل کے باہر سیکیورٹی گارڈ سے باتیں کرتے ڈرائیور کو دیکھ کر اس کے شک کی تصدیق ہو گئی۔ نازنین گھر پر موجود تھی۔

☼ ☼ ☼

کچھ دن بعد رامین نے انہیں خود فون کیا۔ جو کچھ اس نے کہا۔ اسے سن کر وہ پریشان ہو گئے اور عمر کو ساتھ لے کر فوراً" آراستہ محل کی جانب چل پڑے آج انہیں وہاں جانے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔

☼ ☼ ☼

کھانا کھانے کے بعد اس نے کمرے کا دروازہ لاک کر لیا۔ الماری سے زیورات کا ڈبا نکالا اور اطمینان سے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

اگلے ہی لمحے دمکتے زیورات کی روشنی اس کے آس پاس پھیل گئی۔

سات سونے کے سیٹ، دو درجن چوڑیاں جن میں کچھ تو خالص سونے کی تھیں اور کچھ نگینوں والی۔ چار

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہندوستانی طرز کے جڑاؤ کنگن بھی تھے۔ زمرد کی لڑیوں میں کندن کا لاکٹ اور بڑے بڑے جھمکے ' سونے کی پازیب جس پر پان کے پتوں کے نیچے نازک گھنگھرو چھنک رہے تھے۔ اس کے علاوہ چاندی کی پائل اور سونے کے بچھوے بھی تھے۔ یہ سب کچھ بہت سالوں میں اکٹھا ہوا تھا' چھوٹی موٹی اور بھی کافی چیزیں تھیں۔ چھ سات ہیرے کی انگوٹھیوں کو کل ملا کر اکیس انگوٹھیاں تھیں' جو سیٹ کے علاوہ تھیں۔

بہت سے زیورات تو اس کی اور عبید کی لڑائی کے بعد عبید کی طرف سے صلح کا جرمانہ تھے۔

عبید ان زیورات کی باقاعدگی سے زکواۃ دیتے تھے۔ صبیحہ بیگم ان سے زکوۃ لے کر مستحقین میں تقسیم کر دیتی تھیں۔

"آئندہ اپنے زیور کی زکواۃ میں خود تقسیم کروں گی کوئی ضرورت نہیں ہے اپنی والدہ صاحبہ کو پیسے دینے کی۔" نازنین نے علیحدہ گھر میں آتے ہی فیصلہ سنا دیا تھا۔

عبید نے بحث میں جائے بغیر خاموشی اختیار کرلی اور اگلے سال سے انہوں نے زکوۃ کی رقم اس کے حوالے کردی تھی۔ جسے اس نے کام والی اور چند ماسیوں میں بانٹ دیا تھا مگر۔۔۔ کچھ عرصے بعد وہ اس فرض میں کوتاہی برتنے لگی۔

عبید کو تمام عمر معلوم نہیں ہو سکا تھا۔ مگر رامین جان گئی تھی۔

اس نے خود پر پانی کی طرح روپیہ بہایا تھا۔ اسے بڑی تسکین ملتی تھی' جب قدسیہ' امی بیگم کے گھر خاص موقعوں پر ملنے کے لیے آنے والی بھابھی کو ہر دفعہ نئے زیورات میں لدا پھندا دیکھتیں تو ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتیں۔ یہ دیکھ کر نازنین کو بہت مزا آتا تھا۔ اب اس کے پاس زیورات کا بہترین کلیکشن موجود تھا۔

جیولری باکس الماری میں لاک کرنے کے بعد اس نے گھڑی کی جانب دیکھا' گیارہ بج چکے تھے۔ وہ وضو کرنے کے لیے باتھ روم میں چلی گئی۔ اسے عشاء کی نماز پڑھنی تھی۔ وضو کرنے کے بعد وہ اپنے کمرے کی کھڑکی کے پاس آکر کھڑی ہو گئی' آسمان کی طرف دیکھا تو رات ساحروں کے اعمال کی مانند سیاہ اور تاریک تھی' کسی ٹمٹماتے تارے کی روشنی کا نقطہ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ آسماں پر گہرا سناٹا جیسے کسی طوفان کی آمد کا منتظر تھا۔ اس نے پردے کھینچ کر برابر کردیے اور نماز پڑھنے کھڑی ہو گئی۔

ابھی نازنین کی نماز جاری تھی کہ کمرے میں کچھ سرسراہٹیں سنائی دینے لگیں۔ کون ہو سکتا ہے؟ دروازہ تو لاک کیا تھا میں نے۔۔۔

وہ نماز کی وجہ سے پیچھے مڑ کر نہ دیکھ سکی۔

التحیات پڑھتے ہوئے اس کی نظر اپنے سفید مرمریں ہاتھ پر ٹھہر گئی۔ اس نے شہادت کی انگلی اٹھائی پورے جسم نے گواہی دی۔۔۔ بس ایک دل۔۔۔ وہ خاموش رہا۔ اگر دل گواہی دیتا اور ثابت قدم رہتا تو عبادت خانوں میں بتوں کی موجودگی کا جواز نہ تھا۔

وہ سرسراہٹیں اب بڑھتی جا رہی تھیں۔ سلام پھیرتے ہی اس نے جلدی سے پیچھے مڑ کر دیکھا تو دہشت کے مارے اندر تک لرز گئی۔

اس کے کمرے میں سانپ ہی سانپ بھرے ہوئے تھے۔ سیاہ چمکیلے سانپ' ایک دوسرے پر چڑھتے اترتے پورے فرش پر دندناتے پھر رہے تھے۔ حتیٰ کہ دیواروں پر سجی اس کی تمام پورٹریٹس بھی ان لہردار اجسام کے پیچھے چھپ گئی تھیں۔ زمین پر رینگتے سانپ اس کی توجہ پاتے ہی اپنا پھن اٹھا کر کھڑے ہو گئے اور جھومنے لگے۔ خوف کے مارے اس کی آواز گلے میں گھٹ کر رہ گئی تھی۔ وہ اپنی جگہ سے ایک انچ بھی ہل نہیں پا رہی تھی کہ ایک سانپ رینگتا ہوا نماز کے مقام پر پہنچ گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ اسے ڈس لیتا' اس نے زوردار چیخ مارتے ہوئے آنکھیں بند کرلیں۔

کچھ دیر تک وہ یونہی کان بند کیے آنکھیں میچ کر بیٹھی رہی۔ پھر کسی نے آہستگی سے کلائی پکڑی اور ہاتھ کان سے ہٹا دیا۔ اس نے چونک کر آنکھیں کھولیں تو کمرا بالکل خالی پڑا تھا۔ نہ کوئی سانپ' نہ پھنکار نہ ہی

سرسراہٹ۔ تو کیا۔۔۔ میں خواب دیکھ رہی تھی؟! اس نے حیرت سے سوچتے ہوئے اپنی کلائی کی طرف دیکھا' جسے کوئی اور ہاتھ تھامے ہوئے تھا۔ اس نے فوراً گردن گھما کر دیکھا تو آنکھیں دہشت سے پھیلتی چلی گئیں۔ وہ خود اپنے سامنے بیٹھی تھی۔

ابھی وہ سانپوں کے غائب ہونے کے بعد ٹھیک طرح سے سکون کا سانس بھی لے نہیں پائی تھی کہ دل پھر سے اچھل کر حلق میں اٹک پڑا تھا۔ بے اختیاری میں اس نے ہتھیلی کو زمین پر جما کر اپنا بوجھ اس پہ ڈالتے ہوئے پیچھے سرکنے کی کوشش کی۔

"کون ہو تم؟" بڑی مشکل سے ہمت مجتمع کر کے پوچھا تھا اس نے' جس کا جواب ایک تمسخرانہ مسکراہٹ کے ساتھ دیا گیا۔ "میں تم ہوں۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" وہ زیر لب بڑبڑائی۔

اس عورت نے اس کی حیرت کا مزا لیتے ہوئے پوچھا "کیوں نہیں ہو سکتا؟"

"ایسے بن رہی ہو جیسے خود کو پہچانتی ہی نہیں۔۔۔ کبھی آئینہ نہیں دیکھا کیا؟"

اب اس کا وہ بھلا کیا جواب دیتی' بس گونگوں کی طرح ٹکر ٹکر اسے دیکھے گئی۔ وہ عورت کچھ دیر اس کے بولنے کا انتظار کرتی رہی پھر سرسراتی ہوئی آواز میں گویا ہوئی۔

"مجھے غور سے دیکھو' میں تمہارا حسن ہوں۔ تم میری پرستش کرتی رہیں۔ تمہاری خواہش ہوں' جس کی راہ میں آنے والی ہر رکاوٹ کو روندتی رہیں تم اور اب ایسے پیش آرہی ہو جیسے مجھے جانتی ہی نہیں۔"

نہایت غصے میں وہ عورت اس کے مقابل آکر بولی۔

"مجھے غور سے دیکھ۔۔۔ میں تیرا تکبر ہوں۔۔۔"

نازنین نے گھبرا کر پیچھے ہٹنے کے بجائے اسے زور سے دھکا دیا اور عبادت کے مقام سے باہر نکل آئی۔ اٹھ کر بھاگتے ہوئے بھی وہ اپنے تکبر کو دیکھے جا رہی تھی۔ تب ہی کسی سے ٹکرائی۔ پلٹ کر دیکھا تو یہ قد آدم وینس کا برہنہ مجسمہ تھا۔۔۔ مگر یہ پہلے تو اس کمرے میں نہیں تھا۔ آراستہ محل کے داخلی دروازے کے سامنے سجایا تھا اس نے۔۔۔ وہ اپنے بیڈ کی طرف آئی۔

سفید کروشیے کی جال دار بیڈ شیٹ پر ایک سیاہ فام جیسی عورت کا بے لباس وجود آڑا ترچھا پڑا تھا۔ اسے دیکھ کر وہ عورت اٹھ بیٹھی اور سیاہ ہونٹوں کے پیچھے سفید دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے بولی "مجھے پہچانا؟"

اس کے اپنے ہاتھوں کا بنایا اسکیچ زندہ اس کے سامنے تھا۔

"میری ہر تخلیق زندہ معلوم ہوتی ہے۔" ہر اسکیچ مکمل کرنے کے بعد وہ فخر سے کہتی مگر آج حقیقت میں انہیں زندہ دیکھ کر دہشت سے اس کا برا حال تھا۔

خوب صورت' قبطی عورتوں کے رقص کرتے اجسام' یونانی دیوتا زیوس کا کسرتی بدن' مائرون ڈسکو بولس ایک رومن ایتھلیٹ ڈسک پھینکتے ہوئے' مصری دیوتا اوٹیسس اور فرعون آخن آتون' کشن کنہیا ایک ہاتھ میں بانسری تھامے رادھا کو خود سے لپٹائے ہوئے۔۔۔ اور بھی بہت تھے۔

یہ تخلیقات اس کی زندگی کا حاصل تھیں مگر آج اس طرح اس کے سامنے کیوں آکر کھڑی ہو گئیں۔۔۔؟ اس کا دل رک رک کر دھڑکنے لگا۔

ناز کو سانس لینے میں دقت پیش آنے لگی' اس کا دل ڈوب رہا تھا اور بے ترتیب سانسوں کو بحال کرنے کی کوشش میں وہ خود بے حال ہوئی جا رہی تھی۔ تب ہی اس کے پیروں پر کوئی چیز رینگتی ہوئی گزرنے لگی' اس نے چونک کر اپنے پیر اوپر کرتے ہوئے فرش کی طرف دیکھا اور چیخ پڑی۔

کتھئی رنگ کا چائنیز سرپینٹ (چینی ناگ) تھا۔ اس کی چیخ پر وہ رینگتا ہوا پلٹا اور بستر پر گرتے ہی بھڑکنا شروع کر دیا۔ کمرے میں یکدم اندھیرا چھا گیا تھا' بادل گرج رہے تھے اور بستر پر آگ لگ چکی تھی۔ نازنین نے بے تحاشا چیختے ہوئے پیچھے گھسٹنا شروع کر دیا۔ مگر آگ بڑی تیزی سے پورے بستر پر پھیل رہی تھی' وہ نیچے اتری' اس بھڑکتے الاؤ کی روشنی میں اس نے اردگرد دیکھا'۔ ان بے جان بت اور تصویروں نے اسے چاروں طرف سے یوں گھیر لیا تھا کہ وہ ان کے بیچ

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

سے گزر کر دروازے تک نہیں جا سکتی تھی' ان کے درمیان رستہ بنانا ناممکن لگ رہا تھا۔

"مجھے باہر نکلنے دو۔۔۔ جانے دو مجھے۔" وہ ہذیانی انداز میں چیخ رہی تھی۔

اسی دم پیچھے سے کسی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔ ناز مڑی تو دیکھا' وہ عفریت بے حد خوفناک تھا۔

"چھوڑو مجھے۔۔۔" ناز اپنا ہاتھ جھٹکتی پیچھے ہٹی سیاہ عفریت عجب انداز سے مسکرایا۔

"کیسے چھوڑ دوں؟ یہاں سے آگے صرف میں ہی تمہارے ساتھ جاؤں گا۔"

"کون ہو تم؟" اس کے کانوں میں صرف آگ کے بھڑ بھڑانے کی آواز تھی۔

اس عفریت نے خوفناک قہقہہ لگایا۔ "میں۔۔۔ تمہارا عمل ہوں۔"

"نہیں میرے اعمال ایسے کریہہ تو نہیں تھے۔" اب وہ سانس لینے کی کوشش میں ہانپنے لگی تھی۔

"میں ہمیشہ سے ایسا ہی تھا۔ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہا۔۔۔ تمہارا عکس تمہارا غرور۔۔۔ تمہاری انا بن کر۔"

ناز دہشت سے کانپنے لگی۔ "میرا کیا قصور ہے؟ یہ گناہ تم نے کروائے مجھ سے۔ مجرم تم ہو گنہگار صرف تم ہو۔"

"میرا کردار بس اتنا تھا کہ میں نے تمہیں پکارا اور تم میرے پیچھے چل پڑیں۔۔۔ تم نے اللہ کے بجائے اپنے نفس کی اطاعت کی۔۔۔ تو آج مجھ پر الزام نہ رکھو۔"

اس نے مزاحمت چھوڑ کر بے چارگی سے پوچھا "کیا میں مرنے والی ہوں؟"

"ہاں۔۔۔" جواب حسب توقع تھا۔۔۔ "لیکن پہلے انہیں زندہ کرو۔"

"کسے؟" وہ پاگلوں کی طرح ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

وہ کریہہ عفریت جو خود کو اس کا عمل کہہ کر متعارف کروا چکا تھا' ایک نہ سمجھ میں آنے والا مطالبہ لیے کھڑا تھا۔

"زندہ کرو ان تصویروں کو' بتوں میں جان ڈالو۔۔۔ جنہیں اپنے ہاتھ سے بناتی تراشتی رہیں۔۔۔ آج زندگی دو انہیں۔"

"لیکن میں یہ کس طرح کروں؟۔۔۔ میں خدا تو نہیں۔" اپنی بے اختیاری کا اعتراف نہایت سہل ہو چکا تھا۔

"تو بنایا کیوں تھا؟" اس نے ڈپٹ کر کہا۔ "اب جان ڈالو۔"

"میری عبادت کہاں ہے؟" شدید بے بسی کے عالم میں وہ پکارنے لگی "میرے روزے' میری نمازیں کہاں ہیں؟"

"وہ سب اکارت گئیں۔۔۔ روز آخرت تمہارے منہ پر دے ماری جائیں گی۔"

"کیوں؟ مجھے معافی کیوں نہیں ملے گی؟" وہ ہاتھ جوڑے بلک رہی تھی۔

"تم ناشکری تھیں۔۔۔ اللہ کی نعمتوں کی' اس کی رحمت کی۔ تم نے غرور کیا' ظلم کیے۔" گناہوں کی لمبی فہرست تھی' وہ گن نہ سکتی تھی' فرد جرم عائد کیا جا رہا تھا۔ اس کے اعمال نے ملامت بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"کیا تجھ تک اللہ کا پیغام نہیں پہنچا تھا۔۔۔؟"

"پہنچا تھا۔۔۔" وہ روتی ہوئی شکست خوردہ سی زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔ عفریت نے ایک تاسف بھری نگاہ اس پر ڈالی اور اس کے ساتھ ہی زمین پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر کمرے میں پھیلتی آگ کو دیکھتا رہا پھر بولا۔

"تو جانتی ہے تیرا سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟" ناز نے سر اٹھا کر اس کی جانب سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔ وہ بولا۔

"ہٹ دھرمی۔۔۔ سب کچھ جانتے بوجھتے اپنے گناہوں پر اڑ جانا۔۔۔ اللہ کے غضب کو آواز دیتا ہے۔۔۔ تو نے بھی وہی کیا۔ تیری ماں نے تجھے روکا تھا ناں۔۔۔ جتایا تھا قیامت کے دن سخت عذاب میں مصور ہوں گے۔ تو نے اسے ان پڑھ جاہل کہہ کہہ کر جھٹلا دیا۔ اب انتظار کر۔۔۔ عذاب کا' جھیلنے کا۔" اور تپش تو پہلے ہی اس کی ہڈیوں کے گودے میں گھسی جا رہی تھی' اس نے ایک بار پھر یاد دلانے کی کوشش کی۔

"پر میری نمازیں۔۔۔ میری عبادت۔۔۔ میرے روزے؟"

"ان سب میں بٹ گئیں تیری عبادات' جنہیں گالی دی تھی۔۔۔ ناحق ذلیل کیا تھا۔۔۔ جن کا حق مارا تھا' ظلم کیا تھا۔ بھول جا اپنی نیکیاں۔ مفلس ہے تو۔۔۔ کچھ نہیں ہے تیرے پاس۔۔۔ کچھ بھی نہیں۔"

وہ بلند آواز سے رونے لگی۔ اس کے تمام مساموں سے بے تحاشا پسینہ پھوٹ رہا تھا۔۔۔ پورے کمرے میں آگ پھیل چکی تھی۔ ابھی تک آگ نے اس کے پورے بدن کو نہیں چھوا تھا مگر وہ دیکھ سکتی تھی کہ وہ پگھل رہی ہے۔

اس کی نظروں کے سامنے اس کا خوب صورت مرمریں بدن موم کی طرح پگھل کر بدہیئت زاویے اختیار کرنے لگا۔ اس نے چیخنا چاہا تو آواز اس کے گلے میں گھٹ کر رہ گئی۔

اسے یقین ہو گیا کہ وہ مر رہی ہے۔۔۔ یا شاید وہ پہلے ہی مر چکی تھی۔

☆ ☆ ☆

معراج دین گیٹ کے آس پاس ٹہل رہا تھا۔

جب وہ نیا نیا یہاں نوکری کے لیے آیا تھا تب ہی اسے بیگم صاحبہ نے اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ کن لوگوں کو اس گھر میں داخل ہونے سے روکنا ہے۔ چند دنوں بعد اسے معلوم ہو گیا تھا کہ گھر میں ماں بیٹی کے علاوہ کوئی نہیں رہتا اور جن لوگوں کا اس گھر میں آنا منع ہے وہ اصل میں چھوٹی بی بی کے ددھیال والے ہیں۔

اسے حیرت ہوئی تھی مگر وہ ملازم تھا۔

اسے شفیق الرحمان ایک شریف انسان لگے تھے۔

اپنے دونوں ہاتھوں کو آپس میں رگڑتے ہوئے گرمائش پیدا کرنے کی کوشش میں مگن معراج دین اس وقت بری طرح چونک گیا' جب گیٹ بجنے کے ساتھ اسے شفیق الرحمان کی آواز سنائی دی۔

اس نے گیٹ کھولنے کے بجائے آواز دے کر پوچھا "کون ہے؟"

جواب میں شفیق الرحمان نے اپنا تعارف کروایا اور اس سے پہلے کہ وہ انہیں بیگم صاحبہ کا حکم یاد کرواتا' انہوں نے کہا۔

"رامین نے خود مجھے فون کیا ہے معراج۔۔۔ تم مجھے اپنے ساتھ اندر لے چلو' اس سے پوچھ تو لو۔۔۔ وہ کسی مصیبت میں ہے۔"

معراج انہیں اپنے ہمراہ لے کر ڈرائیو وے سے ہوتا ہوا داخلی دروازے تک آیا۔ ان کے بیل پر ہاتھ رکھنے سے قبل ہی دروازہ کھلا اور رامین وحشت بھرے انداز میں باہر نکل کر ان کا بازو پکڑ کر کھینچتی ہوئی انہیں اندر لے جانے لگی۔

"تایا جان! ماما دروازہ نہیں کھول رہیں۔۔۔ میں بہت دیر سے بجا رہی ہوں۔۔۔ وہ جواب ہی نہیں دے رہیں۔" چند ایک بار پکارنے کے بعد مایوس ہو کر شفیق الرحمان نے معراج کو دروازہ توڑنے کے لیے کہہ دیا۔

معراج بھاری ہتھوڑے سے وقفے وقفے سے لاک پر ضرب مار رہا تھا۔ ہر ضرب کے ساتھ رامین کا دل ڈوب جاتا' جانے اسے کیا ہوا وہ الٹے قدموں پیچھے ہٹی اور اپنے کمرے میں جا کر بند ہو گئی۔

تڑک۔۔۔ کی آواز کے ساتھ پورا کا پورا لاک زمین پر آگرا۔ معراج دین نے شفیق الرحمان کو آگے بڑھنے کا راستہ دیا۔ قدم بڑھانے سے پہلے۔ دروازہ کھولنے سے پہلے ہی انہیں عمر کے سہارے کی ضرورت پڑ گئی۔ وہ اچانک ہی لڑکھڑائے تھے۔

ایک گہری سانس لیتے ہوئے۔۔۔ بالآخر انہوں نے دروازہ کھولا اور کمرے میں قدم رکھ دیا۔ کمرا بالکل خالی تھا۔ عبادت کے مقام پر انہیں نازنین نظر آئی۔ نماز پڑھتے ہوئے وہ سجدے میں ہی اپنی زندگی سے روٹھ گئی تھی شاید۔۔۔ اور اس وقت اوندھے منہ زمین پر گری پڑی تھی۔

ڈاکٹر صابر ان کے پڑوسی تھے۔ انہوں نے نازنین کا چیک اپ کرنے کے بعد اس کی موت کی تصدیق کر دی

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

تھی۔ اسے مرے ہوئے دس گھنٹے گزر چکے تھے۔ عمر نے بدقت نازنین کو بستر پر لٹادیا تھا اور چادر اوڑھادی تھی۔

ایک اور موت۔۔۔ ابھی عبید کے انتقال کو بھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔ شفیق الرحمان نڈھال سے کرسی پر ڈھے گئے۔ ابھی تک رامین اپنے کمرے سے باہر نہیں آئی تھی۔ انہیں قدسیہ اور آمنہ کا انتظار تھا' وہ آجائیں گی تو۔۔۔

ان کی سوچ یہیں تک ٹھہر گئی۔۔۔ قدسیہ اس گھر میں آئے گی؟ آمنہ بھی۔۔۔ امی بیگم کے انتقال کے بعد اب یہ موقع آیا تھا کہ عبید کے گھر میں ان کی بہنیں اور بھائی داخل ہو سکتے تھے۔

یہ گھر۔۔۔ یہ محل۔۔۔ شاید عبید کا تھا ہی نہیں۔۔۔ انہوں نے بستر پر ابدی نیند سوتی ناز کو دیکھ کر سوچا۔ "یہ آراستہ محل تو اس ملکہ کا تھا۔۔۔" وہ کھڑے ہو گئے' شفیق الرحمان نے ناز کے چہرے سے نظر نہیں ہٹائی۔ انہیں رہ رہ کر وہ وقت یاد آرہا تھا جب نازنین نے کسی کو اپنے محل میں آنے کی اجازت نہیں دی تھی۔۔۔ اور آج۔۔۔ اس وقت اس کی خواب گاہ میں کتنے ہی لوگ یونہی بلا روک ٹوک داخل ہوتے جا رہے تھے۔ اپنے مردہ جسم کے ارد گرد کھڑے لوگوں پر اس کا کچھ اختیار ہی نہیں تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ بہت دیر سے لان میں چہل قدمی کر رہی تھی اور اب اسے تھکن محسوس ہونے لگی تھی۔ نظروں کے عین سامنے آراستہ محل کسی قبر پر سجے کتبے کی مانند محسوس ہو رہا تھا' اس کتبے کے سائے تلے ان گنت قبریں تھیں۔

وہ خالی الذہنی سے آرائشی سرخ اینٹوں سے تعمیر شدہ اس عمارت کو دیکھنے لگی' جسے اتنے سال وہ گھر کہتی اور سمجھتی رہی تھی۔ یہ عالیشان "آراستہ محل" اپنے سابقہ مکینوں کی قابل ستائش جمالیاتی حس کا منہ بولتا ثبوت تھا۔

وہ ایک جھٹکے سے اٹھی اور اندر کی جانب قدم بڑھا دیے۔

لان عبور کرتے ہوئے ڈرائیو وے تھا۔ اس سے منسلک سنگ مرمر کی آٹھ سیڑھیاں چڑھنے کے بعد قدیم انداز کا منقش چوبی دروازہ گھر میں داخل ہونے کا ذریعہ تھا۔ وہ قریباً" دوڑتی ہوئی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آئی اور گھر میں داخل ہو کر تمام بتیاں جلادیں۔ اٹالین کرسٹل کے بھاری فانوس جگر جگر کرنے لگے۔ ان کی سنہری روشنی سفید چکنے فرش پر کہیں کہیں سات رنگوں میں منقسم دکھائی دے رہی تھی۔ گویا دھنک رقص کر رہی ہو۔

داخلی دروازے کے دائیں طرف وینس کا قد آدم عریاں مجسمہ تھا۔ یونانی دیومالائی داستانوں میں حسن کی دیوی کا خطاب پانے والی عورت دلبرانہ انداز سے یوں کمر لچکا کر کھڑی تھی کہ نسوانیت کا ہر پہلو اجاگر ہو رہا تھا۔ اس کی عقبی دیوار پر احمد خاں کی گولڈ کیلی گرافی آویزاں تھی۔ اس کا سر شرمندگی سے جھک گیا' وہ آگے بڑھ گئی۔ فائر پلیس کے عین اوپر دیوار پر ایک بیضوی آئینہ نصب تھا۔ اس کی نظر اپنے عکس پر نہیں پڑی۔ وہ آئینے کے فریم کو دیکھ رہی تھی۔ چائنیز سرپینٹ لکڑی کے فریم میں گندا ہوا اس آئینے کے گرد لپٹا ہوا تھا۔ اس کے گرد دیوار پر حنوط شدہ بارہ سنگوں کے سر ایستادہ تھے۔ وہ مڑ کر مصری کارنر کی طرف چلی آئی۔ ہال کے اس کونے میں ہر دور کے فراعنہ تصویریا ممی کی شکل میں رکھے گئے تھے۔ مصری طرز کی لکڑی اور بید کی کرسیوں پر قلوپطرہ کی صورت دکھاتے کشنز رکھے تھے۔

ہال کے دوسرے کونے میں رومن اور یونانی ادوار کی تمام نشانیاں من و عن سجائی گئی تھیں۔ اس کونے کے آخر سے ڈائننگ ہال شروع ہو رہا تھا' ایک اور عبرت کدہ۔

طویل بیضوی میز کے گرد بارہ کرسیاں' اس کے عقب میں پاتیو (Patio) اور گلاس سلائیڈنگ ڈور۔۔۔ اس نے لائٹ آن کی اور سلائیڈنگ ڈور کھول دیا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

پاتیو تین اطراف سے لوہے کی گرل میں گھرا تھا۔ جس پر دوسری طرف سے لان کی بیلوں نے قبضہ جمالیا تھا۔ اس نے ایک نظر اس خوابناک ماحول کو دیکھا اور پلٹ کر ڈائننگ ہال کی دیوار پر سجی اس منی ایچر کے سامنے آکر کھڑی ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی لیدر شیٹ پر سورۃ الکوثر کی آیات خط نستعلیق میں کندہ کی گئی تھیں۔ کانچ کی شیلف میں روسی گڑیاں۔ قیمتی برتن اور چینی مچھیرا جو کندھوں پر لکڑی سے بندھی بالٹیاں اٹھائے، آنکھیں میچ کر مسکرا رہا تھا، گوتم بدھ نروان حاصل کرنے میں مستغرق۔۔۔ وہ آج ان سب چیزوں کو آخری بار دیکھ رہی تھی۔ ڈائننگ ہال سے باہر آکر رامین اپنی ماں کے کمرے کی طرف بڑھنے لگی۔

نازنین کے کمرے کی لائٹ روشن تھی۔ یہ ہدایت آمنہ بیگم کر کے گئی تھیں کہ ناز کے کمرے میں روشنی رہنی چاہیے۔ رامین نے ان سے کوئی بحث نہیں کی تھی۔ عود کی خوشبو کمرے کے ایک کونے میں جلتی اگربتی کے دھوئیں کے ساتھ ہوا میں تحلیل ہو رہی تھی۔ روشنی اور خوشبو کے باوجود کمرے میں عجیب گھٹن کا احساس تھا۔ حالانکہ یہ آراستہ محل کا سب سے کشادہ بیڈ روم تھا۔ کھڑکی کے آخری سرے پر کمرے میں پوٹ ہولڈر لٹکا ہوا تھا جس کی تغاری میں ایک ننھا سا بونسائی رکھا ہوا تھا۔ باقی دیواروں پر کسی قسم کی کوئی پینٹنگ نہیں تھی، صرف پورٹریٹس تھیں۔۔۔ اس کی ماں نازنین کی۔

ایک نہایت حسین اور پر اعتماد عورت، جس کے چہرے کے تاثرات ہر تصویر میں یکساں تھے۔ بھرے بھرے ہونٹوں کے باریک کناروں پہ مچلتی مسکراہٹ، ستواں ناک، نرگسی آنکھوں سے چھلکتا غرور، کمان بھنوؤں پر کشادہ پیشانی، ریشمی بالوں کی ناگن لٹیں اور تنی ہوئی گردن۔۔۔ اپنے تمام ہتھیاروں سے لیس ہو کر کیمرے کی آنکھ سے آنکھ ملائی گویا چیلنج کر رہی ہو کہ "ہم سا ہو تو سامنے آئے" اور حقیقتاً "کوئی بھی تو۔۔۔ اس کی ماں جیسا نہیں تھا۔ کمرے کی ساری دیواریں ان تصویروں کے پیچھے چھپ گئی تھیں۔ بہت سی تصویریں تو ان کامیابیوں کی یادگار تھیں۔ جو اس کی ماں نے حاصل کی تھیں۔ بہترین ڈرامہ نویس کا ایوارڈ وصول کرتے ہوئے، بہترین تجزیہ نگار کا ایوارڈ وصولتے اور مشاعروں کی ان گنت تصاویر۔ اپنی تصویروں میں ماضی کے دریچے کھولتی گئی ایک بلیک اینڈ وائٹ تصاویر۔ بھی اس دیوار کی زینت تھیں۔

ایک کامیاب عورت کی پوری زندگی، اس کا غرور، فخر و انبساط، اس کے خواب اور ان کی تعبیر اور حاصل ہونے والی ساری کامیابیاں، سب کچھ اس دیوار پر آویزاں تھا۔ وہ ہر تصویر خوب غور سے دیکھتی پورے کمرے میں گھومتی رہی۔ "کتنی خوب صورت، کتنی خوش لباس اور ٹیلنٹڈ خاتون تھیں ماما۔۔۔ ان کے ہاتھ سے بنائی گئی ہر چیز کس قدر مکمل اور بے عیب ہے۔ ان کی لکھی ہوئی درجنوں کتابیں شاعری کے مجموعے اور دیوان، ان کی بنائی ہوئی سینکڑوں پینٹنگز، اسکیچز، ملبوسات اور جیولری۔۔۔ ہر شعبے میں مہارت رکھتی تھیں۔ ہر اعزاز ملا انہیں۔۔۔ دنیا کی بہترین عورت تھیں مگر۔۔۔ ماں نہیں تھیں۔ تو پھر کون تھیں؟ مجھ سے کیا رشتہ تھا آخر۔۔۔" سوچ کے دائرے سکڑتے جا رہے تھے۔

"کیا نام دوں میں اس تعلق کو؟" اس نے شدت کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔

آج اک حرف ڈھونڈتا پھرتا ہے خیال
موہ بھرا حرف کوئی، زہر بھرا حرف کوئی
دل نشیں حرف کوئی، قہر بھرا حرف کوئی
حرف الفت کوئی دلدار نظر ہو جیسے
جس سے ملتی ہو نظر بوسہ لب کی صورت
اتنا روشن کہ سر موجہ زر ہو جیسے
تا ابد شہر ستم جس سے تہہ ہو جائیں
اتنا تاریک کہ شمشان کی شب ہو جیسے
لب پہ لاؤں تو میرے ہونٹ سیاہ ہو جائیں

اس نے نہایت بے دردی سے لب کچل ڈالے۔ اسے نفرت تھی، اس عورت سے، جو اس کی ماں تھی۔ ہر خوبی میں یکتا ایک بہترین عورت، جسے بھی اچھی ماں ہونے کا اعزاز نہیں ملا۔ اسے اس اعزاز کو حاصل کرنے میں کوئی دلچسپی بھی نہیں تھی۔ ورنہ جو اس نے چاہا۔۔۔ ہمیشہ حاصل کیا تھا۔

وہ کمرے سے باہر آگئی۔

تیز سرد ہوا کے تھپیڑے نے جہاں اس کے جسم کے رونگٹے کھڑے کیے، وہیں اس کے وجود میں ایک جادوئی طاقت سی پھونک دی۔ وہ کرنٹ کھا کر مڑی اور وینس کے مجسمے کو دونوں ہاتھوں سے زوردار دھکا دے کر نیچے گرا دیا۔ مجسمہ گرتے ہی سینکڑوں ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا۔ حسن کی دیوی کا سر اس کے قدموں میں پڑا تھا، جسے ایک زوردار ٹھوکر مار کر اس نے سیڑھیوں سے نیچے لڑھکا دیا۔ قرآنی آیات اور کتابیں چھوڑ کر اس نے تمام آرائشی اشیا اور مجسمے دروازے سے باہر پھینکنا شروع کیں۔ یکے بعد دیگرے وہ سارے مجسمے توڑتی چلی گئی۔ سب کچھ سیڑھیوں کے سامنے ڈھیر ہو رہا تھا۔ وہ اتنی قوت سے انہیں زمین پر مار رہی تھی کہ فرش سے ٹکراتے ہی سب چکنا چور ہو جاتے۔

کانچ اور پتھر کے ٹوٹنے ٹکرانے کی آوازیں اس پر ہیجان طاری کر رہی تھیں۔ رگوں میں لہو کے بجائے لاوا دوڑنے لگا تھا۔

ذرا سی دیر میں گھر خالی ہو گیا۔ اس کی ماں کے آراستہ محل کی شان و شوکت اس کی ٹھوکروں میں آگری تھی۔ ریشمی قالین جن کی بنت میں نوشیرواں عادل کی شکار کہانی نقش تھی، رادھا کشن، گوتم بدھ، مصری خزانے، چائنیز سرپینٹ، حنوط شدہ سر، نیوڈ پینٹنگز اور اسکیچز اور وہ تمام تصاویر جو نازنین کی خوابگاہ کی گھٹن تھیں، اس وقت سیڑھیوں سے نیچے ڈھیر کی صورت موجود تھیں۔ رامین نے اسٹور روم سے مٹی کا تیل لا کر ان چیزوں پر چھڑکنا شروع کیا۔ کچھ چھینٹے اس کے اپنے کپڑوں پر گرے مگر اسے کوئی پروا نہیں تھی۔ پورا کین انڈیلنے کے بعد اس نے دوسری سیڑھی پر کھڑے ہو کر تیلی سلگائی اور ڈھیر پر پھینک دی۔ لمحوں میں آگ بھڑک اٹھی۔

جیسے جیسے لاکھوں کا سامان راکھ میں تبدیل ہو رہا تھا ویسے ہی اس کی رگ و پے میں سرشاری بڑھتی جا رہی تھی۔ جلتا الاؤ چھوڑ کر وہ ایک بار پھر گھر میں داخل ہوئی اور پاتیو میں جا کر نوکیلے پتھر کے پے در پے وار کر کے اس سنگی ببر شیر کا منہ توڑ کر رکھ دیا جو حوض پر سجا ہوا تھا۔ شیر کا چہرہ مسخ کرنے کے بعد اس نے کچھ چھوٹے فریمز اور مورتیاں جو نظروں میں آنے سے رہ گئی تھیں انہیں بھی اٹھا کر الاؤ میں ڈال دیا۔

رامین کچھ دیر بتدریج بلند ہوتے شعلوں کو دیکھتی رہی۔ پھر سیڑھیوں سے نیچے اتر کر اس نے الاؤ کے گرد دو تین چکر لگائے کہ کوئی چیز آگ کی دسترس میں آنے سے رہ نہ گئی ہو۔

ایسا کچھ نہیں تھا۔

رامین نے ایک گہری سانس لی۔ الحمد اللہ کہہ کر اپنے ہاتھ جھاڑے اور اپنے کمرے میں چلی آئی۔ بستر پر لیٹتے ہی اسے فوراً "نیند آگئی۔

ایسی سکون کی نیند سونے کا یہ پہلا موقع تھا۔

☆ ☆ ☆

اس کی شلوار کا پائنچہ ادھڑ گیا تھا۔ وہ گرتے گرتے بچی تھی، جب کچن میں جاتے ہوئے اس کے داہنے پاؤں کا انگوٹھا بائیں پائنچے میں اٹکا۔ اسے سینے کی غرض سے وہ سوئی دھاگا لے کے بیٹھی، پر دھاگا تھا کہ ڈل کے ہی نہیں دے رہا تھا۔ وہ بے دھیانی میں بار بار اپنی دائیں آنکھ بند کر کے دھاگا ناکے سے گزارنے لگتی۔ جب کچھ نظر نہ آتا دھاگے کو منہ سے لگا کر کنارہ باریک کر کے پھر سے کوشش کرنے لگتی۔ مگر بے کار۔ اس کی بائیں آنکھ بینائی سے محروم ہو گئی ہے بالآخر اسے تسلیم کرنا پڑا۔

کیسے ہوئی تھی؟ وہ یاد کرنے لگی۔ بہت عام دنوں جیسا وہ بھی ایک عام سا ہی دن تھا۔ اس کی ماما کے انتقال سے شاید پانچ چھ دن پہلے کا کوئی دن ہو گا۔ وہ ہنس پڑی۔ اس کی زندگی دو حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ ماں کے مرنے سے پہلے اور ماں کے مرنے کے بعد۔

تلخی سے مسکراتے ہوئے اس نے بے دردی سے

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

آنکھ رگڑتے ہوئے اپنی ماں کو خراج تحسین پیش کیا۔
"اللہ آپ کا بھلا کرے ماما..... کیا سے کیا بنا دیا؟"
پھر بے زاری سے سر جھٹک کر اس نے دھیان بٹایا اور کپڑے بدلنے چلی گئی۔ آنکھ تو پھوٹ گئی تھی۔ اب ٹانگ بھی ٹوٹ جاتی اپنا وجود اسے اتنا عزیز تو نہیں تھا مگر لنگڑی ہو کر اکیلے گھر میں مدد مدد پکارنے سے تو بہتر تھا ابھی تھوڑا سا خیال کر لے۔

کپڑے بدلتے ہوئے جانے کیوں اس نے سوچا کہ جاوید انکل کے پاس چلی جائے۔ اس کے پاپا کے گہرے دوست تھے اور آئی اسپیشلسٹ تھے۔ اس نے اگلی صبح ان کے کلینک جانے کا مصمم ارادہ کر لیا۔

☼ ☼ ☼

"عافیہ! میری بلڈ پریشر کی گولی دیجیے۔" شفیق الرحمان نے عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد جاء نماز تہ کرتے ہوئے انہیں آواز دی۔

"مجھے تو آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔ چہرہ کیسا اتر گیا ہے' برسوں کے بیمار نظر آ رہے ہیں....." انہوں نے پانی کے گلاس کے ساتھ گولی تھماتے ہوئے کہا۔

"برسوں کی بیماری نہیں..... پچھتاوا ہے کئی برسوں کا۔" انہوں نے گولی کھا کر گلاس ایک طرف رکھا۔

"اس کی زندگی کے کتنے قیمتی سال یونہی ضائع ہو گئے۔ عبید کے جانے کے بعد میں نے اس کی خبر ہی نہ لی....." ان کی آنکھوں میں پچھتاوا آنسو بن کر جمع ہونے لگا۔ عافیہ کو فکر ہونے لگی کہیں شفیق الرحمان کی طبیعت نہ بگڑ جائے۔

"اب ایسے بھی بے خبر نہیں تھے آپ' ہر مہینے ڈیڑھ لاکھ بھجوایا کرتے تھے۔ وہ اس کی ماں تھی۔ آپ رامین کو زبردستی تو اس سے چھین نہیں سکتے تھے۔ اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔ آپ رامین کے لیے بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ شاہ زیب کو ڈھونڈنے کی کوشش کیجیے۔ وہ مل گیا تو رامین کو بہت سہارا ہو جائے گا۔" عافیہ انہیں روشن پہلو کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کر رہی تھیں تب ہی دروازے پر دستک ہوئی۔ عافیہ نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ یہ قدسیہ تھیں۔ انہیں سلام کرتی بھائی کے پاس بستر کے نزدیک رکھی کرسی پر بیٹھ گئیں۔ عافیہ قدسیہ کو بٹھا کر چائے کا انتظام کرنے چلی گئیں۔

"اچھا ہوا تم آ گئیں۔ میں تم سے ایک ضروری بات کرنا چاہ رہا تھا۔" شفیق الرحمان نے کہا تو قدسیہ پوری طرح ان کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

"جی کہیے بھائی جان! کیا کہنا چاہ رہے ہیں آپ؟"

"میں رامین کی شادی کرنا چاہتا ہوں....." شفیق الرحمان بنا کسی تمہید کے دل کی بات زبان پر لے آئے۔

قدسیہ حیرت سے انہیں دیکھنے لگیں۔

"دیکھو! میرا کوئی بیٹا اس کے جوڑ کا ہوتا تو سب سے پہلے وہ میرے گھر آتی مگر اب اس سلسلے میں تمہیں اور آمنہ کو ہی پہل کرنی چاہیے۔"

"مگر آپا بیگم کے دونوں بیٹوں کی بات طے ہے..... اور۔" شفیق الرحمان نے قدسیہ کی بات اچک لی۔

"اور تم نے اپنے سعد کے لیے کیا سوچا ہے؟"

قدسیہ اپنے بیٹے کا نام سنتے ہی تلخی سے مسکرائیں۔

"ہونہہ' میرے سوچنے کی نوبت ہی کہاں آئی بھائی جان! ہاں مجھے اطلاع دینے کا فرض اس نے ادا کر دیا ہے۔" قدسیہ کو بیٹے کی اس حرکت کا بہت رنج تھا۔ جس نافرمانی کا طعنہ وہ اپنے بھائی عبید کو دیا کرتی تھیں آج ان کے بیٹے نے بھی وہی کر دکھایا تھا اور وہ کچھ نہ کر سکی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"بیٹا! آپ کی آنکھ پر یہ چوٹ کیسے لگی تھی؟" ڈاکٹر جاوید کا سوال سیدھا سادا مگر اس کا جواب وہ اتنے سیدھے سادے طریقے سے دے نہیں سکتی تھی۔

"انکل بہت زور سے چوٹ لگ گئی آنکھ پر..... بھاری سی چیز تھی کوئی۔" اب وہ انہیں کیا بتاتی کہ باوجود پابندیوں کے اپنے تایا سے رابطہ رکھنے پر اس کی ماں نے اس بے دردی سے اسے مارا کہ اس کی آنکھ ہی پھوڑ دی۔ سر پر کوئی باریک مگر وزنی چیز ماری تھی۔ اس کی کنپٹی کی رگیں ابھر آئی تھیں۔ بائیں آنکھ کی پتلی کے پاس سرخ رنگ کا دھبہ پڑ گیا تھا۔ مار کھانے کے بعد وہ بمشکل اپنے بستر پر لیٹ پائی تھی۔ اس دن کے بعد بائیں آنکھ ہر منظر پہچاننے سے قاصر تھی۔

"ایسی کون سی بھاری چیز ٹکرا گئی تھی رامین؟" ڈاکٹر جاوید نے اس کا اچھی طرح معائنہ کر کے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا' ان کے سوال پر وہ خاموشی سے لب کچلتی رہی۔

"دیکھو بیٹا! تم اگر مجھے صحیح وجہ بتا دو تو میں تمہارا بہتر طریقے سے علاج کر سکوں گا۔"

رامین میز کے دوسری طرف سر جھکائے بیٹھ گئی۔

"اتنا تو میں دیکھ سکتا ہوں کہ یہ چوٹ کسی ٹکراؤ کے باعث نہیں آئی۔ یہ ایک کاری ضرب ہے۔ جس کا اثر بہت گہرائی تک پہنچا ہے اور تمہاری آنکھ کے گرد نازک نسوں کا جال پھٹ کر خون کا اخراج دے رہا ہے۔ تمہیں اسی دن یہاں آنا چاہیے تھا جب یہ چوٹ لگی تھی۔"

"تو اب آپریٹ کرنا پڑے گا؟"

"نہیں اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ لیزر کی مدد سے ہم بلیڈنگ وینز کی پیوند کاری کر دیں گے جس کے بعد ان شاء اللہ چند ماہ میں تمہاری آنکھ دیکھنے کے قابل ہو جائے گی۔ مگر یہ بینائی مرحلہ وار بحال ہو گی۔ تم گھبرانا مت۔ وقت لگے گا مگر سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔"

ڈاکٹر جاوید نے اسے درد میں کمی کے لیے کچھ دوائیاں لکھ کر دیں اور کہا۔ "صبح دس بجے تم کلینک آ جاؤ' ویسے تو لیزر ٹریٹمنٹ میں درد کا احساس نہیں ہو گا لیکن پھر بھی..... بہتر ہو گا تم کسی کو ساتھ لے آؤ..... اور دیکھو ٹینس مت ہونا۔ نہ ہی غصہ کرنا ہے اور رونا تو بالکل بھی نہیں۔ تمہاری آنکھ پر زور پڑے گا۔ او کے۔"

"جی میں احتیاط کروں گی....."

وہ سر ہلاتی باہر نکل گئی۔

فجر کی نماز پڑھ لینے کے بعد رامین نے دروازہ کھولا۔ اس کی ماں کا ورثہ خاک کے ڈھیر میں تبدیل ہو چکا تھا۔ وہ ٹہلتی ہوئی اس جلے ہوئے سامان کے نزدیک پہنچی تو یونہی اچٹتی سی نگاہ ڈال کر آگے بڑھنے والی تھی کہ ایک ادھ جلی تصویر ہوا سے اڑتی ہوئی ڈھیر سے باہر آ گری۔

"ماما کی تصویر" اس نے اپنے قدم وہیں روک لیے ..... اور تصویر اٹھالی۔ چہرے کے اردگرد کاغذ جل چکا تھا۔

اسے یکدم پتا نہیں کیا ہوا' ماں کی شبیہ اپنے ہونٹوں سے لگا کر وہ بے اختیار رونے لگی۔

کیا صرف یہ سامان جلا دینے سے اس کا سارا غصہ ٹھنڈا ہو گیا تھا؟ یہ کافی تھا؟ نہیں..... یہ کافی نہیں تھا۔ اس کی محرومیوں کا ازالہ تو ہوا ہی نہیں تھا۔ پھر وہ کیسے اپنی ماں کو معاف کر سکتی ہے لیکن وہ اس لیے تو نہیں رو رہی تھی کہ اس نے اپنی ماں کو معاف کر دیا تھا۔ وہ تو اس لیے رو رہی تھی کہ اب کبھی بھی ان محرومیوں کا ازالہ نہیں ہو سکتا تھا۔ مرنے والوں کے ساتھ ہر امید بھی دم توڑ جاتی ہے۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

میمونہ خورشید علی
قیمت -/350 روپے
منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی
فون نمبر:
32735021

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

✡ ✡ ✡

کال بیل کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ "کون ہے؟" اس نے دروازے کے نزدیک ہو کر اونچی آواز میں پوچھا۔ جواب میں عمر بھی زور سے بولا۔

"میں ہوں عمر۔۔۔ دروازہ کھولیں آپی۔" رامین نے فوراً" دروازہ کھول دیا۔ "یہ امی نے کھانا بھجوایا ہے 'اف بڑے مزے کے رول ہیں' کھا کے بتائیے گا کیسے لگے۔ اور ابو کو فون ضرور کیجیے گا۔"

"میں تایا جان کو فون کر لوں گی۔۔۔ بلکہ ایسا کروں گی کل شام چکر بھی لگا لوں گی۔"

"جی ٹھیک ہے۔ آپ دروازہ بند کر لیں۔ امی نے اماں جنت کی بلوایا ہے 'وہ آپ کے ساتھ یہیں رہیں گی۔ ویسے بہت اچھا ہوتا آپ ہمارے گھر چل کر رہتیں۔۔۔ یہاں اکیلے کیا کریں گی؟"

رامین اس کے پیچھے پیچھے چلتی ہوئی آ رہی تھی۔ عمر کا بے تکان بولتے چلے جانا ہمیشہ اس کے لبوں پر مسکراہٹ لے آتا تھا۔

"ایک بات کہوں آپی؟"

رامین جانتی تھی وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔

"ویسے اب یہ محل زیادہ اچھا لگ رہا ہے۔۔۔ زیادہ کشادہ اور پرسکون۔۔۔ آپ نے اچھا کیا۔ میں دکان والوں کو سوزوکی دے کر بھیج دوں گا۔ وہ یہ ڈھیر اٹھا لیں گے اور ٹھکانے لگا دیں گے۔۔۔ او کے اب میں چلتا ہوں۔"

"تھینکس اگین۔۔۔" رامین نے مسکرا کر اسے خدا حافظ کہا۔ عمر ہاتھ ہلاتا گھر سے باہر نکل گیا۔

عمر کے جانے کے بعد اس نے عافیہ کا بھیجا ہوا سامان کھولا۔ اس میں کھانے پینے کی اتنی چیزیں تھیں کہ اسے ناشتہ یا دوپہر رات کا کھانا بنانے کی قطعاً" ضرورت نہ رہی۔ ناشتہ کرنے کے بعد اس نے فون پر تایا جان سے بات کر کے انہیں اطمینان دلایا کہ وہ بالکل خیریت سے ہے اور دو ایک دن میں ان کے پاس ضرور چکر لگائے گی۔

اب وہ گھر کی مکمل صفائی کرنا چاہ رہی تھی۔ اس نے دوپٹا کمر سے کس کر باندھا اور جھاڑو ہاتھ میں لے کر شروع ہو گئی۔ پہلے خوب دل لگا کر گھر صاف کیا پھر نہانے چلی گئی۔

نہا کر اور زیادہ ٹھنڈ کا احساس ہونے لگا تھا۔ اس نے پہلے زیتون کا تیل اپنے کھردرے پاؤں پر ملا پھر ہاتھوں پر بھی اچھی طرح رگڑ لیا اور پاؤں میں موزے پہن لیے۔ ابھی بھی دانت کپکپا رہے تھے۔ گیلا تولیہ ہٹا کر اس نے بال سمیٹ کر گرم شال میں اپنا پورا وجود چھپا لیا اور قرآن مجید اٹھا کر پاتیو میں چلی آئی۔ سورۃ البقرہ کا صفحہ کھول کر اس نے بلند آواز سے تلاوت شروع کر دی۔ کلام اللہ کی سنہری آیات خالی در و دیوار سے ٹکرا کر گونجنے لگی۔ آدھی سورت پڑھ لینے کے بعد وہ کھڑی ہو گئی اور چلتے چلتے تلاوت جاری رکھی۔ کئی بار اس کی آواز بھر آئی پر وہ رکے بغیر اس قبرستان کی فصیلوں میں یہ کلام سمونا چاہتی تھی 'سو پڑھتی چلی گئی۔ عرصہ دراز تک ان دیواروں میں ناپاک بتوں سے اٹھنے والا تعفن جذب ہوتا رہا تھا۔ اسے یہ دیواریں بھی آج گریہ کرتی نظر آ رہی تھیں۔ جو اتنا عرصہ گھر کی مالکن کو اپنے سینے پر آرائش کے بہانے مردہ جسموں کو سجانے کی اجازت دیتی آئی تھیں۔ پورے ہال میں گھومنے کے بعد وہ اپنی ماما کے کمرے میں آ گئی۔ قرآن پڑھتے ہوئے اس نے پردے کھول دیے۔

جانے یہ باہر سے آتی سبز روشنی کے ہالے تھے یا پھر اس کا وہم کہ آیتیں پڑھنے کے بعد کمرے میں روشنی بڑھ گئی تھی۔ وحشت کی جگہ طمانیت کا بسیرا تھا۔ ناز کے مرنے کے بعد اس کا یہی عمل اپنی ماں کو فائدہ پہنچا سکتا تھا۔ سو وہ کر رہی تھی۔

آج وہ چشم زدن میں اس گھر کو بنجر زمین سے ہرے بھرے باغ میں تبدیل ہوتا دیکھ رہی تھی۔ ایسی زمین جس پر آسمان سے بارش برس رہی ہو اور اس کی اپنی کوکھ سے بھی چشمے پھوٹ رہے تھے۔ سبزہ سبز تر ہوتا جا رہا تھا۔ تراوٹ میں ڈوبتا اس محل کا بدن اپنی برسوں کی پیاس بجھانے لگا۔ گالیوں 'کوسنوں اور بددعاؤں کی جگہ پاک کلام در و دیوار کی سماعتوں میں حلاوت گھول رہا تھا۔ آج وہ خود اور اس کا گھر پھر سے زندہ ہو رہے تھے۔ اس کا رواں رواں اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہو گیا۔

✡ ✡ ✡

عمر اس کا ہاتھ پکڑ کر آہستہ آہستہ چلتے ہوئے کلینک سے باہر نکل آیا۔ رامین نے سن گلاسز پہن رکھے تھے۔ ٹریٹمنٹ کے بعد آدھ گھنٹہ اس نے کلینک میں ہی گزارا تھا۔ درد نہیں ہوا تھا 'لیکن ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے آنکھ کے ڈیلے کے اندر ہلکی سی پن رہ رہ کر چبھ رہی ہو۔ اس نے بائیں آنکھ کو مسلسل بند رکھا ہوا تھا۔ آج وہ عمر کو اس لیے ساتھ لائی تھی کیونکہ وہ کسی اور کو اس بارے میں کچھ بھی بتانا نہیں چاہتی تھی۔ جس طرح عمر نے سامان جلانے کے متعلق رازداری اپنائی تھی اور اپنے آپ کو قابل اعتبار ثابت کیا تھا۔ اس معاملے میں بھی وہ اسی کو ہمراز بنا سکتی تھی۔ چوٹ کی وجہ اس نے عمر کو بھی نہیں بتائی تھی لیکن وہ اتنا نا سمجھ نہیں تھا کہ خود سے اندازہ نہ لگا پاتا۔ اسے رامین سے ہمدردی تھی اور اس کا بے حد احساس بھی کرتا تھا۔

"عمر! میں ایک آنکھ سے دیکھ سکتی ہوں بھائی! پوری اندھی تھوڑی ہوں۔۔۔ چھوڑ دو میرا ہاتھ۔۔۔ میں چل لوں گی۔"

پارکنگ کی طرف جاتے ہوئے اس نے عمر سے کہا جو بچوں کی طرح اس کا ہاتھ پکڑ کر چل رہا تھا اور راستے میں پڑے پتھر اور اسپیڈ بریکر کی نشاندہی بھی کرتا جا رہا تھا۔ رامین کے کہنے کے باوجود عمر نے اس کا ہاتھ نہیں چھوڑا۔

وہ بدستور اسے احتیاط سے چلاتا ہوا گاڑی تک لے کر آیا اور دروازہ کھول کر اندر بیٹھنے میں مدد دی۔ پھر دوسری طرف سے خود بھی اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ عمر نے ڈرائیور سے مارکیٹ چلنے کو کہا پھر رامین کے نزدیک ہو کر سرگوشی کی۔ "میں ابو سے کہہ کر آیا تھا کہ آپ کے ساتھ کچھ بکس لینے جا رہا ہوں۔۔۔ صرف دو منٹ لگیں گے۔ میں مین مارکیٹ سے چند کتابیں لے لیتا ہوں پھر گھر چلیں گے۔" رامین نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

پانچ منٹ بعد وہ مین مارکیٹ پہنچ گئے تھے۔ عمر فوراً" ہی اتر کر بک شاپ کے اندر چلا گیا۔ رامین نے اپنے دروازے کا شیشہ اتار لیا اور آنکھوں سے گلاسز ہٹا کر باہر دیکھنے لگی۔

عمر جس بک شاپ کے اندر تھا 'اسی سے ایک جوڑا اپنے تین چار سال کے بچے کو لیے باہر نکلا اور رامین کی گاڑی کے ساتھ کھڑی سرخ ہونڈا میں بیٹھنے لگا۔ رامین نے دیکھا 'وہ لڑکی بہت خوب صورت تھی اور اس کا بیٹا بہت ہی پیارا تھا۔ اس کے شوہر پر رامین نے توجہ نہیں دی تھی مگر جب گاڑی میں بیٹھ کر اس شخص نے گردن موڑ کر اپنی کھڑکی سے باہر دیکھا تو اس کا چہرہ رامین کے بالکل سامنے آ گیا۔ ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں وہ اسے پہچان گئی تھی۔ وہ زین تھا۔

عمر نے سرعت سے گاڑی کا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھ گیا "چلیں ولایت چاچا۔۔۔" پھر اس نے رامین کی طرف دیکھا جو اپنے سن گلاسز پہن رہی تھی۔

"دیر تو نہیں ہوئی نا۔۔۔ آپ کو درد تو نہیں ہو رہا۔۔۔ سر پیچھے سیٹ سے ٹکا لیں۔ بس ابھی تھوڑی دیر میں گھر پہنچ جائیں گے۔۔۔ جنت بی بی نے بہت مزے کا کھانا پکایا ہو گا۔ دونوں مل کر کھائیں گے۔"

عمر اور بھی جانے کیا کیا کہہ رہا تھا لیکن وہ خاموش تھی۔۔۔ بالکل خاموش۔۔۔!

(باقی آئندہ)

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

سنیعہ عمیر

نیلا گلاب

اس کا پسندیدہ رنگ نیلا تھا جو اکثر لڑکوں کا ہوتا ہے۔ اس لیے اس کے پہناوے اور تحائف پر بھی نیلا رنگ غالب رہتا تھا۔ اسی کی خواہش پر ہم نے اپنا کمرا ہلکے نیلے رنگ کے شیڈز میں ترتیب دیا تھا اور شادی کی پہلی رات لال پھولوں اور موم بتیوں سے جگمگاتا کمرا سمندر کی طرح وسیع اور رازدار لگ رہا تھا۔

"ہر چیز نیلی نہیں ہو سکتی، جیسے گلاب لال ہی اچھا لگتا ہے۔"

میں نے مسکرا کر بستر پہ سجے پھولوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسے تسلی دی، جو معیاری نیلا ہیرا نہ ملنے پر نہایت چمک دار اور مہارت سے تراشے ہوئے سفید ہیرے کی انگوٹھی لایا تھا اور اس پر جیسے کچھ نادم سا تھا۔

"اس لیے کہہ رہی ہو کہ تم نے نیلا گلاب نہیں دیکھا۔ کیا خبر نیلے رنگ میں گلاب کتنا سحر انگیز لگے۔"

نیلے گلاب کا حصول بے سود تھا کیونکہ گلاب قدرتی طور پر نیلے نہیں ہو سکتے، مگر اس نے یہ بھی ممکن کر دکھایا تھا۔

جب ہمارا پہلا بیٹا ہوا تو وہ نیلا گلاب لے کر آیا اور سچ! دنیا میں اس سے سحر انگیز چیز میں نے کبھی نہ دیکھی تھی۔

درحقیقت اس نے پیلے پھول کو شاخ سے کاٹتے ہی نیلی سیاہی میں ڈبو دیا تھا۔ حالت نزع میں پھول پیاس سے بے چین ہو کر سیاہی جذب کرتا گیا اور اس کی پتیاں سیاہی کے رنگ میں رنگتی گئیں۔ وہ میرے لیے ناممکن کو ممکن کرنے کی تگ و دو کرتا تھا۔ مجھے زچگی کی تکلیف اور اپنی محبت ہیچ لگنے لگی تھی۔

"سن رائز" میں نے زرد اور نیلی پتیوں والے پھول کو سمندر پر طلوع ہوتے سورج سے تشبیہ دی۔

"سن سیٹ" اس نے گلاب کی رنگت میں کچھ اور ہی پڑھا تھا۔

آج احساس ہو رہا تھا، وہ کتنا صحیح تھا اور میں کتنی غلط تھی۔

زندگی کا سورج اس کی سانسوں کے ساتھ ہی جیسے غروب ہو گیا تھا۔ تیرہ سال کی شادی تین بچوں کا ساتھ۔

صرف تیرہ سال۔۔۔ ابھی تو جیسے زندگی شروع ہوئی تھی۔ ابھی تو ایک دوسرے سے قدم ملا کر چلتے ہمیں جیسے چند لمحے ہی ہوئے تھے۔ اتنی جلدی سب کیسے ختم ہو سکتا تھا؟

میں نے کرب سے سر دیوار کے ساتھ لگا لیا۔

ایکسیڈنٹ کی خبر مجھے گھر پر ہی ملی تھی۔

"ہائے! کیسا خوبرو، کتنا محنتی لڑکا تھا۔" کسی رشتے دار عورت نے تاسف سے گہرا سانس کھینچا۔

"باپ نے تو صرف بنیاد رکھی تھی۔ فیکٹری تو اسی نے۔ بنائی تھی اور کاروبار بھی یہی دیکھتا تھا۔ اتنی بڑی گاڑی، ڈیفنس میں بنگلہ، پیسے کی فراوانی، چلتا کاروبار ۔۔۔ سب ادھر رہ گیا اور بندہ چلا گیا۔"

میت کو اسپتال سے گھر لانے میں دیر لگ رہی تھی۔ اس لیے عورتوں کو زیادہ باتیں کرنے کا موقع مل گیا تھا۔

لوگ اتنے سنگ دل کیسے ہو سکتے ہیں۔ ایک انسان چلا گیا۔ اس کے ساتھ اس کی تمام معلومات، تجربات، احساسات فنا ہو گئے اور لوگ اس کی آمدن کا حساب کر رہے تھے۔

میں نے آنکھیں کھول کر گھڑی کی جانب دیکھا۔ میت کو گھر لانے میں ضرورت سے زیادہ وقت لگ رہا تھا۔ اب تک تو میرے دیور کو آ جانا چاہیے تھا۔ وہ پچھلے دنوں بھی کافی بوکھلایا ہوا سا پھر رہا تھا۔ ہم عورتیں تو کہیں بھی بیٹھ کر رو دھو کر اپنا دل ہلکا کر لیتی ہیں۔ مرد کے لیے دکھ کا اظہار مشکل ہو جاتا ہے۔ شاید وہ اسی لیے گھنٹوں اسپتال سے غائب ہو جاتا تھا۔ وہ جتنا بھی غیر ذمہ دار اور خود سر سہی، بڑے بھائی کی یوں اچانک موت نے اس کو بھی جھنجھوڑ ڈالا ہو گا۔

میرے تینوں بچوں کی عمریں جمع کر کے بھی بیس سال سے اوپر نہ تھیں۔ میں کیسے محرومی کو ان کے وجود کا حصہ بننے سے بچاؤں گی۔ میں نے گھبراہٹ میں بچوں کو خود سے مزید قریب لیا اور جب تک میت نہ آ گئی، وہ میرے دوپٹے میں ہلکی ہلکی سسکیاں لیتے رہے۔

بالآخر وہ اسپتال سے آ گئے اور گھڑی نے جیسے الٹا چلنا شروع کر دیا۔ ہمارا ساتھ ختم ہونے والا تھا۔

وہ بال جو وہ بہت تردد سے سنوارتا تھا۔ ٹانکوں کی ایک قطار کے باعث اپنی کشش کھو چکے تھے۔

میں نے بڑھ کر اس کا سرد ہاتھ تھاما کہ شاید وہ بھی جواباً "میرا ہاتھ پکڑ لے گا مگر۔۔۔

اس کا پسندیدہ رنگ نیلا تھا۔ یہ بات اس کے دائیں انگوٹھے کو دیکھ کر مجھے دوبارہ یاد آ گئی۔ کیونکہ اس کا

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

انگوٹھا نیلا ہو رہا تھا اور یہ رنگ جسم کے سرد ہونے کے باعث نہیں تھا۔ اس کا انگوٹھا باقاعدہ سیاہی میں ڈبو کر نیلا کیا گیا تھا۔

اس نے چپ رہ کر بھی ایک لمحے میں مجھے تمام روداد بتادی تھی۔

میں نے حیرت سے سر اٹھا کر اپنے دیور کو دیکھا' جو دوسرے مردوں کے ساتھ غسل دینے کی غرض سے میت کو لے جانے آیا تھا۔ مردوں کے آنے کی اطلاع پر جو دوپٹا میں نے اپنے چہرے کے گرد لپیٹا تھا' میری گرفت کے ڈھیلے ہوتے ہی وہ سر سے بھی سرک گیا۔

جب پاؤں کے نیچے سے زمین کھینچ لی جائے تو سر کی چادر کسے یاد رہتی ہے؟

میری نظر پڑھ کر میرا دیور کچھ سٹپٹا گیا تھا اور اس کے چہرے پر سفید سایہ سا لہرایا' جو شاید اس سفید خون کا اثر تھا' جو نہ جانے کب سے اس کی رگوں میں بہہ رہا تھا۔

اچھا۔۔۔ تو اس لیے وہ اسپتال سے غائب ہو تا تھا کہ وہ جائیداد کے کاغذات بنوا رہا تھا اور میت کو گھر لانے میں بھی اسی لیے اتنی دیر ہوئی۔

اس نے کاغذات پر انگوٹھے لگوا کر سب کچھ ہتھیا لیا تھا۔

میں نے بغور اس کے سفاک چہرے کو دیکھا۔ اس نے نظر چرالی۔

میری آنکھوں میں تھوڑی دیر پہلے جہاں جل تھل تھا' وہاں آگ بھڑکنے لگی۔ میں چاہتی تھی تو اٹھ کر اس کا گریبان پکڑتی' پولیس بلواتی' اس کے مکروہ چہرے کو بے نقاب کرتی مگر مجھے اپنے شوہر کی آخری رسومات کا احترام تھا۔ میں خود کو اس درجے پر نہیں گرانا چاہتی تھی۔ اپنے ضبط اور اس کی دھوکے بازی کو اس وقت آزما کر میں اپنے مرحوم شوہر کی میت کو رسوا نہیں کرسکتی تھی۔

یہ فیصلہ میں نے بے بسی میں نہیں کیا تھا۔ اس صورت حال نے مجھے بہت مضبوط بنادیا تھا کیونکہ میں جانتی تھی' نیلے آسمان پر بیٹھا رب سب کچھ دیکھ رہا ہے اور وہی سب سے بڑا منصف ہے۔

میرا دیور میرے سر سے چھت چھین سکتا ہے۔ اللہ کی دی ہوئی زمین نہیں۔

کاروبار ہتھیا سکتا ہے' ہماری آمدن بند کرسکتا ہے۔ اللہ کا مقرر کیا ہوا رزق نہیں۔

میں حلال کا سوکھا لقمہ بھی بچوں کو کھلاؤں گی تو ان کے جسم میں من و سلویٰ بن کر اترے گا اور وہ حرام کے پرتکلف طعام سے اپنے ہی ہاتھوں اپنی آخرت گنوائے گا۔

قسمت میں دھکے بھی لکھے ہوں تو وہ دھکے کھا کر میں رات کو گہری نیند تو سوؤں گی۔ جبکہ وہ خواب آور گولیاں نگل کر بھی پرسکون نیند کو ترسے گا۔

مجھے یقین تھا۔

اس کا پسندیدہ رنگ نیلا تھا اور وہ جاتے جاتے مجھے نیلے آسمانوں کے مالک کے سپرد کرگیا تھا۔ میں جانتی تھی مجھے اپنے اردگرد یا نیچے نہیں دیکھنا' مجھے سربلند کر کے صرف اس نیلے آسمان والے کو پکارنا ہے۔ کیونکہ وہی کارساز کافی ہے۔

میں دوپٹا درست کرکے پلٹ گئی۔

دوسرے دن اسی صحن میں ایک اور لاش رکھی تھی اور جس کا صرف انگوٹھا نہیں بلکہ پورا جسم نیلا ہو چکا تھا۔

مجھے خبر نہیں۔ سب کہہ رہے تھے۔ قبرستان میں کسی سانپ نے ڈس لیا ہے۔

میرا دیور اپنا نیلو نیل وجود لیے دوسرے دن اپنے بڑے بھائی کے پہلو میں دفن ہوا۔

میں عدت میں بیٹھ چکی تھی۔ میں نے وہ نیلا وجود نہیں دیکھا۔ بس نیلے آسمان پر ایک تشکر بھری نظر ڈالی۔

بے شک وہ ہی کارساز ہے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

مریم عزیز

تعبیر

مکمل ناول

اس کے مستقبل کی بات آئی تو اتنے افراد کی موجودگی کے باوجود کمرے میں سناٹا چھا گیا اور در و دیوار کے ساتھ لگا اس کا معصوم سا وجود سہم کر رہ گیا۔

"پھر کیا سوچا تم لوگوں نے؟" اس نے نجمہ پھپھو کی آواز سنی۔

جواباً ایک بار پھر ہولناک چپ۔

"اصغر! تم بولو کچھ۔" نجمہ پھپھو نے اپنے بھائی یعنی اس کے تایا کو مخاطب کیا۔ وہ سر جھکائے زمین کو دیکھ رہے تھے۔ بہن کے پوچھنے پر ان کا چہرہ دیکھنے لگے پھر سب کی منتظر نظروں کو محسوس کرکے انہیں بولنا پڑا۔

"آپا! تعبیر مجھے بہت عزیز ہے۔ وہ عاصم کی بیٹی ہے مگر۔"

"مگر کیا اصغر صاحب!" قاسم پھوپھا طنزیہ انداز میں

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

بولے تو شوہر کو بے بس دیکھ کر زرینہ تائی کو میدان میں اترنا پڑا۔

"مگر یہ کہ ہماری اپنی چار بیٹیاں ہیں اور آپ سب کو اچھی طرح معلوم ہے آج کل منہگائی آسمان ——— کو چھو رہی ہے۔ اس پر ایک اور لڑکی کا اضافی بوجھ۔ اس کے اسکول اور پھر کالج کے اخراجات' اس کے کپڑے' کھانا اور کل جب وہ جوان ہوگی' اس کی شادی اور اصغر کی قلیل آمدنی۔ ہماری تو سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ اپنی بیٹیوں کے لیے کیسے انتظام کریں' کجا کہ ایک اور یتیم لڑکی ——— نہ بھئی ہمیں تو آپ لوگ معاف رکھیں ہم اتنی بڑی ذمہ داری نہیں لے سکتے۔" جہاں زرینہ تائی کی تقریر ختم ہوئی' وہیں اصغر صاحب کے تنے ہوئے اعصاب کچھ ڈھیلے پڑے۔

"اور باجی! آپ ہمیں نصیحتیں کر رہی ہیں۔ آپ خود کیوں نہیں رکھ لیتیں تعبیر کو۔ آخر وہ آپ کے بھی بھائی کی بیٹی ہے۔"

اب کے زرینہ تائی نے تیکھے چتون سے انہیں دیکھا پہلے تو وہ گڑبڑا کر رہ گئیں' پھر اپنے شوہر کو ایک نظر دیکھا۔ جہاں واضح ناگواری تھی اور وہ انہیں گھر سے ہی کہہ کر آئے تھے وہ کسی کی اولاد کا ٹھیکہ نہیں لے سکتے۔

"ہاں' وہ میرے بھائی کی بھی بیٹی ہے لیکن تم اس کے تایا تائی ہو جبکہ میں بھری پری سسرال میں رہتی ہوں۔ میرے جیٹھ اور دیور کے جوان بیٹے ہیں اور خود میرے اپنے بیٹے بھی بڑے ہو رہے ہیں۔ کھانے کا مجھے کوئی مسئلہ نہیں۔ وہ بے چاری بچی کتنا کھالے گی لیکن ایک جوان بچی کی میں کتنی نگرانی کر سکتی ہوں۔ خدانخواستہ کل کو کوئی اونچ نیچ ہو گئی تو میں اپنے اللہ اور اپنے مرے ہوئے بھائی بھابی کو کیا جواب دوں گی۔"

یہ کہتے ہوئے وہ رو پڑی تھیں۔ کمرے میں پھر ایک دم خاموشی چھا گئی تھی۔ تعبیر دیوار سے ہٹ کر دروازے کے قریب آکر کھڑی ہو گئی۔

"بات سنیں اصغر بھائی!" قاسم پھوپھا کی پھر طنزیہ آواز گونجی۔ "تعبیر کا حق ہے کہ وہ اس گھر میں رہے۔ آخر اس گھر میں عاصم کا بھی اتنا حق تھا جتنا آپ کا ہے اور اکلوتی بیٹی ہونے کے ناتے اب تعبیر اس کی حق دار ہے۔" اصغر تایا اور زرینہ تائی کو جیسے کرنٹ لگا۔

"حق ——— کون سا حق؟" زرینہ تائی ہاتھ نچا کر بولیں۔ "جتنا عاصم کا حق تھا ناں اس سے زیادہ ہم اس کی بیماری پر خرچ کر چکے ہیں اور اس کے بعد جو تین سال اس کی بیوہ اور بیٹی کو پالا۔ اس کو کس کھاتے میں ڈالیں گے آپ۔"

"توبہ توبہ! اب کھانے کا حساب کتاب بھی رکھیں گے آپ لوگ؟" قاسم پھوپھا نے باقاعدہ کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"بھائی صاحب! آپ کو اتنا درد اٹھ رہا ہے نا تعبیر کا تو آپ لے جائیں اسے۔"

"کیوں ——— میں کیوں لے کر جاؤں۔" وہ ایک دم بھڑک کر بولے۔ تب ہی خاموش تماشائی بنے تنویر صاحب کی نظر دروازے کے ساتھ لگی تعبیر پر پڑی اور پھر کتنی ہی دیر وہ اس پر سے نظریں نہیں ہٹا سکے۔ وہ آنکھیں آنسوؤں سے بھری تھیں' جو بالکل ان کی بہن جیسی تھیں۔ انہیں لگا ان کی بہن انہیں دیکھ رہی ہو بے بسی سے التجا کرتی ہوئی نظروں سے ——— اور وہ جو

اتنی دیر سے کشمکش کی کیفیت میں بیٹھے تھے' فیصلہ کن آواز میں انہوں نے اسے پکارا تھا۔

"تعبیر! یہاں آؤ بیٹا!" سب کی نظریں بے ساختہ دروازے کی طرف گھومیں۔ سب کی نظریں خود پر محسوس کر کے وہ اور گھبرا گئی تھی۔

"تعبیر!" تنویر ماموں نے دوبارہ اسے پکارا۔ وہ مرے مرے قدموں سے چلتی ہوئی ان کے پاس آئی۔

"میرے ساتھ چلو گی ——— اپنے ماموں کے گھر؟" انہوں نے اسے سامنے کھڑا کر کے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا اور اس نے ایک لمحے کا توقف کیے بغیر سر اثبات میں ہلا دیا۔

تنویر ماموں نے اس کی پیشانی چوم کر اسے اپنے پہلو میں بٹھایا اور سامنے بیٹھے لوگوں پر نظر ڈالی۔

"تعبیر میرے ساتھ جائے گی۔" ان کے فیصلہ کن انداز پر سب کے چہرے پر اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔

☼ ☼ ☼

وہ کمرے میں داخل ہوئے تو شاہدہ پیکنگ کرنے میں مصروف تھیں۔ چونکہ ان کی پشت دروازے کی طرف تھی۔ اس لیے وہ تنویر صاحب کی آمد سے بے خبر تھیں۔ تنویر صاحب ان کی جھنجلاہٹ اور بڑبڑاہٹ کو نظرانداز کرتے ہوئے اپنی بیٹی ثمرین اور تعبیر کی طرف بڑھے۔

"ثمرین! آپ اور تعبیر گاڑی میں جا کر بیٹھو۔ میں اور تمہاری امی آ رہے ہیں۔"

"جی!" تعبیر نے نکلنے سے پہلے اپنی ممانی کا ناراضی بھرا چہرہ دیکھا اور سر جھکا کر باہر نکل گئی۔

"شاہدہ!" تین دفعہ پکارنے پر بھی جب انہوں نے جواب نہ دیا تو چوتھی دفعہ وہ غصے سے بولے۔ جواباً شاہدہ نے ہاتھ میں پکڑا ثمرین کا دوپٹا بیڈ پر پٹخ دیا۔

"آج آپ نے میری عزت دو کوڑی کی کر دی تنویر! اتنا بڑا فیصلہ کرنے سے پہلے آپ نے ایک دفعہ بھی ضروری نہیں سمجھا کہ مجھ سے پوچھ لیں۔"

تنویر صاحب کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ "تم سے کیا اجازت لیتا کہ میں تعبیر کو اپنے گھر میں رکھ سکتا ہوں یا نہیں؟" انہوں نے "اپنے" پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "اور بالفرض تم سے پوچھتا تو کیا تم منع کر دیتیں۔" ان کے سوال پر ایک پل کے لیے وہ گڑبڑا گئیں۔

"نہیں میں کیوں منع کرتی۔"

"تو پھر جب تم بھی یہی کرتیں تو اس بحث اور ناراضی کا مقصد۔"

"لیکن تنویر!" "بس شاہدہ! یہ ساری بحث یہیں پر ختم' آج کے بعد اس موضوع پر کوئی بات نہیں ہو گی اور تم یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ اب ہماری دو بیٹیاں ہیں ثمرین اور تعبیر اور ان میں کوئی فرق نہیں ہو گا۔"

یہ کہہ کر وہ باہر نکل گئے جبکہ وہ وہیں کھڑی خود پر قابو پانے کی کوشش کرتی رہیں۔

☼ ☼ ☼

"خالہ ——— خالہ!" پکارتا ہوا فہد گھر کے اندر داخل ہوا اور کچن میں کام کرتی شاہدہ مسکراتی ہوئی باہر نکل آئیں۔ اس کے قریب آنے پر انہوں نے اسے گلے لگا لیا۔

"اتنے دن لگا دیے خالہ! تین دن کا کہہ کر گئی تھیں۔"

"بس بیٹا! وہاں حالات ہی کچھ ایسے ہو گئے تھے۔"

"ثمرین کہاں ہے؟" پوچھ کر وہ متلاشی نظروں سے لاؤنج کی طرف دیکھنے لگا۔

"اپنے کمرے میں ہو گی۔"

"او کے میں مل کر آتا ہوں۔" بہت آہستگی سے دروازہ کھول کر وہ کمرے میں داخل ہوا۔ سامنے کمبل کے اندر گھسے وجود کو دیکھ کر وہ مسکرایا اور بیڈ کے قریب جا کر جھٹکے سے کمبل کھینچا۔ کمبل کے ہٹتے ہی نہ صرف اس میں لپٹا وجود چیخا تھا بلکہ وہ چہرہ دیکھ بے ساختہ اس کی چیخ بھی نکل گئی تھی۔

"کیا ہوا؟" ان کی چیخیں سن کر حیران پریشان چہرہ لیے ثمرین باتھ روم سے نکلی۔ تعبیر اور فہد نے ایک ساتھ ثمرین کو دیکھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"کیا ہوا؟" اس نے ایک بار پھر اپنا سوال دہرایا۔

"میں سمجھا تم ہو تو میں نے کمبل کھینچ ڈالا۔" فہد نے بتانے کے ساتھ تعبیر کی طرف دیکھا۔

"میں ڈر گئی تھی۔" تعبیر نے شرمندگی سے بتایا تو ثمرین نے افسوس سے سرہلایا۔

"عجیب ہو تم دونوں۔" وہ کہتی ہوئی الماری کی طرف بڑھ گئی۔

"ویسے یہ ہیں کون؟" فہد نے تعبیر کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"یہ میری پھپھو کی بیٹی تعبیر ہے۔ تعبیر اب ہمارے ساتھ رہے گی اور تعبیر! یہ میری خالہ کا بیٹا ہے اس روڈ پر جو تیسرا گھر ہے۔ وہ ان کا ہے اور یہ بھی کہ یہ میرا بیسٹ فرینڈ ہے۔"

ثمرین کے کہنے پر وہ مسکرادیا اور دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"تعبیر! کون سی کلاس میں پڑھتی ہو؟"

"نائنتھ میں۔"

"گڈ! تو تم ثمرین سے چھوٹی ہو۔ چلو اچھا ہے ثمرین! تمہیں کمپنی مل جائے گی اور مجھے تھوڑا سکون۔"

"زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں۔ تمہاری جان تو میں کبھی نہیں چھوڑنے والی۔" جواباً فہد نے مصنوعی آہ بھری تھی۔

"اچھا اب زیادہ ایکٹنگ کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ بتاؤ آئے کیوں ہو؟"

"یہ کیا سوال ہوا پہلے کسی وجہ سے آتا تھا؟"

"تمہارا اپنا تھوڑی ہے۔" وہ بے نیازی سے بولی۔

"اچھا تو ٹھیک ہے۔ میں چلتا ہوں۔" وہ سنجیدگی سے کہتا ہوا باہر نکل گیا۔

"فہد!" اگلے ہی لمحے ثمرین چیختی ہوئی اس کے پیچھے بھاگی جبکہ تعبیر ابھی تک حیران بیٹھی تھی۔

✡ ✡ ✡

دروازے پر ہلکی سی دستک دے کر وہ اندر داخل ہوئی تو سامنے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے تنویر صاحب کتاب پڑھنے میں مصروف تھے۔ اسے دیکھ کر انہوں نے مسکرا کر کتاب بند کردی۔

"آؤ تعبیر!" انہوں نے ہاتھ سے اپنے قریب بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"آپ نے بلایا تھا ماموں؟" وہ قدرے پریشانی سے ان کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ تنویر صاحب نے بے ساختہ گہرا سانس لیا۔ اسے یہاں آئے ایک سال سے بھی زیادہ کا عرصہ گزر گیا تھا لیکن جو ڈر انہوں نے ایک سال پہلے اس کی نظروں میں دیکھا تھا وہ آج بھی ویسے ہی برقرار تھا۔

"بیٹا! ویسے ہی بلایا تھا۔ کل رات میں آیا تو تم سو رہی تھیں۔ صبح تم اسکول! اتنے دن گزر گئے تھے میں نے نہ اپنی بیٹی کو دیکھا اور نہ اس کی آواز سنی۔ وہاں سے فون کرتا تو تمہاری ممانی کہتی تھیں۔ تعبیر سو رہی ہے۔" تعبیر نے ایک نظر انہیں دیکھا اور مسکرا کر سر جھکا لیا۔

"میری بیٹی ٹھیک ہے؟"

"جی ماموں!"

"پڑھائی کیسی جا رہی ہے۔ کوئی پرابلم تو نہیں؟"

"نہیں ماموں!"

"ہوں!" اس کے مختصر جوابات پر وہ خاموش ہو گئے۔

"یہ لو۔" تعبیر نے ان کے ہاتھ کی طرف دیکھا۔ جس میں ہزار ہزار کے کئی نوٹ تھے اس نے حیرت سے تنویر صاحب کی طرف دیکھا۔ "یہ تمہاری پاکٹ منی ہے۔"

"نہیں ماموں! مجھے ضرورت نہیں۔"

"میں جانتا ہوں۔ تمہیں ضرورت نہیں پھر بھی رکھ لو۔" انہوں نے اس کا ہاتھ تھام کر وہ نوٹ اس کی مٹھی میں دبا دیے۔

"تمہیں پتا ہے ثمرین اپنی پاکٹ منی کیسے لیتی ہے۔ میں انتظار ہی کرتا رہا۔ کبھی تعبیر بھی آکر یونہی رعب سے اپنی پاکٹ منی مانگے گی لیکن میرا یہ انتظار ہی انتظار ہی رہا شاید میری تعبیر مجھے اب تک اپنے باپ کی

طرح نہیں سمجھ سکی۔"

وہ جو سر جھکائے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے آنسو روکنے کی کوشش میں تھی۔ بات کے اختتام پر ٹپ ٹپ اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔

"تعبیر!" انہوں نے اس کا بازو تھام کر اسے اپنے ساتھ لگالیا۔ "میں نے کچھ غلط کہا بیٹا!"

اس نے سر نفی میں ہلایا اور کچھ دیر یونہی ان کے سینے سے لگی آنسو بہاتی رہی۔ انہوں نے بھی نہیں روکا پھر کچھ دیر بعد اس نے آنسو صاف کرکے چہرہ ان کے سینے سے ہٹایا۔

"ماموں! میں نے آپ کو ہمیشہ پاپا سمجھا ہے شاید پاپا سے بھی زیادہ کیونکہ پاپا تو مجھے یاد بھی نہیں۔ میں نے ہوش سنبھالتے ہی جو دو رشتے اپنے بہت قریب دیکھے، وہ آپ اور ماما تھے اب تو آپ ہی میرے پاپا ہیں اور آپ ہی میری ماما ہیں۔"

اب کے تنویر صاحب کی آنکھیں جھلملا اٹھیں۔

"ماموں! یہاں میری ہر ضرورت پوری ہوتی ہے۔ کھانا، رہنا، پڑھنا، پہننا اس کے علاوہ اور مجھے کیا چاہیے۔"

"میں جانتا ہوں لیکن مجھے لگتا ہے کہ یہ تمہارا حق ہے۔ اگر تم اپنی پاکٹ منی نہیں لوگی تو میں ثمرین کی بھی بند کردوں گا۔"

"نہیں ماموں!" وہ بے ساختہ بولی تو وہ مسکرادیے۔

"چلو شاباش! اگر خرچ نہیں کرنا چاہتیں تو جمع کرتی جاؤ اور ایک بات سنو۔" ان کے رازدارانہ انداز پر وہ حیران ہوتی ہوئی ان کے مزید قریب آگئی۔

"اپنی ممانی کو نہ بتانا۔" ان کے انداز پر اس کے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"جیتی رہو۔" انہوں نے مسکرا کر اس کی پیشانی چومی تو اس کی مسکراہٹ مزید گہری ہوگئی۔

✡ ✡ ✡

دو گھنٹے بعد وہ کپڑے دھو کر فارغ ہوئی تھی۔ فارغ ہوتے ہی وہ گیلے کپڑوں کی پروا کیے بغیر یونہی کتاب لے کر بیٹھ گئی۔ اس کے فائنل ایگزامز تھے۔ وہ اچھے نمبروں کے حصول کے لیے دن رات محنت کر رہی تھی کیونکہ ماموں نے اسے شہر کے بہترین اسکول میں داخل کروایا تھا اور اس پر جتنی فیس جاتی تھی، وہ اسے ممانی کے ماتھے پر پڑے بلوں سے اندازہ ہو جاتا تھا۔ اسے پڑھنے کا شوق تھا اور دوسرا، وہ ماموں کی امیدوں کو توڑنا نہیں چاہتی تھی۔ ثمرین اس سے دو سال بڑی تھی وہ ایف ایس سی کر رہی تھی۔ جہاں تک ممکن ہوتا تھا۔ اس کی مدد کر دیتی تھی۔ اس کا ٹیسٹ تھا۔ ثمرین کالج گئی تھی۔ کام والی ماسی نہیں آئی تھی تو ممانی نے صفائی کرنے کے بعد کپڑے دھونے کا بھی اسے کہہ دیا تھا اور یہ آج کی بات نہیں تھی ممانی اس سے ایسے ہی کام کرواتی تھیں ماموں کی جاب ایسی تھی۔ وہ ہفتوں شہر سے باہر رہتے تھے۔ ایسے میں ممانی کو مکمل چھوٹ مل جاتی تھی۔ وہ تو اس پر ہاتھ اٹھانے سے بھی گریز نہیں کرتی تھیں لیکن اس نے کبھی ان کے آگے اف تک نہیں کی تھی نہ اس نے کبھی ماموں سے شکایت کی تھی۔ خاموش طبع تو وہ شروع سے تھی لیکن کبھی کبھی وہ خود اپنے صبر پر حیران ہو جاتی۔

ماموں جب گھر پہ ہوتے۔ سکون کے دن ہوتے۔ جب کبھی ماموں اسے اپنے پاس بٹھاتے تو ممانی بہانے بہانے سے ان کے گرد چکر لگاتی رہتیں لیکن وہ کبھی ممانی کے خلاف کچھ نہیں کہتی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ یہ اس کا آخری ٹھکانہ ہے۔ یہ گھر ممانی کا ہے اور اس گھر میں دوسرا سہارا اس کی بہن، اس کی بہترین دوست ثمرین تھی جو ممانی کے سامنے اس کے لیے ڈھال بن جاتی تھی۔

"تعبیر!" وہ پوری طرح کتاب میں محو تھی، جب شاہدہ کی آواز پر تیزی سے کتاب بند کرکے باہر کی طرف بھاگی تھی۔

"جی ممانی!"

"کپڑے دھل گئے؟"

"جی!" اس نے جواب دیتے ہوئے بغور ان کا جائزہ لیا جو کہیں جانے کے لیے تیار تھیں۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"ہوں۔ میں ذرا آپا کی طرف جا رہی ہوں۔ دیر ہو جائے گی۔ تم کھانا بنا لینا ثمرین کے آنے سے پہلے۔"

آخر میں ان کا لہجہ تنبیہی ہو گیا تھا۔ گیٹ بند کر کے جب وہ اندر آئی تو اس کی آنکھوں میں آئے آنسو گالوں پہ پھسل گئے۔

☼ ☼ ☼

"اٹھ جاؤ نا تعبیر کتنا سوؤ گی۔" ثمرین نے تیسری دفعہ اسے جگایا تھا۔ لیکن اس نے کسمسا کر پھر آنکھیں بند کر لیں۔

"تعبیر پلیز! میں بور ہو رہی ہوں اٹھ جاؤ۔" اب کے اس نے اسے شانے سے پکڑ کر زور سے ہلایا تو اس نے بمشکل آنکھیں کھول کر اسے دیکھا اور اس کی لال انگارہ آنکھیں دیکھ کر ثمرین حیران رہ گئی۔

"کیا تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں؟" کہنے کے ساتھ اس نے اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔

"میں ٹھیک ہوں۔" اس کے پریشان ہونے پر وہ بمشکل مسکرا کر بولی۔

"خاک ٹھیک ہو۔ بخار ہو رہا ہے تمہیں۔"

"نہیں بخار نہیں ہے۔" بولتے ہوئے اس کا گلا رندھ گیا۔ اس کے رونے پر وہ مزید پریشان ہو گئی۔

"ممی نے پھر کچھ کہا ہے؟" اس نے سر نفی میں ہلایا لیکن آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔

"مجھے سچ سچ بتاؤ تعبیر! ضرور ممی نے تمہیں کچھ کہا ہے۔"

"نہیں۔" اس کے انکار پر ثمرین نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے صاف لگ رہا تھا وہ کافی دیر سے رو رہی ہے۔

"پھر کیا ہوا ہے؟"

"آج میرا ٹیسٹ تھا۔ بہت خراب ہوا ہے۔" کہتے ہوئے اس کے آنسوؤں میں روانی آ گئی۔

ثمرین نے افسوس سے سر ہلایا۔ "تعبیر! کیا تم بھی ہو اتنی چھوٹی سی بات پر اتنا رو رہی ہو۔"

"ثمرین! یہ چھوٹی سی بات نہیں۔ ٹیسٹ خراب ہونے سے میری پرسنٹیج ـــ خراب ہو سکتی ہے اور پوزیشن لینا میرے لیے کیا اہمیت رکھتا ہے۔ تم جانتی ہو۔"

"اچھا یہ بتاؤ ٹیسٹ اچھا کیوں نہیں ہوا؟"

"میں تیاری نہیں کر سکی۔" ثمرین کے ماتھے پر بل پڑ گئے تھے۔

"تو پھر تیاری کرنی تھی نا۔ کچن میں کیا کر رہی تھیں۔"

تعبیر خاموش رہی۔ ثمرین تھوڑی دیر تک اسے دیکھتی رہی پھر اپنے بیڈ پر جا کر بیٹھ گئی۔

"ہیلو فہد! میں ٹھیک ہوں۔ تم کیسے ہو؟" فہد کے نام پر اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ "مجھے تم سے بہت ضروری کام ہے۔ ہاں ابھی گھر آ جاؤ۔" کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔

تعبیر حیرت سے ثمرین کو دیکھ رہی تھی۔

"جاؤ منہ دھو کر آؤ چہرے سے بیمار لگ رہی ہو۔"

ثمرین کے ڈانٹنے پر وہ کھڑی ہو گئی۔ جب وہ باتھ روم سے منہ دھو کر نکلی۔ فہد وہاں پہلے سے موجود تھا۔

"فہد نے اس کی طرف دیکھا اور اس کے یوں دیکھنے پر وہ شرمندہ ہو کر اپنی کتابیں ٹھیک کرنے لگی۔ اس کا یوں اپنے ٹیسٹ کے خراب ہونے پر رونا ان کے لیے ایک بچکانہ رد عمل تھا۔ اس کا اندازہ اسے ان دونوں کے ہونٹوں پر دبی دبی مسکراہٹ سے ہو رہا تھا۔

"تعبیر! میں نے فہد سے بات کی ہے۔ وہ تمہاری ہیلپ کر دے گا۔"

"نہیں۔ میں خود کر لوں گی۔" وہ کچھ نروٹھے انداز میں بولی۔

"ارے!" ثمرین نے حیرت سے اس کی ناراضی دیکھی۔

"تم رہنے دو ثمرین! میں خود اسے ٹھیک کر لوں گا۔ چلو تعبیر! کتابیں لے کر آؤ۔" اسے منہ کھولتا دیکھ کر فہد نے ٹوک دیا "مجھے بحث بالکل پسند نہیں۔ میں ایک گھنٹہ روزانہ تمہیں پڑھاؤں گا اور اس دوران میں تمہارا کزن نہیں سخت قسم کا استاد ہوں گا۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

اس کے سخت انداز پر وہ سچ مچ سہم کر ثمرین کو دیکھنے لگی۔

"فہد!"

"تم بھی چپ رہو۔" فہد نے ثمرین کو بھی ڈپٹ دیا "جاؤ میرے لیے چائے بنا کر لاؤ اور تم ابھی تک کھڑی ہو، جلدی سے بکس لے کر آؤ۔" ثمرین کو آرڈر دینے کے بعد وہ تعبیر سے بولا تو وہ جلدی سے اپنی کتابیں لے کر بیٹھ گئی۔

"تمہاری طبیعت تو میں بعد میں صاف کرتی ہوں اور یہ چائے میں صرف اپنی بہن کی وجہ سے تمہیں پلا رہی ہوں۔" ثمرین کے باہر نکلتے ہی وہ مسکرا دیا۔

☼ ☼ ☼

"کہاں جا رہے ہو؟" جوگرز کے تسمے بند کرتے ہوئے اس نے سامنے کھڑی اپنی ماں کو دیکھا۔

"خالہ کی طرف۔"

"کیوں۔"

اب کے اس نے حیرت سے انہیں دیکھا۔ "میں روزانہ جاتا ہوں وہاں۔ پہلے تو آپ نے کبھی نہیں پوچھا۔"

"پہلے کی بات اور تھی۔ اب تمہارا بی بی اے کا لاسٹ سمسٹر ہے۔ تمہارے پاپا بھی کل غصہ کر رہے تھے۔ تم اتنی اتنی دیر تک گھر سے باہر رہتے ہو۔"

"پہلی بات تو یہ کہ میں اتنی دیر گھر سے باہر نہیں رہتا اور پاپا کو پتا ہے کہ میں نے اپنی اسٹڈی کے معاملے میں کبھی ان کو ناامید نہیں کیا اور ان کو یہ بھی پتا ہے کہ میں روزانہ خالہ کی طرف جاتا ہوں اور جہاں تک پاپا کے اعتراض کی بات ہے تو میری اور پاپا کی اتنی فرینکنیس ہے کہ وہ مجھے خود منع کر سکتے ہیں۔" خالدہ کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

"فہد! تم بحث کر رہے ہو مجھ سے۔"

"میں بحث نہیں کر رہا امی! کلیئر کر رہا ہوں اور اب آپ سیدھا سیدھا بتائیں کہ آپ کیوں منع کر رہی ہیں؟" خالدہ نے گہرا سانس لیا۔

"شاہدہ کو پسند نہیں کہ تم وہاں تعبیر کو پڑھانے جاتے ہو اور مجھے بھی پسند نہیں۔ تم کیا اس کے نوکر ہو جو گھر جا کر اس نواب زادی کو پڑھاتے ہو۔"

فہد ہونٹ بھینچے کچھ دیر خاموش رہا۔

"جب میں ثمرین کو پڑھانے جاتا تھا تب آپ کو کیوں برا نہیں لگا۔ میں تو اس کا بھی نوکر نہیں ہوں۔"

"وہ تمہاری کزن ہے۔" خالدہ کو برا لگا۔

"تعبیر بھی میری کزن ہے اور اگر میں ایک گھنٹہ اس کو لیکچر دے دیتا ہوں تو اس کا نوکر نہیں بن جاتا اور آج جس طرح آپ نے بات کی نا، مجھے بالکل اچھا نہیں لگا۔"

وہ جس طرح گیا تھا خالدہ کو اندازہ ہو گیا تھا اسے واقعی برا لگا ہے۔ وہ کتنی دیر وہاں کھڑی غصے سے بڑبڑاتی رہیں۔

☼ ☼ ☼

اس کا رزلٹ آ گیا تھا۔ شان دار نمبروں کے ساتھ اس نے اپنے اسکول میں ٹاپ کیا تھا۔ وہ اتنی خوش تھی کہ پچھلی ساری تکلیفیں اس خوشی کے آگے ہیچ لگ رہی تھیں۔ اسے آج ممانی کا غصہ بھی برا نہیں لگ رہا تھا۔ ثمرین خوش تھی۔ ماموں بھی چھٹی لے کر آ گئے تھے اس کی خوشی میں شامل ہونے لیکن اس کی یہ خوشی پھیکی پڑ گئی۔ جب اسے پتا چلا فہد شہر میں نہیں ہے۔ وہ یہ خوشی اس کے ساتھ شیئر کرنا چاہتی تھی اور وہ خود نہیں جانتی تھی وہ یہ کیوں چاہتی ہے۔

وہ ماموں کے کپڑے استری کر رہی تھی، جب اسے باہر سے آنے والی آواز پر فہد کی آواز کا گمان ہوا۔ وہ ایک دم ہاتھ روک کر غور سے سننے لگی وہ آواز واقعی فہد کی تھی۔ اس نے تیزی سے سوئچ آف کیا اور باہر کی طرف بھاگی۔ فہد سامنے صوفے پر بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا۔

"فہد بھائی!" اس نے آگے بڑھتے ہوئے بے تابی سے اس کا نام لیا۔ فہد نے چونک کر سامنے دیکھا۔ "فہد بھائی! میں نے اسکول میں ٹاپ کیا ہے۔" فہد

مسکراتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

"ہاں، مجھے ثمرین نے کال کی تھی۔" تعبیر کی مسکراہٹ سکڑ گئی۔

"آپ کو پتا تھا لیکن پھر بھی آپ نے مجھے وش نہیں کیا میں خوامخواہ آپ کا انتظار کرتی رہی۔" اس کی آنکھیں یکایک پانی سے بھر گئیں۔ فہد کو پہلے تو بہت ہنسی آئی لیکن پھر اس کی آنکھوں سے نکلنے والے آنسو دیکھ کر وہ تیزی سے اس کے قریب آیا۔

"سوری تعبیر! مجھے بالکل بھی اندازہ نہیں تھا کہ تم اس بات کو اتنا محسوس کرو گی۔" تعبیر نے شکایتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"فہد بھائی! مجھے اتنی بڑی خوشی آپ کی وجہ سے ملی ہے اور میں یہ خوشی سب سے پہلے آپ کے ساتھ شیئر کرنا چاہتی تھی۔"

وہ سر جھکائے بول رہی تھی۔ جبکہ پاس کھڑا فہد اسے یوں دیکھ رہا تھا جیسے وہ کسی نئی تعبیر سے متعارف ہو رہا ہو۔ اس کے مسلسل خاموش رہنے پر تعبیر نے دوبارہ سر اٹھایا تو فہد نے پہلے سر کو ہلکا سا جھٹکا دیا پھر مسکرا کر دونوں کان پکڑ لیے۔

"دیکھو، میں کان پکڑ کر سوری کر رہا ہوں۔ معاف کر دو میں مرغا بننے کو بھی تیار ہوں۔"

وہ ایک دم ہنس پڑی۔

"شکر ہے تم نے مجھے معاف کر دیا۔ ورنہ میں تو خودکشی کرنے والا تھا۔" اس نے سینے پر ہاتھ رکھ کر گہرا سانس لیا۔

تب ہی ثمرین کچن سے نکل آئی۔

"فہد! تعبیر نے تمہیں بہت۔"

"ہاں وہ تو میں دیکھ رہا ہوں۔" وہ ثمرین سے چائے کا کپ لے کر صوفے پر بیٹھ گیا۔

"اور تم نے مس نہیں کیا؟" وہ اب ثمرین کو دیکھ رہا تھا۔

"کیوں کیا پاگل ہوں جو تمہیں یاد کروں اور تم اسلام آباد گئے تھے وہ بھی چار دنوں کے لیے۔ کوہ قاف پر نہیں جہاں سے واپس ہی نہ آتے۔" فہد اس کا اتنا تفصیلاً جواب سن کر اچھا خاصا بدمزا ہوا تھا۔

"چھوڑو! اسے۔ تم بتاؤ تعبیر! کون سے کالج میں ایڈمیشن لینے کا سوچا ہے؟"

"ابھی تو میں نے کچھ نہیں سوچا فہد بھائی!"

"میرے ذہن میں تین چار کالجز ہیں لیکن پہلے تم بتاؤ۔ وہ تو سیکنڈ آپشنز ہیں۔"

"نہیں فہد بھائی جو آپ نے سوچا ہے، وہ ہی صحیح ہو گا۔" تعبیر کی اتنی "تابع داری" پر فہد نے ابرو اچکا کر ثمرین کو جتاتی نظروں سے دیکھا۔

"دیکھو! کتنی اچھی لڑکی ہے فرماں بردار اور معصوم۔ اس کی کمپنی میں رہ کر بھی تم پر کوئی اثر نہیں ہوا۔"

"فار یور کائنڈ انفارمیشن۔ یہ فرماں بردار، سلیقہ شعار اور معصوم لڑکی میری کمپنی میں رہتی ہے اس لیے ایسی ہے۔ یہ کوالیٹیز میں نے اس کو سکھائی ہیں۔"

"ہونہہ! یہ منہ اور مسور کی دال۔" فہد طنزیہ ہنسا۔

"ظاہر ہے تمہارے گھر میں صرف مسور کی دال ہی پکتی ہے تو اسی کی مثال دو گے۔"

فہد نے گھور کر اسے دیکھا "تمہیں تو میں دیکھ لوں گا۔"

"مزا آیا!" ثمرین قہقہہ لگا کر بولی۔

وہ دونوں ایک بار پھر شروع ہو چکے تھے، تعبیر مسکراتی ہوئی واپس اندر چلی گئی۔

اسے ممانی کے آنے سے پہلے سارے کپڑے استری کرنے تھے۔

☼ ☼ ☼

"السلام علیکم پاپا!" تنویر صاحب کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر وہ مسکراتے ہوئے کھڑی ہو گئی۔

"وعلیکم السلام! کیا کر رہی تھی میری بیٹی۔" وہ ثمرین کو ساتھ لے کر صوفے پر بیٹھ گئے۔

"بور ہو رہی تھی تو ٹی وی لگا لیا۔"

"تمہاری ماں کہاں ہے؟" انہوں نے سر گھما کر ادھر ادھر دیکھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"ممی اپنے کمرے میں سو رہی ہیں۔ اور تعبیر کچن میں ہے۔"

"میں جب بھی تعبیر کا پوچھتا ہوں۔ وہ یا تو کچن میں ہوتی ہے یا کوئی کام کر رہی ہوتی ہے۔ کیا وہ اس گھر کی نوکر ہے؟"

"نہیں پاپا! ایسے کیوں کہا آپ نے۔ یہ گھر جتنا میرا ہے اتنا ہی تعبیر کا ہے۔"

"تو پھر صرف وہ ہی کام کیوں کرتی ہے۔"

"پاپا! وہ اپنی مرضی سے کرتی ہے وہ اسے گھر کا کام کرنا اچھا لگتا ہے۔" ثمرین کی بات سن کر انہوں نے طنزیہ انداز میں سر کو جھٹکا دیا تھا۔

"تم بھی لڑکی ہو۔ تمہیں کیوں نہیں گھر کے کام کرنے کا شوق۔ تم برتن دھوؤ گی تو تمہارے ناخن ٹوٹ جائیں گے۔ ہاتھ خراب ہو جائیں گے۔ چولہے کے آگے کھڑی ہو گی تو اسکن رف ہو جائے گی۔ تمہاری ممی کے بقول عمر پڑی ہے گھرداری کے لیے۔ ابھی تو وہ پڑھ رہی ہے۔ یہی کہتی ہیں ناوہ؟" انہوں نے ہونٹ چباتی ثمرین سے پوچھا۔

"تو بیٹا! اسی طرح وہ بھی لڑکی ہے اور تم سے بھی دو سال چھوٹی ہے۔ کیا اس کی اسکن خراب نہیں ہوتی؟ کیا اس کے ناخن نہیں ٹوٹتے؟ بات صرف اتنی کہ وہ یتیم ہے۔ اس کی پروا کرنے کے لیے اس کے ماں باپ نہیں ہیں۔ تمہاری ماں نے اسے بیٹی سمجھنا تو دور کی بات میری بھانجی سمجھ کر بھی کبھی شفقت آمیز رویہ اختیار نہیں کیا۔"

"پاپا! میں تعبیر سے بہت پیار کرتی ہوں۔ میں نے کبھی اس کو بہن سے کم نہیں سمجھا۔"

"میں جانتا ہوں۔ بیٹا! تم تعبیر سے پیار کرتی ہو لیکن تمہاری ماں میرے سامنے اتنا رو ڈلی بیہو کرتی ہے تو جب میں یہاں نہیں ہوتا تب کیا کرتی ہو گی۔"

اس سے پہلے وہ مزید کچھ کہتے، شاہدہ لاؤنج میں داخل ہوئیں۔ "آپ کہاں چلے گئے تھے۔ بتایا بھی نہیں اور موبائل بھی آف تھا۔"

"ضروری کام سے گیا تھا۔" وہ مختصر جواب دے کر تعبیر کو آواز دینے لگے۔ شاہدہ بیگم نے کچھ ناگواری سے تنویر صاحب کی طرف دیکھا۔

"جی ماموں!" تعبیر تقریباً" بھاگتی ہوئی لاؤنج میں آئی۔

"یہاں آؤ۔" ان کے بلانے پر وہ ان کے دائیں طرف آکر بیٹھ گئی انہوں نے جیب میں ہاتھ ڈال کر دو ڈبیاں نکالیں اور ایک تعبیر اور دوسری ثمرین کی طرف بڑھائیں۔

"یہ تم دونوں کا گفٹ ہے، تعبیر کا گفٹ لیٹ ہے۔ اب تو اسے کالج جوائن کیے ہوئے عرصہ ہو گیا لیکن میں نے سوچا جب ثمرین کا ایف اے کا رزلٹ آئے گا تو دونوں کو ایک جیسا گفٹ دوں گا۔"

شاہدہ نے ناراضی سے اپنے شوہر کو دیکھا دونوں ڈبیوں میں خوب صورت ٹاپس تھے اور دونوں ایک جیسے تھے۔

"واؤ پاپا! یو آر گریٹ۔ بہت خوب صورت ہیں۔" ثمرین ایک دم جوش سے بولتی ان سے لپٹ گئی تو اسے پیار کرکے انہوں نے خاموش بیٹھی تعبیر کو دیکھا۔

"کیوں بیٹا! تمہیں پسند نہیں آئے؟"

تعبیر نے تیزی سے پلکیں جھپک کر آنکھوں میں آئے آنسو پیچھے دھکیلنے کی کوشش کی "بہت اچھے ہیں ماموں!" وہ بھنچی ہوئی آواز میں بولی۔

"تو تم رو کیوں رہی ہو؟" ثمرین نے حیرت سے اس کی نم آنکھیں دیکھیں۔

"یہ خوشی کے آنسو ہیں۔" اس کے نروٹھے انداز پر ثمرین اور تنویر صاحب قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔ جبکہ شاہدہ بیگم کے ماتھے کے بل گہرے ہو گئے۔

☆ ☆ ☆

کانوں میں آویزے پہننے کے بعد اس نے ذرا ہٹ کر قد آور آئینے میں اپنا بغور جائزہ لیا اور مطمئن ہو کر بیڈ کی طرف مڑی جہاں اس کے سینڈل رکھے تھے۔ سینڈل پہن کر وہ سیدھی ہوئی تو اس نے حیرانی سے گھر والے کپڑوں میں ملبوس تعبیر کو دیکھا۔ "تم ابھی تیار نہیں ہوئیں۔"

تعبیر سر نفی میں ہلاتی ہوئی بیڈ پر بیٹھ گئی۔ "نہیں میں نہیں جا رہی۔"

"کیوں؟" ثمرین حیران ہوتی ہوئی اس کے قریب آ گئی۔

"کل میرا ٹیسٹ ہے ثمرین! اگر میں وہاں گئی تو تیاری نہیں کر سکوں گی۔" وہ اس کے سامنے بیٹھ کر غور سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"کل تک تو تمہارا ایسا کوئی ٹیسٹ نہیں تھا۔ تم جانے کے لیے بھی کافی ایکسائٹڈ تھیں پھر اچانک۔"

اس کے مشکوک انداز پر وہ نظریں چرانے لگی۔

"سچ سچ بتاؤ کیا بات ہے؟" اب کی بار ثمرین نے کافی سنجیدگی سے پوچھا۔

"کچھ نہیں ثمرین! بتایا تو ہے کہ ٹیسٹ ہے۔" وہ کچھ دیر تو تعبیر کو دیکھتی رہی پھر کھڑی ہو گئی۔

"کہاں جا رہی ہو؟" اسے یوں کھڑے ہوتا دیکھ کر تعبیر نے تیزی سے پوچھا تھا۔

"دس منٹ میں تیار ہو جاؤ۔ میں آتی ہوں۔"

وہ تعبیر کو مزید بات کرنے کا موقع دیے بغیر باہر نکل گئی۔

"واہ! میری بیٹی تو بہت خوب صورت لگ رہی ہے۔" ثمرین کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر شاہدہ نے بے ساختہ اس کی نظر اتاری تھی۔ "چلیں پھر؟"

"نہیں۔ ابھی تعبیر تیار ہو رہی ہے۔"

وہ جو الماری سے اپنا پرس نکال رہی تھیں، حیرت سے اسے دیکھنے لگیں "تعبیر کا کیا ذکر یہاں۔ میں نے اسے منع کیا تھا پھر بھی وہ جا رہی ہے۔"

انہوں نے بے اختیار کہا اور ثمرین نے اپنا شک صحیح ثابت ہونے پر بے اختیار گہرا سانس لیا تھا۔

"خالہ نے ہم سب کو انوائیٹ کیا ہے اور ہم سب میں تعبیر بھی شامل ہے کیونکہ وہ ہماری فیملی کا حصہ ہے۔"

"بحث نہ کرو ثمرین!" انہوں نے غصے سے اسے دیکھا۔

"بحث نہیں کر رہی ممی! بتا رہی ہوں پاپا۔ اسے بیٹی بنا کر لائے ہیں اور میری پھپھو کی بیٹی ہے۔ اس کا حق ہے اس گھر پر لیکن آپ ہمیشہ اس سے ڈفرینس رکھتی ہیں۔ اس کے ساتھ سوتیلوں والا سلوک رکھتی ہیں۔"

"بس ثمرین!" شاہدہ کو اچھا خاصا برا لگا تھا "یہ اچانک تمہیں سارے فرق کیوں نظر آنے لگے۔ پہلے بھی میرا رویہ اس کے ساتھ ایسا ہی تھا۔ ضرور تمہارے پاپا کی چہیتی نے مظلومیت دکھائی ہو گی۔"

"او پلیز ممی!" ثمرین چڑ گئی "وہ تو سدا کی بدھو ہے۔ اتنا کام کرتی ہے پھر بھی ایک شکن اس کے ماتھے پر نہیں آتی۔ اس نے کبھی شکایت نہیں کی اور مجھے پتا ہے وہ کرے گی بھی نہیں۔ وہ آپ کی اتنی عزت کرتی ہے اور آپ یہ سلوک کرتی ہیں اس سے۔"

شاہدہ نے غصے سے پرس بیڈ پر پٹخ دیا "یہ ساری باتیں کرکے تم کیا ثابت کرنا چاہتی ہو کہ میں ایک ظالم عورت ہوں۔ اس دو کوڑی کی لڑکی کے لیے تم اپنی ماں سے بدتمیزی کر رہی ہو۔ یہ شہہ بھی تمہیں تمہارے باپ نے دی ہو گی۔"

"پلیز ممی! نہ تو تعبیر نے مجھ سے کوئی شکایت کی ہے نہ پاپا نے کچھ کہا ہے۔ میری اپنی بھی آنکھیں ہیں۔ نظر آتا ہے مجھے۔ اینی وے! میں کوئی بحث نہیں کرنا چاہتی۔ تعبیر ہمارے ساتھ جائے گی اور آپ پلیز اپنا موڈ اس کے سامنے ٹھیک رکھیے گا۔" کہہ وہ تیزی سے باہر نکل گئی۔

اندر داخل ہوتے ہی اس کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے۔ وہ تعبیر کو جیسے چھوڑ کر گئی تھی وہ بالکل ویسے بیٹھی تھی۔ "تم نے ابھی تک کپڑے چینج نہیں کیے؟"

تعبیر نے بے بسی سے ثمرین کی طرف دیکھا۔

"ثمرین!"

"تعبیر پلیز۔" ثمرین نے ہاتھ اٹھا کر اسے ٹوک دیا "تمہارے سارے بہانے فضول ہیں۔ مجھے پتا ہے۔ تمہیں ممی نے منع کیا تھا۔ میں ان کو بتا دیا ہے تعبیر ہمارے ساتھ جا رہی ہے"۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

تعبیر اسے ایسے دیکھنے لگی جیسے اسے یقین نہ آرہا ہو۔

پلیز اپنی ان خوب صورت آنکھوں کا جادو کہیں اور چلانا۔ فی الحال ٹائم نہیں ہے۔ جلدی سے تیار ہو جاؤ۔"

"ممانی نے اجازت دے دی ہے نا؟" وہ اب بھی مشکوک تھی۔

"ہاں بابا! اب اٹھ جاؤ۔" ثمرین زچ ہو کر بولی۔ "میں باہر انتظار کر رہی ہوں۔"

ثمرین کے باہر نکلتے ہی اس نے جلدی سے الماری کھولی اور کچھ دیر کے لیے اس کی سمجھ میں ہی نہیں آیا وہ کیا پہنے کیونکہ اس کے پاس کوئی اچھا سوٹ نہیں تھا پھر جلدی سے ایک سوٹ نکال کر وہ واش روم میں گھس گئی جب وہ باہر آئی ثمرین اس کے انتظار میں کھڑی تھی۔ اس کے کپڑے دیکھ کر ثمرین نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ اس کا موبائل بج اٹھا۔ فہد کا فون تھا' جو ان کے لیٹ ہونے کی وجہ پوچھ رہا تھا۔ وہ اسے پانچ منٹ کا کہہ کر گیٹ کی طرف بڑھ گئی۔ تعبیر اس کے پیچھے بھاگی۔

فہد کے گھر پہنچ کر تعبیر کو جھٹکا لگا تھا۔ فہد کا بی اے کا رزلٹ آیا تھا۔ اس کے پاس ہونے کی خوشی میں یہ پارٹی دی گئی تھی۔ اس کا خیال میں اس تقریب میں صرف گھر کے لوگ ہوں گے لیکن یہاں تو بہت مہمان تھے۔ اجنبی چہرے۔ جن میں اس کے یونیورسٹی فیلوز بھی تھے' وہ ہمیشہ کی طرح کنفیوز ہو گئی تھی۔ ان سب کے کپڑے اور انداز دیکھنے کے لائق تھے۔ اسے ایک دم اپنے سادہ بلکہ غریبانہ حلیے کا احساس ہوا تھا۔ اس کا دل چاہا۔ وہ ایک لحہ ضائع کیے بغیر یہاں سے غائب ہو جائے۔ اس سے پہلے کہ وہ اس خیال پر عمل کرتی' فہد کی نظر ان پر پڑ گئی تھی۔ وہ سب سے معذرت کرتا ہوا ان کی طرف آیا۔

"واؤ! لکنگ پریٹی۔" اس نے ثمرین کو دیکھ کر کہا۔

"مجھے پتا ہے۔" اس کے اترا کر کہنے پر وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"اور تم کیا سوتے سے اٹھ کر آئی ہو؟" وہ جو پہلے ہی نروس ہو رہی تھی' روہانسی ہو کر ثمرین کو دیکھنے لگی۔

"شکر کرو یہ آگئی ہے اور کیا ہوا اسے۔ اتنی تو اچھی لگ رہی ہے۔"

"آ کیوں نہیں رہی تھیں؟" فہد نے پوری آنکھیں کھول کر اسے گھورا۔

"وہ ایک لمبی کہانی ہے۔ بعد میں بتاؤں گی۔"

"ہوں۔" فہد نے ایک نظر تعبیر کو دیکھا اور دوبارہ ثمرین کی طرف مڑا۔ "چلو' تمہیں اپنے فرینڈز سے ملواتا ہوں۔"

وہ ثمرین کا ہاتھ پکڑ کر بولا وہ جانا نہیں چاہتی تھی لیکن ثمرین نے اس کا بھی ہاتھ تھام لیا تھا۔ مجبوراً اسے بھی ان کے ساتھ جانا پڑا۔

☼ ☼ ☼

شاہدہ! کھانا کھالو۔"

"آپا! بھوک نہیں ہے۔"

"کیا بات ہے۔ جب سے آئی ہو۔ اپ سیٹ لگ رہی ہو۔ کیا کوئی بات ہوئی ہے؟" خالدہ نے بغور ان کا چہرہ دیکھا۔

"کچھ نہیں آپا!" وہ بیزاری سے بولتی ہوئی دائیں طرف دیکھنے لگیں۔ جہاں ثمرین اور فہد کے ساتھ تعبیر بیٹھی ہنس رہی تھی۔ ان کے ہونٹ بھینچ گئے اور پارہ پھر چڑھ گیا۔

"آپا! میں تنگ آگئی ہوں۔ تنویر کی زندگی میں دو رشتے تھے اور وہی میرے گلے کا عذاب بن گئے ہیں۔ پہلے ان کی بہن تھی بس ہر وقت اس کی فکر' کلثوم کو یہ ہو گیا' کلثوم کو ایسا نہ ہو جائے۔ اس کو یہ دے دو۔ اس کی شادی ہوئی تو میں نے شکر کیا لیکن میری زندگی میں تو تنویر کی محبت پر بلا شرکت غیر کبھی حق نہیں رہا۔ کلثوم کے شوہر کو کینسر ہو گیا۔ تنویر نے پیسہ پانی کی طرح بہا دیا۔ ان کو ہوش ہی نہیں تھا کہ میں بھی ہوں۔ ثمرین بھی ہے۔ میں پریگننٹ تھی۔ کوئی نہیں تھا میرے پاس۔ ڈاکٹر نے بھی انہیں بتا دیا تھا کہ میری کنڈیشن سیریس ہے پھر بھی یہ نہیں رکے اور میں سیڑھیوں سے گر گئی تھی۔ اکیلے گھر میں درد سے چیختی رہی۔ کوئی نہیں تھا مجھے پکڑنے والا۔ پتا نہیں کب میں بے ہوش ہو گئی تھی۔ آپ کو یاد ہو گا آپا! تب آپ یہاں نہیں رہتی تھیں۔ میری وجہ سے آپ نے یہاں گھر لیا تھا۔"

"چھوڑو پرانی باتیں شاہدہ؟" ان کو پریشان دیکھ کر خالدہ نے ٹوک دیا۔

نہیں آپا! یہ باتیں کبھی پرانی نہیں ہو سکتیں۔ درد تو میرا ہی ہے نا۔ میرا مس کیرج ہو گیا تھا اور ڈاکٹر نے کہا تھا میں اب کبھی ماں نہیں بن سکتی۔" یہ کہتے ہوئے ان کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔ "اس بات کے لیے میں آج تک کلثوم کو معاف نہیں کر سکی۔ پھر وہ بیوہ ہو گئی تو تنویر اسے یہیں لے آئے۔ میں نے جس سے نجات چاہی تھی۔ وہ پھر میرے سر پر سوار کر دی گئی میری سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ اسے کہاں پھینکوں۔ وہ تو اچھا ہوا تنویر کی پوسٹنگ اسلام آباد میں ہو گئی۔ اور مجھے موقع مل گیا۔ میں نے اسے اتنا تنگ کیا کہ وہ خود چلی گئی۔"

"تو کیا کلثوم نے تنویر کو نہیں بتایا؟" خالدہ جو بہت غور سے سن رہی تھیں بے اختیار سوال کیا۔ شاہدہ مسکرا دیں۔

"مجھے پتا تھا وہ بہت سیدھی تھی۔ وہ سرے اپنے بھائی سے وہ بہت پیار کرتی تھی۔ مجھے یقین تھا وہ کبھی نہیں بتائے گی کہ تنویر کا گھر خراب نہ ہو۔ تنویر تو اسے جانے نہیں دے رہے تھے لیکن کلثوم مجھ سے شاید زیادہ تنگ آگئی تھی۔ یہ تعبیر تو ہر وقت تنویر کی گود میں سوار رہتی تھی میں تنویر کے جانے کے بعد کلثوم کے سامنے تعبیر کو دھنک کے رکھ دیتی تھی اور کلثوم کی آنکھوں کے آنسو اور چہرے کی اذیت مجھے بہت تسکین دیتے تھے آپا! میں اپنے بچے کا بدلہ لے لیتی تھی۔" ان کا چہرہ نفرت کے مارے سیاہ پڑ گیا تھا۔

"چھوڑو پرانی باتیں' وہ تو اب اس دنیا میں بھی نہیں رہی۔" خالدہ نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر انہیں ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔

"آپا! میں نے تو چھوڑ دیا تھا لیکن اب اس کی بیٹی۔۔۔ وہ تو میرے سر پر عذاب کی طرح مسلط ہے۔ چار سال ہو گئے اسے برداشت کرتے ہوئے اس کے چچا' پھپھو کوئی اس کی ذمہ داری لینے کو تیار نہیں تھے۔ سالوں گزر گئے' مڑ کے کسی نے خبر نہیں لی لیکن وہی تنویر کی ازلی محبت۔ انہوں نے لے لی اس کی ذمہ داری' لیکن اب میری برداشت جواب دے گئی ہے۔ انہیں تعبیر کے علاوہ کوئی نظر ہی نہیں آتا۔ پرسوں کی بات لے لیں۔ ثمرین کا رزلٹ آیا تھا۔ اس کے لیے گولڈ کے ٹاپس لے کر آئے ساتھ میں تعبیر کے لیے بھی۔ اسے کچھ دینا ہی تھا تو ہزار دو ہزار دے دیتے۔ سونے کے ٹاپس دینے کی کیا ضرورت تھی۔ اپنی بیٹی کے مقابلے میں لا کھڑا کیا۔ کم از کم مجھ سے یہ سب برداشت نہیں ہوتا اور آج تو حد ہی ہو گئی۔ آپا! ثمرین نے کبھی مجھ سے بحث نہیں کی لیکن آج اس لڑکی کی وجہ سے وہ مجھ سے الجھ پڑی۔" وہ رو پڑی۔

"تم خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہو۔ کچھ بھی ہو جائے ثمرین کو جو تم سے محبت ہے۔ وہ کسی اور سے نہیں ہو سکتی' اور تنویر جتنا بھی تعبیر سے پیار کرے' ثمرین ہمیشہ اس کے لیے پہلے رہے گی۔ کیونکہ اپنا خون اپنا ہوتا ہے۔ یہ میرا تجربہ ہے۔ بے شک آزما کے دیکھ لینا۔ تم اتنی سی بات پر دل چھوٹا مت کیا کرو۔ تمہارے آنسو مجھے تکلیف دیتے ہیں۔" کہنے کے ساتھ خالدہ نے مڑ کے پیچھے دیکھا' جہاں وہ تینوں کھڑے تھے۔ تعبیر کو دیکھتے ہی ان کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

☼ ☼ ☼

"ثمرین! چلیں۔" یہ پانچویں دفعہ تھی جب تعبیر ثمرین کے کان کے پاس منمنائی تھی۔

"چلتے ہیں یار! انہیں قریب ہی تو جانا ہے۔" وہ تسلی دے کر دوبارہ فہد کی طرف مڑ گئی۔ تعبیر نے دزدیدہ نظروں سے کچن کی طرف دیکھا جہاں خالدہ بیگم گئی

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

تھیں۔ وہ کتنی دیر سے ان کی چبھتی ہوئی نظریں محسوس کر رہی تھی۔ اسے اندازہ تھا شاہدہ ممانی کی طرح وہ بھی اسے پسند نہیں کرتیں تب ہی ہمیشہ ان کے گھر آنے سے حتیٰ کہ ان کے سامنے آنے سے بھی گریز کرتی تھی لیکن آج فہد کی زندگی کا بہت بڑا موقع تھا وہ اس کی بہت عزت کرتی تھی۔ اس لیے اس کی خوشی میں شریک ہوگئی لیکن یہاں فہد اور ثمرین کے علاوہ سب کا رویہ اتنا غیروں والا تھا کہ وہ تھوڑی دیر میں ہی پریشان ہوگئی تھی۔ وہ اپنے دھیان میں اپنے ناخن چبا رہی تھی اور اسے نہیں پتا تھا۔ فہد کب سے اسے دیکھ رہا ہے۔

"چلو ثمرین! تمہیں اور تعبیر کو گھر چھوڑ آؤں ورنہ کچھ پتا نہیں تعبیر رونا ہی شروع کردے۔" فہد نے زیر لب مسکراتے ہوئے تعبیر کو دیکھا تو ثمرین بھی تعبیر کا پریشان چہرہ دیکھ کر ہنس پڑی۔

"چلو چلتے ہیں۔" ثمرین کے اٹھتے ہی وہ تیزی سے کھڑی ہوئی۔

"میں ذرا خالہ سے مل لوں۔"

"ہاں مل آؤ۔" فہد کہہ کر اپنا موبائل دیکھنے لگا۔

"آؤ تعبیر!" ثمرین نے اسے بھی ساتھ چلنے کو کہا۔

"نہیں، تم جاؤ۔" ثمرین تو کندھے اچکا کر چلی گئی فہد نے بڑے غور سے اسے دیکھا۔ "تم امی سے ملنے نہیں گئیں۔"

"مجھے آنٹی سے ڈر لگتا ہے۔"

پہلے وہ حیران ہوا پھر قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"کیوں؟"

"مجھے لگتا ہے۔ آنٹی کو میں اچھی نہیں لگتی۔ ابھی ابھی وہ بہت غصے سے مجھے دیکھ رہی تھیں۔"

فہد پھر ہنس پڑا۔ وہ جانتا تھا واقعی وہ تعبیر کو پسند نہیں کرتیں لیکن وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ تعبیر نے جو محسوس کیا وہ اسے یقین میں بدل دے۔

"ضروری تو نہیں وہ غصے سے دیکھ رہی ہوں ہو سکتا ہے پیار سے دیکھ رہی ہوں کیونکہ تم اتنی پیاری جو ہو۔"

"کوئی نہیں۔" وہ جھینپ کر باہر نکل گئی۔ گیٹ کے پاس پہنچی تھی کہ فہد کے پکارنے پر رک گئی۔

"جی!" وہ مڑ کر حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

"تم میرا گفٹ نہیں لائیں؟"

"سوری فہد بھائی! مجھے بالکل بھی اندازہ نہیں تھا کہ اتنا بڑا فنکشن ہوگا اور ثمرین نے بھی مجھے بتایا نہیں کہ وہ گفٹ لے کر جا رہی ہے۔ میں ایک دو دن میں آپ کو گفٹ دے دوں گی۔" اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ ورنہ اس کی اپنی ہنسی بھی نکل جاتی کیونکہ ہنسی ضبط کرنے کے چکر میں فہد کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

"نہیں۔ پارٹی آج تھی تو مجھے گفٹ بھی آج چاہیے۔ اگر آج تم نہیں دے سکتیں تو پھر بعد میں بھی نہیں چاہیے۔" تعبیر نے پریشان ہو کر فہد کی ناراضی دیکھی۔

"فہد بھائی! میں کہہ رہی ہوں نا میں آپ کو ایک دو دن میں دے دوں گی۔"

"سیدھی طرح کہو تم نہیں دینا۔"

"فہد بھائی!" وہ روہانسی ہو کر بولی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر فہد کو اپنا مذاق ختم کرنا پڑا۔

"کیا ہو گیا تعبیر! میں مذاق کر رہا تھا۔ پاگل ہو تم بھی۔" اس نے ہلکے سے اس کے سر پر چپت لگائی۔ ثمرین کے آنے پر وہ گیٹ کھول کر باہر نکل گیا جبکہ وہ بھی آنکھیں صاف کرتی ہوئی ثمرین کے پیچھے ہولی۔

☼ ☼ ☼

اس نے بمشکل آنکھیں کھول کر گھڑی کی طرف دیکھا۔ دوپہر کے تین بج رہے تھے۔ اس نے سیدھے لیٹتے ہوئے دوبارہ آنکھیں بند کرلیں کیونکہ تھوڑا سا اٹھنے سے اسے چکر آنے لگے تھے۔ کل وہ کالج سے آئی۔ تب ہی سے اس کے سر میں ہلکا ہلکا درد تھا۔ آتے ہی وہ سر درد کی پروا کیے بغیر کام میں جت گئی تھی۔ نتیجتاً" صبح تک وہ بخار میں پھنک رہی تھی۔ ثمرین نے اسے زبردستی ناشتا کروا کر میڈیسن دی تو اب اٹھی تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

طبیعت پہلے سے بہت بہتر تھی لیکن سر ابھی بھی بھاری بھاری سا تھا اور اب جو جاگی تھی تو اس کی وجہ پیاس کا احساس تھا۔ وہ پوری ہمت لگا کر اٹھی۔ کچن کی طرف جاتے ہوئے اسے دور سے ہی برتنوں کے پٹخنے کی آواز آ رہی تھی۔ جب وہ کچن میں داخل ہوئی تو ممانی برتن دھو رہی تھیں۔ آہٹ پر انہوں نے مڑ کر دیکھا اور اس پر نظر پڑتے ہی ان کے بگڑے ہوئے زاویے مزید بگڑ گئے ساتھ ہی بڑبڑاہٹ شروع ہو گئی تھی۔

"ایک تو پہلے ہی مفت کی روٹیاں توڑ رہی ہے اب مزید بیماری کے بہانے۔" بڑبڑاہٹ اتنی واضح تھی کہ اس نے واضح طور پر سنی تھی۔ وہ چکراتے سر کے ساتھ ان کے قریب آئی تھی۔

"لائیں ممانی میں دھو دیتی ہوں۔"

"کیوں میرے کیا ہاتھ ٹوٹے ہوئے ہیں جو میں برتن نہیں دھو سکتی یا تمہیں لگتا ہے۔ کام کرنا صرف تمہیں ہی آتا ہے۔ باقی یہاں سب پھوہڑ ہیں۔ تم کام نہیں کرو گی تو اس گھر میں کسی کو کھانا نہیں ملے گا۔" ان کے اتنے غصیلے لہجے پر وہ ہکا بکا ان کا چہرہ دیکھتی رہ گئی۔

"جاؤ، جا کر بستر توڑو ابھی تمہارے ماموں آنے والے ہیں۔ ان کے سامنے مظلوم بن جاؤ گی اور میں ظالم کہ بھانجی کو بخار ہے اور ممانی برتن دھلوا رہی ہیں۔" تعبیر کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"نہیں ممانی پلیز! آپ ناراض نہ ہوں میں دھو دیتی ہوں۔" اس نے ان کے ہاتھ سے دیگچی لینی چاہی لیکن انہوں نے اس کا ہاتھ اس بری طرح سے جھٹکا کہ وہ جو پہلے ہی چکراتے سر کے ساتھ بمشکل کھڑی تھی، لڑکھڑا کر نیچے گر پڑی۔ درد کی لہر اس کے پورے جسم میں دوڑ گئی۔ اس کا رنگ پہلے سرخ اور پھر ایک دم سفید پڑ گیا۔ ایک پل کے لیے تو شاہدہ بیگم بھی گھبرا گئیں لیکن انہوں نے اسے پھر بھی سہارا نہیں دیا۔ اپنی گھبراہٹ چھپانے کے لیے وہ مزید غصہ کرنے لگیں۔

"اٹھ جاؤ اب۔ یہ ڈراما اپنے ماموں کے سامنے کرنا۔ مجھ پر اس کا اثر نہیں ہونے والا اور سنو! ثمرین کے سامنے ———— رونے مت بیٹھ جانا' ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔"

وہ چولہا بند کر کے کچن سے باہر نکل گئیں۔ ان کے جاتے ہی اس کے منہ سے کراہ نکلی اور ساتھ ہی آنسوؤں پر اس کا اختیار نہیں رہا۔ وہ پانی پینے آئی تھی لیکن درد جیسے ہر احساس پر غالب آ گیا تھا۔ وہ بمشکل اٹھی اور کمرے تک آتے آتے اس کی ہمت جواب دے گئی۔ بیڈ پر لیٹتے ہی وہ درد سے دوہری ہو گئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا' چوٹ کہاں لگی ہے کیونکہ درد سارے جسم میں ہو رہا تھا۔

پتا نہیں وہ بے ہوش ہو گئی تھی یا سو گئی تھی لیکن دوبارہ اس کی آنکھ ثمرین کے جھنجوڑنے پر کھلی تھی۔ ساتھ اسے ماموں کی آواز بھی سنائی دی تھی۔ اس نے زبردستی آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا۔ اس کے قریب کھڑے ماموں اور ثمرین کے چہرے سے پریشانی عیاں تھی۔

"جب دوپہر کو میں گئی تھی تب تو یہ کافی بہتر تھی' پھر پتا نہیں کیسے اچانک اسے اتنا تیز بخار ہو گیا؟" وہ تنویر صاحب سے اپنی حیرت کا اظہار کر رہی تھی۔ تنویر صاحب نے اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھا تو انہیں اچھا خاصا جھٹکا لگا تھا۔ اس کا ماتھا بری طرح جل رہا تھا۔

"چلو ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔" وہ منع کرنا چاہتی تھی لیکن اس وقت اس میں بولنے کی بھی ہمت نہیں تھی۔ تنویر صاحب اور ثمرین کے سہارے چل کر وہ گاڑی تک آئی تھی۔ جبکہ گیٹ بند کرتی شاہدہ پریشان ہو گئی تھیں۔ اگر تعبیر نے بتا دیا کہ دھکا انہوں نے دیا ہے تو۔۔۔

جب وہ تینوں اندر داخل ہوئے تو وہ تیزی سے کھڑی ہوئیں اور جانچتی نظروں سے تینوں کا جائزہ لینے لگیں۔

"ثمرین! میں تعبیر کو اندر لے کر جاتا ہوں تم اس کے لیے کھچڑی بنا کر لے آؤ۔"

"جی پاپا!" اس نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

"کیوں؟ اس میں حیرت والی کیا بات ہے؟"

"پاپا! مجھے کھچڑی بنانی نہیں آتی۔" وہ بے حد شرمندگی کے ساتھ بولی۔

وہ پہلے تو افسوس سے اس کا چہرہ دیکھتے رہے پھر ان کی ہنسی نکل گئی اور اتنی تکلیف میں بھی تعبیر انہیں ہنستے دیکھ کر مسکرا دی تھی۔

"میں بتا دیتی ہوں۔" شاہدہ جلدی سے بولیں اور مزید انتظار کیے بغیر کچن کی طرف بڑھ گئیں۔

"چوٹ کیسے لگی تمہیں؟" وہ دروازے کے قریب پہنچی تھیں' جب انہوں نے تنویر صاحب کی آواز سنی۔ وہ غیر ارادی طور پر دروازے کی اوٹ میں ہو گئیں۔

"میں پانی پینے کچن میں گئی تھی۔ وہاں چکر آ گیا تھا۔"

"تمہاری ممانی کہاں تھیں؟"

"ماموں! انہوں نے مجھے کہا تھا کہ کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے آواز دینا لیکن میں خود چلی گئی تھی پانی پینے۔"

شاہدہ بے اختیار گہرا سانس لے کر مسکرا دیں۔ اس کی اچھائی کو وہ اپنی دہشت سمجھی تھیں اور ان کے دل میں جو ذرا بھر خوف تھا۔ وہ بھی ختم ہو گیا۔

☆ ☆ ☆

"ہاؤ!" اس کے قریب پہنچتے ہی وہ زور سے بولا اور وہ جو اپنے دھیان بیٹھی تھی۔ ڈر کے مارے اچھل پڑی۔ اس کے ڈرنے پر وہ زور سے ہنس پڑا۔

"کیا کر رہی تھیں"۔ فہد اسی طرح مسکراتا ہوا اس کے سامنے بیٹھ گیا اور سامنے رکھی کتابوں میں سے ایک کتاب اٹھا کر پوچھنے لگا۔

"آنکھوں کی جگہ بٹنے فٹ کروا رکھے ہیں۔ نظر نہیں آ رہا۔"

"اوہ تو اس کا مطلب ہے۔ تم پڑھ رہی تھیں۔ اسٹرینج مس ثمرین اور پڑھائی؟"

"زیادہ مسخرہ بننے کی ضرورت نہیں۔ بی اے میں پاس ہونے کے لیے تھوڑا بہت پڑھنا پڑتا ہے۔"

"اچھا!" اس نے ایسے سر ہلایا جیسے بہت متاثر ہوا ہو۔ "ویسے بائی دا وے! جو اصل پڑھاکو ہیں وہ کہاں ہے اور اسے میرا گفٹ پسند آیا؟" "یہ تم خود اس سے پوچھ لو کیونکہ وہ تم سے ناراض ہے۔"

وہ کچھ سنجیدگی سے اس کا چہرہ دیکھتا رہا پھر اندر کی طرف بڑھ گیا۔

وہ سامنے صوفے پر بیٹھی اپنے نوٹ پیڈ پر کچھ لکھ رہی تھی اس کو دیکھ کر وہ حیران ہوئی پھر ناراضی سے سر جھکا لیا۔ فہد اس کے سامنے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"ثمرین نے کہا تم مجھ سے ناراض ہو۔" وہ خاموش رہی تھی۔

"کیا سوٹ پسند نہیں آیا؟" اب کی بار وہ اٹھ کر الماری کی طرف بڑھ گئی اور اس کا بھیجا ہوا سوٹ لا کر اس کے سامنے رکھ دیا۔

"یہ آپ واپس لے جائیں۔" "مجھے آپ کی ہمدردی یا ترس کی ضرورت نہیں؟" یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔ کُھل کر کہو۔"

"کیا مجھے پتا نہیں کہ آپ نے مجھے یہ سوٹ کیوں دیا؟"

"ویری گڈ! اب مجھے بھی بتا دو۔"

"اس دن آپ کی پارٹی میں میں نے اچھے کپڑے نہیں پہنے تھے۔ میری وجہ سے آپ کو شرمندگی محسوس ہوئی تھی۔ کل آپ کی برتھ ڈے ہے۔ اس سے پہلے آپ نے ثمرین کے ہاتھوں یہ ڈریس بھیج دیا تاکہ پھر آپ کو میری وجہ سے شرمندگی محسوس نہ ہو تو میں آپ کو بتا دوں۔ کہ میں آپ کی پارٹی میں نہیں آؤں گی۔ مجھے آپ کی اس مہربانی کی ضرورت نہیں۔"

وہ ہاتھ کی مٹھی ٹھوڑی کے نیچے رکھے کتنی دیر خاموشی سے اسے دیکھتا رہا آنسو تیزی سے ٹپک رہے

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

تھے۔

"مجھے نہیں پتا تھا تعبیر! تم اتنی بڑی ہو گئی ہو۔"

"اور فہد بھائی! میں نے کم از کم آپ سے یہ امید نہیں کی تھی۔"

"تعبیر! بند کرو یہ رونا"۔

"فہد بھائی میرے لیے دنیا میں تین لوگ اہم اور میرے دل کے قریب ہیں ماموں، ثمرین اور آپ ہیں اور آپ تینوں کے لیے میرا وجود یا میرا کوئی عمل شرمندگی کا باعث بنے میرے لیے مرنے کا مقام ہو گا"۔

"تعبیر!" فہد نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنا دوسرا ہاتھ بھی اس پر رکھ دیا "تم اتنی اچھی ہو کہ کسی کو بھی تمہاری وجہ سے کوئی شرمندگی یا شکایت نہیں ہو سکتی اور خوب صورت بھی اتنی ہو کہ سادگی میں بھی قیامت ڈھاتی ہو۔"

"فہد بھائی! سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ وہ بمشکل بول پائی۔

"مذاق نہیں۔ میں سیریس ہوں پتا ہے اس دن میرے سارے دوست تمہارا پوچھ رہے تھے اور مجھے شدید غصہ آ رہا تھا۔ ایک دو سے تو لڑائی ہو گئی میری۔"

"آپ نے لڑائی کی؟" وہ رونا بھول کر حیرت سے فہد کو دیکھنے لگی۔

"ہاں۔۔ کیونکہ کوئی تمہیں دیکھے مجھے اچھا نہیں لگتا۔"

تعبیر سب بھول کر اسے فہد کو یوں دیکھنے لگی جیسے سمجھ نہ پا رہی ہو۔

"تمہیں دیکھنے کا حق صرف میرے پاس ہے"۔ وہ اب تعبیر کی آنکھوں میں دیکھ کر بولا۔ تعبیر پلک جھپکائے بغیر اسے دیکھے گئی سامنے بیٹھا فہد وہ فہد تو نہیں لگ رہا تھا، جسے وہ جانتی تھی یہ تو کوئی اور تھا اجنبی سا لیکن دل کے قریب قریب۔

دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا اور ماحول کا سارا فسوں ٹوٹ گیا۔

"ہو گئی صلح تم دونوں میں؟" وہ اپنی جھونک میں اندر آئی۔ فہد نے گہری نظر تعبیر پر ڈالی جو سر جھکائے گود میں رکھے اپنے ہاتھوں کو مسل رہی تھی۔ وہ جانتا تھا اس نے بہت اچانک اپنے دل کی بات کہہ کر اسے پریشان کر دیا ہے لیکن وہ اپنے دل کی بات ابھی کسی پر بھی عیاں نہیں کرنا چاہتا تھا۔ چاہے وہ ثمرین جیسی اس کی بیسٹ فرینڈ ہی کیوں نہ ہو۔

"تعبیر! یہ سوٹ صرف میں نے تمہارے لیے ہی نہیں لیا۔ ثمرین کے لیے بھی ایسا ہی لیا ہے۔ اس لیے فضول مت سوچو اور اگر کل تم یہ سوٹ پہن کر آؤ گی تو مجھے اچھا لگے گا۔"

تعبیر نے جھجکی نظروں کے ساتھ سر ہلایا تھا کیونکہ اب آنکھیں اٹھا کر دیکھنے کا یارا نہیں رہا تھا۔ اسے خود محسوس ہو رہا تھا کہ اس کی آنکھیں اس خوشی کو ظاہر کر دیں گی جو ابھی ابھی اس کے دل نے محسوس کی ہے۔

☼ ☼ ☼

"واؤ! یہ تم ہو تعبیر؟" ثمرین اسے دیکھ کر بے ساختہ بولی، جو فہد کے دیے ہوئے لباس میں صرف ہلکی سی لپ اسٹک اور کانوں میں چھوٹے سے ٹاپس پہننے سے کھل اٹھی تھی۔

"تم بھی بہت اچھی لگ رہی ہو۔"

"واقعی یار! لگنا بھی چاہیے۔ کل سے اپنے چہرے کے ساتھ تجربات کر رہی ہوں۔"

"اچھا چلو اور کتنا آئینہ دیکھو گی؟" تعبیر اس کا ہاتھ کھینچ کر باہر لے آئی۔ پہلا سامنا ہی شاہدہ سے ہوا۔ جیسے ہی ان کی نظر تعبیر پر پڑی چونک گئیں۔ ان کو یوں اپنی طرف گھورتے پا کر تعبیر گھبرا کر غیر ارادی طور پر ثمرین کے پیچھے چھپنے کی کوشش کرنے لگی۔

"امی! ہم فہد کے ساتھ باہر ڈنر پر جا رہے ہیں۔"

"ہم؟" انہوں نے ناگواری سے تعبیر کو دیکھ کر دہرایا۔

"جی میں اور تعبیر۔ ہم دونوں جا رہے ہیں، اللہ حافظ۔" ثمرین کے بات ختم کرتے ہی وہ تیزی سے ثمرین کے پیچھے لپکی۔

فہد باہر گاڑی میں ان کا انتظار کر رہا تھا۔ ثمرین فرنٹ ڈور کھول کر بڑے استحقاق کے ساتھ بیٹھ گئی۔ فہد کو دیکھ کر تعبیر کے چہرے پر جو شرمیلی مسکراہٹ آئی تھی، وہ دھیمی پڑ گئی۔ وہ پچھلا دروازہ کھول کر خاموشی سے بیٹھ گئی۔

ثمرین تو ہمیشہ سے ایسے ہی فہد کے ساتھ بیٹھتی تھی لیکن اس نے کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔ مگر آج اسے بہت محسوس ہوا تھا شاید فہد کی کل کی باتوں کا اثر تھا۔ اس نے باہر کے نظاروں سے نظر ہٹا کر مرر کی طرف دیکھا تو نظریں فہد کی نظروں سے ٹکرا گئیں۔ وہ بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ نظریں ملنے پر وہ مسکرایا تو ایک شرمیلی سی مسکراہٹ خود بخود اس کے ہونٹوں پر آ گئی۔ ثمرین مسلسل فہد سے باتیں کر رہی تھی لیکن فہد کا سارا دھیان پیچھے بیٹھی تعبیر کی طرف تھا۔

میز پر بیٹھتے ہی فہد نے کیک منگوایا۔

"تعبیر۔"

"ہوں!" اس نے چونک کر ثمرین کو دیکھا۔

"کہاں گم ہو؟ کب سے تم سے پوچھ رہی ہوں، کیا منگوائیں؟"

"کوئی بات نہیں۔ تعبیر کا آرڈر میں دے دیتا ہوں۔ مجھے پتا ہے تعبیر کو کیا پسند ہے۔ ویسے تعبیر! آج تم بہت خوب صورت لگ رہی ہو۔" تعبیر نے جھٹکے سے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"ہے نا۔ میں بھی اسے یہی کہہ رہی تھی۔" ثمرین نے مسکراتے ہوئے تعبیر کو دیکھا، جس کے چہرے کا رنگ سرخ پڑ گیا تھا۔

"چلو تالیاں بجانا شروع کرو۔ میں کیک کاٹنے لگا ہوں۔" فہد نے بات بدلتے ہوئے کہا۔

"اچھا تو برتھ ڈے بوائے کتنے سال کا ہو گیا ہے؟" کیک کا ٹکڑا منہ میں رکھتے ہوئے ثمرین نے شرارتی انداز میں فہد کو دیکھا۔

"تم سے دو سال بڑا ہوں۔ لگا لو اندازہ۔" فہد نے بھی اسی کے انداز میں جواب دیا۔

"اچھا!" ثمرین نے افسوس سے سر ہلایا۔ "پھر تو ابھی تم بہت چھوٹے ہو۔"

"نہیں۔۔ شادی کی عمر تو ہو چکی ہے"۔ فہد ہنستے ہوئے بولا۔

واپسی پر وہ دونوں چہک رہے تھے لیکن تعبیر خاموش تھی۔ فہد نے کتنی دفعہ مڑ کر اسے دیکھا لیکن اس نے ایک دفعہ بھی فہد کی طرف نہیں دیکھا۔ حالانکہ وہ جانتی تھی۔ وہ بار بار اسے دیکھ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ کمرے میں داخل ہوئی تو اس کا موبائل فون بج رہا تھا۔ اسکرین پر فہد کا نام دیکھ کر وہ تذبذب کا شکار ہو گئی تھی۔ اگلے لمحے وہ یس کا بٹن دبا چکی تھی۔

"کیا کر رہی تھیں۔"

"ماموں کو چائے دے کر آئی ہوں۔"

"کل تم بہت خوب صورت لگ رہی تھیں۔" وہ اس کے سامنے نہیں تھا لیکن پھر بھی اس کا چہرہ دہک اٹھا تھا۔

"کچھ کہو گی نہیں۔" اس کی خاموشی محسوس کر کے وہ دوبارہ بولا۔

"کیا کہوں؟" وہ دھیمی آواز میں بولی۔

"کچھ بھی جس سے مجھے لگے کہ محبت کے اس سفر میں میں اکیلا نہیں۔"

تعبیر گھبرا کر دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔

"مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا فہد بھائی! وہ گھبرائی ہوئی آواز میں بولی تو فہد نے اپنا سر پیٹ لیا۔

"توبہ ہے لڑکی! تم نے میرے اچھے خاصے رومانٹک موڈ کا بیڑا غرق کر دیا۔ میری نیت دیکھو اور اپنا رشتہ دیکھو۔ بھائی کس کو بولا تم نے؟" اس کی جھنجلاہٹ پر تعبیر کی ہنسی نکل گئی۔

"ہنس لو۔" اس کے چڑ کر کہنے پر تعبیر کی ہنسی اور گہری ہو گئی۔

"اچھا یہ بتاؤ۔ کل واپسی پر تمہارا موڈ آف کیوں تھا؟" تعبیر کو خوشگوار حیرت ہوئی کہ اس نے اس کی خاموشی کا نوٹس لیا تھا۔

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"مجھے بہت عجیب سا لگ رہا تھا۔ اور ثمرین نے آپ کو جو گفٹ دیا۔ وہ بہت قیمتی تھا اور میرا پرفیوم۔"

"ایک منٹ تعبیر!" فہد نے اسے ٹوک دیا۔ "تحفہ دینے والے کی نیت دیکھی جاتی ہے، تحفے کی قیمت نہیں اور ایک بات کلیئر کر دوں تمہارا دیا ہوا تحفہ میری زندگی کا بہترین تحفہ ہے 'بہت قیمتی اور بہت خاص' کیونکہ جس نے مجھے یہ تحفہ دیا ہے۔ وہ میرے لیے دنیا میں سب سے خاص ہے۔ سن رہی ہو نا۔" اس کی خاموشی محسوس کر کے وہ زور سے بولا۔

"جی!" وہ صرف اتنا ہی کہہ سکی۔

"لگتا ہے آج کے لیے اتنا ہی کافی ہے میں نے کچھ اور کہا تو تم بے ہوش ہو جاؤ گی۔"

"بائے۔" اس نے فون بند کر دیا لیکن وہ کتنی دیر تک اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکی۔

☼ ☼ ☼

"او، آو ینگ مین! اتنے دن بعد چکر لگایا۔" تنویر صاحب جو اخبار پڑھ رہے تھے فہد کو دیکھ کر بے ساختہ خوش ہو گئے۔

"بس انکل! تھوڑا مصروف رہا۔ فارغ ہوں نا تو پاپا کی کوشش رہتی ہے۔ مجھے قابو کر لیں کسی بھی طرح۔ ان کا دل کرتا ہے میں اسٹور سنبھال لوں اور میرا مائنڈ اس طرف ہے 'نہیں' پر وہ سمجھتے ہی نہیں۔" آخری بات اس نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہی۔

"بیٹا! تو وہ بھی غلط نہیں نا تم ان کے اکلوتے بیٹے ہو۔ کل کو یہ سب تمہیں ہی سنبھالنا ہے"۔

"لیکن انکل! میں نے بی اے اسٹور چلانے کے لیے تو نہیں کیا نا۔"

"اچھا ٹھیک ہے میں خاور سے بات کروں گا"۔

انہوں نے فہد کے والد کا نام لیا۔

"پہلے چائے پیو گے یا کھانا کھاؤ گے۔ آج ہماری بیٹی نے ہمارے لیے بریانی اور چکن قورمہ بنایا ہے۔"

"کھانا اور ثمرین ؟" فہد نے مصنوعی انداز میں آنکھیں پھیلا کر انہیں دیکھا۔ تنویر صاحب قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔

"برخوردار! تم بھول گئے ہماری دو بیٹیاں ہیں اور اتنا لف کام ہماری چھوٹی بیٹی کرتی ہے۔" "جب ہی تو۔ میں تو حیران رہ گیا تھا انکل! بے چارہ اس کا شوہر۔ مجھے تو ابھی سے اس پر افسوس ہو رہا ہے۔" وہ ثمرین کو دیکھ کر بولا تھا اور اس کے اندازے کے عین مطابق وہ بھڑک کر اب اس کے سامنے کھڑی تھی۔ جب تعبیر باہر آئی۔ وہ دونوں بری طرح لڑنے میں مصروف تھے اور تنویر صاحب ان کی صلح کروانے کے بجائے ہنس رہے تھے۔

"اس لیے مجھے تعبیر اچھی لگتی ہے۔ تمہاری طرح لڑاکا نہیں ہے۔" اسے آتے دیکھ کر فہد نے ثمرین کو مزید چڑایا۔ اس نے گھبرا کر پہلے تنویر صاحب کو اور پھر ثمرین کو دیکھا لیکن کسی نے دھیان نہیں دیا تھا۔ بہت چاہنے کے باوجود وہ ثمرین کو اب تک نہیں بتا سکی تھی، فہد نے منع کیا تھا۔

وہ ان دونوں کو دیکھ رہی تھی جو اب لڑنے کے بجائے کسی بات پر ہنس رہے تھے۔

"اب آگے تم دونوں نے کیا کرنا ہے؟"

"پاپا! میں تو تھک گئی ہوں پڑھ پڑھ کے۔ اب مجھ سے پڑھا نہیں جاتا۔"

"تم تو شروع سے ہی پڑھائی کی چور ہو۔" فہد فوراً بولا۔

"تم اپنی چونچ بند رکھو۔"

"ثمرین! ایسے بات کرتے ہیں؟" شاہدہ نے ثمرین کو تنبیہی انداز میں گھورا۔

"اور تعبیر تم ؟" تنویر صاحب کے پوچھنے پر وہ خاموشی سے ان کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"پاپا! صاف بات ہے۔ اس نے ایف ایس سی میں اتنے شاندار نمبر لیے ہیں۔ یقیناً" میڈیکل میں جانا چاہے گی۔"

اس کی مشکل ثمرین نے آسان کر دی تھی۔ تنویر صاحب نے سوالیہ نظروں سے تعبیر کی طرف دیکھا جس نے سر ہلا کر ثمرین کی تائید کی تھی۔ تنویر صاحب نے

مسکرا کر سر ہلا دیا۔ جبکہ شاہدہ نے قہر بھری نظروں سے تعبیر کی طرف دیکھا لیکن وہ اس وقت ان کی نظروں کی تپش سے بے نیاز فہد کی سنگت میں سب بھلائے بیٹھی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ وضو کر کے باتھ روم سے باہر آئے تو شاہدہ بیگم ان کا موبائل ہاتھ میں لیے ان کی منتظر تھیں۔

"کسی فیاض صاحب کا فون ہے۔"

انہوں نے سر ہلا کر فون تھام لیا۔ وہ جتنی دیر بات کرتے رہے شاہدہ بیڈ شیٹ ٹھیک کرنے کے بہانے وہیں رکی رہیں۔ جوں ہی انہوں نے فون بند کیا۔ شاہدہ بیگم سیدھی کھڑی ہو کر ان کو دیکھنے لگیں۔

"کون تھے یہ فیاض صاحب؟"

"میرے کولیگ ہیں۔"

"آپ ان سے سات لاکھ کی کیا بات کر رہے تھے؟"

"میں نے اس سے سات لاکھ قرض بطور قرض مانگے ہیں۔"

"کیوں ؟" شاہدہ نے حیرت سے پوچھا۔ تنویر صاحب اب صوفے پر بیٹھ گئے تھے۔

"تمہیں تو پتا ہے ریٹائرمنٹ کے بعد مجھے جتنی رقم ملی وہ میں نے ڈپازٹ کروا دی تھی اور ڈپازٹ کو میں ابھی نہیں تڑوا سکتا تو اس لیے فیاض سے قرض لیا ہے۔"

"لیکن آخر آپ کو اتنی رقم کی کیا ضرورت پڑ گئی۔"

"بھئی، تعبیر کا میڈیکل میں ایڈمیشن ہو رہا ہے اور ایڈمیشن کے لیے ہزاروں نہیں لاکھوں چاہئیں۔"

کتنی دیر تک وہ بول ہی نہیں سکیں۔

"تنویر صاحب! آپ اپنے حواسوں میں تو ہیں۔ کیا آپ کی زندگی میں تعبیر کے علاوہ کوئی رشتہ ہے؟ سب کچھ اسی پر لٹا دیں گے۔ اپنی بیٹی کے لیے کیا سوچا ہے آپ نے۔ کل کو اس کی شادی نہیں کرنی؟"

"جب ثمرین کا وقت آئے گا تب اس کے لیے بھی ہو جائے گا۔"

"کیسے ؟" وہ کمر پر ہاتھ رکھ کر بولیں "ہوائی باتیں کرنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ جس طرح آپ لٹا رہے ہیں اس پر، مجھے پتا ہے ایک وقت آئے گا میں اور میری بیٹی سڑک پر ہوں گے۔" ان کی آواز غصے کے مارے پھٹ سی گئی تھی۔

"آواز نیچی کر کے بات کرو۔ میں کسی پر کچھ نہیں لٹا رہا۔ مجھ پر تعبیر کا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا ثمرین کا۔ تعبیر پر خرچ کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ میں تمہیں یا ثمرین کو اگنور کر رہا ہوں۔ کیا میں نے کبھی تم دونوں کی حق تلفی کی۔ اگر میں تعبیر کی پڑھائی پر کچھ خرچ کرتا ہوں تو میرا فرض ہے کیونکہ میں نے اس کی کفالت کی ذمہ داری لی ہے اور آگے اس کی شادی کی ذمہ داری بھی میری ہے اور میں اپنی ذمہ داری سے بالکل منہ نہیں موڑ سکتا۔ نہ مجھے کوئی مجبور کر سکتا ہے، نہ روک سکتا ہے۔"

یہ کہہ کر انہوں نے نماز کی نیت باندھ لی۔

"جو آپ کا دل کرتا ہے کریں۔ میں چلی جاتی ہوں اپنی بیٹی کو لے کر کسی اولڈ ہوم میں۔ رکھیں اپنی بہن کی نشانی کو اپنے پاس۔"

شاہدہ زور زور سے چیخ رہی تھیں۔ جبکہ تنویر صاحب کی آواز اب نہیں آ رہی تھی۔ باہر چائے کی پیالی لیے کھڑی تعبیر کے ساکت وجود میں حرکت ہوئی۔ وہ بڑی مشکل سے اپنے کمرے میں آئی۔ یہ بھی اچھا تھا کہ ثمرین سو چکی تھی ورنہ اسے یوں دیکھ کر وہ ضرور سوال کرتی اور اس وقت وہ کچھ بھی کہنے کے قابل نہیں تھی۔ وہ خاموشی سے لیٹ گئی اسی وقت اس کے تکیے کے نیچے رکھا اس کا فون وائبریٹ کرنے لگا۔

اس کے اندازے کے مطابق فہد کی کال تھی مگر اس وقت وہ اتنی پریشان تھی کہ کسی سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس نے آنکھوں کو زور سے بند کر لیا تھا۔

☼ ☼ ☼

صبح اس کی آنکھ معمول سے لیٹ کھلی تھی۔ جب

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

وہ باہر آئی تو ثمرین چائے کا کپ ہاتھ میں لیے مارننگ شو دیکھ رہی تھی۔ جبکہ ممانی لاؤنج میں رکھے تخت پر بیٹھی سبزی کاٹ رہی تھیں۔

"پہلی دفعہ تم چڑیوں کے بعد اٹھی ہو۔ ناشتا کروگی؟"

"نہیں میں خود بنالوں گی۔" ثمرین کو اٹھتے دیکھ کر اس نے روکا۔

اس نے دزدیدہ نظروں سے ممانی کی طرف دیکھا۔ دور سے ہی ان کے ماتھے کے بل واضح ہو رہے تھے۔ وہ دل کڑا کر ان کے پاس گئی۔

"لائیں ممانی! میں کاٹ دیتی ہوں۔"

پالک کاٹتا ان کا ہاتھ رک گیا۔ انہوں نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا۔

"میرے ہاتھ سلامت ہیں۔ تمہیں نظر نہیں آرہا کیا؟ اور یہ ایفیشنسی اپنے ماموں کو دکھاؤ۔ جن سے تمہیں مطلب ہے۔" تعبیر کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ ثمرین ناراضی سے بولی۔

"ایسا کیا کہا ہے ممی! اس نے جو آپ یوں ہی ہو کر رہی ہیں۔"

"ثمرین! میں نے کتنی بار تم سے کہا ہے' میری بات میں مداخلت مت کیا کرو۔" اب کے وہ ثمرین سے بھی غصے سے بولیں۔

"جاؤ تعبیر! تم جا کر ناشتا کرو۔" تعبیر آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو پلکیں جھپک کر پیچھے دھکیلتی تیزی سے کچن کی طرف بڑھی۔

وہ چھری ٹوکری میں پٹخ کر اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ ثمرین نہ سمجھنے والے انداز میں بند دروازے کو دیکھنے لگی۔ پھر سر جھٹک کر کھڑی ہو گئی۔ اس کا رخ کچن کی طرف تھا لیکن باہر ڈور بیل کی آواز سن کر وہ باہر کی طرف بڑھ گئی۔ جہاں فہد کے ساتھ تنویر صاحب کھڑے تھے۔

"پاپا! آپ صبح صبح کہاں چلے گئے تھے؟"

"فہد کے ساتھ بینک گیا تھا۔"

"تم اتنی صبح کیسے اٹھ گئے؟"

"انکل کا حکم کیسے ٹال سکتا تھا؟"

"ہوں۔ آئے بڑے انکل کے فرماں بردار۔"

"نہیں ثمرین! فہد واقعی میرے بیٹوں سے بڑھ کر ہے۔" انہوں نے پیار سے فہد کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

ثمرین کی نظریں فہد کے چہرے پر ٹھہر گئیں۔ اس کے یوں غور سے دیکھنے پر فہد نے ابرو اچکا کر استفسار کیا۔ جواباً وہ سر ہلا کر مسکرا دی۔

"تعبیر!" انہوں نے اونچی آواز میں اسے پکارا۔

"جی ماموں!" وہ کچن سے نکل کر آئی۔ اس نے ایک نظر فہد کو دیکھا جو بہت غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ تنویر صاحب کے قریب آکر بیٹھ گئی۔

"میں آج میڈیکل کالج گیا وہاں۔۔۔" وہ ان کی بات کاٹ کر بول پڑی۔

"ماموں! مجھے میڈیکل میں ایڈمیشن نہیں لینا۔"

اس نے جیسے دھماکا کیا وہاں موجود تینوں افراد حیرت کے مارے کچھ دیر کے لیے بول ہی نہیں سکے۔

"وجہ پوچھ سکتے ہیں؟" سب سے پہلے فہد نے سوال کیا تھا۔

"بس اب میرا دل نہیں کرتا پڑھنے کو۔"

"تم پاگل تو نہیں ہو گئیں؟" ثمرین نے غصے سے اسے دیکھا۔

"کسی نے تم سے کچھ کہا ہے؟" تنویر صاحب نے اسے ساتھ لگاتے ہوئے اس کا چہرہ اونچا کر کے سوال کیا۔

"نہیں ماموں! مجھے کسی نے کچھ نہیں کہا۔ بس مجھے لگتا ہے میں اتنی ٹف اسٹڈی نہیں کر سکتی۔"

"ڈاکٹر بننا تمہاری بہت بڑی خواہش تھی۔"

"جی ماموں!" وہ سر جھکائے بس یہی بول سکی۔

"تعبیر! مجھے وجہ بتاؤ۔" تنویر صاحب بے انتہا سنجیدگی سے اس کا جائزہ لے رہے تھے۔

"ماموں! میں سچ کہہ رہی ہوں۔ مجھ سے اتنی اسٹڈی نہیں ہو گی۔ میں نہیں کر سکتی۔" اس کی آنکھوں سے اب آنسو نکل آئے۔ ثمرین اور فہد نے بے ساختہ ایک دوسرے کو دیکھا۔

"تم جانتی ہو نا تعبیر! تمہاری ماں کی بھی یہ خواہش تھی بلکہ آخری خواہش تھی۔" انہوں نے اسے قائل کرنے کی آخری کوشش کی تھی۔

ماموں پلیز! آپ کو میری قسم۔ آپ مجھے فورس نہیں کریں گے۔" اس نے دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا لیا۔ اس کو یوں روتے دیکھ کر وہ تینوں پریشان ہو گئے تھے۔

"ٹھیک ہے بیٹا! جیسے تمہاری مرضی۔" تنویر صاحب اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو گئے۔

"ماموں جی!" اس نے ایک دم روتے ہوئے ان کا ہاتھ تھاما "آپ پلیز مجھ سے ناراض نہ ہوں۔ میں آپ کی ناراضی برداشت نہیں کر سکتی۔"

"نہیں بیٹا! میں تم سے ناراض نہیں اور نہ کبھی ہو سکتا ہوں۔ بس تم روؤ نہیں تمہارا رونا مجھے تکلیف دیتا ہے ان کی آواز نم ہوئی تو تعبیر نے بے ساختہ اپنے آنسو صاف کیے تھے۔

باپ کو یوں دکھی دیکھ کر ثمرین رونے لگی۔

"ثمرین!" تنویر صاحب تیزی سے اس کی طرف بڑھے تھے۔ "پاگل ہو تم دونوں۔ ایک کو چپ کرواتا ہوں۔ دوسری رونے لگتی ہے۔ میں تم دونوں کی آنکھ میں آنسو نہیں دیکھ سکتا۔" وہ ثمرین کو ساتھ لگائے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ ان کے جاتے ہی فہد نے سامنے سر جھکائے بیٹھی تعبیر کو دیکھا۔

"تعبیر!" فہد کے پکارنے پر اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اس کی آنکھیں یکایک پھر پانی سے بھر گئیں۔ وہ تیزی سے اٹھی اور بھاگتے ہوئے باہر نکل گئی۔

فہد پریشان ہو کر اس کے پیچھے گیا۔ وہ برآمدے کے پیچھے ہی سیڑھیوں پر سر گھٹنوں میں دیے بیٹھی تھی۔ فہد اس سے دو سیڑھیوں کے فاصلے پر کھڑا ہو گیا۔ اس کا ہلکے ہلکے لرزتا ہوا وجود بتا رہا تھا کہ وہ رو رہی ہے۔

فہد گہرا سانس لے کر اس کے قریب بیٹھ گیا اور زبردستی اس کا چہرہ اونچا کیا اور اس کا چہرہ دیکھ کر وہ کافی پریشان ہو گیا تھا۔ اس کا چہرہ بے تحاشا سرخ ہو رہا تھا اور وہ ہچکیوں کے ساتھ رو رہی تھی۔

"ایسے کیوں رو رہی ہو۔ مجھے بتاؤ' ہوا کیا ہے۔ کیوں تم نے منع کیا ایڈمشن سے؟" وہ بتانے کے بجائے مسلسل سر نفی میں ہلا رہی تھی۔

"اگر تم اس طرح روتی رہیں تو میں اٹھ کر چلا جاؤں گا۔" تعبیر نے ایک دم اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ اور بڑی مشکلوں سے ہچکیوں کے ساتھ اسے کل تنویر صاحب اور شاہدہ کے درمیان ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتایا۔ اس کی بات سن کر فہد کتنی دیر تک پُرسوچ انداز میں سامنے دیکھتا رہا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا' خالہ کو تم سے کیا پرابلم ہے۔" فہد نے تو یہ بات آج کہی تھی' وہ تو بچپن سے یہی سوچتی آرہی تھی۔

"لیکن بے وقوف تم خود ہو۔ خالہ نے ایسا کہا تھا۔ انکل نے تو ایگری نہیں کیا' تمہاری ساری اسٹڈی کا خرچ انکل نے اٹھانا تھا خالہ نے نہیں اور ابھی بھی وقت ہے یہ موقع نہ گنواؤ۔"

"نہیں فہد اگر میں ایسا کرتی ہوں تو ممانی کے دل میں میرے لیے نفرت اور بڑھ جائے گی اور ماموں جو کر رہے ہیں وہ ان کے لیے بھی تو آسان نہیں۔ انہوں نے قرض لیا ہے اور میں نہیں چاہتی۔ میری وجہ سے وہ کسی کے مقروض ہوں اور میری وجہ سے ثمرین کی کوئی خوشی ادھوری رہ جائے۔ ڈاکٹر بننا میری خواہش تھی۔ میری امی کی آخری خواہش تھی لیکن ضروری تو نہیں زندگی میں آپ کی ہر خواہش پوری ہو جائے۔"

"تم ایسا مت سوچو کہ ہر خواہش پوری نہیں ہوتی۔ میں ہوں نا میں تمہاری ہر خواہش پوری کروں گا۔" تعبیر خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"میں ابھی تم سے شادی کی بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ایک تو مجھے پتا تھا کہ تمہاری خواہش کیا ہے اور اس خواہش کی تکمیل تک میں تمہیں ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ دوسرا میں ابھی خود بے کار ہوں۔ اپنے پیرنٹس پر ڈپینڈ کرتا ہوں لیکن اب کچھ کرنا پڑے گا۔ پہلے تو یہ کہ اپنی جاب کا کچھ کرتا ہوں پھر ممی سے بات کرتا ہوں۔"

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"کیا آنٹی مان جائیں گی؟" فہد کے سارے پلان سننے کے بعد اس نے سوال کیا۔ ایک پل کے لیے فہد لاجواب ہوا تھا۔

"تھوڑا مسئلہ ہو سکتا ہے۔ امی تو شاید مان جائیں مگر خالہ کوئی نہ کوئی مسئلہ کری ایٹ کر سکتی ہیں۔" فہد کا تو پتا نہیں لیکن وہ مکمل طور پر مایوس ہو چکی تھی۔

"کیا میں ثمرین کو بتا دوں؟"

"پاگل ہو گئی ہو۔" فہد نے ایک دم اسے ٹوک دیا تھا۔

"پتا ہے کہ جب بعد میں اسے پتا چلے گا تو وہ بہت ناراض ہو گی اور میں ثمرین کو ناراض نہیں کرنا چاہتی۔"

"ثمرین مجھ سے بھی اتنی کلوز ہے جتنے تمہارے۔ شاید تم سے بھی زیادہ۔ لیکن میں اس کی عادت بھی جانتا ہوں۔ وہ پیٹ کی کتنی ہلکی ہے۔ وہ تو بنی بنائی بات خراب کر دے گی۔"

"لیکن آپ جانتے ہیں۔ ہماری سب سے زیادہ مدد بھی وہی کر سکتی ہے۔"

"ہوں!" اب کے فہد پر سوچ انداز میں بولا تھا۔ "ٹھیک ہے سوچتے ہیں کچھ فی الحال تم چپ رہو۔" وہ جینز جھاڑتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

"اب تم بالکل بھی نہیں رونا۔ تم نے یہ فیصلہ جس وجہ سے بھی کیا ہے۔ تمہارا اپنا فیصلہ ہے۔ اس لیے اب اس پر رونے کی وجہ نہیں بنتی۔ اپنا موڈ رات تک ٹھیک کر لینا۔ فون کروں گا۔ اٹینڈ کر لینا۔"

وہ کہہ کر چلا گیا تھا جبکہ وہ کتنی دیر ویسے ہی بیٹھی رہی۔ اس نے اپنا سارا دکھ اپنے دل کی بات اسے بتا دی اور وہ سرسری انداز میں تسلی دے کر چلا گیا۔ اس کا کتنا بڑا نقصان ہو گیا لیکن اس کو اس کا موڈ رات تک ٹھیک چاہیے تھا کیونکہ وہ اس کی وجہ سے اپنا موڈ خراب نہیں کرنا چاہتا تھا۔

☆ ☆ ☆

وقت رکتا نہیں کٹ ہی جاتا ہے۔ کسی نے اس سے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ اس نے بی ایس سی میں ایڈمیشن لے لیا تھا۔ شروع شروع میں اسے بہت مشکل لگتا تھا۔ میڈیکل کی لڑکیوں کو دیکھتی تو ایک ہوک سی دل میں اٹھتی تھی لیکن پھر صبر آجاتا۔ زندگی میں ایک امید تھی۔ اچھی امید اور وہ تھی فہد کی صورت اسے اب انتظار تھا اس گھڑی کا جب وہ دلہن بن کر فہد کے گھر جائے گی جو اس کا اپنا گھر ہو گا۔ اس کا اپنا لیکن شاید اس کی آزمائش ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔ فہد کو ان دو سالوں میں جاب تو نہیں ملی تھی لیکن آسٹریلیا کا ویزا لگ گیا تھا۔

وہ آسٹریلیا جا رہا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ ثمرین کو بھی غصہ تھا۔ اس کی اب تک فہد سے ملاقات نہیں ہوئی تھی لیکن ثمرین تو جا کر باقاعدہ اس سے لڑ آئی تھی۔ وہ اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا تھا تو ان کا بھی بہت چہیتا تھا کوئی نہیں چاہتا تھا۔ وہ جائے لیکن وہ جانے پر بضد تھا۔

وہ تینوں بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے تھے جب شاہدہ بیگم لاؤنج میں داخل ہوئیں۔

"بیگم! اس وقت کہاں کی تیاری ہے؟" رات کے سات بجے انہیں تیار دیکھ کر وہ حیران ہوئے تھے۔

"آپا کی طرف جا رہی ہوں۔ خاور بھائی کا فون تھا آپا کی طبیعت ٹھیک نہیں۔"

"کیوں کیا ہوا انہیں؟" وہ پریشانی سے بولے۔

"بی پی کافی ہائی ہو گیا ہے ان کا۔ اور یہ سب اس نالائق فہد کی وجہ سے ہے۔ جانتا ہے ماں کی جان ہے اس کے اندر پھر بھی ستاتا ہے۔ ایک ہی ضد پکڑے بیٹھا ہے۔ آسٹریلیا جانا ہے۔"

تعبیر نے ٹی وی سے نظریں ہٹا کر ثمرین کا چہرہ دیکھا جس کے ہر وقت مسکراتے چہرے پر غصہ چھایا تھا اور یہ آج سے نہیں جب سے اسے پتا چلا تھا کہ فہد آسٹریلیا جا رہا ہے برا تو اسے بھی لگا تھا لیکن وہ اظہار نہیں کر سکتی تھی جبکہ ثمرین پر ایسی کوئی پابندی نہیں تھی۔

"چلو بیگم! میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔"

تنویر صاحب بھی کھڑے ہو گئے۔

"میں بھی چلتی ہوں۔" ثمرین بھی کھڑی ہو گئی۔

"تم چلو گی؟" ثمرین نے تعبیر سے پوچھا۔ اس نے ایک نظر شاہدہ بیگم کو دیکھ کر سر نفی میں ہلا دیا۔

وہ جانتی تھی وہ فہد کو دیکھ کر کمزور پڑ جائے گی اور وہ کسی کو بھی خود پر انگلی اٹھانے کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔ ثمرین کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن تنویر صاحب نے اسے ٹوک دیا تھا۔

"ٹھیک ہے، تعبیر کو گھر رہنے دو اور بیٹا! تم دروازہ اچھی طرح بند کر لو ہم تھوڑی دیر میں آجاتے ہیں۔"

ان کے جانے کے بعد وہ دوبارہ ٹی وی کے آگے آکر بیٹھ گئی۔ وہ دیکھ تو اسکرین کی طرف رہی تھی لیکن ذہنی طور پر وہاں موجود نہیں تھی۔

ڈور بیل پر وہ چونک کر سیدھی ہوئی۔ اس کی نظر گھڑی کی طرف اٹھی۔ ابھی تو ماموں وغیرہ کو گئے پانچ منٹ ہی ہوئے تھے۔ وہ حیران ہوتی ہوئی دروازے تک آئی تھی۔

"کون؟"

"فہد!" وہ ایک پل کے لیے حیران ہوئی پھر دروازہ کھول دیا۔

"سب آپ کی طرف گئے ہیں۔"

"جانتا ہوں اسی لیے آیا ہوں۔" وہ اندر آگیا۔

"کیا پرابلم ہے تمہارے ساتھ تعبیر! کیوں اتنے دن سے مجھ سے بات نہیں کر رہیں؟" وہ ایک دم بھڑک کر بولا اور کتنے دن کا اس کا ضبط ٹوٹ گیا۔ فہد نے گہرا سانس لیا۔

"آخر تم سب لوگوں کے ساتھ مسئلہ کیا ہے۔ گھر میں بھی ہر وقت یہی رونا دھونا مچا رہتا ہے اور اب یہاں آیا ہوں تو تم شروع ہو گئی ہو۔ میں آسٹریلیا جا رہا ہوں جنگ پر نہیں ساری دنیا کے لوگ جاتے ہیں۔ ایسا تو نہیں کیا جاتا۔" اب کے وہ جھنجلا کر وہیں صوفے پر بیٹھ گیا۔

"آپ نہ جائیں پلیز۔" وہ اس کے سامنے صوفے پر بیٹھ گئی۔

"میں تمہارے پاس آیا تھا تعبیر! کہ تم۔ تو مجھے سمجھو گی میں یہ سب تمہارے لیے کر رہا ہوں کیونکہ مجھے پتا ہے کہ جب بھی میں تمہارا نام لوں گا ایک طوفان ضرور آئے گا۔ خالہ کو جو پرابلم تمہارے ساتھ ہے۔ سب کو پتا ہے اور میری امی کا دنیا میں ایک ہی رشتہ ہے بہن کا۔ وہ کبھی ان کے اگینسٹ نہیں جا سکتیں اور پاپا ان کے اگینسٹ نہیں جا سکتے۔ صورت حال تمہارے سامنے ہے۔ دو سال سے مجھے اچھی ملازمت نہیں مل رہی اگر میں مالی طور پر مضبوط نہ ہوا تو مشکل کس کو ہو گی مجھے اور تمہیں۔"

اس کی تفصیل پر بھی اس کے آنسوؤں کی روانی میں کمی نہیں آئی تھی۔

"تم نہیں چاہتیں کہ میں جاؤں؟" اس نے سر نفی میں ہلایا۔

"یعنی جو میں اتنی دیر سے بکواس کر رہا ہوں۔ وہ تمہاری سمجھ میں نہیں آئی۔"

اس نے دوبارہ سر جھکا لیا۔

"دیکھو میرا جانا ضروری ہے اگر تمہیں یہ ڈر ہے کہ وہاں جا کر میں کسی حسینہ کی زلفوں کا اسیر نہ ہو جاؤں تو یہ ڈر اپنے دل سے نکال دو۔ کیونکہ میں تمہارا اسیر ہوں، تمہارے لیے جا رہا ہوں اور تمہارے لیے آؤں گا۔"

تعبیر نے دوبارہ اس کا چہرہ دیکھا لیکن اب کی بار اس کی آنکھوں میں آنسو نہیں آئے تھے۔ وہ کھڑا ہو گیا تھا۔

"چلتا ہوں اور اب میں تمہیں روتا نہ دیکھوں میرا انتظار کرنا۔" وہ اس کے قریب آکر بولا۔ اس سے پہلے وہ اس کی طرف دیکھتی یا کچھ کہتی، وہ چلا گیا۔

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

"لگتا ہے کچھ خاص بات ہے۔"

"یہ آپ کو کیوں لگا؟" شاہدہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"بھئی آج خاص خاطر تواضع کی جا رہی ہے۔ اوپر

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

سے ہماری بیگم مسلسل مسکرا بھی رہی ہیں۔ تنویر صاحب نے چائے کے ساتھ اپنی پسند کا گاجر کا حلوہ دیکھ کر کہا۔"

شاہدہ کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

"کیونکہ آج میں بہت خوش ہوں۔ اتنی خوش کہ میری خوشی مجھ سے کنٹرول نہیں ہو رہی۔"

"اب تو میرا تجسس اور بڑھ گیا ہے بیگم! جلدی بتائیں۔"

"آپ کو پتا ہے نا آج میں آپا کی طرف گئی تھی۔"

"ہاں تو یہ کون سی نئی بات ہے وہ تو تم روز جاتی ہو۔"

"اچھا پوری بات تو سن لیں۔" وہ جتنا جوش میں بول رہی تھیں ان کے ٹوکنے پر بدمزہ ہو کر رہ گئیں۔

"اچھا بولو۔" انہوں نے مسکرا کر چائے کی پیالی ہونٹوں سے لگالی۔

"آپا نے فہد کے لیے ہماری ثمرین کا رشتہ مانگا ہے۔" وہ جگمگاتے چہرے کے ساتھ انہیں دیکھنے لگیں۔

"کیا ہوا آپ کو خوشی نہیں ہوئی؟" انہیں سنجیدہ دیکھ کر ان کی مسکراہٹ پھیکی پڑگئی۔

"نہیں۔۔۔ مجھے بہت اچھا لگا۔ فہد مجھے بھی بہت پسند ہے لیکن کیا تم نے ثمرین سے پوچھا؟"

"پوچھا تو نہیں لیکن مجھے پتا ہے کہ اسے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

تنویر صاحب نے سر نفی میں ہلایا۔ "کوئی بھی فیصلہ لینے سے پہلے ثمرین کی رضامندی لے لینا۔"

"مجھے پتا تھا۔ آپ یہی کہیں گے۔ اسی لیے میں نے اسے بلوایا ہے۔ آپ خود اس سے۔" دستک پر ان کی بات ادھوری رہ گئی تھی۔

ثمرین اندر آکر تنویر صاحب کے قریب بیٹھ گئی۔

"میں نے ایک بہت ضروری بات کرنے کے لیے تمہیں بلایا ہے۔"

"جی!" وہ حلوہ لے کر کھانے لگی۔

"تمہارا ایک رشتہ آیا ہے۔"

حلوہ کھاتا اس کا ہاتھ رک گیا تھا اس نے چور نظروں سے ساتھ بیٹھے اپنے باپ کو دیکھا۔

"ممی! میں نے آپ سے کہا تھا نا کہ مجھ سے ابھی شادی کی بات نہ کریں۔ پاپا! آپ کیوں نہیں امی کو سمجھاتے۔" اس کا موڈ ایک دم آف ہو گیا۔

"لیکن بیٹا! اگر رشتہ اچھا ہے تو پھر حرج کیا ہے آخر کل نہیں تو پرسوں شادی کرنی تو ہے نا۔ بیٹیاں جتنی جلدی اپنے گھر کی ہو جائیں اتنا ہی اچھا ہے۔"

"تو پاپا! آپ کی ایک بیٹی اور بھی تو ہے۔ آپ تعبیر کے بارے میں کیوں نہیں سوچتے؟" شاہدہ نے ناگواری سے اپنی بیٹی کو دیکھا جو پھر تعبیر کو بیچ میں لے آئی۔

"اچھا بس بحث بعد میں کر لینا پہلے سن تو لو کون ہے۔" وہ ناراضی سے انہیں دیکھنے لگی۔

"فہد۔ آپا نے فہد کے لیے تمہیں مانگا ہے۔" وہ ان کی طرف ایسے دیکھنے لگی جیسے اسے سننے میں غلطی ہوئی ہو۔ اس کی مسلسل خاموشی پر تنویر صاحب بولے۔

"شاہدہ! اس معاملے میں میں زبردستی کا قائل نہیں۔ ضروری نہیں فہد ہمیں پسند ہے تو ثمرین کو بھی پسند ہو۔ تم آپا سے معذرت کر لو۔"

"نہیں پاپا!" وہ بے ساختہ بولی تو ان دونوں نے ایک ساتھ اسے دیکھا۔ وہ اپنی بے ساختگی پر شرمندہ ہو کر سر جھکا گئی۔ "میرا مطلب ہے پاپا! اگر آپ کو پسند ہے تو ٹھیک ہے۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" تنویر صاحب نے مسکرا کر شاہدہ کو دیکھا جن کا چہرہ کھل اٹھا تھا۔

"نہیں اتنی جلدی نہیں تم سوچ لو۔" تنویر صاحب نے مصنوعی سنجیدگی سے کہا تو وہ جلدی سے بولی۔

"نہیں پاپا! میں نے سوچ لیا ہے جو آپ کی مرضی۔"

"یہ بات تعبیر سے مت کرنا۔"

"لیکن امی کیوں؟" وہ الجھ کر انہیں دیکھنے لگی۔ کیونکہ وہ یہ بات تعبیر کو ہی بتانے جا رہی تھی۔

"مجھے پتا ہے وہ تمہاری دوست ہے۔ تم اس سے ہر بات شیئر کرتی ہو لیکن جب تک باقاعدہ رشتہ طے

نہیں ہو جاتا کسی سے بات کرنے کی ضرورت نہیں۔ نظر لگ جاتی ہے۔ سمجھ رہی ہو نا؟"

اسے تعبیر کا پتا تھا کہ اس کی عادت حسد کرنے والی نہیں۔ لیکن پھر بھی اس نے اپنی ماں کی بات مان لی تھی کیونکہ وہ کوئی رسک نہیں لینا چاہتی تھی۔ اس کے اس خواب کی تکمیل ہونے جا رہی تھی جس کو بچپن سے دیکھتے دیکھتے وہ جوان ہوئی تھی۔ وہ فہد کو کھونا نہیں چاہتی تھی۔ کسی بھی قیمت پر نہیں۔

☼ ☼ ☼

گاڑی میں مکمل خاموشی تھی۔ تینوں افراد ایک دوسرے کے بارے میں سوچ رہے تھے اور تینوں ہی ایک دوسرے سے چھپا رہے تھے۔

"اب تم دونوں اپنے منہ کے زاویے ٹھیک کرو میں روز فون کروں گا اور بہت جلد واپس آؤں گا۔" وہ تعبیر کو دیکھ کر بولا تھا۔

اناؤنسمنٹ پر اس نے غور سے تعبیر کا چہرہ دیکھا جو ضبط کے مارے سرخ ہو رہا تھا۔ وہ خود بھی کافی اداس تھا۔ پہلی بار اپنے ماں باپ کو چھوڑ کر جا رہا تھا۔

"اوکے!" وہ خود پر ضبط کرتا ہوا ان دونوں کی طرف دیکھے بغیر پلٹا تھا۔

"فہد!" ثمرین بے اختیار اس کے پیچھے گئی۔

"تھینکس۔"

"کیوں؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"تمہارے اظہار کا یہ طریقہ مجھے بہت پسند آیا۔"

"کیا بات کر رہی ہو ثمرین! کون سا طریقہ؟" وہ الجھا

"وہی جو خالہ نے امی سے کہا ہے۔" اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھلی تھی۔ ایک بار پھر اناؤنسمنٹ ہوئی تو اس نے سر جھٹکا۔

"میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ تم کیا کہہ رہی ہو۔ میں کال کروں گا تو بتانا۔"

وہ مڑ گیا۔ جبکہ دور کھڑی تعبیر کی آنکھوں کے سامنے پانی کی تہہ چھا گئی تھی۔ سارا منظر دھندلا گیا تھا۔ وہ آنکھیں صاف کرتے ہوئے آگے بڑھی اور بڑی زور سے کسی سے ٹکرائی تھی۔ اتنی چوٹ نہیں لگی تھی لیکن اسے رونے کا بہانہ مل گیا تھا۔

"ارے!" ٹکرانے والا شخص پریشان ہو گیا۔

"ایکسکیوزمی پلیز! دیکھیں مجھے بتائیں۔ کیا آپ کو زیادہ چوٹ لگی ہے۔" وہ اس کے یوں رونے سے گھبرا کر جھک کر اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔ لیکن وہ اسے سن نہیں رہی تھی۔ بس روئے جا رہی تھی۔

"او مائے گاڈ تعبیر! تمہیں کیا ہوا؟" تب ہی ثمرین تقریباً بھاگتے ہوئے اس کے پاس آئی تھی۔

"آئی ڈونٹ نو! یہ مجھ سے ٹکرائی تھیں۔ آئی تھنک! چوٹ زیادہ لگی ہے۔" ثمرین نے پاس کھڑے شخص کو دیکھا۔

"اٹھو تعبیر شاباش۔" ثمرین نے اسے پچکارتے ہوئے زبردستی کھڑا کرنے کی کوشش کی جو زمین پر دو زانو بیٹھی رو رہی تھی۔

"مجھے لگتا ہے چوٹ زیادہ لگی ہے۔ آپ نے جہاں جانا ہے میں آپ کو چھوڑ دوں۔" وہ تعبیر کی طرف دیکھتا ہوا ثمرین سے بولا۔

"نو تھینک یو۔ گاڑی ہے ہمارے پاس۔"

"پھر بھی آپ ان سے پوچھ لیں یہ ٹھیک ہیں؟" اب کے ثمرین نے غصے سے تعبیر کو دیکھا۔

"تعبیر اٹھو! کیوں بچوں کی طرح بی ہیو کر رہی ہو۔ سب دیکھ رہے ہیں۔"

ثمرین نے جھک کر دانت پیستے ہوئے اس کے کان کے پاس سرگوشی کی تھی تو تعبیر نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ صاف کر کے ثمرین کو دیکھا اور سامنے کھڑے شخص پر نظر ڈالے بغیر مڑ گئی۔ اس کے یوں چلے جانے پر اجنبی نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ثمرین اس شخص کا شکریہ ادا کر کے تیزی سے اس کے پیچھے لپکی۔

"کیا تمہیں زیادہ چوٹ آئی ہے؟" گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے ثمرین نے اس کا ستا ہوا چہرہ دیکھ کر پوچھا۔

"نہیں بس اس وقت ذرا سا درد ہوا تھا۔"

"ذرا سے درد پر یوں بچوں کی طرح بی ہیو کرتے ہیں

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

۔ تعبیر اپنا ہے۔ وہ اس آدمی کے سامنے مجھے کتنی ایمبیرسمنٹ فیل ہوئی تھی۔"

تعبیر نے سر جھکا لیا "سوری۔"

☆ ☆ ☆

"غیر ذمہ داری کی بھی کوئی حد ہوتی ہے جمیلہ! ان لوگوں کو لانے سے پہلے کم از کم تم مجھے فون تو کر سکتی تھیں؟" شاہدہ نے غصے اور ناراضی سے رشتہ کروانے والی کو دیکھا۔

"کمال کرتی ہو باجی! تم نے فون پر فون کر کے میری جان عذاب میں ڈال رکھی تھی۔ اب جب میں ان لوگوں کو لے کر آئی ہوں تو تم غصہ کر رہی ہو۔ جانتی ہو کتنے امیر لوگ ہیں۔ کتنی مشکل سے انہیں یہاں تک لائی ہوں۔ بجائے احسان مند ہونے کے تم مجھے باتیں سنا رہی ہو۔"

"جمیلہ! غصہ نہیں کر رہی لیکن تم خود بتاؤ۔ اطلاع دینا تمہارا اخلاقی فرض نہیں تھا؟ اور اصل بات تو یہ ہے کہ میں نے ثمرین کی بات اپنی بہن کے گھر طے کر دی ہے۔" جمیلہ کا بسکٹ کی طرف بڑھتا ہاتھ وہیں رُک گیا۔

"اچھا تو اس لیے تم نے آنکھیں ماتھے پر رکھ لی ہیں بی بی! اگر یہی کچھ کرنا تھا تو مجھے کیوں کہا تھا۔ اب انہیں کیا جواب دوں۔ ان سے تو میں دس ہزار ایڈوانس لے چکی ہوں۔" جمیلہ پریشانی سے اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا موڑنے لگی پھر کچھ دیر بعد سوچنے کے بعد بولی۔

"اچھا تم رشتہ نہ کرنا۔ دو منٹ کے لیے ثمرین کو اندر بھیج دو۔ اب تو میں ان کو لے کر آئی ہوں۔"

"دماغ خراب ہے جمیلہ! میں کیوں اپنی بیٹی کو غیر لوگوں کے سامنے بھیجوں۔ تماشا ہے کوئی۔ ایڈوانس تم نے لیا ہے۔ یہ میرا دردِ سر نہیں۔ انہیں کسی اور گھر لے جاؤ۔"

"کمال ہے باجی! اپنا مطلب نکلتے ہی آنکھیں ماتھے پر رکھ لیں تم نے۔" جمیلہ کو شاہدہ کا انداز اچھا خاصا برا لگا تھا۔ اس سے پہلے وہ مزید کوئی بات کرتیں۔ انہیں اندر سے پکار آ گیا۔

"جمیلہ! کہاں ہیں آپ؟ ہمیں دیر ہو رہی ہے۔"

آواز سنتے ہی جمیلہ تیزی سے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھی۔ اور ان کے پیچھے شاہدہ بھی ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئیں۔ سلام کرنے کے بعد وہ سامنے رکھے صوفے پر بیٹھ گئیں۔ سامنے بیٹھے خاتون اور مرد کو دیکھ کر ایک پل کے لیے شاہدہ بیگم مرعوب ہو گئیں۔ شاید ان کی شخصیت کا اثر تھا کہ شاہدہ نے بڑے مہذب لہجے میں ان سے معذرت کی۔

"کوئی بات نہیں۔ یہ تو قسمت کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی بیٹی کے نصیب اچھے کرے۔" وہ کہہ کر باہر نکل آئے۔ گیٹ کے قریب پہنچے تھے تب ہی تعبیر اندر داخل ہوئی۔ اس نے حیرت سے اجنبی چہروں کو دیکھا اور پھر سلام کر کے اندر داخل ہو گئی۔

"یہ ان کی بیٹی ہے؟" گاڑی میں بیٹھتے ہی سلمیٰ بیگم نے جمیلہ سے پوچھا۔

"یہ تنویر صاحب کی بھانجی ہے۔ یہی رہتی ہے بے چاری یتیم ہے۔"

جمیلہ بتانے کے بعد پُر امید نظروں سے انہیں دیکھنے لگی جو پُر سوچ انداز میں آتی جاتی گاڑیوں کو دیکھ رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

"السلام علیکم امی! کیسی ہیں؟"

"میں ٹھیک ہوں بیٹا! تم کیسے ہو؟ سیٹ ہو گئے؟ جاب مل گئی؟" انہوں نے ایک ہی سانس میں کئی سوال کر لیے تو وہ ہنس پڑا۔

"میری پیاری ماں! مجھے آئے ابھی دو ہفتے ہوئے ہیں۔ اتنی جلدی سیٹ کیسے ہو سکتا ہوں۔ ابھی تو اپنے دوست کے ساتھ رہ رہا ہوں اور اس نے کہا ہے کہ وہ کوشش کر رہا ہے کسی جاب کے لیے۔ آپ بتائیں پاپا! ٹھیک ہیں؟"

"ہاں سب ٹھیک ہیں۔ تمہیں سب یاد کرتے ہیں۔" کہنے کے ساتھ وہ رونے لگیں تو کچھ دیر کے

لیے فہد کچھ بول ہی نہیں سکا۔

"پلیز امی! میں بھی بہت خوش نہیں۔ بہت اداس ہوں۔ آپ روئیں گی تو میں یہاں پریشان رہوں گا۔" انہوں نے جلدی سے آنسو صاف کیے۔ "اچھا تمہیں ایک خوشخبری دینی تھی۔"

"اچھا وہ کیا؟" وہ مسکرا کر بولا۔

"میں نے تمہارا رشتہ طے کر دیا ہے۔"

"جی!" وہ کافی زور سے بولا تو خالدہ ہنس پڑیں۔

"مجھے پتا تھا تم خوشی سے اچھل پڑو گے۔ ابھی لڑکی کا نام بتاؤں گی تو اپنی ماں کا منہ چوم لو گے۔"

"امی!" وہاں کھڑے کھڑے اس کا دل چاہا اپنے بال نوچ لے۔

"چلو میں خود بتا دیتی ہوں۔۔۔ ثمرین۔"

اور فہد نے بے ساختہ انداز میں آنکھیں بند کر لی تھیں۔ "او میرے خدا! یہ کیا کیا امی آپ نے۔" اس کی مایوس آواز پر خالدہ کا دل زور سے دھڑک اٹھا۔

"میں نے کچھ غلط کیا فہد؟"

"بالکل غلط امی! میں نے ثمرین کو کبھی اس نظر سے نہیں دیکھا۔"

"لیکن۔" ان کی سمجھ میں نہیں آیا وہ کیا کہیں۔

"اتنا بڑا فیصلہ کرنے سے پہلے آپ کو مجھ سے پوچھ تو لینا چاہیے تھا۔" اب کے وہ غصے سے بولا تو خالدہ کو بھی غصہ آ گیا۔

"کیا پوچھ لیتی۔ بچپن سے لے کر آج تک صبح شام ایک ہی نام رہتا تھا تمہارے منہ پر۔ ثمرین۔۔۔ ثمرین۔ تو میں اور کیا سمجھتی۔"

"امی! بچپن سے لے کر آج تک میرے پاس کوئی رشتہ تھا سوائے ثمرین کے؟ نہ کوئی میرا بھائی نہ بہن اور نہ ثمرین کا۔ اس لیے ہم کلوز تھے۔ اگر کوئی ایک دوسرے کے ساتھ کلوز ہو تو کیا ضروری ہے کہ ان کے درمیان کوئی چکر ہی ہو۔ کیا ہم کزن نہیں تھے؟"

خالدہ کچھ لمحوں کے لیے خاموش ہو کر رہ گئیں۔

"ٹھیک ہے مان لیا مجھے سمجھنے میں غلطی ہوئی لیکن اب اگر ایسا ہو جاتا ہے تو حرج کیا ہے۔ ثمرین خوب صورت ہے پھر میرا خون ہے اور سب سے بڑی بات تم دونوں ایک دوسرے کو سمجھتے ہو۔"

"نہیں امی! ایسا نہیں ہو سکتا۔" وہ ہٹیلے لہجے میں بولا۔

"فہد! میں اپنی بہن کو زبان دے چکی ہوں۔ صبح شاہدہ کا فون آیا تھا۔ ثمرین بہت خوش ہے اس رشتہ پر۔"

"امی!" وہ چیخ اٹھا "آپ نے یہ بات ثمرین کو بھی کہہ دی؟"

"ہاں تو ثمرین کی رضامندی جان کر ہی میں نے تم سے بات کی ہے۔" اور ایک جھماکے سے اسے ایئرپورٹ پر کھڑے ثمرین کی باتیں یاد آئیں۔

وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ ایک تو وہ پہلے ہی اپنی جاب کی وجہ سے پریشان تھا اوپر سے یہ اضافی پریشانی۔

"فہد میری جان! میں نے تمہاری خوشی کو سامنے رکھ کر یہ فیصلہ کیا ہے۔ کیونکہ مجھے پتا ہے تم ثمرین کے ساتھ خوش رہ سکتے ہو۔"

"آپ کو کچھ نہیں پتا امی!"

"مجھے کچھ پتا بھی نہیں کرنا فہد! میں نے جو کہنا تھا وہ کہہ دیا اور تمہاری دلہن ثمرین ہی بنے گی۔"

"اور اگر آپ نے ایسا سوچا تو امی! میں کبھی پاکستان واپس نہیں آؤں گا۔" خالدہ بیگم ایک دم ساکت ہو کر رہ گئیں۔

"کیا تم کسی اور کو پسند کرتے ہو؟" یہ پوچھتے ہوئے ان کا دل انجانے خدشوں سے بھر گیا۔

"جی!" اس کے اقرار پر ریسیور پر ان کی گرفت سخت ہو گئی تھی۔

"کون ہے وہ؟"

"تعبیر۔"

"کون؟" خالدہ کو لگا انہیں سننے میں غلطی ہوئی ہے۔

"تعبیر۔" وہ دوبارہ بولا۔

خالدہ نے فون بند کر دیا۔

☆ ☆ ☆

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"فہد!" اس کی ہیلو سنتے ہی وہ خوشی کے مارے چیخ اٹھی تھی۔ "اتنے دنوں بعد فون کیا تم نے۔ پتا ہے کتنا مس کر رہی تھی تمہیں۔ تم ٹھیک ہو نا؟"

"ہاں میں ٹھیک ہوں۔" اس کے پرجوش لہجے کے جواب میں وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔

"ثمرین! ابھی تھوڑی دیر پہلے میری امی سے بات ہوئی تھی۔"

"اچھا۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"انہوں نے کہا کہ وہ چاہتی ہیں کہ تمہاری اور میری شادی ہو جائے۔ کیا تم بھی ایسا چاہتی ہو؟" فہد کی آواز میں کتنی سنجیدگی تھی' اپنی خوشی میں وہ محسوس ہی نہیں کر سکی۔

"ہاں فہد! یہ میری زندگی کی بہت بڑی بلکہ کہنا چاہیے میری زندگی کی ایک ہی تو خواہش تھی۔ میں تم سے اتنی محبت کرتی ہوں کہ تم اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔"

"ثمرین!" اس کے اظہار پر وہ بے ساختہ ٹوک گیا تھا۔ "ثمرین! لیکن میں ایسا نہیں چاہتا۔"

"کیا مطلب فہد؟" ثمرین ابھی بھی نہیں سمجھی تھی۔

"میری بات تحمل سے سنو ثمرین! تم میری سب سے اچھی کزن اور بہترین دوست ہو' اس ناتے سے تم مجھے بہت عزیز ہو اتنی کہ میں تمہارے لیے کچھ بھی کر سکتا ہوں لیکن شادی نہیں کر سکتا کیونکہ میں تم سے اس طرح کی محبت نہیں کرتا۔ میں نے کبھی تمہارے لیے ایسا نہیں سوچا۔ تم سمجھ رہی ہو نا ثمرین!" اس کی مسلسل خاموشی پر پریشان ہو کر بولا۔

"کیوں فہد! کیا میں خوب صورت نہیں؟"

"ایسا نہیں ہے ثمرین! تم بہت خوب صورت' بہت اچھی ہو۔ وہ شخص بہت خوش قسمت ہو گا جسے تم ملو گی۔ مگر تم سمجھنے کی کوشش کرو۔" اس کے رونے پر وہ جھنجلا کر بولا۔

"تم سمجھو فہد! میں تم سے پیار کرتی ہوں۔ وہ چیخ اٹھی "بچپن سے لے کر آج تک تمہارے علاوہ کسی کے بارے میں نہیں سوچا اور تم کہہ رہے ہو تم مجھ سے پیار نہیں کرتے۔ تمہیں اندازہ نہیں فہد! اگر تم مجھے نہ ملے تو میں زندہ نہ رہ سکوں گی۔" آخر میں وہ آنسو صاف کر کے جارحانہ انداز میں بولی۔

"ثمرین! مجھ پر ان دھمکیوں کا کوئی اثر نہیں ہو گا۔ میں نے جو تمہیں کہنا تھا۔ وہ کہہ دیا ہے۔"

"کیا انکار کی وجہ جان سکتی ہوں؟"

"میں کسی اور کو پسند کرتا ہوں اور اسی سے شادی کروں گا۔" کہہ کر اس نے فون بند کر دیا تھا لیکن وہ کتنی دیر فون پکڑے یونہی ساکت بیٹھی رہ گئی۔

وہ دھلے ہوئے کپڑے لے کر کمرے میں داخل ہوئی تو ثمرین دونوں بازو بیڈ پر ٹکائے سر جھکائے بیٹھی تھی۔ کپڑے استری اسٹینڈ پر رکھ کر اپنے کپڑے الماری سے نکال کر واپس استری اسٹینڈ تک آئی تب تک بھی ثمرین کی پوزیشن میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

"ثمرین!" اس نے پکارتے ہوئے اس کا کندھا ہلایا پھر گھبرا کر اس کا چہرہ اونچا کیا۔

"ثمرین! کیا ہوا؟" اس نے بے ساختہ اس کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھاما۔

"وہ مجھ سے پیار نہیں کرتا۔"

"کون؟" تعبیر نا سمجھی سے اسے دیکھنے لگی۔

"وہ مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتا؟"

"کون؟"

"وہ مجھ سے پیار کیوں نہیں کرتا' اس لیے کہ وہ کسی اور سے پیار کرتا ہے۔"

"خدا کے لیے ثمرین! کچھ تو بتاؤ' کس کی بات کر رہی ہو۔"

"فہد کی۔ تعبیر! فہد مجھ سے پیار نہیں کرتا۔ اس نے کہا۔ وہ مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتا کیونکہ وہ کسی اور کو پسند کرتا ہے اور اسی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔" اور ثمرین کے کندھوں پر تعبیر کے ہاتھوں کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔

"لیکن میں نے تو کبھی اس کے علاوہ کسی کو سوچا ہی نہیں اور نہ میں کبھی کسی کو اس کی جگہ دے سکتی ہوں' تو وہ کیسے کسی اور سے پیار کر سکتا ہے۔ کیا کوئی اسے مجھ سے زیادہ پیار کر سکتا ہے۔ کیا مجھ سے زیادہ خوب صورت ہو گی' تعبیر بتاؤ؟" وہ اب ہسٹریائی انداز میں تعبیر کو جھنجھوڑ رہی تھی جبکہ تعبیر کا رنگ بالکل سفید پڑ گیا تھا۔

اسے لگ رہا تھا وہ کسی وقت بھی بے جان ہو کر زمین پر گر جائے گی۔ لیکن ہوا اس کے برعکس تھا۔ ثمرین اس کے دیکھتے ہی دیکھتے زمین پر گر کر تڑپنے لگی تھی۔ اس کے ہاتھ پاؤں مڑ گئے تھے۔ اس کی حالت غیر دیکھ کر اس کی آنکھیں پھٹ گئیں۔

"ممانی!" وہ چیختی ہوئی باہر نکلی۔ شاہدہ بیگم نے ناگواری سے چیختی ہوئی تعبیر کو دیکھا۔

"ممانی! ثمرین کو دیکھیں پتا نہیں اسے کیا ہو گیا ہے۔" اس کی بات سنتے ہی وہ ہاتھ میں پکڑا گلاس ٹیبل پر رکھ کر بھاگیں۔ جو ٹیبل تک پہنچنے سے پہلے ہی زمین پر گر کر کرچیوں میں تبدیل ہو گیا تھا۔

"ثمرین' ثمرین! میری جان آنکھیں کھولو بیٹا۔" وہ اس کا چہرہ تھپکتی جا رہی تھیں اور روتی جا رہی تھیں جبکہ تعبیر اس کے پاؤں کے تلووں کو ہتھیلی سے سہلا رہی تھی۔

"او میرے اللہ!" شاہدہ نے بے ساختہ ہونٹوں پر ہاتھ رکھ لیے تھے "اپنے ماموں کو فون کرو۔"

"جی!" وہ تیزی سے باہر کی طرف بھاگی۔ تنویر صاحب تھوڑی دیر بعد حواس باختہ گھر میں داخل ہوئے۔ وہ لوگ اسی وقت ثمرین کو ہسپتال لے آئے۔ ٹریٹمنٹ سے اسے ہوش تو آ گیا تھا لیکن وہ بالکل خاموش تھی۔ نہ کسی سے بات کرتی تھی نہ کسی کی بات کا جواب دیتی تھی۔ ڈاکٹرز نے بتایا تھا اسے کوئی بہت بڑا ذہنی دھچکا پہنچا ہے' آئندہ کوشش کی جائے کہ وہ ذہنی دباؤ نہ لے' ورنہ نروس بریک ڈاؤن ہونے کا خدشہ ہے۔

☼ ☼ ☼

وہ ثمرین کے لیے سوپ بنا کر لائی تو کمرے میں شاہدہ کے ساتھ خالدہ بیگم بھی موجود تھیں۔ اس نے سلام کے جواب میں انہوں نے اسے جن نظروں سے دیکھا تھا' وہ سہم کر رہ گئی تھی۔

تعبیر نے دیکھا۔ ثمرین کا سکتہ ٹوٹ چکا تھا۔ وہ خالدہ کے گلے لگی رو رہی تھی۔

"ارے میری گڑیا رانی! کیوں رو رہی ہو۔ دیکھو خود کو کتنا کمزور کر لیا ہے۔ ایسے کرو گی تو دلہن بن کر اچھی نہیں لگو گی اور فہد آ کر کیا کہے گا امی! آپ نے میری دلہن کا خیال نہیں رکھا۔" اس کے آنسوؤں میں روانی آ گئی تھی۔

"نہیں خالہ! وہ ایسا نہیں کہے گا کیونکہ اس نے کہا۔ وہ مجھ سے پیار نہیں کرتا۔ وہ مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتا۔"

"کیا کہہ رہی ہو ثمرین؟" شاہدہ نے کھینچ کر اسے خالدہ سے الگ کیا۔

"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں ممی! اس نے مجھے کہا کہ وہ کسی اور سے پیار کرتا ہے۔"

"کون ہے وہ؟" شاہدہ نے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے پوچھا۔ خالدہ کا دل دھڑک اٹھا۔

"میں نے نہیں پوچھا نہ اس نے بتایا لیکن اس سے کیا فرق پڑتا جو اس نے کہنا تھا۔ کہہ چکا تھا۔" وہ کہہ کر پھر رونے لگی۔

خالدہ کا رکا ہوا سانس جیسے بحال ہوا تھا۔ تعبیر سوپ کا پیالہ میز پر رکھ کر باہر نکل گئی' پھر جتنی دیر ثمرین سوپ پیتی رہی' وہ دونوں وہیں بیٹھی رہیں۔ جونہی وہ سونے لیٹی' خالدہ اٹھ کر باہر نکل آئیں۔

"آپا! کیا واقعی فہد ثمرین سے شادی نہیں کرنا چاہتا۔"

"ہوں!" خالدہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے سر ہلایا تھا جبکہ شاہدہ جہاں کی تہاں کھڑی رہ گئی تھیں۔

"اور جانتی ہو وہ لڑکی کون ہے... تمہاری تعبیر۔"

"کیا؟" شاہدہ کو جیسے کسی نے پہاڑ سے دھکا دیا۔ بے جان ہو کر قریب رکھے صوفے پر جیسے ڈھے سی گئی تھیں۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"پاگل ہو۔ میرے ہوتے ہوئے تمہیں یوں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں نے ایک دفعہ کہہ دیا ناکہ ثمرین میرے فہد کی دلہن بنے گی تو ضرور بنے گی۔" شاہدہ روتے ہوئے ان کے گلے لگ گئیں کچھ دیر بعد جب ان کا غبار نکل گیا تو وہ تیزی سے اٹھیں۔ خالدہ نے حیرت سے انہیں کچن کی طرف جاتے دیکھا۔

آہٹ پر اس نے مڑ کر دیکھا۔ اس کے چہرے پر اتنی زور سے تھپڑ پڑا کہ اسے لگا دائیں طرف کے کان کا پردہ پھٹ گیا ہے۔ ابھی وہ سنبھل بھی نہیں پائی تھی کہ شاہدہ اسے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے کچن سے باہر لے آئیں اور اندھا دھند اسے مارنے لگیں۔ وہ اتنی شاکڈ تھی کہ بچاؤ بھی نہ کر سکی۔ وہ زمین پر گٹھڑی بنی بری طرح پٹ رہی تھی۔

"شاہدہ! کیا کر رہی ہو بس کرو۔" خالدہ تیزی سے شاہدہ کی طرف بڑھیں۔

مارتے مارتے شاہدہ کا سانس پھول گیا تھا۔

"کیسے بس کروں آپا! میری ناک کے نیچے یہ کھیل کھیلتی رہی۔ پہلے اس کی ماں اور اب یہ میرے سینے پر مونگ دل رہی ہے۔ اب یہ میری بیٹی کی خوشی چھیننے لگی۔ اس کے حق پر ڈاکا ڈالے گی۔ اس سے پہلے میں اسے جان سے مار دوں گی۔" انہوں نے زمین پر بیٹھتے ہوئے اس کو گردن سے دبوچ لیا۔ تعبیر کی سانس رکنے لگی۔

"چھوڑو شاہدہ! پاگل ہو گئی ہو۔" خالدہ نے زبردستی کھینچ کر انہیں پیچھے کیا تھا۔

"دفع ہو جاؤ۔ میری نظروں سے دور ہو جاؤ۔ اگر تم نے میری بیٹی کا حق چھیننے کی کوشش کی تو یاد رکھنا میں تمہیں جان سے مار دوں گی۔" شاہدہ ہذیانی انداز میں چیخ رہی تھیں۔

خالدہ انہیں کھینچتی ہوئی کمرے میں لے گئیں۔ جبکہ وہ وہیں پڑی سسکنے لگی۔ وہ کتنی دیر تک چیختی رہیں اور جب تھک گئیں تو رونے لگیں۔ تنویر صاحب نے دونوں ہاتھوں میں اپنا سر تھام رکھا تھا۔

"یہ سب آپ کی ڈھیل کا نتیجہ ہے۔ آپ نے ہمیشہ اسے اپنی بیٹی پر ترجیح دی۔ ثمرین اور فہد کا شروع سے کتنا ایک دوسرے سے لگاؤ ہے یہ آپ بھی بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔ پھر اچانک فہد کو ثمرین کیوں ناپسند ہو گئی کہ اس نے صاف انکار کر کے تعبیر کا نام لے لیا۔ وہ آپ کی مرحومہ بہن کی نشانی آپ کی معصوم بھانجی ہماری ناک کے نیچے یہ کھیل کھیلتی رہی اور ہمیں پتا ہی نہیں چلا۔" انہیں مسلسل خاموش دیکھ کر شاہدہ کا پارہ دوبارہ چڑھ گیا تھا۔

"اب خاموش کیوں ہیں۔ کچھ بولتے کیوں نہیں، میں ایک بات آپ کو صاف صاف بتا دوں تنویر صاحب! آج تک آپ نے تعبیر کے لیے جو کیا۔ میں نے کچھ نہیں کہا لیکن اب کی بار میں خاموش نہیں رہوں گی کیونکہ اس بار معاملہ میری بیٹی کا ہے۔ ثمرین کی شادی فہد سے ہی ہو گی اور یہ بات آپ خود تعبیر کو سمجھا دیں کیونکہ اگر میں نے یہ بات سمجھائی تو اس کے لیے اچھا نہیں ہو گا۔"

تنویر صاحب کچھ دیر تو یونہی سر جھکائے بیٹھے رہے پھر اٹھ کر ثمرین کے کمرے کی طرف چل دیے۔

جب وہ کمرے میں داخل ہوئے تو ثمرین لیٹی تھی اور باتیں کر رہی تھی اور تعبیر اس کا سر دباتے ہوئے بڑے تحمل سے اس کی باتیں سن رہی تھی کچھ دیر وہ یونہی کھڑے ان دونوں کو دیکھتے رہے۔ وہ دونوں ہی ان کے لیے ایک جیسی تھیں۔ ہینڈل پر رکھے ان کے ہاتھ کی گرفت سخت ہو گئی تھی۔ آواز پر تعبیر نے مڑ کر دیکھا اور دروازے میں کھڑے تنویر صاحب کو دیکھ کر وہ کھڑی ہو گئی۔ وہ ہاتھ سے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے خود ثمرین کے پاس جا کر بیٹھ گئے۔

"پاپا!" وہ انہیں دیکھ کر رونے لگی تھی۔ انہوں نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا تھا۔

"پاپا! آپ کو پتا ہے کہ فہد نے کہا کہ وہ مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتا۔" انہوں نے اسے اپنے بازوؤں کے گھیرے میں لے لیا تھا۔

"نہیں کرتا تو نہ سہی۔ میری بیٹی اتنی پیاری ہے اسے کوئی کمی تھوڑی ہے۔ اس سے بہتر ملے گا۔" ثمرین نے جھٹکے سے سر ان کے سینے سے اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"نہیں پاپا! فہد نہیں تو کوئی نہیں۔ میں اس کی جگہ کسی کو نہیں دے سکتی۔ مجھے لگتا ہے پاپا میں شاید مر جاؤں گی۔"

وہ اس وقت اپنے حواسوں میں نہیں لگ رہی تھی۔ تنویر صاحب کے ساتھ پاس کھڑی تعبیر نے بھی دہل کر اسے دیکھا تھا۔

"مجھے اس لڑکی سے نفرت محسوس ہوتی ہے جس کو فہد نے دیکھا اور اتنا سوچا۔ میں کبھی فہد کی شادی اس لڑکی سے نہیں ہونے دوں گی۔ میں اس لڑکی کو جان سے مار دوں گی اور اگر ایسا نہ کر سکی تو خود کو مار لوں گی۔"

"نہیں بیٹا! ایسا نہیں بولتے۔" ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

"پاپا! میں بہت کمزور ہوں۔ اگر میں خود کو نہ مار سکی تو اس لڑکی کو اتنی بد دعائیں دوں گی کہ وہ ہمیشہ بدنصیب رہے گی۔ اللہ تعالیٰ اسے۔۔۔"

"ثمرین!" تنویر صاحب نے بے ساختہ اس کے منہ پر ہاتھ رکھا جبکہ تعبیر نے اتنی زور سے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبایا کہ درد کے مارے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ مزید وہاں نہیں رکی تھی۔

☼ ☼ ☼

قدموں کی آہٹ پر اس نے سر گھما کر دیکھا۔ تنویر صاحب خاموشی سے اس کے قریب آ کر بیٹھ گئے۔

"کیا تمہیں معلوم ہے فہد کا رشتہ ثمرین کے لیے آیا ہے؟" اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"یہ خواہش آپا اور بھائی صاحب کی ہے جبکہ فہد نے تم سے شادی کا اظہار کیا ہے۔" اب کی بار تعبیر نے سر مزید جھکا لیا جیسے اس میں سارا قصور اس کا ہو۔

"کیا تم بھی فہد سے شادی کرنا چاہتی ہو؟" تعبیر نے بے ساختہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔

"ماموں!"

"تعبیر مجھے ہاں یا ناں میں جواب دو۔"

"جی ماموں!" اس کے اقرار پر انہوں نے زور سے آنکھیں بند کر لیں۔

"ماموں پلیز! آپ کچھ غلط مت سمجھیے گا۔ یہ دیکھیں، ممانی نے مجھے کتنا مارا ہے۔" اس نے اپنے چہرے اور بازوؤں کی طرف اشارہ کیا لیکن انہوں نے اس کی طرف دیکھا تک نہیں۔ اس نے بڑے دکھ سے ان کی لاتعلقی دیکھی۔

"کیا آپ بھی یہی سمجھ رہے ہیں کہ اس میں میری غلطی ہے۔ کیا میں نے انہیں ایسا کرنے کو کہا۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ ثمرین انہیں اتنا پسند کرتی ہے تو میں ان کو تب ہی انکار کر دیتی لیکن ماموں!"

"میں جانتا ہوں، اس میں تمہاری کوئی غلطی نہیں۔" وہ جو سامنے دیکھ رہے تھے اس کی وضاحت پر بولے۔

"لیکن ثمرین کی یہ حالت مجھ سے دیکھی نہیں جاتی۔ میں نے کبھی ثمرین کو یوں روتے ہوئے نہیں دیکھا۔ تم یہ بھی جانتی ہو ڈاکٹرز نے کیا کہا ہے۔ کوئی بھی ذہنی دھچکا اس کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔" انہوں نے گہرا سانس لے کر سر جھکا لیا تو وہ بھی سر جھکا کر آنسو بہانے لگی۔

"تعبیر!" کچھ دیر بعد انہوں نے اسے پکارا تو وہ آنسوؤں بھری نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔

"تعبیر! اگر زندگی میں کبھی کسی لمحے تمہیں لگا ہو کہ میں نے باپ کی طرح تم سے محبت کی ہے تو اس لمحے کی خاطر فہد کو بھول جاؤ۔ ثمرین کی خوشی تمہارے ہاتھ میں ہے بیٹی! اپنے اس باپ کی خاطر ایک اور قربانی دے دو۔"

آنسوؤں سے ان کی آواز بھاری ہو گئی تھی جبکہ وہ بالکل شاکڈ ہو گئی۔ اسے لگا تھا۔ سب مخالفت کریں گے لیکن ماموں اس کا ساتھ دیں گے لیکن یہ ماموں کیا کہہ رہے تھے۔ اسے یوں بے یقینی سے اپنی طرف دیکھتا پا کر انہوں نے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔ اس کا سکتہ جیسے ٹوٹ گیا تھا اس نے تیزی سے ان کے

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

جڑے ہوئے ہاتھ کھول دیے۔
"نہیں ماموں! مجھے گناہ گار نہ کریں۔ آپ مجھے حکم دیں، میں آپ کی خاطر جان بھی قربان کر سکتی ہوں۔ آپ کی طرح میں بھی ثمرین کو یوں روتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی۔" وہ ان کے سینے سے لگ کر رونے لگی۔
"مجھے معاف کر دو۔ میں جانتا ہوں۔ میں غلط کر رہا ہوں۔ اپنی بیٹی کی محبت میں خود غرض ہو گیا ہوں۔ ایک بیٹی کی خوشی چھین کر دوسری بیٹی کی جھولی بھرنے لگا ہوں لیکن میں مجبور ہوں۔" ان کے آنسو اس کے بالوں میں گرنے لگے۔
"نہیں ماموں! پلیز مجھے اور شرمندہ نہ کریں۔ میرے لیے دنیا میں سب سے پہلے آپ اور ثمرین کی محبت اہم ہے۔ اس محبت پر میں کچھ بھی قربان کر سکتی ہوں۔ کچھ بھی۔"
"تم بالکل اپنی ماں کی طرح ہو تعبیر! تم میری کلثوم ہو۔ میری کلثوم۔" انہوں نے روتے ہوئے اپنے ہونٹ اس کے بالوں پر رکھ دیے۔

☼ ☼ ☼

"ہیلو!" اس کی آواز سنتے ہی وہ بے ساختہ بولا تھا جبکہ تعبیر ایک پل کے لیے کچھ بول ہی نہیں سکی۔
"ہیلو تعبیر!" وہ دوبارہ زور دے کر بولا۔ "کہاں غائب ہو تم اور تمہارا موبائل کیوں آف ہے؟"
"خراب ہو گیا ہے۔" اس نے جھوٹ بولا تھا کیونکہ موبائل اس نے خود آف کیا تھا۔
"اچھا تو اسے جلدی سے ٹھیک کرواؤ۔" وہ حکمیہ انداز میں بولا۔
"اچھا!" وہ صرف اتنا ہی کہہ سکی۔
"اور وہاں سب ٹھیک ہیں؟" وہ اس کے روکھے پھیکے لہجے کو محسوس کر کے بولا۔
"ثمرین کی طبیعت ٹھیک نہیں۔" فہد نے گہرا سانس لیا۔
"ہاں امی نے بتایا تھا۔"
"پھر تو آپ کو یہ بھی پتا ہو گا کہ وہ کیوں بیمار ہوئی ہے؟"

اس کا انداز اب طنزیہ تھا۔
"دیکھو تعبیر! ان باتوں کو لے کر جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ ان کی سوچ ہے۔ میں کیا چاہتا ہوں۔ تم جانتی ہو۔" اس کا انداز سنجیدہ تھا۔
"لیکن آپ اپنی خوشی کے لیے اتنے لوگوں کو دکھی نہیں کر سکتے۔"
"تم کہنا کیا چاہتی ہو تعبیر!" اب کے فہد نے سنجیدگی سے پوچھا۔
"ثمرین! آپ سے بہت پیار کرتی ہے۔"
"لیکن میں اس سے پیار نہیں کرتا۔ تم اچھی طرح جانتی ہو۔" وہ ایک ایک لفظ پہ زور دے کر بولا "میں نے کبھی ثمرین کو اپنی لائف پارٹنر کے حوالے سے نہیں دیکھا۔"
"اس سے کیا فرق پڑتا ہے، باقی سب تو اسے اسی حوالے سے دیکھتے ہیں۔"
"مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا۔"
"لیکن مجھے پڑتا ہے۔ میں اتنے لوگوں کی نفرت برداشت نہیں کر سکتی۔ آپ کے صرف میرا نام لینے سے مجھ پر یہاں کیا گزر رہی ہے۔ آپ کو اس کا اندازہ بھی نہیں۔ ممانی نے مجھے اتنا مارا ہے۔ آپ کی امی بھی مجھ سے نفرت کرتی ہیں حتیٰ کہ اب ماموں بھی میرے ساتھ نہیں۔ آپ خود اتنی دور ہیں۔ کیا کر سکتے ہیں۔ کیا ابھی اور اسی وقت واپس آ سکتے ہیں آپ؟" اب کے وہ غصے سے بولی تھی۔
"پاگلوں جیسی بات مت کرو تعبیر!" جواباً وہ بھی غصے سے بولا تھا۔ "کوئی طوفان نہیں آئے گا۔ جب تک میں نہیں مانوں گا وہ کیسے میری شادی ثمرین کے ساتھ کروا سکتے ہیں۔"
"وہ میری اور آپ کی بھی نہیں ہونے دیں گے اور دوسرا ڈاکٹرز نے ثمرین کو کسی بھی ٹینشن لینے سے منع کیا ہے اور اس کی حالت میں نے دیکھی ہے۔ اگر واقعی اس کی شادی آپ سے نہ ہوئی تو وہ کوئی بھی غلط قدم اٹھا سکتی ہے اور اگر اسے کچھ ہوا تو میں خود کو معاف نہیں کر سکوں گی۔"

"فضول باتیں مت کرو۔" وہ جھنجلا کر بولا۔
"میں فضول باتیں نہیں کر رہی فہد! آپ سمجھنے کی کوشش کریں۔ میرے پاس صرف دو ہی رشتے ہیں۔ ماموں اور ثمرین کا۔ اور میں ان کی محبت نہیں کھو سکتی۔"
"اچھا اور میں کیا ہوں۔ کیا میری کوئی اہمیت نہیں تمہاری زندگی میں؟" فہد کے سوال پر وہ خاموش رہی۔
"کیا چاہتی ہو تعبیر؟"
"آپ ثمرین سے شادی کر لیں۔"
"اگر میں ایسا نہ کروں تو؟"
تعبیر نے فون بند کر دیا۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اب جو بھی کرنا ہے اسے خود کرنا ہے۔

☼ ☼ ☼

"تعبیر! تم سے ایک بات پوچھوں؟"
"ہوں!"
"تم نے کبھی کسی سے محبت کی ہے؟" تعبیر نے چونک کر ثمرین کو دیکھا۔
"نہیں۔" اس نے نظریں چرائیں۔
"کرنا بھی مت۔ بہت بری چیز ہوتی ہے۔ انسان کو اندر ہی اندر کھوکھلا کر دیتی ہے۔ محبت مل جائے تو دنیا میں جنت۔ نہ ملے تو آپ زندہ ہوتے ہوئے بھی مُردوں میں شمار ہونے لگتے ہیں۔ زندگی میں نہ کوئی خواہش رہتی ہے نہ امنگ۔" بات کرتے ہوئے اس کے آنسو نکل آئے۔
تعبیر نے بے ساختہ اس کا ہاتھ تھاما۔
"تم ہر وقت کیوں ایسا سوچتی رہتی ہو۔ دیکھو کیا حال بنا لیا ہے۔"
"میں تمہاری طرح نہیں ہوں نا تعبیر! تمہارے چہرے پر کتنا سکون ہے کیونکہ تم اس بیماری میں مبتلا نہیں ہو لیکن میں مجھے لگتا ہے مجھے کبھی سکون نہیں ملے گا۔"
"پاگلوں جیسی بات نہیں کرو۔ تمہیں وہ سب ملے گا جو تم چاہتی ہو۔"

"کیا مجھے فہد ملے گا؟" وہ بڑی آس سے تعبیر کا چہرہ دیکھنے لگی۔
"ضرور ملے گا۔" تعبیر مضبوط لہجے میں بولی۔
"تم یہ کیسے۔ کہہ سکتی ہو؟" ثمرین کی آنکھیں جگمگانے لگی تھیں۔
"کیونکہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے کہ ثمرین اور فہد ایک ہو جائیں۔"
"واقعی تعبیر!" اس نے ایک دم تعبیر کو کندھوں سے تھام لیا۔
"واقعی ایسا ہی ہو گا لیکن اس کے لیے ضروری ہے تم خود کو ٹھیک کرو۔ تمہارے اس طرح پریشان ہونے سے ماموں ممانی دیکھو، کتنے پریشان ہیں اور فہد نے تمہیں تنگ کرنے کے لیے ایسا مذاق کیا ہے ورنہ سوچو وہ کیسے کسی کو پسند کر سکتے ہیں۔ کیا کوئی لڑکی ثمرین سے اچھی ہو سکتی ہے۔"
تعبیر نے پیار سے اس کے گال کو چھوا تو وہ بے اختیار اس کے گلے لگ گئی۔
"تم ٹھیک کہتی ہو تعبیر! فہد نے مذاق کیا ہو گا۔ وہ جانتا ہے نا کہ میں اسے کتنا پیار کرتی ہوں۔ وہ بچپن سے ہی مجھے ایسے ہی تنگ کرتا تھا اور میں اس کی باتوں میں آ گئی۔" وہ مسکراتے ہوئے اس سے الگ ہو گئی۔
"تم سے بات کر کے میرے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا اور مجھے بھوک بھی لگ گئی ہے۔ چلو چاٹ کھاتے ہیں۔" ثمرین کے کہنے پر تعبیر بھی مسکراتی ہوئی کھڑی ہو گئی۔

☼ ☼ ☼

تنویر صاحب چائے پیتے ہوئے وقتاً فوقتاً شاہدہ بیگم پر بھی نظر ڈال رہے تھے۔ وہ پچھلے پندرہ منٹ سے پتا نہیں کس سے بڑے خوش گوار انداز میں باتیں کر رہی تھیں۔ آخر کار فون بند ہو گیا اور وہ ان کے سامنے آ کر بیٹھ گئیں۔ انہیں تجسس تو تھا لیکن انہوں نے پوچھا نہیں، جانتے تھے وہ خود ہی بتا دیں گی۔ سو ہی ہوا۔
"جانتے ہیں کس کا فون تھا؟" تنویر صاحب نے سر

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

نفی میں ہلایا۔

"جمیلہ کا۔"

"وہ رشتہ کروانے والی۔ وہ اس دن میں نے بتایا تھا ناکہ وہ ایک عورت اور آدمی کو لے کر آئی تھی ثمرین کے لیے لیکن میں نے منع کردیا تھا کہ ثمرین کی منگنی ہو چکی ہے۔ ان لوگوں نے اس دن تعبیر کو دیکھ لیا تھا۔ انہیں تعبیر پسند آئی تھی۔ اب جمیلہ کا فون آیا تھا پوچھنے کے لیے کہ وہ کب ان لوگوں کو دوبارہ لے کر آئے۔"

"تو آپ نے کیا کہا؟" تنویر صاحب نے سنجیدہ لیکن گہری نظروں سے انہیں دیکھا۔

"میں نے اس سے کہا کہ میں آپ سے پوچھ کر بتاتی ہوں۔" تنویر صاحب ہنکارا بھر کر خاموش ہو گئے۔ "پھر کیا جواب دوں اسے؟" وہ بے تابی سے بولیں۔

"میں پہلے تعبیر سے پوچھ لوں۔"

شاہدہ جو منتظر نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھیں ان کا جواب سن کر ان کے ماتھے پر بل پڑ گئے تھے۔

"تعبیر سے کیا پوچھنا۔ اتنا اچھا رشتہ ہے اور کیا چاہیے۔ آپ کو کیا لگتا ہے آپ کی بھانجی کے پیچھے رشتوں کی لائن لگی ہے۔ یہ نہیں تو وہ سہی۔"

"بے شک لائن نہیں لگی لیکن اس کی رضامندی لینا ضروری ہے۔ یہ اس کا حق بھی ہے اور اللہ کا حکم بھی اور کیا اپنی بیٹی سے تم نے نہیں پوچھا تھا؟"

"بات سنیں تنویر صاحب! میں نے پہلے فہد کے لیے رضامندی دے دی تھی پھر ثمرین سے پوچھا تھا۔"

"بالکل لیکن ثمرین نے اس لیے رضامندی دی تھی کیونکہ وہ فہد کو پسند کرتی تھی۔ اگر وہ ایسا نہ چاہتی تو تم کیا کرسکتی تھیں۔ کیا تم اس سے زبردستی کرسکتی تھیں نہیں۔۔۔ اور اس کی مثال تمہارے سامنے ہے۔ فہد سے پہلے ثمرین کے کتنے رشتے آئے جن میں سے کئی ایک پر تم دل و جان سے رضامند تھیں لیکن کیا تم کچھ کرسکی تھیں؟" ان کے طنز کے وار کافی کاری تھے۔ وہ کتنی دیر تک تو بول ہی نہیں سکیں۔

"آپ چاہیں تو پوچھ لیں لیکن میں ہر صورت میں تعبیر کا رشتہ یہیں کرواؤں گی۔ جب تک تعبیر کی شادی نہیں ہوجاتی۔ میرے سر پر تلوار لٹکی رہے گی۔" وہ ہاتھ مسلتے ہوئے دھیمی آواز میں بولیں۔

"بہت خود غرض عورت ہو تم شاہدہ بیگم! بہت خود غرض۔ گھر میں کوئی جانور بھی پال لو تو اس سے بھی انسیت ہوجاتی ہے لیکن تمہارے دل میں اس قدر زہر بھرا ہے کہ اس بے ضرر بچی سے تمہاری نفرت ختم ہونے میں نہیں آتی۔ کیا تمہیں اس کی قربانیاں نظر نہیں آتیں؟" ان کے پوچھنے پر انہوں نے زہر خند انداز میں سر کو جھٹکا۔

"کون سی قربانیاں؟ کون سا احسان کیا ہے اس نے ہمارے سر پر، بلکہ اس کو پال پوس کر اور اب اس کی شادی کرکے ہم اس پر احسان کررہے ہیں۔"

"بس!" تنویر صاحب غصے سے بولے تھے۔

"میرے پیار میری ذمہ داری کو احسان کا نام دے کر مجھے گالی مت دو۔ تم کیا جانو۔ اس بچی نے تم پر تمہاری بیٹی پر، اس گھر پر کتنے احسان کیے ہیں۔ تم تو اسے ایک قربانی کا بدلہ بھی نہیں دے سکتیں۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرو شاہدہ بیگم! اللہ تعالیٰ رسی ڈھیلی ضرور کرتا ہے لیکن پھر جب کھینچتا ہے تو انسان کو سنبھلنے کا موقع بھی نہیں ملتا۔"

شاہدہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھنے لگیں۔

"آپ مجھے بددعا دے رہے ہیں؟"

"بددعا نہیں دے رہا' آگاہ کررہا ہوں۔" وہ کہہ کر باہر نکل گئے۔

"تعبیر! بیٹا! ذرا میرے کمرے میں آؤ۔ مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔" تیزی سے باقی برتن دھو کر جب وہ ان کے کمرے میں آئی تو وہ اسی کے منتظر تھے۔

"بیٹھو!" وہ ان کے سامنے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"میں تم سے جو بات کرنے لگا ہوں' ویسے تو یہ بات مائیں کرتی ہیں لیکن تمہاری ماں اور باپ میں ہی ہوں۔ اس لیے یہ فرض مجھے ہی پورا کرنا ہے۔"

ان کی اتنی لمبی تمہید پر وہ مزید پریشان ہوگئی تھی

تمہارے لیے ایک پروپوزل آیا ہے۔ تمہاری ممانی نے بتایا تو میں نے سوچا تم سے پوچھ لوں۔ لڑکے کا نام زید ہے۔ ان کا اپنا بزنس ہے۔ ڈیفنس میں گھر ہے۔ چھوٹی سی فیملی ہے۔ شریف لوگ ہیں۔ میں اور تمہاری ممانی گئے تھے ان کے گھر۔ مسز اعجاز سے بھی ملے۔ ہمیں زید اور اس کے گھر والے پسند آئے ہیں۔ تصویر لایا ہوں میں زید کی تم دیکھ لو لیکن اگر تم بات کرنا چاہتی ہو تو میں ان سے بات کرلیتا ہوں۔"

"آپ کو جو ٹھیک لگتا ہے ماموں! وہ ہی ٹھیک ہے۔"

"پھر بھی بیٹا! تم ایک بار مل لو۔"

"نہیں ماموں! آپ نے دیکھ لیا نا۔ میرے لیے کافی ہے۔" اس نے ایک بار بھی سر اٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔ تنویر صاحب نے بے ساختہ گہرا سانس لے کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ لیکن پھر بھی ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔

☆ ☆ ☆

"پاپا! جب وہ کفایت شعاری پر لیکچر دے رہی تھیں۔ کم از کم آپ کو تو بولنا چاہیے تھا۔ ہمارے گھر میں پہلی شادی ہے اس میں بھی اتنی سادگی؟ صرف نکاح۔۔۔ مہندی بھی نہیں' شادی کی جان ہی مہندی کا فنکشن ہوتا ہے۔" جب سے مسز اعجاز نے سادگی سے شادی کرنے کا کہا تھا ان کے جانے کے بعد سے تب سے ثمرین کا پارہ چڑھا ہوا تھا۔

"بیٹا! وہ خود اپنے منہ سے منع کررہی تھیں اور تم نے سنا نہیں کہ وہ کہہ رہی تھیں زید کو یہ نمود و نمائش پسند نہیں تو میں کیسے ان سے بحث کرتا اور یہ جو رشتے ہوتے ہیں کافی نازک ہوتے ہیں اگر میں ان پر زور دیتا تو ہوسکتا ہے وہ مان بھی جاتے لیکن پھر جو بھی فیس کرنا پڑتا۔ وہ تعبیر کو کرنا پڑتا کیونکہ تعبیر کو اب وہاں جاکر رہنا ہے۔"

ان کی بات پر ثمرین نے گہرا سانس لے کر سر جھٹکا۔ وہ سمجھ تو گئی تھی لیکن پھر بھی قلق اپنی جگہ تھا۔

"اور تم کیوں اتنی خاموش بیٹھی ہو۔ تمہاری شادی کی بات ہورہی ہے۔ کمال ہے لڑنا تمہیں چاہیے اور پاگلوں کی طرح لڑ میں رہی ہوں۔"

ثمرین نے اسے غصے سے گھورا۔ جواباً" وہ صرف مسکرائی تھی۔ تنویر صاحب کی نظریں اس پر ٹھہر گئیں

"خیر میں بھی کسے کہہ رہی ہوں۔ تم نے پہلے کبھی ضد کی ہے جواب کروگی۔" اپنے سوال کا جواب بھی ثمرین نے خود ہی دیا تھا تنویر صاحب نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"لیکن میں ایک بات آپ لوگوں کو صاف بتادوں۔ میں اتنی روکھی پھیکی شادی نہیں کرنے والی۔ میرے سب فنکشن ہوں گے مایوں' مہندی' برات ولیمہ سب۔" وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولی تو تنویر صاحب ہنس پڑے جبکہ شاہدہ بیگم نے بے اختیار اس کی ہنسی کی نظر اتاری تھی۔

ان کی بیٹی پہلی جیسی ہوگئی تھی۔ اپنی خوشی میں بلکہ خود غرضی میں انہوں نے محسوس ہی نہیں کیا کہ انہوں نے کسی کے ہونٹوں کی ہنسی اور دل کا سکون چھین لیا ہے۔ یہاں ایک اور بیٹی بھی تھی۔ لیکن فرق تھا اس کے ماں باپ نہیں تھے اور اس کی شادی بھی ویسے ہی ہورہی تھی جیسے کسی یتیم کی ہوتی ہے۔

"ارے یہ بھی کوئی کہنے والی بات ہے۔ میری شہزادی جیسے کہے گی' ویسے ہی ہوگا۔ تمہاری شادی میں ایسے دھوم دھام سے کروں گی کہ دنیا دیکھے گی۔" شاہدہ کے بے ساختہ انداز پر تنویر صاحب اور تعبیر نے ایک ساتھ ان کی طرف دیکھا۔ ان کے دیکھنے پر انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا۔

"تعبیر کی شادی بھی دھوم دھام سے کرتے لیکن اس کے سسرال والے سادگی چاہتے ہیں اور پھر دیکھو نا شادی بھی تو کتنی جلدی کرنا چاہ رہے ہیں اب اتنی جلدی کیسی اتنا دھوم دھڑکا ہوسکتا ہے لیکن تم تعبیر کو بازار لے جانا۔ اس کی پسند کے کپڑے دیکھ لینا۔ جہیز کے لیے تو انہوں نے سختی سے منع کیا ہے اور زیور تعبیر کی ماں کا ہے۔ تعبیر! اگر کچھ نیا لینا ہوا تو جیولر کو دے کر

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

پیچ کرلینا۔"

تعبیر تو کچھ نہیں بولی تھی لیکن ثمرین بول اٹھی تھی۔

"ممی ایک تو پہلے ہی شادی میں وہ کچھ نہیں لے رہے۔ کیا آپ بھی تعبیر کو کچھ نہیں دے رہے۔ وہ زیور تو پھپھو کے ہیں۔ آپ اور پاپا اسے کیا دے رہے ہیں۔"

شاہدہ نے بڑے ضبط سے کام لیا تھا۔ انہیں اپنی بیٹی کی یہی بات پسند نہیں تھی ماں کی ہر بات سے اختلاف کرتی تھی۔ تنویر صاحب جیسے، بہت خوش ہوئے تھے ثمرین کی بات سے۔

"کیوں نہیں دیں گے بیٹا! تعبیر کا پورا حق ہے۔" تنویر صاحب کہہ کر کھڑے ہو گئے جبکہ شاہدہ ہیں ہیں کرتی رہ گئیں کیونکہ وہ جان گئی تھیں، ضرور تنویر صاحب کچھ سوچ چکے ہیں اور وہ یہ بھی جانتی تھیں ان کو روکنا مشکل ہے۔

صرف دو ہفتے اور پھر ان کی زندگی پرسکون ہو جائے گی۔ انہیں ہمیشہ یہی خدشہ رہا تھا کہ تعبیر کی شادی پر تنویر صاحب سب کچھ اسے دے دیں گے لیکن ان کی قسمت اچھی تھی کہ ان لوگوں نے سادگی کا کہہ کر یہ مسئلہ بھی ختم کر دیا تھا اور وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ تعبیر دوسری کلثوم ہے۔ اپنے ماموں پر جان دینے والی۔ اور جہاں تک فہد کی بات تھی تو صرف دو ہفتے بعد تعبیر ہمیشہ کے لیے اس کے لیے پرائی ہو جائے گی پھر تو وہ ثمرین کے علاوہ کسی اور سے شادی نہیں کرے گا۔ لیکن اس جلد بازی میں تعبیر کے لیے ہی اچھا ہو گیا تھا ۔ اتنے امیر اور شریف لوگ۔ لڑکا اتنا خوبرو تھا۔ ایک پل کے لیے ان کی نیت بدلی تھی لیکن ان کی بیٹی کی خوشی تو فہد تھا اور اسی خوشی کے لیے انہیں یہ کڑوا گھونٹ پینا پڑا۔ اگر فہد نے تعبیر کا نام نہ لیا ہوتا تو وہ کبھی بھی تعبیر کی شادی اتنے امیر گھرانے میں نہ ہونے دیتیں اور نہ کبھی ثمرین سے پہلے اس کی شادی ہونے دیتیں۔

☆ ☆ ☆

"او مائی گاڈ! یہ کتنا خوب صورت ہے!" ثمرین کی سہیلی اس کا مہندی کا جوڑا ہاتھ میں لیے ستائشی انداز میں بولی "اور یہ چوڑیاں، مہندی گجرے واؤ آنٹی نے تو خوب ڈھونڈ ڈھونڈ کے چیزیں خریدی ہیں۔"

"ہاں تو اسے پہن کون رہا ہے میری بہن۔ اتنی خوب صورت میری بہن ہے تو چیزیں بھی تو اس کی ٹکر کی ہونی چاہئیں۔" ثمرین ایک پیار بھری نظر اس پر ڈال کر بولی۔ ثمرین نے اپنی دوستوں کو بلا کر مہندی کا فنکشن گھر میں ارینج کروا لیا تھا۔ اپنی دوستوں کے ساتھ ہلڑ بازی مچا کر اس نے اچھی خاصی رونق لگا دی تھی۔

"جاؤ تعبیر! جلدی سے پہن کر آؤ اپنا یہ جوڑا، پھر پنکی تمہیں مہندی لگائی ہے۔"

اس نے اپنی دوست کا نام لیا تو وہ سر ہلا کر کھڑی ہو گئی۔ وہ سب کے درمیان مصنوعی مسکراہٹ چہرے پر سجائے بڑے ضبط سے بیٹھی تھی لیکن باتھ روم کا دروازہ بند کرتے ہی وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر بری طرح رو پڑی۔

پھر منہ پر پانی کے چھپاکے مارے اور تولیے سے منہ صاف کرتے ہوئے باہر آ گئی۔

"تم رو رہی تھیں؟" اس کے قریب آ کر اس نے بغور اس کا چہرہ دیکھا تاں میں سر ہلاتے ہوئے پھر اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

"تعبیر کیا بات ہے؟" ثمرین نے پیار سے دونوں ہاتھوں سے اس کا چہرہ تھاما تھا۔

"امی، بابا یاد آ رہے ہیں۔"

ثمرین نے اسے گلے لگا لیا۔ "میں سمجھ سکتی ہوں تعبیر! تمہاری تکلیف اور جانتی ہوں اس تکلیف کا ازالہ کوئی بھی نہیں کر سکتا لیکن میں اور ابو ہیں نا تمہارے اور یقین کرو ہم تم سے بہت پیار کرتے ہیں۔"

"مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے ثمرین!" وہ کسی چھوٹی بچی کی طرح سہم کر بولی تو ثمرین نے اسے خود سے الگ کر کے اس کے آنسو صاف کیے۔

"اپنا سارا ڈر، ساری تکلیفیں یہیں چھوڑ جاؤ۔ میں جانتی ہوں ممی نے کبھی تمہارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ مگر وہ میری ممی ہیں۔ میں انہیں کچھ کہہ نہیں سکتی لیکن میں نے تمہارے لیے بہت دعا کی ہے اور مجھے یقین ہے تم جتنی اچھی ہو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اتنا ہی اچھا تمہارا ساتھی بنایا ہو گا۔ جو تمہیں اتنی خوشیاں اتنی محبت دے گا کہ تم سارے پچھلے غم بھول جاؤ گی بلکہ میں یہ تو یہ کہوں گی زید بھائی تمہیں اتنا پیار کریں تم ہمیں بھی بھول جاؤ۔" تعبیر نے گہرا سانس لیا۔

"تعبیر! میں ملی ہوں زید بھائی سے۔ وہ مجھے بہت اچھے لگے۔ شرمیلے اور کم گو سے۔ میں تو سوچ رہی ہوں تم ایک دوسرے سے بات کیسے کرو گے، تم بھی شرماتی رہو گی اور وہ بھی۔" وہ ہنسی تو تعبیر کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ آ گئی تھی۔

"یہ ہوئی نا بات اب پیاری لگ رہی ہو اب یہ اسمائل غائب نہیں ہونی چاہیے اور دیکھو! فہد نے ایک بار بھی فون نہیں کیا۔" وہ منہ بسور کر بولی۔

وہ جس ذکر سے بچنا چاہ رہی تھی ثمرین وہی لے بیٹھی تھی۔

"چلو باہر پنکی انتظار کر رہی ہو گی۔" تعبیر نے خود ہی موضوع بدل دیا۔

☆ ☆ ☆

"تعبیر!" انہوں نے اتنی اچانک پکارا تھا کہ وہ ڈر کے مارے اچھل پڑی۔

"رات کے تین بج رہے ہیں بیٹا! تم ابھی سوئیں نہیں؟"

"میں پانی پینے آئی تھی۔" اس نے ہاتھ میں پکڑا گلاس ان کے سامنے کیا۔ "آپ بھی ابھی جاگ رہے ہیں۔"

انہوں نے غور سے اس کی طرف دیکھا جس کا دودھیا رنگ مہندی کے پیلے جوڑے میں دمک رہا تھا اور ہاتھوں پر لگی مہندی سوکھ کر کئی جگہوں سے جھڑ چکی تھی۔ وہ بالکل کلثوم کی طرح لگ رہی تھی۔ ان کی آنکھیں نم ہونے لگیں تو انہوں نے منہ موڑ لیا۔

"جاؤ بیٹا جا کر سو جاؤ۔ صبح تمہاری بارات ہے۔"

"جی ماموں!" وہ گلاس سلیب پر رکھ کر باہر نکلنے لگی تو انہوں نے ایک دم اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"بیٹا! کیوں مجھے اتنی چپ کی مار مار رہی ہو۔ تمہاری اتنی بڑی خوشی چھیننے والا میں ہوں۔ تمہارا باپ ہونے کا دعوا کرتا تھا میں، لیکن نکلا تو میں ثمرین کا باپ ہی نا۔ اپنی بیٹی کے آنسوؤں کے سامنے مجھے تمہاری تکلیف نظر نہیں آئی۔ کچھ برا بھلا ہی کہہ دو، تمہاری خاموشی میرے دل پر بوجھ بن گئی ہے۔ تمہارا صبر، تمہاری چپ مجھے ہولاتی ہے۔" وہ اس کے سامنے بچوں کی طرح رو پڑے۔

"ماموں پلیز! آپ نے مجھ سے کچھ نہیں چھینا۔ میں کسی سے ناراض نہیں۔ انسان کو وہی ملتا ہے جو اس کی قسمت ہوتی ہے۔ یہ میری قسمت ہے۔ میں اس سے لڑ نہیں سکتی۔"

وہ خود حیران تھی وہ اتنے سکون سے کیسے بات کر رہی تھی۔ انسان کو ڈر تب لگتا ہے جب اسے کچھ کھونے کا ڈر ہو جبکہ اس کے پاس تو کچھ تھا ہی نہیں۔

☆ ☆ ☆

"او میرے خدا! یہ تم ہو تعبیر!" وہ ابھی ابھی بیوٹی پارلر سے آئی تو سب سے پہلے ثمرین اندر داخل ہوئی تھی۔ وہ واقعی اتنی پیاری لگ رہی تھی کہ اس پر نظر ٹھہرنا مشکل ہو رہا تھا۔ ثمرین نے بے ساختہ آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا۔ "اللہ تعالیٰ تمہیں ہمیشہ خوش رکھے جتنی تم خوب صورت ہو۔ اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ تمہارے نصیب اچھے کرے۔"

تعبیر اس سے الگ ہوئی تو اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری تھیں۔ وہ ثمرین کا چہرہ دیکھنا چاہتی تھی لیکن سب دھندلا گیا تھا۔

"بے وقوف! ابھی رخصتی میں وقت ہے۔ ابھی سے میک اپ خراب کر لیا تو زید تمہیں دیکھ کر بے

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہوش ہو جائیں گے۔" ثمرین خود بھی رو رہی تھی۔
"کاش فہد بھی یہاں ہوتا۔ میں اسے بہت مس کر رہی ہوں۔" ثمرین نے اپنی دلی کیفیت بیان کر کے اس کے زخم ہرے کر دیے تھے۔ اس کے آنسوؤں میں روانی آگئی۔ اب کے ثمرین نے غور سے اسے دیکھا۔
"رخصتی پر ہر لڑکی روتی ہے تعبیر! پر تم مجھے پریشان لگ رہی ہو۔ کیا تم خوش نہیں ہو اس شادی سے؟"
اب ثمرین جانچتی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔
"اگر میں کہوں کہ میں خوش نہیں تو؟" ثمرین بے یقینی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔
اچانک تعبیر مسکرادی "ڈر گئیں نا۔"
ثمرین نے مکا سا بنا کر اس کے کندھے پر مارا۔
"بدتمیز جان نکال دی تھی میری۔"
"اگر میں سچ کہہ رہی ہوتی تو۔"
"ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ پاپا کے لیے پہلے تمہاری خوشی ہے پھر کچھ اور ہوتا ہے۔ وہ کیسے تمہاری مرضی کے خلاف کر سکتے ہیں۔"
ثمرین کے لہجے میں یقین بول رہا تھا۔ ایسا یقین جو کچھ دن پہلے تک اسے بھی تھا۔ وہ گہرا سانس لے کر رہ گئی۔ تب ہی دروازہ کھلا اور دو خواتین اور ان کے پیچھے ماموں اور ممانی بھی اندر داخل ہوئے تھے۔
"یہ کون ہیں؟" ثمرین سرگوشی کے انداز میں بولی۔ جبکہ وہ پہچاننے اور نا پہچاننے والے انداز میں انہیں دیکھ رہی تھی۔
"تعبیر! پہچانا یہ کون ہیں۔" ماموں نے آگے بڑھ کر اس سے پوچھا تو اس نے سر نفی میں ہلا دیا۔
"کیا کریں جی۔ آج کل بچوں کا خون ہی سفید ہو گیا ہے۔"
"چپ رہو زرینہ! اتنے سالوں بعد دیکھ رہی ہے۔ کیسے پہچانے گی۔" نجمہ پھپھو نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا تھا اور اتنے سالوں بعد بھی اسے ان کے وجود سے اپنے باپ کی خوشبو آئی تھی' وہ پہچان گئی تھی وہ اس کی پھپھو تھیں۔
"بیٹا! تمہاری پھپھو اور تائی تم سے ملنے آئی ہیں۔" ماموں کے کہنے پر وہ باری باری ان کا چہرہ دیکھنے لگی۔
"بالکل کلثوم کا روپ ہے۔ وہ بھی جب دلہن بن کر آئی تھی بلکہ ایسے ہی لگ رہی تھی پریوں جیسی۔" نجمہ پھپھو نم آنکھیں صاف کرتے ہوئے بولیں۔ تب ہی اس کے تایا اندر داخل ہوئے تھے۔ انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے دعائیں دیں تو اس کا دل ایک بار پھر بھر آیا تھا۔
"تنویر صاحب! یہ کیسی شادی کی ہے۔ آپ نے نہ مہندی' نہ مایوں' شادی کا فنکشن بھی اتنا سادہ۔ یتیم تو وہ تھی ہی' آپ نے رخصتی بھی یتیموں کی طرح کر دی۔"
اس کے تایا ماتھے پر بل ڈال کر اس کے ماموں سے بازپرس کر رہے تھے۔
"اور نہیں تو کیا اتنا کیا اندھیر مچا تھا' جو دنوں میں بات طے کر کے اتنی سادگی سے رخصتی کر دی۔ لے کر تو ایسے گئے تھے جیسے بڑا شہزادیوں کی طرح رکھیں گے۔" یہ اس کی تائی تھیں شکوے کرتی ہوئی۔
"شہزادیوں کی طرح کا تو پتا نہیں لیکن بیٹیوں کی طرح ضرور رکھا ہے ہم نے اسے۔ آج آپ شادی کا حساب لینے آگئی ہیں۔ اتنے سالوں تو آپ کو کوئی خبر نہیں تھی۔" اب کے ممانی نے منہ توڑ جواب دیا تھا۔ ثمرین گھبرا کر ماں کی طرف بڑھی۔
"پلیز امی! کول ڈاؤن۔ یہ ان باتوں کا وقت نہیں' اسی خوشی کے موقع پر یہ باتیں اچھی نہیں لگتیں۔" اور شاہدہ بیگم ہونہہ کر کے رہ گئیں۔
"چلیں آنٹی! باہر چلتے ہیں۔"
ثمرین ہی معاملے کو ہینڈل کرنے کے لیے ان سب کو باہر لے گئی' تب ہی کسی نے اندر آکر بارات کے آنے کی اطلاع دی تھی اور اس کی دھڑکن ایک دم تیز ہو گئی۔ کمرا ایک دم لوگوں سے بھر گیا تھا۔ ساتھ ہی سارا کمرا روشنیوں سے نہا گیا۔ ان گنت آوازیں تھیں لیکن وہ سر جھکائے صرف اپنے دل کی دھڑکن سن رہی تھی۔ نکاح خواں اس کی رضامندی پوچھ رہا تھا

(دوسری اور آخری قسط آئندہ ماہ)

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

حنا یاسمین

محبت کب سمجھتی ہے

ناولٹ

سب لوگ دم سادھے بیٹھے تھے۔ شاید کسی بھی انہونی بات پر یوں ہی دم نکل جاتا ہے۔ رمشہ لاکھ بیٹی پر پردے ڈالیں، مگر جب بات نکلتی ہے تو دور تلک جاتی ہے۔

پھپھو زرینہ کو خوامخواہ کھانسی آنے لگی۔ جبکہ فاریہ اور آصفہ کی حالت بھی ناگفتہ بہ تھی۔ شارق کا پاپ کارن سے بھرا ہاتھ ہوا میں ہی معلق تھا۔ خبر ہی ایسی تھی۔ سب خاموش ہوگئے تھے۔ دادا ایوب بھٹی صاحب کی سفید قمیص پر نجانے کیسا داغ لگ گیا۔ جسے صاف کرنے میں وہ ایسے مگن ہوئے تھے جیسے انہوں نے کچھ سنا نہ ہو۔

رمشہ روتی ہوئی سیڑھیاں چڑھ گئیں۔ پیچھے پیچھے شارق بھی اوپر چلا گیا۔

ساکن تصویر متحرک ہوئی تھی۔

شہوار داہرے سے اولیول کرکے وہ جیسے ہی فارغ ہوئی تھی تو۔ تائی اس کے لیے راحم کا رشتہ لے کر آگئیں۔ ابو کی تو مراد بھر آئی تھی۔ اکلوتی بیٹی خاندان میں ہی نمٹ جاتی۔ اس سے اچھی بات بھلا کیا ہو سکتی تھی۔ پہلے ہی وہ غیر خاندان کی رمشہ کو پسند سے بیاہ کر لے آئے تھے۔ تب سے امی اور ابو کا رویہ ان کے ساتھ اچھا نہیں تھا۔ حالانکہ اب تو اولاد بھی جوان ہوگئی تھی۔ ساری فیملی میں اب بھی یہ قصہ چٹخارے لے کر دہرایا جاتا کہ کیسے رمشہ کو خضر ایوب گھر سے بھگا کر لائے تھے۔ کتنی دقتوں سے نکاح ہوا۔ رمشہ کے والدین کس طرح راضی ہوئے وغیرہ وغیرہ۔

معاشرے کے اسی فیصد لوگوں کی طرح اس گھر میں بھی بات کا بتنگڑ خوب بنا' لاکھ کوششوں اور رکاوٹوں کے باوجود وہ ان کی زوجیت میں آہی گئیں۔ محاورتاً "آگ کا دریا پار کیا گیا تھا۔

ساری عمر انہوں نے سلمی آپا (تائی اماں) اور اپنی ساس (دادی) سے بنا کر رکھی۔ سارے گھر کو سنبھالا۔ ان کی کڑوی کسیلی باتوں کو برداشت کیا۔ جس کا یہ نتیجہ نکلا کہ سلمی نے اپنے ہونہار سلجھے ہوئے سپوت کے لیے ان کی بیٹی صبغہ کا رشتہ مانگ لیا۔

بڑی دھوم دھام سے منگنی کی گئی۔ سکینہ پھپھو' زرینہ پھپھو۔ کلثوم چچی تقریباً "سب ہی کا حسد سے برا حال تھا۔ ان کا بس نہ چل رہا تھا کہ شام سے پہلے پہلے یہ رشتہ توڑ ڈالیں۔

رمشہ اور خضر کا قصہ پھر سے دہرایا گیا۔ رؤف خالد (تایا ابو) کو بار بار بھڑکایا گیا مگر کوئی ٹس سے مس نہ ہوا۔ منگنی پر سارا خاندان اکٹھا تھا مگر آدھے لوگ حسد اور آدھے غمگین تھے' جو سلمی آپا کے ہونہار بیٹے کے لیے اپنی بیٹیوں کی امید لگائے بیٹھے تھے۔ راحم کی سلجھی ہوئی فرماں بردار طبیعت بھی اس کی متاثر کن شخصیت کو بڑھاتی تھی۔

صبغہ بھی اپنی سادہ طبیعت کے برعکس بج سنور

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

کے راحم کے پہلو میں بیٹھی بے حد حسین لگ رہی تھی۔ رمشہ کو لگا صدیوں کی تھکن جیسے آج اتری ہو۔ انہیں عمر بھر کی ریاضتوں کا صلہ مل گیا تھا۔ خضر ایوب نے بھی بیٹی کے لیے دعا کی۔

"بڑی تیز ہے یہ رمشہ۔" رشتے کی چچی نے اپنی دیورانی کو ٹھوکا دیا۔ "ساری عمر جیٹھانی کو بٹھا کے کھلایا۔۔۔ اس کے بیٹے کے لنگوٹ دھوئے۔۔۔ اس کی بچی کی خدمت کی۔۔۔ صبغہ بھی خاموش سی بچی، ماں کا پرتو ہوگی۔۔۔ اسی لیے لے لی۔"

"میں تو اپنی روحی کے لیے بڑی پریشان ہوں۔"

نیوی بلو جینز کے اوپر لمبی سی سبز شرٹ پہنے بالوں کی اونچی پونی بنائے روحی لڑکیوں کے جھرمٹ میں اپنی شخصیت کو بغیر بولے بھی بیان کر رہی تھی۔ چچی نے دور کھڑی روحی پر نظر ڈال کر برا سا منہ بنایا۔ انہیں اپنے بیٹے احمر کی پڑ گئی تھی۔

پھپھو زرینہ کی آصفہ اور کلثوم چچی کی فاریہ۔۔۔ جو بے حد گوری اور جدید فیشن کی پروردہ تھیں۔ ان کا مارے حسد کے برا حال ہو رہا تھا۔

"مجھے تو لگتا ہے کہ یہ میسنی صبغہ کا راحم کے ساتھ کوئی چکر ہوگا۔" شازیہ جو حال ہی میں لاہور سے بیاہ کر آئی تھی۔ جل کر بولی۔

اتنے میں کلثوم چچی بھی شازیہ کو ڈھونڈتے ہوئے آگئیں۔ جلے دل کے پھپھولے پھوڑنے کے لیے انسان کو ہمیشہ اپنے جیسے لوگوں کی ضرورت پڑا کرتی ہے۔

"ارے دیکھا تم نے پورے اکیس ہزار کا سوٹ پہنایا ہے صبغہ کو۔ شادی پر پتا نہیں کیا کریں گی۔ منگنی پر ہی سلمیٰ آپا باؤلی ہوئی جارہی ہیں۔" انہوں نے کہا۔

رات دس بجے تایا ابو نے محفل برخاست کروائی اور مرد حضرات اپنی اپنی بیگمات کو گھر لے جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ تو سب اپنے دکھے دل لیے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

پورا ہفتہ صبغہ اور راحم کی منگنی۔۔۔ پورے خاندان کے لیے بریکنگ نیوز بنی رہی۔۔۔ خاندان بھر کے نوجوان لڑکے اور لڑکیوں نے بھی فیس بک پر خوب خوب منگنی پر تبصرے کیے۔

☼ ☼ ☼

بادل آنے کی دیر ہوتی ہے اور چاند کو بس چھپ جانے کی جلدی۔۔۔ چاندنی راتیں بھی اماوس کی راتوں کا منظر پیش کرتی ہیں۔ صبح سے لگا تار رم جھم ہوتی رہی۔ اس نے امی کے ساتھ مل کر سارا گھر صاف کروایا تھا۔ مہمانوں کی بھرمار۔۔۔ اوپر سے کاموں کا انبار۔۔۔

تھکن زدہ بدن میں بھی کوئی نیند کا خمار نہ اترا تھا۔ نہ بدن ٹوٹ کر بستر مانگ رہا تھا۔ نہ سونے پر مچل رہا تھا۔ بس اگر وہ تھکی تھی تو اپنے ذہن کے ہاتھوں۔۔۔ جہاں ہزاروں سوچیں ہر وقت براجمان رہتی ہیں۔

اسے لگتا ذہن میں کہیں دور سوچوں کا جنگل اگ آیا ہو۔۔۔ بادل سے گھرے آسمان تلے وہ اپنے اور راحم کے رشتے کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ قدرت کے فیصلے بھی عجیب ہی ہوتے ہیں۔ انسان سوچتا کیا ہے اور ہوتا کیا ہے۔ ساری عمر اس نے اپنی ماں کو سلمیٰ تائی کے ایک اشارے پر بھاگتے دوڑتے دیکھا تھا۔ وہ اور شارق تو بس یوں ہی نظرانداز ہوتے آئے تھے۔

اور راحم۔۔۔ خود میں مگن۔۔۔ مغرور۔۔۔ اکھڑ۔۔۔ اپنی زندگی کی کہانی میں ایسے کسی ہیرو کا تو اس نے سوچا بھی نہ تھا۔ ایک مہربان اور خیال رکھنے والا شخص ہمیشہ اس کی سوچوں میں بسا رہتا۔

خیر۔۔۔ سارا خاندان اور ان کے رویے۔۔۔ اس سے کچھ بھی ڈھکا چھپا نہ تھا۔ لوگ اس کی قسمت پر رشک کر رہے تھے اور اس کی ماں جو ساری عمر اپنی ایک غلطی کی وجہ سے کانٹوں پر سفر کرتی آئی تھی۔۔۔ اب یکدم زمین کے نیچے خوب صورت نخلستان کی مخملیں گھاس پاکر بے انتہا خوش تھی اور ماں کی خوشی ہی اس کے لیے

دنیا کی سب سے بڑی خوشی تھی۔

منگنی سے پہلے تو وہ بس کزن تھا۔ جس کا سخت مزاج سلام دعا سے آگے کچھ بھی بات نہ کرنے دیتا۔ سارے لوگوں کی طرح وہ خود بھی حیران پریشان تھی کہ یہ سب ہوا کیسے؟

پچھلے برآمدے کو اچھی طرح دھو کر وہ چنبیلی کے پھولوں کے پاس آکر بیٹھ گئی اپنے لمبے سلکی بالوں کو کھول کر چٹیا بنانے کی غرض سے۔۔۔ اس کے لمبے بال سب کو پسند تھے۔ صرف اسے ہی چڑ تھی۔ جبکہ ساتھ والے پورشن سے ڈرائنگ روم کی کھڑکی سے ریپر پھینکنے کی غرض سے باہر جھانکتے راحم کی نظریں اس پر جم گئی تھیں۔ آج سے پہلے اس نے اسے کبھی اتنے غور سے دیکھا ہی نہ تھا۔ وہ اسے ہمیشہ دبو سی۔۔۔ گلاسز والی۔۔۔ سادہ سی۔۔۔ پھیکے شلجم جیسی لگی تھی۔ مگر آج غور سے دیکھنے پر اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ اچھی خاصی خوب صورت ہے۔

لمبے بال۔۔۔ گلاسز اترے ہوئے تھے۔۔۔ بڑی بڑی آنکھیں۔۔۔ گورا رنگ۔۔۔ چہرے کی معصومیت۔۔۔

ممی کی خواہش پر اس نے اس لڑکی کا ہاتھ تو انجانے میں تھام لیا تھا مگر اب اندازہ ہو رہا تھا اچھا کیا یہ ہاتھ تھام کر۔

کوئی بھی لمحہ محبت اور پسندیدگی کی سند دے دیتا ہے۔ وہ ایسا ہی ایک لمحہ تھا۔

☼ ☼ ☼

شارجہ سے زاہد ماموں کی فیملی آرہی تھی۔ رمشہ نے صبغہ کو کالج جانے سے روکا زاہد ماموں کو نہاری اور پائے بے حد پسند تھے۔ رمشہ نے دونوں سالن چولہے پر چڑھا دیے۔ صبغہ نے کام والی کے ساتھ مل کر گھر کی صفائی و سجاوٹ کروائی۔ یہاں تک کے تائی اماں کے اور اپنے مشترکہ لان کی بھی صفائی کردی۔

زاہد ماموں کی بیٹی سحرش اور بیٹا ماموں بھی آیا تھا۔ ان کے آنے سے ان کے چھوٹے سے پورشن میں رونق سی ہوگئی۔ سحرش اور ماموں سارا دن اس کے پیچھے پیچھے صبغہ آپی۔۔۔ صبغہ آپی کرتے پھر رہے تھے۔

وہ کچن میں قہوہ تیار کر رہی تھی۔ جب شارق نے اسے چائے بنانے کا آرڈر بھی دے دیا۔

"تمہیں احساس ہے صبح سے لگی ہوئی ہوں۔" وہ منہ بنا کر بولی۔

"یار! چائے ہی بنانی ہے۔ راحم بھائی تو اتنی چائے پیتے ہیں۔۔۔ دیکھنا ہر وقت تمہاری شامت آتی رہے گی۔" شارق نے اسے تنگ کرنا اپنا فرض سمجھا۔

"اس کو بعد میں دیکھ لوں گی۔۔۔ پہلے تمہیں تو دیکھوں۔۔۔" وہ مصنوعی غصے سے بولی۔

"ویسے وہ امریکا جارہے ہیں۔۔۔ تمہیں کچھ خبر بھی ہے۔" وہ سلیب کے اوپر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"تمہیں کچھ کہنا ہے۔" صبغہ بھائی کی کیفیت بھانپ گئی۔

"مجھے سحرش کے بارے میں بات کرنی تھی۔"

"ممانی کا پتا ہے نا۔" وہ چائے کپ میں انڈیلنے لگی۔

"ہاں پتا ہے۔۔۔ پر تمہیں بھی تو ماموں کا پتا ہی ہے۔ وہ تو ہم سے بے حد پیار کرتے ہیں۔"

"پر ممانی نہیں کرتیں اور فیصلہ ان ہی کا ہونا ہے۔ کیپ اٹ ان یور مائنڈ (اپنے ذہن میں رکھنا۔)" وہ ایک کپ اسے پکڑاتے ہوئے اور ایک خود سنبھالتے ہوئے بولی۔ "وہ امی کی وجہ سے شاید۔۔۔" وہ بات ادھوری چھوڑ کر چپ ہوگئی۔

شارق کے چہرے کی رنگت یکدم بدلی تھی۔ یہ والی بات اس کے لیے بھی حساس مسئلہ تھی۔ اس کی غیرت تڑپ اٹھتی تھی۔ ساری عمر اس کی ماں نے نیک عورت کی طرح اس کے سامنے زندگی گزاری تھی۔ لوگ صرف ان کی ابو کے ساتھ مرضی کی شادی والا قصہ بار بار دہرا کر انہیں زک دیتے۔ ان کا حال ایسا ہی تھا کہ سفید کپڑے پر داغ سا بن جائے جو کسی بھی ٹوٹکے

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

سے نہ مٹے۔

رمشہ کی لاکھ کوششیں بھی اس داغ کو مٹا نہیں پا رہی تھیں۔ لوگ وہ نشان کہیں نہ کہیں ڈھونڈ ہی لیتے اور ان کے ساتھ ساتھ سب سے زیادہ اذیت شارق اور صبغہ کو ہوتی۔۔۔ پیاری ماں کے لیے ایسے تبصرے ان کا خون کھولا دیتے مگر وہ حقیقت کو بدلنے پر قادر نہ تھے۔

☼ ☼ ☼

"صبغہ! تم بھی کبھی راحم سے بات کرلیا کرو۔" رمشہ نے خضر صاحب کے کپڑے الماری میں رکھتے ہوئے کہا۔ وہ ناخن تراشتے تراشتے رک کر ماں کا منہ دیکھنے لگی۔ "زمانہ بدل گیا ہے۔ بات کرلینے سے انڈر اسٹینڈنگ ہوجاتی ہے۔"

"امی! زمانہ بھی وہی ہے اور لوگ بھی وہی ہیں۔ اگر میں نے کوئی ایسا کام کیا تو لوگ یہ بھول جائیں گے کہ میں راحم مرتضیٰ کی منگیتر ہوں۔ وہ صرف یہ یاد رکھیں گے کہ میں رمشہ کی بیٹی ہوں۔ ہم پاکیزگی کی سات تہوں میں بھی جاکر چھپ جائیں۔۔۔ ہماری ذات پہ لگا داغ ہماری نشاندہی کردے گا۔" رمشہ کے چہرے پر شدید کرب کی لکیریں پھیل گئیں۔ بیٹی کے منہ سے ایسا سننا لوگوں کے منہ سے سننے سے زیادہ تکلیف دہ تھا۔

"ہماری ماں نے ایسا کوئی گناہ نہیں کیا۔ جو ساری عمر بازگشت بن کر ان کی روح کو تڑپاتا رہے مجھے اپنی ماں پر فخر ہے۔ جنہوں نے ہمیں رشتوں کا احترام اور اچھی عادات سکھائیں۔ ان کی نرمی، ان کی کمزوری بن رہی ہے۔ ورنہ وہ بھی لوگوں کو ٹکا کر جواب دے سکتی ہیں۔"

کمرے کے اندر داخل ہوتے شارق نے صبغہ کی بات کا جواب دیا۔

عجب صورت حال پیدا ہوگئی۔ سارے نفوس اپنی اپنی جگہوں پر مجسمے سے بن گئے۔

"امی وے! تم بات کرلیا کرو۔ بات کرنے میں کوئی حرج نہیں۔" شارق نے ہی خاموشی توڑی۔

"اچھا۔" صبغہ مختصراً جواب دے کر وہاں سے اٹھ آئی۔

کتنے سارے لمحوں پر یوں ہی کالی گھٹائیں چھا جاتی ہیں۔ وہ باہر آگئی۔ نادانستہ اس نے ساتھ والے پورشن کی طرف دیکھا۔ جہاں عمر کے باقی ایام گزارنے تھے۔

پھر سر جھٹک کر اپنے کمرے میں آگئی۔ ساری عمر راحم کے ساتھ رابطہ صرف دعا سلام تک ہی تھا۔ منگنی کے بعد پہلی دفعہ اس سے بات ہو رہی تھی۔ اس نے اس کے میسج پر "کیا تم مجھ سے بات کروگی؟" کا "یس" میں جواب بھیج دیا۔ اب دل زور، زور سے دھڑک رہا تھا۔

"کیسی ہیں آپ۔"

"میں ٹھیک، آپ کیسے ہیں۔"

"میں بھی۔۔۔"

"میں چاہتا ہوں کہ ہم کبھی کبھی بات کرلیا کریں۔"

"مگر میں چاہتی ہوں کہ ہم شادی کے بعد ہی بات کریں۔"

"کیوں۔"

"ساری باتیں ابھی ختم ہوجائیں گی۔"

"نہیں، پھر کچھ اور اسٹارٹ ہوجائیں گی۔" اس کا جواب پڑھ کر وہ خاموش ہوگئی۔

"میں کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ تم ویسی ہو نہیں جیسا ایکسپوز کرتی ہو۔" راحم کے اگلے ٹیکسٹ پر وہ جو تکیے سے سر ٹکا کر لیٹنے لگی تھی۔ ایک دم چونک کر بیٹھ گئی۔

"مطلب۔۔۔" اس نے پوچھا۔

"میری کال اٹینڈ کرو۔"

"میسج پر بات ہو تو جاتی ہے۔"

"ہاں مگر کال پر کم وقت پر زیادہ ہوسکتی ہے۔" اس نے جواب نہ دیا۔

"پلیز۔۔۔ اوور ری ایکٹ نہ کیا کرو۔ فضول لگتی ہیں مجھے ایسی لڑکیاں۔" اس کی بات پر اسے کانوں کی لویں

تک سرخ ہوگئی تھیں۔

"آج کل کے دور میں ہر لڑکی اور لڑکا کہیں نہ کہیں منہ مار رہا ہوتا ہے۔ موبائل پر نہیں تو فیس بک پر۔"

"راحم! آپ پڑھے لکھے ہیں۔۔۔ پلیز ورڈنگ تو اچھی استعمال کریں۔" وہ اس کے میسج پر ٹھنڈی برف ہی ہوگئی۔ "اور ویسے بھی ہر لڑکی یا لڑکا ایسا نہیں ہوتا۔" وہ بھی ذرا غصے سے بولی۔

"تم کہنا چاہتی ہو کہ تم سب سے منفرد ہو۔"

"میں نے کب ایسا کہا۔"

"پھر کیسا کہا؟" وہ دوبارہ پرانے لہجے میں آتے ہوئے بولا۔ پھر دو چار ادھر ادھر کی باتیں کرکے وہ دونوں خاموش ہوگئے۔

☼ ☼ ☼

"تم یہاں کیا کررہی ہو۔" شارق نے کمرے میں تیزی سے داخل ہوتے ہوئے کہا۔ "یہ دیکھو نیو موبائل۔" وہ ایک نیا اور بیش قیمت موبائل اس کی آنکھوں کے سامنے لہرا کر اسے اس کے فنکشن سمجھانے لگ گیا۔ جبکہ صبغہ اس کے چہرے کو غور سے دیکھنے لگی۔ شارق کو جب بھی کوئی بات کہنی ہوتی، وہ یوں ہی گھما پھرا کر کہتا۔

"شارق! تمہیں کیا کہنا ہے۔"

وہ موبائل سے چھیڑ چھاڑ بند کرکے ایک دم سیدھا ہوا۔ پھر ہلکا سا مسکرایا۔

"تم امی سے سحرش کے لیے بات کرو۔"

"میں نے کی تھی۔" وہ بھائی کی آنکھوں میں اترتے جگنوؤں کی کہانی پہلے ہی پڑھ چکی تھی۔

"پھر۔۔۔" وہ قریب آیا۔

"ممانی کبھی نہیں مانیں گی اور ماموں کا اختیار اتنا ہی ہے جتنا پاکستان کا ڈرون حملوں کے سلسلے میں امریکا پر ہے۔" وہ دل گرفتی سے مسکرایا۔

"میں اس سے محبت کرتا ہوں۔۔۔ یا شاید اس سے بھی بڑھ کر کچھ۔۔۔ تم کچھ کرو پلیز۔"

"میں کیا کرسکتی ہوں شارق! ممانی کے حوالے سے کوئی خوشگوار بات میرے ذہن میں نہیں آرہی جس سے میں کوئی خوش گمانی پالوں۔"

"کیا ممانی سب بھول نہیں سکتیں؟ لوگ تو اتنی بڑی بڑی غلطیاں کرکے دندناتے پھرتے ہیں۔ ہماری ماں نے صرف پسند کی غیر برادری میں شادی ہی کی تھی نا۔" صبغہ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ امی والی بات پر وہ جتنا بھڑکتا تھا، جتنا جذباتی ہوتا تھا۔ وہ جانتی تھی مگر محبت انسان کو کیسے کیسے پیچ و خم سے گزارتی ہے۔ اس نے سچے دل سے اللہ سے بھائی کی خوشی کے لیے دعا کی۔

☼ ☼ ☼

دادا ابو کے لیے وہ خاص طور پر مختلف چٹنیاں بنانے کی کوشش کرتی رہتی۔ آج اس نے آلو بخارے کی کافی ساری چٹنی بنائی۔

"تھوڑی تائی امی کو بھی دے آؤ اپی۔۔۔" رمشہ نے قمیص سیتے ہوئے بیٹی سے کہا۔

"امی میں۔۔۔" وہ ادھر جانے کے خیال سے ہی کترانے لگی۔

"ہاں بیٹا! دے آؤ۔۔۔ خوش ہوں گی۔ تمہارے جانے پر۔"

"اچھا امی! دے آتی ہوں۔" وہ بحث نہیں کرنا چاہ رہی تھی۔ کچن میں آکر کرسٹل باؤل میں کافی ساری چٹنی نکالی اور پلیٹ سے ڈھانپ کر چل دی۔ آج اس نے لمبا سا سفید فراک چوڑی دار پاجامے کے ساتھ پہنا ہوا تھا۔ لمبا سا دوپٹہ سر پر اوڑھ کے وہ تائی کے پورشن میں آگئی۔ حلیمہ بی بی آئی ہوئی تھیں۔ وہ جب بھی پنجاب آتیں، سندھی کڑھائی کی ڈھیروں شالیں اور قمیصیں لے کر آتیں۔ کپڑوں کا ڈھیر پھیلائے وہ ایک ایک کپڑا تائی اماں کو دکھا رہی تھی۔

"ارے میری بیٹی آئی ہے۔" تائی اماں کپڑوں کے ڈھیر کو ایک طرف کرکے اس کے لیے جگہ بناتے

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہوئے بولیں۔ وہ جھک کے تائی کے گلے لگی۔ انہوں نے محبت سے اس کی پیشانی چوم لی۔ وہ وہیں بیٹھ گئی۔

"یہ دیکھو! یہ تم پر کتنا پیارا لگے گا۔" وہ سبز پشمینہ پر سندھی ٹلے سے سجے سوٹ کو اس کے ساتھ لگا کر بولیں۔

"تم بیٹھو، میں کچھ لاتی ہوں۔" تائی محبت سے بولیں۔

"اللہ جگ جگ سلامت رکھے میرے راحم کی جوڑی کو۔" حلیمہ بی بی اس کے سلام کے جواب میں عادتاً" دعائیں دینے لگیں۔ وہ شرم سے نظریں جھکا کر بیٹھ گئی۔

"ارے حلیمہ بی! آپ آئی ہوئی ہیں۔" وہ اچانک پتا نہیں کس کمرے سے نکلا تھا۔

"ارے میرا بچہ۔" حلیمہ بی کھڑی ہو کر اس سے ملیں۔

"السلام علیکم!" وہ مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھ کر بولا۔

"وعلیکم السلام۔" وہ اسے یوں اچانک سامنے پا کر سٹپٹا گئی۔ وہ سیاہ کرتا شلوار میں بے حد شاندار لگ رہا تھا۔ اوپر سے اس کا دراز قد۔۔۔ وہ دو دفعہ پلکیں اٹھا اور گرا چکی تھی اور دل ہی دل میں خود کو سرزنش کرنے لگی۔ جبکہ وہ سلام کا جواب سننے کے بعد حلیمہ بی بی کے ساتھ باتوں میں یوں مصروف ہو گیا جیسے وہ وہاں موجود ہی نہ ہو۔ پھر اپنی بات مکمل کر کے باہر نکل گیا۔ جبکہ وہ جاتے ہوئے راحم کے چوڑے شانے ہی تکتی رہ گئی۔

"ہونہہ! بلاوجہ کی بے نیازی۔" وہ دل ہی دل میں اس سے خفا ہوئی۔ پھر کچھ دیر بیٹھ کر وہ گھر آ گئی۔ گھر آ کر بھی دل عجیب بجھا بجھا تھا۔

"کیا میں یہ چاہتی تھی کہ وہ مجھے نوٹس کرے۔" وہ خود سے پوچھنے لگی۔

"ایسی باتیں بھی مجھے بری لگتی ہیں۔" خود کو باور کرایا گیا۔

وہ سر جھٹک کر رہ گئی۔

آج اس کا سارا دن کوئی میسج بھی نہ آیا تھا۔ وہ لاشعوری طور پر انتظار میں تھی۔ پھر رات کو خود ہی کر لیا۔ حالانکہ وہ ایسا نہیں چاہتی تھی۔

"کیسے ہیں آپ۔"

"ٹھیک، بالکل ٹھیک۔" کافی دیر بعد جواب آیا۔

آگے سے اسے کچھ نہیں سوجھا کہ وہ کیا کہے۔ مگر حیرت انگیز طور پر اس نے بھی کچھ نہ پوچھا۔

پھر کتنی ہی دیر وہ انتظار کرتی رہی۔ مگر ادھر سے کسی بھی طرح کا سوال نہ کیا گیا۔ وہ لاشعوری طور پر پریشان ہو گئی۔

یہ پریشانی رات تک دکھ میں بدل گئی۔

"کیا میں اس کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتی؟" خود ساختہ سوالات کی یلغار۔۔۔

وہ رت جگے میں قیمتی زندگی کی ایک رات گزار چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

"ارے چپ چپاتے بچی کی تاریخ طے کر ڈالی۔۔۔ اللہ! ایسا سفید خون۔۔۔ بہن کو اطلاع کرنا بھی گوارا نہ کیا۔۔۔ میرے دونوں بھائیوں کو بھی میرا خیال نہ آیا۔" وہ تو رونے بیٹھ گئیں۔

"ارے پھپھو! بیٹھیے تو سہی۔" وہ ہکابکا سی پھپھو کو دیکھنے لگی۔ انہوں نے اچھا خاصا ہنگامہ کھڑا کر دیا تھا۔ ادھر سے تایا ابو اور تائی امی بھی آ گئیں۔ اچھا خاصا ٹینشن والا ماحول بن گیا تھا۔ سب یہی صفائیاں دیتے رہ گئے کہ ابھی صرف فیصلہ کیا ہے۔ تاریخ رکھنے کی باقاعدہ رسم کریں گے۔ خاندان کے سارے لوگوں کو بلایا جائے گا۔ دراصل ایک دن قبل تایا اور تائی آئے تو ابا نے اپریل کا مہینہ فائنل کر لیا تھا۔ مگر پھپھو کو بس واویلا کرنا تھا اور وہ انہوں نے اچھا خاصا کر ڈالا۔

"یار! چائے بنا دو۔" شارق چابی گھماتا ہوا اس کے پاس کچن میں آ گیا۔ وہ چائنیز رائس کے لیے فرائی پین میں سبزیاں فرائی کر رہی تھی۔

"مجھے تو جنگل میں ہی چھوڑ آؤ۔" وہ بھنا کر بولی۔

"ہیں۔۔۔ کیوں تمہارے اندر جنگلیوں والے آثار نمودار ہونا شروع ہو گئے ہیں؟" وہ مصنوعی حیرت سے بولا۔

"ایک سیکنڈ کے اندر اندر یہاں سے آؤٹ ہو جاؤ۔" وہ جلدی جلدی کفگیر چلاتے ہوئے بولی۔ شارق کی ہنسی نکل گئی۔

"تم لڑکیاں کام سے کتنا گھبراتی ہو، کسی دن زیادہ کرنا پڑ جائے تو رونا دھونا شروع کر دیتی ہو۔" وہ افسوس سے سر ہلاتا ہوا اس کے ساتھ کام کروانے کے لیے کف کھولنے لگا۔

"یہ اتنی بڑی بات تو نہ تھی۔ ہندوؤں کی طرح ہر رسم کرنا ہمارا فرض بن چکا ہے۔" اس نے ایک دم دل کی بات کر دی۔

"یہ بات نہیں، جب رشتہ دار کافی زیادہ ہوں تو سب کا دل کرتا ہے، خوشی غمی میں شریک ہونے کو۔" شارق اس کی نسبت ہمیشہ خوش گمان رہتا تھا۔

"ویسے تو کبھی عزت نہ دی اور اب۔۔۔" وہ ہمیشہ پچھلی محرومیاں یاد کرنے بیٹھ جاتی۔

"چھوڑو بھی یار! بس کرو۔۔۔ گندی ذہنیت بدلنے میں بھی وقت لگتا ہے۔ تم ایک بات کو نہ لے کر بیٹھ جایا کرو۔" اب وہ اس کے ساتھ شامی کباب فرائی کروا رہا تھا۔

"ہمیشہ اپنے نقطہ نظر سے مت دیکھا کرو۔۔۔ میرے لیے بھی یہ باتیں پریشانی کا باعث نہیں ہیں۔ مگر کبھی کبھی تکلیف ہوتی ہے۔"

وہ ہلکے سے کہہ کر خاموش ہو گئی۔

☼ ☼ ☼

رات میں راحم کی کال آ گئی۔ اس نے بے یقینی سے موبائل اسکرین کو دیکھا۔

"کیسی ہو؟"

"ٹھیک۔۔۔" وہ بیڈ کے ساتھ تکیہ لگا کر اطمینان سے بیٹھ گئی۔

پیارے بچوں کے لئے

پیاری پیاری کہانیاں

بچوں کے مشہور مصنف

محمود خاور

کی لکھی ہوئی بہترین کہانیوں پر مشتمل ایک ایسی خوبصورت کتاب جسے آپ اپنے بچوں کو تحفہ دینا چاہیں گے۔

ہر کتاب کے ساتھ 2 ماسک مفت

قیمت -/300 روپے

ڈاک خرچ -/50 روپے

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"آج پھپھو نے کافی ہنگامہ کیا۔"

"جی۔۔۔" وہ مختصراً بولی۔

"فاریہ اور آصفہ کے لیے وہ کافی کوشش کر رہی تھیں اور مجھ سے بھی کافی پیار ہے انہیں۔"

"مطلب۔۔۔" وہ اٹک کر بولی۔

"ہاہاہا۔۔۔" بڑا سا قہقہہ لگایا گیا۔

"مطلب کیا یار! بس میری ماں کا دل تم پر آگیا اور آئی لو ہائی ماما سو مچ۔"

وہ چپ سی ہو گئی۔

"حالانکہ چچی جان کا کارنامہ آج بھی سب کو ازبر ہے۔" مزاج کی رعونت اُمڈ آئی۔

"اور آپ کے کارنامے؟" اس کی برداشت کی حد بھی صرف اتنی تھی۔

"کیا مطلب کون سے کارنامے؟"

"آپ کتنے پارسا ہیں۔ آپ کی پارسائی تو یہ ہے کہ ساری عمر ہم کزنز ضرور رہے ہیں مگر میں ہمیشہ خود کو آپ سے بچاتی رہی۔ آپ کی گندی نظریں اور گھٹیا مذاق۔"

"یو ربش۔۔۔ میں پڑھا لکھا انسان ہوں۔ گلی میں پھرنے والا آوارہ لڑکا نہیں۔"

"مجھے کیا پتا۔۔۔ مجھے تو جو محسوس ہوا میں وہی کہوں گی۔" وہ سرد سے سرد ہوتی گئی۔

"مجھے تمہاری شکل، آواز۔۔۔" پتا نہیں وہ آگے کیا کہنا چاہ رہا تھا۔ کال منقطع ہو گئی۔

اور وہ سر تھام کر ڈھے گئی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ چیخ چیخ کر روئے پر آنسو چپکے چپکے ہی گال بھگوتے گئے۔ اگلے دن خاندان والوں کے لیے ایک نیا ڈرامہ نشر ہو چکا تھا۔

سومنہ اور سو کی باتیں۔۔۔

رمشہ کا رو رو کر برا حال تھا۔ تائی اماں انگوٹھی سمیت ساری چیزیں واپس کر گئیں۔

جبکہ وہ زندگی کے آخری آنسو رات کی تاریکی میں بہا چکی تھی۔ اس کے چہرے پر پھیلی خاموشی اور سکون دیکھنے والوں کو اس بات کا یقین دلانے کے لیے کافی تھا کہ غلطی صبغہ کی تھی۔

اس کا سہیلی نما بھائی شارق بھی اپنی جگہ حیرت زدہ تھا۔ نہ اس میں کچھ پوچھنے کی ہمت تھی اور نہ اس میں اسے بتانے کی۔

☆ ☆ ☆

زندگی سکون سے دور کسی ایسی وادی کا نام ہے، جہاں بیک وقت دھوپ بھی نکلتی ہے اور بارش بھی برستی ہے۔ جہاں پھول بھی کھلتے ہیں اور نوکیلی خطرناک جھاڑیاں بھی اگتی ہیں اور جہاں زمین لوگوں کو خاک اڑانے اور خاک ہو جانے پر بھی مجبور کرتی ہے۔ انسان اس وادی میں کبھی آرزوؤں کے مینار تعمیر کرتا ہے تو کبھی خواہشات کی فصل کاٹ کاٹ کر بوڑھا ہو جاتا ہے اور تھک کر خاک کی چادر اوڑھ کے لیٹ جاتا ہے۔ اصل سکون تو زمین کے نیچے ہے۔ اگر زمین کے اوپر بے سکونی برداشت کی ہو تب۔۔۔

"اگر اس نے مجھے کچھ کہہ دیا تھا تو تمہیں یہ بکواس کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" رات کو امی، ابو اور شارق کے درمیان اس کی عدالت لگی ہوئی تھی۔

"امی! میں آپ کے لیے ایسا کچھ نہیں برداشت کر سکتی۔"

"کرنا پڑے گا برداشت۔۔۔ کرنا پڑتا ہے۔" وہ روئے جارہی تھیں۔ "کسی نے یہ نہیں دیکھا کہ اس نے تمہیں کیا کہا؟ تمہاری باتیں۔۔۔ اور ساتھ میری باتیں دہرا دی گئیں بس۔"

"بچوں کو مت ڈانٹو رمشہ! یہ ہماری ہی غلطی ہے جو اولاد کے سامنے آرہی ہے۔" خضر ایوب نے تھکن سے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔ جوانی کا جوش آج انہیں کس مقام پر لے آیا تھا۔

"نہیں ابو! آپ کی کوئی غلطی نہیں۔ دنیا آپ کو کچھ بھی کہے، ہم آپ پر فخر کرتے ہیں۔" شارق نے باپ کے سامنے دوزانو بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ابو! آپ نے کبھی ہمیں غلط بات نہیں سکھائی۔ پھر غلط بات کو ہم کیوں برداشت کریں؟ لوگ بڑے بڑے گناہ کر کے دندناتے پھرتے ہیں۔ اپنے گناہوں سے توبہ نہیں کرتے۔۔۔ ان پر بلاوجہ کا فخر کرتے ہیں۔ قتل تک کر دیتے ہیں۔۔۔ پھر بھی شان سے زندگی گزارتے ہیں۔ آپ نے تو صرف ایک غیر خاندان کی لڑکی سے شادی ہی کی تھی نا اور ویسے بھی یہ ذات برادری ہوتی کیا ہے۔ ہم صرف مسلمان ہیں ابو!" صبغہ نے تھکی تھکی آواز میں بے ربط انداز میں اپنی احساسات کی جنگ کو ٹھنڈا کیا۔

"امی! صبغہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔"

رمشہ کی سسکیاں تھم گئیں۔ ان کے بچے تو کم از کم انہیں گناہ گار نہیں سمجھتے تھے۔ یہ بھی اس رب کی مہربانی تھی۔ جو اتنا ظرف رکھتا ہے کہ گناہوں کے پہاڑ کے پہاڑ بھی کھڑے کر دیے جائیں تو اس کی رحمت کے سامنے ان کی کوئی وقعت نہیں۔

خضر ایوب خاموشی سے اٹھ کر کمرے میں چلے گئے۔ رمشہ بھی آنسو پونچھ کر کھڑی ہو گئیں۔ محبت اور درد کی آمیزش سے بنا ایک آنسو صبغہ کے گال پر لڑھک گیا۔

☆ ☆ ☆

خضر ایوب نے اوکاڑہ ٹرانسفر ہونے کے لیے کوشش شروع کر دی۔ لوگوں کی باتیں سننے کے وہ ایک عرصے سے عادی ہو چکے تھے۔ اب بھی انہیں کوئی فرق نہ پڑتا مگر اپنے بچوں کو وہ مزید اس تکلیف دہ ماحول میں نہیں رکھنا چاہتے تھے۔

"تم ہمیشہ اپنی من مانی نہیں کر سکتے۔ اپنی خود سر اولاد کو اتنا سر پر نہ چڑھاؤ۔"

لاؤنج میں خضر ایوب کے جانے کی خبر سن کر آنے والے تایا ابو نے گرج دار آواز میں کہا۔

دادا ابو بالکل خاموش تھے۔ انہیں تو اس رشتے کے ٹوٹنے کا سبب اب تک سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ انہیں جتنی صبغہ پیاری تھی، ان کا دل ہی نہ مانتا کہ اس کی وجہ سے یہ رشتہ خراب ہو سکتا ہے۔ دوسری طرف پوتے کی طبیعت کے ہاتھوں بے بس تھے۔ بوڑھے ماں، باپ ویسے بھی پہلے جیسا رعب و دبدبہ کم ہی رکھ پاتے ہیں۔

"یاد رکھو! اگر تم چلے گئے تو پھر میرے ساتھ تمہارا کوئی تعلق نہیں ہو گا۔" تایا ابو پھر بولے۔

خضر ایوب نے ان کی بات پر خاموشی سے ان کا چہرہ ٹٹولا۔ ان میں یہ پوچھنے کی ہمت ہی نہ ہوئی۔

"جب آپ نے میری بیٹی کو چھوڑا تھا تو آپ کو نہ لگا کہ آپ نے میرے جگر کو اندر سے علیحدہ کر دیا ہو۔"

☆ ☆ ☆

وہ لوگ اوکاڑہ شفٹ ہو گئے۔ شارق ہاسٹل چلا گیا۔ خضر ایوب پہلے کی نسبت زیادہ خاموش رہنے لگے تھے۔ وہ جس گھر میں کرائے دار بن کر آئے تھے۔ اس کے دو پورشن تھے۔ مگر گیٹ ایک ہی تھا۔ ان کے ساتھ مالک مکان کی بیوہ اور تین لڑکیاں رہتی تھیں۔ بیٹا آسٹریلیا پڑھنے گیا تھا۔

شارق کے ذہن میں ابھی بھی سحرش کسی پرانی یاد کی طرح زندہ تھی۔ اکثر ماموں کا فون آجاتا۔ ممانی کی نفرت بدستور قائم تھی۔ سحرش البتہ صبغہ سے باتیں کرتی تھی۔ تایا ابو نے بھی دو، تین دفعہ رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر خضر ایوب کا دل بجھ سا گیا یا شاید رشتوں پر بے اعتبار ہو گیا تھا۔ دادا ابو بیمار رہنے لگے تھے۔ صبغہ سے ملنے آئے تو رو پڑے۔ رمشہ اور صبغہ بھی رونے بیٹھ گئیں۔ دادا ابو نے پندرہ دن ان کے ہاں قیام کیا۔

انہیں پہلے بھی اپنی یہ بہو اور پوتی بہت پسند تھیں۔ اب مزید محبت بڑھ گئی۔

انہوں نے راحم کو جتا دیا تھا کہ وہ ایک ہیرا گنوا بیٹھا ہے۔ بچیوں میں نیک سیرتی ان کی صورت سے زیادہ اچھی ہوتی ہے اور وہ پتا نہیں کیا کچھ کہتے رہے۔۔۔ جبکہ راحم کا دماغ لفظ ہیرا پر ہی اٹک گیا تھا۔ اسے وہ بال بکھیرے موٹی سی آنکھوں والی دلکش لڑکی بے طرح یاد آئی، جسے وہ اپنے رویے سے کھو چکا تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ وہ واویلا مچائے گی یا معافی مانگے گی۔۔۔ مگر وہ خاموشی

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

سے یوں لاتعلق ہوگئی جیسے کوئی رشتہ جڑا ہی نہ ہو۔۔۔ مردوں کو وہ عورت ہمیشہ زیادہ چبھتی ہے۔ جوان کے سخت رویے پر کوئی توجہ نہ دے یا پھر ان کے بغیر سکون سے ویسے ہی رہے۔۔۔ جیسے ان کے ساتھ رہتی ہو۔۔۔ مرد کو عجیب برتری کا احساس تسکین فراہم کرتی ہے۔ مگر جب عورت خود کو مضبوط ظاہر کرے۔۔۔ پر سکون ثابت کردے۔۔۔ یا اس مرد کو ہی نظر انداز کردے تو وہ ایک چبھن۔۔۔ ایک تکلیف بن کرانی کی طرح مرد کے وجود میں گڑی رہتی ہے۔۔۔ پھر وہ بے بس ہو کر دوبارہ اسی کا مطلب گار بن جاتا ہے۔

راحم کا دماغ بھی اسی نہج پر پہنچ چکا تھا۔

وہ دادا ابو کے پاس پہنچ گیا۔ سردیوں کی سرد راتوں میں سارے گھر کے افراد کمبلوں میں سردی کی سوغاتوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ فاریہ اور روحی بھی آئی ہوئی تھیں۔ زمانے بھر کی چغلیوں کے ساتھ ساتھ چلغوزوں پر ہاتھ صاف کیے جارہے تھے۔

"تمہیں پتا ہے تم کیا کہہ رہے ہو۔۔۔ یہ رشتے ناتے، بچوں کا کھیل نہیں۔" دادا ابو نے تھوڑا خشک مزاجی کا مظاہرہ کیا تھا۔

گاجر کا حلوہ گرم کرواتی شازیہ نے اندر کی گفتگو دادا ابو کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے سن لی۔ اور جاتے ہی فاریہ اور روحی کے آگے اگل دی۔

راحم، دادا ابو کو منا کر ابھی کمرے سے باہر لاؤنج میں ہی آیا تھا کہ کزنز کا جمگھٹا اور تائی اماں کی تیوریوں کے بلوں کا سامنا کرنا پڑ گیا۔

"جتنی جلدی ہمارے گھر میں خبر نشر ہوتی ہے۔ اتنی جلدی تو چینل پر بھی نہیں ہوتی ہوگی۔"

وہ جھنجلا کر بیزار کن لہجے میں کسی کی بھی بات کا جواب دیے بغیر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ جبکہ سب سے پہلے خبر نشر کرنے والی شازیہ وہیں جزبز ہوگئی۔ سب کے چہروں پر کھسیانی ہنسی، جبکہ روحی اور فاریہ کے چہرے پر کچھ اور ہی تھا۔

وہ بیڈ پر آکر لیٹ گیا تھا۔ دادا ابو نے صرف بات سنی تھی۔ کوئی رد عمل نہیں ظاہر کیا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کل ہی امی ابو کو بھیج کر دوبارہ صبغہ خضر کو اپنی زندگی کا ساتھی بنا ڈالے۔ خلش کی جگہ پسندیدگی۔۔۔ اور پسندیدگی کی جگہ محبت نے لی تھی۔

دوسرے دن دادا ابو نے پہلے اپنے بیٹے رؤف سے بات کی۔ وہ تو بات سن کر بھڑک ہی اٹھے۔ انہیں بھی بھائی کے یوں چپ کر کے چلے جانے کا قلق ہوا تھا۔ ساری عمر اس پر رعب جمایا اور آخر میں زیادتی بھی کی۔ بیٹی کا دکھ کتنا گہرا ہوتا ہے۔ انہیں بیٹے کی حرکت نے کئی دفعہ بھائی کی یاد میں رلایا تھا۔

"میں تو نہیں جاؤں گا دوبارہ رشتہ مانگنے۔ خود جائے اور جا کر معافی مانگ لے۔۔۔ اگر خضر معاف کر دیتا ہے تو ہم دوبارہ باقاعدہ رشتہ طے کر آئیں گے۔"

رؤف نے باپ کے سامنے آنکھیں موندتے ہوئے کہا۔ جبکہ دادا ابو بھی کسی گہری سوچ میں پڑ گئے۔ وہ بیٹوں کے ساتھ ساتھ ان کے بچوں کے مزاج کو بھی اچھی طرح جانتے تھے۔

انہوں نے حکمت عملی سے کام لیا۔ سارا بوجھ راحم پر ڈال دیا تھا۔ غلطی اسی کی تھی۔ طلب گار بھی وہی تھا۔ اب معافی بھی اسی کو مانگنی چاہیے تھی۔

راحم کے لیے آج کل دن سخت قسم کی بے زاری لیے ہوئے تھے۔ وہ سرد راتوں میں گھنٹوں سڑکیں ناپتا۔ جلتی بجھتی گاڑیوں کی ہیڈ لائٹس پر نظریں مرکوز کیے نجانے کیا، کیا سوچتا رہتا۔ اسے سڑک پر ہر چادر والی لڑکی پر صبغہ کا گمان ہوتا۔ خنک ہواؤں میں کسی سرد جھونکے کی مانند وہ اس کے وجود میں زبردستی گھسی جارہی تھی۔

وہ جسے وہ خود ہی میلوں دور چھوڑ آیا تھا۔ مسلسل اسے پریشان کر رہی تھی۔ مگر جس طرح اس نے اسے ایک لمحہ سوچے بغیر چھوڑا تھا، دوبارہ وہی رشتہ قائم کرنا مشکل ہی نہیں، ناممکن بھی لگ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

صبغہ نے رمشہ سے اصرار کیا تو سحرش کے لیے ممانی سے بات کی گئی۔ انہوں نے اس بار بھی انکار

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

کردیا۔ یہ اس دن کی بات تھی جب دھند چھٹنے کے کافی دنوں کے بعد دھوپ نکلی تھی۔ وہ اداس سردیوں کی چمکیلی دھوپ سے بنا لطف اٹھائے ٹھنڈی سیڑھیوں پر بیٹھی ہوئی تھی۔ مالک مکان کی بالکونی سے ان کی مانو بلی جھانک رہی تھی۔

امی نے ملائی کے اندر ہلدی ڈال کر فریج میں رکھی تھی۔ اب وہ صبغہ کو ڈھونڈ رہی تھیں۔

"تم یہاں کیوں بیٹھی ہو۔ ادھر دھوپ میں آؤ۔" امی اسٹیل کا کٹورا تھامے اسے ڈھونڈتی وہاں آ پہنچیں۔

"امی! ماموں اور ممانی نے انکار کیوں کیا؟ شارق کا دل کتنا خراب ہوگا۔ ہمارا ننھیال اور ددھیال ہمیں کیوں اس طرح کے رویے دکھاتا ہے۔" اس کی آنکھوں میں اپنوں کی بے رخی پانی بن رہی تھی۔

"بیٹا! اچھا ہے نا۔ اسی میں کوئی بہتری ہوگی اللہ کی۔"

"چلو آؤ۔ یہ بالائی ہلدی سے اپنے ہاتھوں اور چہرے کا مساج کرو۔ دیکھو تو کیسی روکھی جلد ہو رہی ہے۔ میں ناریل کا تیل لاکر تمہارے سر پر مساج کرتی ہوں۔ خشکی ہو رہی ہے۔" رمشہ اس کے ہاتھ میں کٹورا تھما کر خود دوبارہ اندر کی طرف ہولیں۔

☼ ☼ ☼

یہی سوال آج قرآن کی کلاس میں اس نے کیا تھا۔ اتنی محبت بندے سے صرف اللہ کرسکتا ہے۔ بلکہ یہ تو کچھ نہیں اس سے بھی زیادہ۔ اس کا نام ہی رحمٰن و رحیم ہے۔ وہ تو ہندو۔ یہودی۔ عیسائی پر مہربان ہے، جو نافرمانی کیے جارہے ہیں۔ پھر بھی مہربان رب انہیں نوازتا ہی چلا جارہا ہے۔ ہم تو پھر بھی کلمہ گو مسلمان ہیں۔ ذرا رو کر گڑگڑا کر دعا کریں۔ تو وہ بھلا نہ سنے۔ وہ تو ستر ماؤں سے بھی زیادہ محبت کرتا ہے۔ اصل میں اس کو ہمارے اچھے برے کا علم ہوتا ہے۔ اسی لیے وہ جانتا ہے کہ کون سی دعا کو کس جگہ کے لیے قبولیت کی سند بخشنی ہے۔ بس ہم اس کی نافرمانی سے باز آجائیں۔ ہم گناہ پہ گناہ کرتے ہیں۔ مگر معافی نہیں مانگتے۔ اس کی وجہ سے وہ مہربان رب ہم سے اپنی رحمت کو ہٹا کر اپنا غضب لے آئے تو مجھے بتایے کیا ہم اس کے غضب کی ذرا سی بھی جھلک برداشت کرپائے ہیں؟ ہم ذرا سی آزمائش میں پڑ جائیں۔ تو رونا دھونا مچانا شروع کردیں گے کہ ہمارے ساتھ کیا ہوگیا؟ ہم کس مصیبت میں گرفتار ہوگئے۔ ہم اس کی باقی نعمتوں کے متعلق ذرا سا بھی نہیں سوچتے اور گلے کرنے لگ جاتے ہیں۔

صبغہ کو ایک دم شرمندگی سی محسوس ہوئی۔ اپنوں کی بے رخی کو ایک کڑی آزمائش تھی۔ مگر اس کے دل میں ہزاروں شکوے۔ شکایتیں پنپنے لگی تھیں۔

وہ قرآن کی کلاس لے کر واپس اپنے پورشن میں آگئی۔ سردیوں کے چھوٹے دن رات کے ملگجے کو جلدی سے ہی بلالیتے ہیں اور کالی راتیں شاموں پر بسیرا کرنے لگتی ہیں۔ دور صحراؤں میں چلتی سرد ہوائیں اور سرگوشیاں کرتی تاریکیاں۔ چاند کو اوٹ میں چھپائے۔ سب ہی اللہ کی حمد و ثناء میں مگن ہوتی ہیں۔

اماوس کی راتیں۔ چاندنی راتوں کی طرح ہوں۔ اور ہولناک سناٹے کے مہیب سایوں کو اپنے اندر سموئے۔ لوگوں کو اپنی پراسرار خاموشی سے ڈراتی ہیں تو خود اس جبار سے ڈرتی ہیں۔ جس کی نافرمانی ان کی ہولناکیوں کو بھی لرزا دیتی ہے۔ مگر نرم گرم بستروں میں دبکے مونگ پھلیاں ٹونگتے۔ گپیں ہانکتے۔ سرد ہواؤں۔ کالی راتوں سے ڈرنے والے۔ چغلیاں اور غیبتیں کرنے والے۔ سینماؤں میں فلمیں دیکھنے والے سب ہی جرات مند مسلمان ایک لمحے کے لیے بھی اس خالق کائنات سے نہیں ڈرتے جو اتنی خوب صورت چیزیں بنانے کے باوجود ہولناک سناٹے۔ کالی راتیں۔ عجیب سمندری مخلوق۔ زمینی۔ جانور۔ خوفناک ہستیوں والے۔ ان سب کو بھی بنا چکا ہے۔ جو جتنی خوب صورتی پیدا کرسکتا ہے۔ وہ اتنی دل کو لرزا دینے والی بدصورتی بھی پیدا کرسکتا ہے۔ جس کو

برداشت کرنے کی طاقت ہم انسانوں میں نہیں ہے۔ ہاں مگر نافرمانیاں اور من مانیاں ہم کافی پراعتماد طریقے سے کرجاتے ہیں۔

☼ ☼ ☼

شارق کچن میں نوڈلز سوپ تیار کررہا تھا۔

"شارق! امی نے تمہیں بتادیا ہوگا۔" وہ ڈرتے ڈرتے بولی۔

"ہاں۔ ماموں نے انکار کردیا۔" وہ چولہے کی لو سے نکلنے والی روشنی پر نظر جمائے بولا۔ صبغہ نے بوتل سے پانی گلاس میں انڈیلا اور گھونٹ گھونٹ پینے لگی۔

"پتا ہے شارق! ہم خوش قسمت ہیں، جو ہمیں اتنے اچھے ہمسائے ملے۔" اس کا حبیبہ آنٹی اور ان کی بیٹیوں کی طرف اشارہ تھا۔

"ہاں رشتے دار تو اچھے ملے نہیں۔ ہمسائے ہی اچھے مل گئے۔" وہ افسردگی سے بولا۔ صبغہ نے پانی کا گلاس ختم کرکے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"مجھے لگتا ہے یہی ہمارے لیے بہتر تھا۔" وہ محبت سے بولی۔

"ہاں تمہیں الہام ہوا تھا کہ یہی بہتر ہے۔" شارق کی افسردگی غصے میں بدل گئی۔

صبغہ نے افسردگی سے اس کو دیکھا وہ اس کی ذہنی کیفیت سمجھ سکتی تھی۔ مگر وہ جان چکی تھی کہ یقیناً" یہی بہتر تھا۔ صبح ناشتے کے لیے وہ آلو انڈے کا سالن تیار کرنے لگی۔ شارق نے تھوڑا سوپ اسے بھی پیالے میں نکال کردیا۔

اتنے عرصے میں دونوں بہن بھائی کے درمیان ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ وہ دونوں خاموش تھے، پھر صبغہ کو لگا کہ یہ خاموشی طویل ہونے لگی ہے۔ شارق سب کے ساتھ ہی کم گو ہوتا چلا گیا۔

☼ ☼ ☼

رمشہ نے سارے کپڑے دھوئے، صفائی کی، وہ جوڑوں کی مریضہ بنتی جارہی تھیں۔ صبح سے چلنے والی ٹھنڈی ہوا نے دھوپ میں بھی اپنی جگہ بنائی ہوئی تھی۔ سیڑھیوں سے اترتے ہوئے ان کے بائیں گھٹنے میں بل پڑگیا۔ ان کی چیخیں نکل گئی تھیں۔ بالٹی سیڑھیوں پر رکھ کر وہ بیٹھ گئیں۔ انسان زندگی میں ذرا سا بھی ڈول جائے۔ تو خمیازہ تو بھگتنا پڑتا ہے۔

تہمتیں تو لگتی ہیں
روشنی کی خواہش میں
گھر سے باہر آنے کی کچھ سزا تو ملتی ہے
لوگ لوگ ہوتے ہیں
ان کو کیا خبر جاناں
کہ ارادوں کی خوب صورت آنکھوں میں
بسنے والے خوابوں کے رنگ کیسے ہوتے ہیں
دل کی گود، آنگن میں پلنے والی باتوں کے
زخم کیسے ہوتے ہیں
کتنے گہرے ہوتے ہیں
کب یہ سوچ سکتے ہیں
ایسی بے گناہ آنکھیں
گھر کے کونے کھدروں میں چھپ کے کتنا روتی ہیں
پھر بھی یہ کہانی سے
اپنی کج بیانی سے
اس قدر روانی سے داستاں سناتے ہیں
اور یقین کی آنکھیں
سچ کے غم زدہ دل سے لگ کے رونے لگتی ہیں

ماموں شفیق کے ہاں ان کا دوسرا دن تھا۔ جب آنٹی نبیلہ اسے اپنے ساتھ آفاق صلاح الدین کی شادی پر لے گئی تھیں۔ وہاں دو براؤن آنکھوں والے چوڑی پیشانی پر کالے بالوں والے ایک بانکے سجیلے نے دل میں ہلچل مچادی تھی۔ وہ بھی شاید اس بے ریا شفاف آنکھوں والی نازک سی لڑکی پر مر مٹے تھے۔

خواہش۔ طلب اور طلب سچی لگن بن جاتی ہے۔ رمشہ کو سب سمجھانے والے کہتے ہمارا خاندان الگ، رہن سہن الگ۔ تم کیا کرنے جارہی ہو اور خضر کو بھی سب سمجھانے والے کہتے عورت نسل کی تربیت گاہ کا نام ہے۔ تم کیا کرنے جارہے ہو۔ محبت کو کیا پتا ذات

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

کا' اونچ نیچ کا' وہ تو بس ہو جاتی ہے۔ طلب کرلاتی ہے۔ محبت کو ملن کی جلدی ہوتی ہے۔ وہ لمحوں کے فیصلوں پر صدیاں قربان کردیتی ہے۔

رمشہ اور خضر حیات شریک حیات بن گئے۔ پر رشتے داروں کے منہ ٹھیک ہونے کا نام نہ لے رہے تھے۔

انہوں نے دکھتے گھٹنے کے ساتھ سیڑھیوں پر بیٹھ کر خالی نظریں آسمان کی جانب دوڑائیں۔ زمین والے جب بہت تنگ کرنے لگیں تو دل کی ساری آنکھیں آسماں پر اس ذات کو تلاشنے لگتی ہیں۔ جو آسمان کے بجائے یہیں کہیں آپ کے آس پاس موجود ہے۔

وہ چاہتی تھیں کہ ان کے بچے اپنوں میں ہی رہ جائیں۔ اپنوں کے ساتھ ہی زندگی ہے... اکیلے... تنہا... وہ تھک گئی تھیں۔ کسی خوف زدہ ہرنی کی طرح جس کے بچے کھو رہے تھے... آہستہ آہستہ۔

شارق کی خاموشی اور صبغہ کی بیماری... ماں نڈھال ہو رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

شارق کا موڈ بحال ہونا شروع ہو گیا۔ رمشہ نے شکر ادا کیا۔

آج وہ کچن میں چکن جلفریزی تیار کر رہا تھا صبغہ سے پوچھ پوچھ کر چائنیز رائس بنائے گئے۔ آج خضر ایوب نے بھی سلاد بنا دیا۔ رمشہ اور صبغہ کو آج لاؤنج سے باہر نہ نکلنے کا حکم سنایا گیا۔ وہ دونوں لاؤنج میں بیٹھ کر ہنس رہی تھیں۔ اور سوچ رہی تھیں کہ کچن کا کیا حشر ہو گا۔ آج دھوپ بھی کھل کر چمک رہی تھی۔ شارق نے بڑی ترتیب سے دسترخوان باہر لان میں لگایا کھانا سارا خود لگایا۔ خضر ایوب نے بھی ساتھ مدد کروائی۔ پھر رمشہ اور صبغہ کو مہمان خصوصی کی طرح بلوایا گیا۔ دونوں ماں' بیٹی اتنی سی محبت پر ہی آنکھوں میں آنسو لے آئیں۔

شارق نے ماں اور بہن کو دونوں بازوؤں میں جکڑ لیا۔ محبت کے اس بھرپور مظاہرے کو کسی نے بغور دیکھا اور پسندیدگی کی سند دے ڈالی۔

☼ ☼ ☼

آج ام حبیبہ نے صبغہ کو بلوایا تھا۔

"آنٹی کو شاید کوئی خاص کام ہو۔" وہ لوشن سے پاؤں کی مالش کرتے ہوئے رمشہ سے بولی۔

"ہاں... ہو سکتا ہے۔" وہ ہیٹر کے اوپر صبغہ کی جرابیں سکھا رہی تھیں۔

وہ رمشہ کو دو گھنٹوں کا کہہ کر حبیبہ آنٹی کی طرف آ گئی۔ آنٹی کی کوئی مہمان آئی ہوئی تھیں۔

وہ آنٹی کے کمرے کی کھڑکی کھول کر اپنے اور آنٹی کے مشترکہ لان کا جائزہ لینے لگی۔ شارق پودوں کو پانی دے رہا تھا۔ اورنج شرٹ' بلیک ٹراؤزر کے ساتھ پہنا ہوا تھا۔ اس کا وجیہہ سراپا وہ دیکھتی رہ گئی۔

ماشاء اللہ اس کا بھائی اتنا پیارا تھا۔ پتا نہیں ممانی نے ایسے کیوں کیا؟ ماموں کو بھی احساس نہ ہوا۔ پھر سحرش کی تصویر اس کے تصور میں آئی۔ بے شک وہ پیاری تھی۔ پر اتنی پیاری بھی نہیں... بس شارق کا دل...

"یا اللہ! شارق کے لیے کوئی بہت پیاری سی لڑکی مقدر کر دے۔" وہ بھائی کے لیے دل سے اٹھتے درد کی ٹیسیں دبا کر اللہ سے التجا کرنے لگی۔

"معافی چاہتی ہوں بیٹی! میرے آنے میں تھوڑی دیر ہو گئی۔" آنٹی کمرے میں آتے ہوئے بولیں۔ وہ اپنے خیالوں سے یکدم چونکی۔

"نہیں آنٹی! ایسی کیا بات ہے۔ آپ میری امی کی طرح ہیں... معذرت کیسی؟" وہ بھی محبت سے بولی۔

"اچھا... یہ سبز چائے اور کشمش لو۔" وہ ٹرے اس کے سامنے رکھتے ہوئے بولیں۔

آنٹی حبیبہ نے سرخ شال اوڑھ رکھی تھی۔ ان کا دمکتا چہرہ سرخ رنگ کی خوب صورتی بڑھا رہا تھا۔ وہ آنٹی کو دیکھتی رہ گئی۔

"بیٹا! ہمارا مذہب ہمیں بلاوجہ کے رسوم و رواج... انا پرستی... اور نام نہاد عزت نفس کی ترغیب ہرگز نہیں دیتا۔ تمہاری امی نے مجھے تھوڑے سے حالات سے واقف کروایا تھا۔ پھر میں نے خود سے بھی سوچ بچار کر کے یہ بات کہنے کی ہمت کی ہے کہ میں والضحیٰ کے لیے شارق کا رشتہ چاہتی ہوں۔ یہ ٹھیک ہے کہ پیغام لڑکے والوں کی طرف سے ہوتے ہیں۔ مگر ایک مسلمان دوسرے کے لیے اچھے جذبات رکھے تو ایسی بات کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اگر آپ لوگوں نے شارق کی کہیں بات طے نہیں کی... اور ہماری فیملی آپ کو اچھی لگی... تو بیٹا! آپ اپنی امی سے بات کرنا۔" آنٹی حلاوت سے بول رہی تھیں۔ مگر صبغہ کو ایسے لگا جیسے کہ وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہو۔

"مجھے بہت خوشی ہوئی ہے۔ میں امی سے بات کروں گی۔" اس کا بس نہ چل رہا تھا کہ وہ بھاگ کر جائے اور گھر جا کر امی اور شارق کو یہ خوش خبری سنائے۔ مگر اخلاقاً" وہ دو' تین ادھر ادھر کی باتیں کر کے وہاں سے اٹھ آئی۔

دعائیں ایسے بھی قبول ہوتی ہیں۔ وہ کھنکھناتی ہنسی کے ساتھ گھر آئی تھی۔ آتے ہی پہلے امی کو بتایا۔ وہ تو خود خوشی سے نہال ہو گئیں۔

"اتنے اچھے لوگ اور اتنی پیاری لڑکی... نہ ذات پات دیکھی... نہ برداری... نہ حسب نسب..." امی حیران تھیں۔

"اس لیے کہ پیاری امی جان! رشتے ذات پات یا حسب نسب سے نہیں... بلکہ احساس سے ہوتے ہیں... احساس غیروں کو اپنا اور اپنوں کو غیر بنا دیتا ہے۔ آنٹی دین کو سمجھتی ہیں۔ ہماری طرح نام نہاد مسلمان نہیں۔ وہ اچھائیوں سے رشتہ جوڑنے والی خاتون ہیں۔ انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ہمارا حسب نسب کیا ہے' یا ہماری ذات کیا ہے۔"

رات کو خضر صاحب سے بات کی۔ وہ بھی بہت خوش ہوئے سن کر... "پہلے شارق سے پوچھ لیں..." خضر صاحب کی بات پر رمشہ چونک گئیں۔

"کوئی بات نہیں' ابھی پوچھ لیتے ہیں۔" صبغہ فوراً" شارق کو بلا لائی۔

"جی ابو..." وہ الجھا الجھا سا اندر آیا۔

"بیٹا! تمہارے لیے ہم نے ایک رشتہ پسند کیا ہے اور رشتہ اتنا بہترین ہے کہ انکار کی گنجائش نہیں۔" وہ ہونٹ بھینچے سنے گیا۔

"ابو! آپ جو چاہتے ہیں... وہ کریں۔"

"بیٹا! میں تو آپ لوگوں کی خوشی چاہتا ہوں' میں اپنا کوئی فیصلہ اپنی اولاد پر مسلط نہیں کرنا چاہتا۔"

"ابو! مجھے آپ کے اور امی کے فیصلے سے بڑھ کر اور کچھ عزیز نہیں..." وہ سعادت مندی سے بولا۔

رمشہ اور خضر بیٹے کے جواب پر بے تحاشا خوش ہوئے تھے۔

دوسرے ہی دن ام حبیبہ کے ہاں باقاعدہ رشتہ لے جایا گیا۔ سب نے وہیں منہ میٹھا کر لیا۔ خضر صاحب نے اگلے مہینے کی چودہ تاریخ فائنل کی۔ ایک مہینہ تیاریوں میں ہی گزر گیا۔ جب رشتہ داروں کے ہاں کارڈ پہنچے تو لاہور سے تایا ابو' دادا ابو اور پھپھو بھاگے بھاگے اوکاڑہ پہنچے۔ خضر صاحب کی باقاعدہ کلاس لی گئی۔

"یہ تو ان کا معمول ہے۔" صبغہ نے کچن میں کھانا تیار کرتے ہوئے شارق کو بتایا۔

"ایسے موقعوں پر عموماً" رشتہ دار اپنا حق جتانے آ جاتے ہیں۔" شارق نے تبصرہ کیا۔

"اب امی' ابو کو پتا نہیں کیا نئی ٹینشن دیتے ہیں۔" صبغہ نے کچن کی کھڑکی کھول دی۔ وہ تھکے تھکے ذہن سے سوچ کر رہ گئی۔ کمرے سے تایا ابو' دادا ابو' پھپھو کی آوازیں آ رہی تھیں جس میں سب سے بلند پھپھو اور تایا ابو کی آواز تھی۔ شارق نے اس کا دھیان بٹانے

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

دراڑ

یمین رضا

"بابا! ان تینوں نے....."

وہ بڑے سجے سجائے ڈرائنگ روم میں رکی اور آنسوؤں سے مغلوب آواز پھیل کر گونجی اور اس کا لڑکھڑاتا وجود ابھرا.... لمحوں میں سمجھ آجانے والی بات

کے لیے ہنڈیا کا ڈھکن ٹائم سے پہلے ہی اتار دیا۔

"ارے شارق! یہ کیا کر رہے ہو۔" وہ ایک دم چلائی۔

"میں چاہتا ہوں کہ میری بہن کم سوچا کرے۔ ورنہ وقت سے پہلے بوڑھی ہو جائے گی۔" صبغہ مسکرا کر ہنڈیا میں کفگیر گھمانے لگی۔ رات تک تایا ابو اور پھپھو کا غصہ کچھ تھما تھا۔ تایا ابو نے دوبارہ صبغہ کے لیے رشتہ دے دیا۔ دادا ابو نے بھی تائید کر دی۔ رمشہ اور خضر صاحب سن کر بالکل ہی چپ کر گئے۔ وہ احتراماً کچھ نہ بولے' پر انہیں دکھ بے حد ہوا تھا۔

"رشتہ طے کرنا اور توڑنا کوئی بچوں کا کھیل تو نہیں ہے۔ بھائی جان! میں آپ کا اور ابا جی کا بے حد احترام کرتا ہوں۔ پر مجھے اتنا مجبور نہ کریں کہ میں رشتوں کا تقدس بھول جاؤں۔ میں نے اپنی زندگی میں کیا اچھا کیا ہے اور کیا برا.... مگر میں اپنی اولاد کی تذلیل برداشت نہیں کر سکتا۔"

خضر صاحب کا مضبوط لہجہ سب کو خاموش کروا گیا۔ صبغہ سن ہو گئی تھی۔ جبکہ شارق ابو کی بات پر بے تحاشا خوش تھا۔ ہمیشہ وہ ہی کیوں نشانہ بنیں۔ ان کو بھی اپنی غلطیوں پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔ پھپھو بھی چپ رہ گئیں۔

"بیٹا! رشتوں میں دراڑیں پڑ ہی جاتی ہیں۔ معاف کرنا بھی تو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کا درس بھی تو انہوں نے ہی دیا ہے۔ میں مانتا ہوں عبدالرؤف نے زیادتی کی ہے' مگر بیٹا.... بہن' بھائی ہی ایک دوسرے کی غلطیوں' کوتاہیوں کو ڈھانپتے ہیں۔ ایک دوسرے کے لیے دلوں میں گنجائش نکالتے ہیں۔ ورنہ غیر ہوں تو کیا ہم دوبارہ رشتہ مانگنے کی جرات کریں گے؟ جو ہم نے کی ہے۔ مجھے بھی اپنی اولاد کو سمجھنے میں زیادہ وقت لگ گیا۔ ورنہ آج یہ حالات نہ ہوتے۔ جب سے تم لاہور سے آئے ہو۔ یقین مانو ایک دن میرے دل کو چین نہیں آیا۔"

دادا ابو کی بات نے کمرے میں سکوت طاری کر دیا۔ رمشہ جذباتی ہو کر ان کے کندھے سے سر ٹکا کر رونے بیٹھ گئیں' جبکہ خضر نے بھی باپ کو بانہوں کے گھیرے میں لے لیا۔ شارق اور صبغہ بھی تیزی سے اندر آئے۔

"دادا ابو!" صبغہ روتے ہوئے ان کے گلے لگ گئی۔ شارق نے بھی انہیں جا لیا۔ محبت کے اس مظاہرے نے دو سخت انسانوں کے دل میں بھی ہلچل مچا دی۔ قدرے پشیمانی.... اور خوشی کے تاثرات سے لبریز تایا ابو اور پھپھو اٹھے۔ دونوں بچوں کے سر پر محبت سے ہاتھ رکھے۔ رشتوں کے ملاپ نے برسوں کے دکھ بھلا دیے تھے۔

شیطان کا کام تو ہے ہی رشتوں میں تفریق ڈالنا۔ دلوں میں جدائیاں پیدا کرنا' ذرا سی اعلا ظرفی.... ذرا سی نرمی ان دراڑوں کو یوں بھر دیتی ہے جیسے ٹوٹی دیواروں پر کوئی ماہر مزدور ایسی لپائی کرے کہ دراڑ کے نشان تک مٹ جائیں۔

آج بھی صبغہ کی منگنی والا دن تھا۔

بس 2013ء کے ہندسے 2014ء میں بدل گئے تھے۔ نئے سال میں دو نئے نویلے جوڑے محبت کی زنجیر میں بندھے.... دلوں کی سرزمین پر قدم رکھے.... طویل شاہراہ پر گامزن ہو گئے۔ نئی امنگیں! نئے جذبوں کے سنگ....

آج بھی وہی حسد و رشک کی سرگوشیاں.... وہی زمینی تقاضے.... وہی رشتے داروں کی باتیں.... مگر کچھ لوگ یقین اور محبت کی سیڑھی پر چڑھ رہے تھے۔ ان سب باتوں سے دور ایک نئی دنیا بسانے کے لیے....

"مجھے آج پتا چلا کہ تم پر گرین کلر کتنا اچھا لگتا ہے۔" صبغہ گرین شرارے میں سیدھی راحم کے دل میں اتر گئی تھی۔

جبکہ شارق معصوم صورت والضحیٰ کو دیکھے.... بس دیکھے ہی چلا جا رہا تھا۔

☆

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

اتنی زور آور تھی کہ باپ کی آنکھیں پوری پھیل گئیں جیسے روشنی کے اس پار سے گھپ اندھیروں کے پردے ایسے چاک ہوں کہ آنکھیں چندھیا جائیں ہاتھ میں پکڑی کتاب سنگ مرمر کے چکنے فرش پر گر کر اوندھی ہو گئی۔ کتاب کی موٹے گتے والی جلد کے اندر دبے ہوئے بے تحاشا صفحات نے پھڑپھڑا کر بے ترتیب ہو کر جیسے اسے "ثانیہ کے باپ کو جامد کر دیا۔

کچھ لمحے سخت پتھر سے ٹکرا کر آجانے والی بازگشت کی طرح ہوتے ہیں 'سماعت کے ذریعے روح میں داخل ہو کر پورے جسم کو دھونکنی کی طرح جلا ڈالنے والے۔۔۔ باپ نے جو کبھی صرف "مرد" تھا ستم کی زد میں آنے والی بیٹی کو دیکھا 'وہ عورت ہے اور پھر اپنی ساکن آنکھیں فرش پر گاڑ دیں یا "حضرت انسان" کو مخاطب کرتی خلیل جبران کی کتاب پر جواب اوندھی پڑی تھی۔۔۔ شاید وہ ان دونوں کو ہی نہیں دیکھ رہا تھا ۔۔۔ گرد و غبار سے اٹا ماضی تھا جو اس کی آنکھوں کے سامنے رقصاں تھا۔ اس کے وجود کے ساتھ منسلک ہاتھ ابھی بھی اسی طرز پر ٹھہرے ہوئے تھے جیسے اس نے ہوائی کتاب تھام رکھی ہو۔

"بابا۔۔۔!" ثانیہ نے اپنے زرم غم خوردہ ہاتھ اس کے گال پر رکھے اور دباؤ ڈال کر چہرہ اپنی طرف کرنا چاہا ۔۔۔ جیسے اپنے باپ کی توجہ ہٹ جانے کا گمان ہو۔۔۔ اپنا دکھڑا نہ سنے جانے کا ڈر ہو۔

وہ اپنے دکھ میں بھی حیران تھی کہ باپ کا رد عمل اتنا ساکن کیوں ہے؟ وہ پھٹ کیوں نہیں پڑا؟ غصے سے دیوانہ کیوں نہیں ہو گیا؟ کیا اس کا باپ دیکھتا نہیں وہ کس حال سے گئی کس حال میں واپس آئی ہے کیا اس کا باپ سنتا نہیں وہ اپنی آواز کا ترنم کہاں بیچ آئی ہے اور سوز خرید لائی ہے۔

اور اس کے باپ میں اتنی ہمت کہاں تھی کہ وہ ثانیہ کو کھلی آنکھوں سے لمحے بھر کے لیے دیکھتا۔۔۔ یہ چہرہ ذہن نشین ہو کر بند آنکھوں کے پار بھی اسے بے چین کر ڈالنے والا تھا۔۔۔ وہ جس کی کاجل بھری آنکھوں نے رو رو کر اس کے تپتے گلابی گالوں پر لکیریں بنا دی تھیں۔۔۔ اور اس کے بال راکھ کی مانند اس کے دونوں کندھوں پر بکھرے تھے اور دوپٹے سے مبرا اس کی دودھیا سفید گردن پر گہرا سرخ نشان تھا جیسے وہاں کسی بچھو نے ڈنک مارا ہو۔۔۔ بیٹیوں کی ایسی حالت تو باپوں کے دلوں میں زہر میں بجھی برچھی کی مانند پیوست ہو کر سب زہر۔۔۔ زہر کر دیتی ہے۔

اس نے ایک بار پھر اپنا تار تار دوپٹہ اپنے باپ کے جو کبھی صرف مرد تھا" آگے کیا۔

"بابا ان تینوں نے۔۔۔ بابا!" وہ بولتی نہیں تھی۔ وہ تو روتی تھی اور ایسے روتی تھی کہ۔ اس کے دل میں زہر کی برچھی بن کر لگتی۔

بڑے دنوں سے چپ اس کی زبان آج لمحوں میں لمبے سفر طے کرنے کی قابل ہو گئی تھی۔ وہ بولتی رہی۔ روتی رہی۔۔۔ آنسوؤں نے اس کی گردن تک آکر مکڑی کے جالے کی سی تاریں بنا دیں۔۔۔ لیکن باپ کو بیٹی کے لمبے سفر کی یہ تھکان نظر نہ آئی۔۔۔ باپ کو بصیرت پر آج اتنی ہی دسترس تھی کہ اسے بس بیٹی کے ہونٹ ہلتے نظر آرہے تھے۔

اس کا جسم اتنا شل ہو چکا تھا کہ وہ خود بھی اس میں جنبش پیدا کرنے کا اہل نہ تھا۔ جیسے وہ کسی آہنی خول میں بند ہو۔۔۔ کوشش پر بھی حرکت ناپید تھی۔ بس سانس چل رہی ہے بے ربط کچھ ہو جانے کے خوف والی۔

زندہ وجود کے مردہ ہو کر پانی پر ابھر آنے کی مانند اس نے سانس لیا اور بھینچ کر بیٹی کو گلے سے لگا لیا۔۔۔ اس شدت سے کہ بیٹی کے ہونٹ باپ کے کوٹ میں پیوست ہو گئے۔۔۔ یہ "بس کچھ اور نہ کہو خدارا" کی التجا سی تھی 'بیٹی کے آنسو اف۔۔۔ زہر' زہر باپ کے جسم میں ایسی کپکپاہٹ عود آئی کہ بیٹی اندر تک تڑپ کر رہ گئی۔

"کیوں۔۔۔ کب۔۔۔ کیسے؟" باپ نے کوئی سوال نہ کیا۔۔۔ سوال کیا بھی نہ گیا۔

"ان تینوں نے۔۔۔ بابا ان تینوں نے۔۔۔"

وہ ہلکان ہو کر نڈھال ہو گئی تو باپ نے اسے بیڈ پر لٹا دیا۔ دلاسا دینے کے لیے آج اس کے پاس الفاظ نہ تھے ۔۔۔ آج وہ اس قدر خالی ہو چکا تھا کہ اس کی آواز نکلی نہ آنسو اور نہ ہی اسے غصہ آیا۔۔۔ وہ غصہ کرتا بھی کیسے ۔۔۔ آج تو صرف تاریخ نے۔ خود کو دہرایا تھا نا۔۔۔

ثانیہ کا سارا جسم بخار میں تپ رہا تھا۔ باپ جانتا تھا آج اس پر کوئی دوا اثر نہ کرے گی آج اس نے وہ غم سہا ہے کہ وہ پتھر ہو گئی ہے اس کے کمرے کا اے سی چلا کر باپ اپنے کمرے میں آگیا باہر شدید گرمی کے باوجود کمرے میں من چاہی خنکی تھی۔۔۔ بعض اوقات زندگی میں ایسے موڑ ضرور آتے ہیں کہ ساری آسائشیں سارے موسم سارے التفات بے رس پھل کی مانند ہو جاتے ہیں۔

کھڑکی سے باہر گول دودھیا چاند کے ظروف میں کالے سیاہ بادل داخل ہو رہے تھے۔ باپ ٹکٹکی باندھے اندھیروں میں گھرے چاند کو دیکھتا رہا۔۔۔ انسان کی بھی عجیب تقدیر ہے۔۔۔ گڑھے سے خوف زدہ کا نصیب پاتال بن جاتا ہے۔۔۔ خوشبو سے نا آشنا رہنا چاہے تو اسے عطردان میں ڈبو دیا جاتا ہے۔۔۔ ماضی کی ملی جلی آوازیں۔۔۔ منظر خیالات کچھ اس طرح گڈمڈ ہونے لگے کہ چاند کو گھیرے میں لیے اندھیرے اور گہرے سیاہ ہو گئے۔

☼ ☼ ☼

"ایسا مال لوڈ ہوا ہے قسم سے کہ قربان ہو جانے کو جی کرتا ہے۔" جواد نے پان کی پچکاری تارکول کی نئی نویلی سڑک پر ماری اور گلے میں پہنی تین دن پرانی سونے کی موٹی زنجیر پر رغبت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"مال۔۔۔ کیسا مال؟"

"فرسٹ ایر کی لڑکیوں کا مال یارا۔۔۔ سفید دودھیا کبوتریاں ہیں گلابی گلابی آہ۔"

"آں تو چل نا بائیک اسٹارٹ کر دیر کیوں کرتا ہے۔ چھٹی تو ہونے والی ہے۔"

جس وقت وہ تینوں کالج کی بیرونی اونچی دیوار کے کنارے آکر رکے عین اسی وقت کالج کا مین گیٹ کھلا کبوتریوں کا جم غفیر دھیمی رفتار سے برآمد ہونے لگا کئی کالج وینوں میں جگہ بنانے لگیں بہت سی اپنے باپ بھائی کے ساتھ موٹر سائیکلوں پر بیٹھ گئیں کچھ ٹولیوں کی صورت پیدل گھروں اور بس اسٹاپوں تک جانے لگیں۔

"تیری قسمت اچھی ہے حسنین۔۔۔ چکنا ہے زیادہ محنت نہیں کرنی پڑتی تجھے 'چڑیاں جلدی دام میں آجاتی ہیں لیکن اس نقاب پوش کو زیر کرلے تو قسم سے تجھے اپنا استاد مان لوں۔۔۔ پانچ سالہ تجربہ چلا چلا کر کہہ رہا ہے لڑکی پھنسائے نہیں پھنسے گی اس کی چال دیکھ۔۔۔ جیسے حج کر کے آئی ہو۔"

"کون آئی ہے حج کر کے؟"

"وہ ادھر۔۔۔ نیلی فائل والی۔ جس نے کالے دوپٹے سے نقاب کیا ہے اور جس نے سارا نیلا سمندر قید کر رکھا ہے اپنی آنکھوں میں۔"

"نیلا سمندر!" جواد کی چٹخارے لیتی زبان نے عادت کے مطابق آخری جملے کے مرکزی لفظ کو دہرایا۔

"یہ نقاب پوش تو بڑی جلدی قابو آتی ہیں۔ اپنے گھروں کی گھٹن سے بھاگتی ہیں۔ بس شروع شروع میں کسرت کروانی ہیں۔" خالص بازاری طرز پر ہاتھ پہ ہاتھ مارے گئے قہقہے اچھالے گئے۔۔۔ سگریٹ کے گول گول دائرے چھوڑے گئے۔

"تیری غیر حاضری میں 'میں نے اور عباد نے تو اپنی قسمت آزمائی کرلی۔ اب تیری باری ہے۔"

"میری باری۔۔۔" وہ ہنسا بائیک کو کک لگائی۔ وہ دونوں بھی فوراً" اس کے ساتھ بیٹھ گئے۔

"ہم چھوڑ دیں۔" جبڑے نکال کر اس نے کمینگی سے کہا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

نقاب والی نے ذرا سا سہم کر پیچھے دیکھا اور پھر تیز تیز قدم اٹھاتی چلنے لگی۔

"بڑی گرمی ہے کیوں ہلکان ہوتی ہو؟"

"ناراضی صحت کے لیے اچھی نہیں۔۔۔"

"ہمیں بھی اپنا دوست ہی سمجھو۔۔۔!"

لڑکی کی رفتار میں تیزی آگئی۔

"اپنی کومل جلد پر ہی رحم کیجئے۔" حسنین نے بائیک کی رفتار آہستہ کردی آگے بس اسٹاپ تھا اور لوگوں کا رش بھی۔۔۔

لڑکی اسٹاپ پر جاکر کھڑی ہوگئی۔ اس کی بس آئی اور وہ چلی گئی۔

"بول پیارے دیکھیں اس کی آنکھیں پھر۔۔۔ نور میں بھی حور لگی ہے' ہے کہ نہیں۔۔۔" دونوں اس کے کان میں گھسے تھے۔

"ایک دن ٹھہر جاؤ پھر دیکھنا میری کمر پر ہاتھ پھیلا کر جایا کرے گی۔" حسنین کو اپنی صلاحیتوں پر کامل یقین تھا۔

اگلے دن وہ پھر اسی جگہ کھڑے تھے۔

"دوستی کرنے میں کیا حرج ہے؟" عباد بولا۔

"ٹیوشن ہی دے دیں میڈم جی!" جواد نے لب کشائی کی۔

"اسٹوڈنٹ ہی بنالیں۔۔۔"

وہ بولتے رہے۔ وہ خاموش چلتی رہی۔۔۔ اگلے دن حسنین نے رکشہ بک کرواکر پہلے سے ہی کھڑا کردیا۔۔۔ مفت کا فن۔۔۔ لطف ہی سہی۔

"ہمارے ساتھ نہ سہی۔ رکشے میں ہی بیٹھ جائیں۔۔۔ ستارے توڑ لائیں گے' پہلے اس جہاز میں تو بیٹھ جائیں۔"

لڑکی آگے آگے تینوں اس کے پیچھے۔ رکشے والا بھی مزہ لینے کے لیے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ ان معاملات میں مرد ایک دوسرے سے انجان ہوتے ہوئے بھی بہت جلد بے تکلف ہوجاتے ہیں۔

"نازک جان پر اتنا ظلم نہ کریں ہم سے سہا نہیں جا رہا' رکشے میں بیٹھ جائیں۔" چار مردوں کے قہقہوں سے سڑک گونجنے لگی پھر اس کا اسٹاپ آگیا۔

"لو آج کا دن بھی گیا کہیں اور ٹرائی مارتے ہیں۔ یہاں بات نہیں بنے گی۔"

"ایسے کیسے نہیں بنے گی۔ منہ تو دیکھیں کیا بلا ہے۔۔۔ اتنا تو حق بنتا ہے ہمارا' دنیا کے خوب صورت نظاروں پر تو سب کا حق ہے بھئی۔۔۔"

اگلے دن چھٹی کے وقت حسنین نے ہاتھ آگے کر کے راستہ روک لیا۔ لڑکی تب بھی کچھ نہ بولی اور پلٹ کر دوسری طرف ہوگئی۔ دوسرا ہاتھ بڑھا کر حسنین نے وہ راستہ بھی بند کردیا۔

"دیکھیے۔۔۔ بدتمیزی نہ کریں۔" اس کی خشک دم توڑتی سی آواز کانپ کر نکلی۔

"بدتمیزی؟ کس نے کی بدتمیزی؟ ہم تو بہت محبت سے بہت خلوص سے آپ کے گرد چکر لگا رہے ہیں۔"

حسنین نے کہا اور تینوں نے چکر کاٹنے شروع کیے۔

"چہرہ دکھادیں ہم بھی خدائی شاہکار دیکھیں۔"

"راستہ چھوڑ دیں۔۔۔ مجھے جانے دیں۔" آواز خشک تر ہوگئی۔

"پہلے نقاب اتاریں۔۔۔"

"بدتمیزو! راستہ چھوڑ دو اللہ سے ڈرو۔"

"اللہ سے بھی ڈر لیں گے۔۔۔ اللہ کی تعریف تو کر لیں پہلے۔"

ڈر کر اس نے حسنین کے بازو کو ہٹا کر نکل جانا چاہا تو حسنین نے اس کے دوپٹے کا کونا پکڑ لیا اور اسے یوں جھٹکا دیا کہ نقاب بے نقاب ہوگیا' لڑکی نے ڈر کر دوپٹہ کھینچنا چاہا اور وہ پھٹتا چلا گیا اور گردن پر رگڑ کا ایسا نشان ثبت کرگیا۔ جیسے وہاں کسی بچھو نے ڈنک مارا ہو۔۔۔ بچھو ہی نے مارا تھا "حضرت مرد" نے۔ بنا دوپٹے کے لڑکی شرم سے پانی پانی ہوگئی۔

"اوئے کیا ہو رہا ہے یہاں؟" قریب سے گزرتے کسی اور بیٹی کے باپ نے جیسے کچھ بھانپ لیا وہ تینوں ڈر کر بھاگے۔ لڑکی نے بڑھ کر اپنا دوپٹہ اوڑھ لیا اور آنسو چھپاتی سڑک پر چلنے لگی۔

"کیا حسن ہے یار! چین نہیں آئے گا جب تک اور جی بھر کر نہ دیکھ لوں۔۔۔" چین کو شاید چین آجاتا حسنین کو نہ آیا۔

اگلے دن وہ لڑکی لاٹھی تھامتے اپنے بزرگ باپ کے ساتھ آئی وہ تینوں اپنی مخصوص جگہ ہی کھڑے تھے۔ انہیں اس لاٹھی والے سے ڈرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ دونوں ان کے قریب سے گزرے تو حسنین کھنکارا۔۔۔ لاٹھی والے نے اپنے قدم روک لیے گردن کو خم دیے بغیر انہیں دیکھا اور دونوں آگے بڑھ گئے۔

کالج کی چھٹی کے وقت بھی ایسا ہی ہوا۔۔۔ اس بار حسنین زور سے کھانسا یوں جیسے شیطان نے کوئی قہقہہ لگایا ہو۔ اس بار باپ ان دونوں کے بالکل سامنے اور بیٹی چار قدم آگے جاکر رک گئی۔

"تو تم ہو وہ تین۔۔۔ کل جنہوں نے۔۔۔ کیا تمہارے گھر میں کوئی بڑا ہے؟"

"جی ہاں۔۔۔ اماں ابا کے علاوہ سب مجھ سے بڑے ہیں۔" حسنین کی ڈھٹائی عروج پر تھی۔

"برخوردار! کبھی کسی بڑے نے تمہارے آگے ہاتھ جوڑے ہیں؟"

تینوں کی سٹی گم ہوگئی۔

"نہیں۔۔۔ تو لو میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں۔" لاٹھی والے نے' بیٹی کے باپ نے اپنے ہاتھ جوڑ دیے۔

"اپنے ان جڑے ہوئے ہاتھوں کا واسطہ دیتا ہوں۔۔۔ درخواست کرتا ہوں۔۔۔ اور منت بھی۔"

جھریوں زدہ چہرہ۔۔۔ جڑے ہوئے ہاتھ' وہ انسان کون تھا وہ ایک کمزور انسان تھا وہ ہاتھ اٹھا نہیں سکتا تھا۔ وہ ہاتھ جوڑ رہا تھا۔ لڑکی نے دکھ سے اپنے باپ کو دیکھا اور جیسے پھر سے اس کا دوپٹہ اترا۔۔۔ نقاب بے نقاب ہوا۔۔۔ سوا نیزے کا سورج بلند ہوا اور کیا کیا نہیں ہوا جو ہوا کم ہوا۔

ایک اندھے کنویں کا دہانہ حسنین نے دیکھا اس کا دم گھٹا۔

☼ ☼ ☼

"سوا نیزے کا سورج بلند ہوا۔"

حسنین اپنی بیٹی کی آنکھوں میں جھانک چکا تھا جو حیرت زدہ تھیں کہ اس کے باپ کا اپنی اکلوتی بیٹی کے دکھ پر رد عمل اتنا ساکن کیوں ہے۔۔۔ وہ غصے سے دیوانہ کیوں نہیں ہوجاتا۔

اب حسنین تانیہ کو کیا بتاتا کہ جب ماضی اپنی سیاہی کو دہراتا ہے تو دکھ اور حیرت سے زیادہ شرمندگی ایسے دامن گیر ہوتی ہے کہ پتھر کا بنا دیتی ہے۔

تو پچیس سال پہلے اس لاٹھی والے کے ہاتھ سے بھی کتاب گری ہوگی۔ اس کے ہاتھ بھی ہوا میں معلق رہ گئے ہوں گے۔

"بابا۔۔۔ وہ تینوں۔۔۔ ان تینوں نے۔۔۔ بابا۔"

اور اس سے آگے کی کہانی کی تاب نہ لا سکتے ہوئے اس کے بوڑھے ہاتھوں نے بیٹی کو خود میں بھینچ لیا ہو گا۔ بیٹی کے آنسو بابا کے کپڑوں میں جذب ہوئے ہوں

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

گے اور جذب ہوتے ان کی نوکیں سیدھی دل میں اتری ہوں گی۔۔۔ وہ زہر بجھے۔۔۔ زہر زہر کرتے ہوں گے۔

جس نے اس زہر۔۔۔ زہر ہوئے وجود کو دھوپ نہ لگنے دی اور اس مجسمہ گناہ کو شرمندگی سے گیلا ہی رہنے دیا۔۔۔ اس کے گھر کے ہر کونے ہر کمرے میں وہ مجسمہ زندہ رہا۔۔۔ ہاتھ جوڑے۔۔۔ آنکھوں میں یاس لیے۔۔۔ اور گردن کو ذرا سا خم دے کر رقت آمیزی سے دیکھتی اس کی بیٹی۔۔۔ اس کی لاچاری سارے وجود سے پگھل کر اس کے عمر رسیدہ پپوٹوں سے چھلک جانے کو بے قرار رہی۔۔۔ اور آج اسے لگا وہ آنکھیں چھلک چھلک تباہی کریں گی ہی۔۔۔

گھپ اندھیرے چاند کو گھیرے بیٹھے تھے۔۔۔ جیسے اس کے گرد "وہ تینوں۔۔۔ وہ تینوں" کا رقص کرتے ہوں۔

تانیہ اپنے کمرے میں سوئی تھی کہ نہیں لیکن اس کا فقرہ اس کا ماضی جھنجھوڑ کر جگا رہا تھا۔۔۔ جگائے رکھنے پر قادر تھا۔۔۔ بے قراری سے اسے ایک جھرجھری سی آئی۔۔۔ جیسے کوئی بھیانک وسوسہ وجود میں کڑکتی بجلی کی طرح کوندا ہو۔۔۔ ایسے وسوسے تو اسے بارہا آچکے تھے۔۔۔ بہنوں کی شادیاں کرنے تک۔۔۔ تانیہ کے جوان ہونے تک۔۔۔ کہ کبھی اس کی بہن بیٹی اس کے آگے آگئی اپنی گردن پر سرخ بچھو سا نشان لیے۔۔۔ تو۔۔۔ تو۔۔۔؟

"میں اس کا منہ توڑ ڈالوں گا ریوالور سے شوٹ کر دوں گا مار ڈالوں گا میں ہیں۔"

اور اب "اب ہاں آج۔۔۔ ابھی؟

اس نے وضو کیا اور مصلیٰ بچھا لیا۔

✡ ✡ ✡

ناشتے کے بعد اس نے پھر وضو کیا تھا اور مصلیٰ پر جا بیٹھا تھا اس نے ہاتھ مانگنے کے لیے اٹھا دیے تھے۔ ریوالور الماری میں رکھا تھا لیکن وہ ہاتھ پھیلائے بیٹھا تھا۔

تانیہ کو لے کر وہ ان تینوں کے پاس آگیا۔۔۔ اس کے شوہر اس کے ساس سسر کے پاس۔۔۔ سر جھکائے دیر تک ان کے الزامات ان کی شکایتیں سنتا رہا۔۔۔ وقت پر جب مکافات عمل کا باب آتا ہے تو گردنیں ایسے ہی جھک جاتی ہیں۔۔۔ جسم ساکن ہو جاتے ہیں۔۔۔ کوشش کے باوجود بھی حرکت نہیں ہو پاتی۔۔۔

ان سب کی شکایتیں تھم گئیں تو باپ جو کبھی مرد تھا داماد کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"برخوردار! ابھی کسی بڑے نے تمہارے آگے ہاتھ جوڑے ہیں؟"

بات اتنی مختصر اور مفہوم اس قدر سادہ تھا کہ داماد کا سارا جسم جیسے پانی میں بہہ گیا۔۔۔ تنے ہوئے اعصاب جیسے ڈھیلے پڑ گئے۔

"میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں۔۔۔ اپنے جڑے ہوئے ہاتھوں کا واسطہ دیتا ہوں۔۔۔ منت کرتا ہوں۔۔۔ درخواست کرتا ہوں۔۔۔"

لڑکی جواب اس کی بیٹی ہے، نے سر اٹھا کر اپنے لاڈلے باپ کو نادم ہوتے منت کرتے دیکھا اور وہ بے سایہ سی ہو گئی۔

داماد کی شکل ایسے نظر آنے لگی۔ جیسے اس نے کسی پاتال کا دہانہ دیکھ لیا ہو۔

"مطمئن ہو جاؤ بیٹی! ازمیر اب تمہیں کبھی نہیں مارے گا۔۔۔ کبھی تنگ نہیں کرے گا۔۔۔ کیونکہ، کیونکہ میں نے بھی کبھی اسے اس دن کے بعد تنگ نہیں کیا تھا۔"

اس نے جاتے ہوئے تانیہ سے کہا۔

"کس کو بابا۔۔۔؟" تانیہ نے اپنی نم آنکھیں اٹھا کر پوچھا۔

"تھی۔۔۔ ایک باپ کی بیٹی۔"

✡

انتظار

بھور سمے سے
رین ڈھلے تک
دروازے سے لپٹی لڑکی
دیکھ رہی ہے رستہ
مورکھ ساجن کا
سوچ رہی ہے
صبح کا بھولا
شاید شام کو
گھر لوٹ آئے

محمد مشتاق آثم

بارش کا گیت

یاد کی روٹھی بدلی کو لائی ہوں میں
ایک مدت سے بچھڑے ہوئے
ان کواڑوں سے، دیوار سے
آج مل مل کے رونے دو
ان آنسوؤں، ٹھنڈے سانسوں بھرے گیت سے
دکھ کی مالا پروتے دو
میں دکھ کے جنگل کی بھیگی ہوئی شام ہوں
خالی کمروں میں روتی ہوئی آنکھ کا پھول ہوں
کوئی خواہش ہوں، پیغام ہوں

سلیم الرحمٰن

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

اس سلیقے سے اُن سے گِلہ کیجیے
جب گِلہ کیجیے، ہنس دیا کیجیے

دوسروں پر اگر تبصرہ کیجیے
سامنے آئینہ رکھ لیا کیجیے

آپ سُکھ سے ہیں ترکِ تعلق کے بعد
اتنی جلدی نہ یہ فیصلہ کیجیے

کوئی دھوکا نہ کھا جائے میری طرح
ایسے کُھل کے نہ سب سے ملا کیجیے

عقل و دل اپنی اپنی کہیں جب خمار
عقل کی سُنیے، دل کا کہا کیجیے

خمار بارہ بنکوی

تو اسیرِ بزم ہے، ہم سخن، تجھے ذوقِ نالۂ نے نہیں
ترا دل گداز ہو کس طرح، یہ ترے مزاج کی لے نہیں

ترا ہر کمال ہے ظاہری، ترا ہر خیال ہے سرسری
کوئی دل کی بات کروں تو کیا، ترے دل میں آگ تو ہے نہیں

جسے سُن کے روح مہک اُٹھے، جسے پی کے درد چہک اُٹھے
ترے ساز میں وہ صدا نہیں، ترے میکدے میں وہ مے نہیں

کہاں اب وہ موسمِ رنگ و بو، کہ رگوں میں بول اُٹھے لہو
یونہی ناگوار چبھن سی ہے کہ جو شاملِ رگ و پے نہیں

ترا دل ہو درد سے آشنا تو یہ نالہ غور سے سُن ذرا
بڑا جانگسل ہے یہ واقعہ، یہ فسانۂ جم و کے نہیں

یہی شعر ہیں مری سلطنت، اسی فن میں ہے مجھے عافیت
مرے کاسۂ شب و روز میں ترے کام کی کوئی شے نہیں

ناصر کاظمی

اس ماہ کی مسکراہٹیں

صبا سحر

احتیاط

ایک کم اعتماد خاتون کو ڈرائیونگ سکھاتے ہوئے انسٹرکٹر نے دیگر ہدایات کے ساتھ ایک مخلصانہ مشورہ دیا۔ "محترمہ! بالکل پُرسکون ہو کر ڈرائیو کیا کریں۔ اس دوران اپنے ذہن کو تمام مسائل اور الجھنوں سے دور کرلیا کریں۔ صرف ڈرائیونگ پر توجہ مرکوز رکھیں اور کچھ نہ سوچیں۔"

خاتون نے فرماں برداری سے اثبات میں سرہلایا اور خاموشی سے گاڑی چلانے لگیں۔ خاموشی طویل ہوئی تو انسٹرکٹر نے سرسری سا پوچھا۔

"ویسے آپ کی عمر کیا ہوگی؟"

"سر پلیز۔ اس وقت ایسے مشکل سوال نہ کریں جن کا جواب مجھے بہت سوچ سمجھ کر دینا پڑے۔" خاتون نے گھبرا کر جواب دیا۔

(سیما علی۔۔۔ اسلام آباد)

اصل مسئلہ

"میرے شوہر کو سوتے میں بولنے کی عادت ہے۔" ایک خاتون نے ماہر نفسیات سے کہا۔

"تو آپ ان کی یہ عادت ختم کرانا چاہتی ہیں؟" ماہر نفسیات نے خاتون کا مسئلہ سمجھ کر سوال کیا۔

"نہیں۔۔۔ نہیں۔" خاتون نے جلدی سے ماہر نفسیات کی بات کا جواب دیا۔ "یہ اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ اصل مسئلہ تو میرا ہے۔"

"وہ کیا؟" ماہر نفسیات نے اپنے غلط اندازے پر قدرے جھینپ کر سوال کیا۔

"دراصل مجھے نیند بہت آتی ہے۔ اس لیے میں ان کی وہ ساری باتیں دھیان سے نہیں سن پاتی۔ برائے مہربانی آپ مجھے نیند کم کرنے کا کوئی طریقہ تجویز کردیں۔" خاتون نے اطمینان سے جواب دیا۔

(الماس تنویر۔۔۔ ہزارہ)

اعتراض

ایک امریکی باپ نے اپنی نوجوان بیٹی سے شکوہ کیا۔

"دیکھو ہنی! میں کوئی تنگ نظر باپ نہیں ہوں کہ رات کو دیر دیر تک تمہارے منگیتر کے ٹھہرنے پر اعتراض کروں۔ وہ صبح تک تمہارے کمرے میں بیٹھ کر اگر اپنی محبت کا یقین دلاتا ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔۔۔ مگر ہنی۔۔۔ پلیز! اسے کم از کم اتنا ضرور کہہ دیا کرو کہ صبح جاتے ہوئے میرا اخبار نہ لے جایا کرے۔ یہ مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔"

(رشیدہ بتول۔۔۔ کراچی)

چیدہ چیدہ

☆ سردار! "میں گھر نہیں آسکتا۔ کار کا اسٹیئرنگ چوری ہوگیا ہے۔"

(آدھے گھنٹے بعد) "میں آرہا ہوں۔ پہلے میں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا تھا۔"

☆ "کیا واقعی اعداد و شمار سے ثابت ہوتا ہے کہ شادی مردوں کو خودکشی سے باز رکھتی ہے؟"

"جی ہاں! اعداد و شمار سے ثابت ہوگیا ہے کہ خودکشی مردوں کو شادی سے باز رکھتی ہے۔"

(کرن سرمد۔۔۔ حیدر آباد)

WWW.PAKSOCIETY.COM

صحیح عمر

ایک ساٹھ سالہ ارب پتی بہت دن بعد کلب میں اپنی اٹھارہ سالہ نئی نویلی بیوی کے ساتھ داخل ہوا تو اس کے دوست نے علیحدگی میں حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔

"یہ تم سے شادی پر کیسے راضی ہو گئی؟"

"میں نے اس سے اپنی عمر کے بارے میں جھوٹ بولا تھا۔" ارب پتی نے جواب دیا۔

"کیا تم نے اسے اپنی عمر چالیس سال بتائی تھی؟" دوست نے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔ میں نے اپنی عمر نوے سال بتائی تھی۔" ارب پتی نے مسکرا کر کہا۔

(ثمرین عرفان۔۔۔ سرجانی ٹاؤن)

اعتماد

ایک انویسٹمنٹ کمپنی کا مالک پکڑا گیا۔ اس پر لوگوں کا سرمایہ ہضم کر کے غائب ہو جانے کا مقدمہ بنا۔ جج نے غصے سے اس سے کہا۔

"تمہیں شرم نہیں آتی۔ جن لوگوں نے تم پر اعتماد کیا، تم ان لوگوں کا پیسہ کھا کر بھاگ گئے؟"

"مگر سر! آپ خود سوچیں! جو لوگ آپ پر اعتماد نہیں کرتے ہوں، ان کا پیسہ آپ کیسے کھا سکتے ہیں؟" انویسٹمنٹ کمپنی کے مالک نے جج کی بات پر معصومیت سے کہا۔

(صائمہ عمران۔۔۔ جوہر ٹاؤن)

طریقے

"جرم ثابت ہو گیا۔" جج صاحب نے بارعب آواز میں فیصلہ سنایا۔

"وکیل استغاثہ کی جرح اور ملزم کے جوابات سے صاف ظاہر ہے کہ ملزم نے تین سال سے اپنی بیوی کو زر خرید کنیز بنا رکھا ہے۔ وہ ملزم کی مرضی کے بغیر سانس بھی نہیں لے سکتی تھی۔ وہ۔۔۔"

"عالی جاہ! رحم کریں۔" خوف زدہ ملزم نے گھگھیا کر جج صاحب کی بات کاٹی۔ "جناب! میں مانتا ہوں۔ میں نے اپنی بیوی پر ظلم کیے مگر اتنا برا ہرگز نہیں کیا کہ مجھے۔۔۔"

"خاموش!" اب کے جج صاحب نے اپنا چوبی ہتھوڑا میز پر مار کر اس کی بات کاٹی۔ "عدالت میں غیر ضروری باتیں نہ کرو۔۔۔ صرف یہ بتاؤ کہ بیوی کو اس طرح قابو میں رکھنے کے کیا طریقے ہیں؟"

(صدف جہانزیب۔۔۔ ماڈل پارک)

مقبول و پسندیدہ

تین دوست ایک طویل عرصے بعد ایک ہوٹل میں ملے اور پرجوش انداز میں ماضی کی خوش گوار یادیں تازہ کرنے لگے۔ اسی دوران ایک دوست اٹھ کر واش روم چلا گیا تو باقی دوستوں نے اپنے اپنے بچوں کا ذکر شروع کر دیا۔ ایک نے بتایا۔ "اس کا بڑا بیٹا نیویارک میں مشہور آرکیٹیکٹ ہے۔ خوب کماتا ہے۔ حد یہ ہے کہ پچھلے دنوں اس نے اپنے بیسٹ فرینڈ کی سالگرہ پر اسے دو نشستوں والا سیاحتی جہاز تحفے میں دے دیا۔"

دوسرے نے کہا۔ "اس کا بیٹا ملک کا کامیاب ڈاکٹر ہے۔ بہت دل والا ہے۔ اس نے بھی اپنے ایک قریبی دوست کو برانڈ نیو مرسڈیز گفٹ کی ہے۔"

وہ دونوں دوست ایک دوسرے کے بیٹوں کی فیاضی پر خوش ہوتے ہوئے ایک دوسرے کو مبارک باد دے رہے تھے کہ تیسرا دوست واش روم سے واپس آگیا۔ انہوں نے اس سے پوچھا کہ اس کا اکلوتا بیٹا آج کل کیا کر رہا ہے۔

"کچھ نہیں یار۔۔۔" تیسرے دوست نے عام سے انداز میں کہا۔ "وہ عجیب و غریب عادت کا شکار ہے۔ عورتوں سے دور بھاگتا ہے۔"

"اوہ۔۔۔ پھر تو بڑی مفلسی کی زندگی گزار رہا ہو گا۔" دونوں دوستوں کو صدمہ ہوا۔

"نہیں ایسی بات نہیں۔ وہ اب بھی لاکھوں میں کھیلتا ہے۔" تیسرے دوست کے لہجے میں اب اطمینان جھلکنے لگا تھا۔ "پچھلے ہفتے اس کے ایک دوست نے اسے نئے ماڈل کی مرسڈیز گفٹ کی اور دوسرے نے بیش قیمت تفریحی جہاز۔۔۔ وہ اپنے دولت مند دوستوں میں بہت مقبول و پسندیدہ ہے۔"

(سیما عبدالاحد۔۔۔ ڈہرکی)

راز و نیاز

"بہت دن بعد نظر آئے، کہاں تھے؟"

"میں اسپتال میں تھا۔"

"اوہ! یہ سن کر افسوس ہوا۔"

"نہیں افسوس کی کوئی بات نہیں ہے۔ میں نے نرس سے شادی کر لی تھی۔"

"بہت خوب۔ یہ تو اچھا ہوا۔"

"اچھا کہاں سے ہوا۔ شادی کے بعد پتا چلا کہ اس کے تین بچے ہیں۔"

"اوہ! یہ تو بہت برا ہوا۔"

تلاش گمشدگی

نمائش میں ایک اسٹال پر ایک خاتون خرید و فروخت میں مصروف تھیں۔ ایک شخص ہانپتا ہوا ان کے پاس آ کر مخاطب ہوا۔

"معاف کیجیے گا۔ کیا میں آپ سے تھوڑی دیر کے لیے گفتگو کر سکتا ہوں؟"

"مگر کیوں؟" خاتون نے حیرانی سے پوچھا۔

"دراصل بات یہ ہے کہ میری بیوی اس بھیڑ میں گم ہو گئی ہے۔ وہ مجھے آپ سے گفتگو کرتے دیکھے گی تو خود ہی گولی کی طرح یہاں پہنچ جائے گی۔ اب میں کہاں اسے ڈھونڈوں؟"

(مہک علی۔۔۔ سرگودھا)

صدمہ

"کیا بات ہے سیٹھ! اداس کیوں ہو؟" دوست نے پوچھا۔

"صدمہ ہی ایسا ہے۔ کوئی اور ہوتا تو اس کا ہارٹ فیل ہو جاتا۔" میمن سیٹھ نے جواب دیا۔

"کسی کا انتقال ہو گیا ہے؟"

"انتقال پر تو صبر آ جاتا ہے بھائی!" سیٹھ نے دل گرفتی سے کہا۔

"پھر؟"

"پانچ لاکھ روپے کا نقصان ہو گیا۔" سیٹھ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"اوہ۔۔۔ کیسے؟" دوست کو بھی دکھ ہوا۔

"نئی ٹیکسٹائل مل لگائی تھی۔ تخمینہ لگایا تو دس لاکھ منافع کی امید تھی مگر صرف پانچ لاکھ کا نفع ہوا۔" سیٹھ نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے بتایا۔

(زویا شفیق۔۔۔ حیدر آباد)

"نہیں کچھ ایسا برا نہیں ہوا۔ اس کے ایک کنوارے ماموں اس کے لیے بہت بڑی کوٹھی چھوڑ کر مرے تھے۔"

"چلو یہ تو اچھی بات ہے۔"

"خاک اچھی بات ہے۔ پچھلے دنوں آگ لگ گئی اور کوٹھی بالکل تباہ ہو گئی۔"

"اوہ! یہ تو بہت برا ہوا۔"

"نہیں ایسا برا بھی نہیں ہوا۔ میری بیوی بھی کوٹھی میں جل کر مر گئی۔"

"چلو یہ تو اچھا ہوا۔"

"ہاں یہ واقعی اچھا ہوا۔"

(سونیا۔۔۔ کراچی)

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

شگفتہ شاہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔
ام المومنین حضرت سودہؓ بنت زمعہ رات کے وقت باہر نکلیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھ لیا اور پہچان گئے انہوں نے کہا۔
"اے سودہؓ! اللہ کی قسم تم ہم سے نہیں چھپ سکتیں۔"
حضرت سودہ رضی اللہ عنہا واپس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت میرے حجرے میں شام کا کھانا کھا رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں گوشت کی ہڈی تھی۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہونا شروع ہوئی اور جب نزول وحی کا سلسلہ ختم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"تمہیں اجازت دی گئی ہے کہ اپنی ضروریات کے لیے نکل سکتی ہو۔"
تشریح :۔ آج کے دور نازک میں ضروریات زندگی اور معاشی جدوجہد اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ اکثر مواقع پر عورتوں کو بھی گھر سے نکلنا ضروری ہو جاتا ہے اسی لیے اسلام نے اس بارے میں تنگی نہیں رکھی۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ شرعی حدود میں پردہ کر کے نکلیں۔
(5273 ۔ بخاری)

حضرت علیؓ نے فرمایا،

زندگی کے تین سنہری اصول ہمیشہ یاد رکھو۔
1۔ اس سے ضرور معافی مانگو جسے تم چاہتے ہو۔
2۔ اسے مت چھوڑو، جو تمہیں چاہتا ہو۔
3۔ اس سے کچھ نہ چھپاؤ جو تم پر اعتبار کرے۔

دُعا،

محمود غزنوی کا لشکر بلخ کے دروازے پر پڑا تھا۔ صبح ترکستان والوں سے مقابلہ تھا۔ محمود آدھی رات کو اُٹھا اور غسل کے لیے گرم پانی منگوایا مگر نہ ملا۔ اس رات برفباری ہو رہی تھی اور برفانی ہوا کے طوفان آ رہے تھے۔ اس کے باوجود اس نے ٹھنڈے پانی سے غسل کیا اور مصلیٰ بچھا کر عبادت کرنے لگا۔ مصاحبوں نے کہا بھی کہ صبح معرکہ درپیش ہے، آج کی رات آپ کو آرام کرنا چاہیے۔"
محمود نے جواب دیا۔" میرا کام آج ہی رات کا ہے کل کا کام اللہ کا ہے۔ میرا نہیں۔"
چنانچہ صبح تک عبادت میں مصروف رہا۔ فجر ہوئی تو اُٹھا، نماز پڑھی اور آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگی۔
"یاالٰہی! ہم فریقوں میں سے جو فریق تیرے بندوں کے حق میں بہتر ثابت ہو، اسے فتح عنایت کر۔"
یہ دُعا مانگ کر گھوڑے پر سوار ہوا اور سیدھا لڑائی کے میدان میں آیا۔ اس روز اسے جو فتح نصیب ہوئی، وہ حیرت انگیز تھی۔

ثابت بنانیؒ کا واقعہ،

ثابت بنانیؒ ایک مرتبہ کسی قبرستان سے گزر رہے تھے، پیچھے سے ایک آواز آئی
"قبروں کے ظاہری سکون کو دیکھ کر کہیں دھوکے میں نہ آجانا۔ کیونکہ ان کے اندر بہت لوگ مغموم اور رنجیدہ ہیں۔"
انہوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو کسی کو نہ پایا۔

ثنا اُجالا

غلطی، غلطی ہے،

عباسی خلفاء میں معتصم سے زیادہ بہادر اور طاقتور خلیفہ کوئی نہیں گزرا۔
ایک مرتبہ وہ مامون کے ساتھ شکار کو گیا ہوا تھا۔ کچھار سے ایک شیر نکل کر سامنے آیا۔ معتصم نے گھوڑا بڑھایا۔ شیر نے اس پر حملہ کیا۔ معتصم کا گھوڑا بدکا، شیر نے گھوڑے پر پنجہ مارا اور اس کی کمر توڑ دی۔ معتصم پاپیادہ ہو کر شیر سے لپٹ گیا اور اسے گرا کر اس کا سر پکڑ لیا اور اسی حالت میں مامون کے پاس لے آیا۔ مامون کو اس کی طاقت پر بہت حیرت ہوئی مگر اس نے تنبیہہ کی۔
"آئندہ ایسا نہ کرنا۔ کیونکہ غلطی کا نتیجہ درست نکل آئے تو بھی اسے غلطی ہی کہا جائے گا۔"

ثمرہ، اقراء۔ کراچی

حیرت انگیز بات،

ملکہ وکٹوریہ دُنیا کے پانچویں حصے پر حکمران تھی۔ ایک روز اُس نے اپنے اتالیق اور وزیراعظم لارڈ ملبورن سے دریافت کیا۔
"آپ نے تاریخ عالم کا گہرا مطالعہ کیا ہے، اس میں آپ کو سب سے حیرت انگیز بات کیا نظر آئی؟"
لارڈ ملبورن نے بلا تامل جواب دیا۔
"اسلام کا عروج۔"
اس پر ملکہ نے سوال کیا۔" کیا آپ نے اس کے اسباب پر بھی غور کیا ہے؟"
اس نے کہا۔" میری سمجھ میں تو ایک ہی بات آتی ہے کہ ان کے پیغمبر نے انہیں ہدایت کے لیے ایک کتاب (قرآن مجید) دی تھی۔ جب تک وہ اس پر عمل پیرا رہے، ترقی کی تمام راہیں ان پر کھلی رہیں۔ پھر جیسے ہی انہوں نے اس کتاب سے بے رُخی برتنا شروع کی ان کا زوال ہونے لگا۔ اگر کسی زمانے میں تاریخ نے اپنے آپ کو دُہرایا اور مسلمانوں نے ایک قوم کی حیثیت سے پھر قرآن مجید کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور اپنی انفرادی اور قومی زندگی اس کے مطابق بنائی تو ہم کیا ساری دُنیا ان کے زیرنگیں آجائے گی۔"

شریعت کی پابندی،

حضرت بایزید بسطامیؒ (متوفی 261ھ) مشہور صوفیا میں سے ہیں۔ ان کا مقولہ ہے۔
"اگر تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ اعلا درجہ کی کرامتوں کا مظاہرہ کر کے ہوا میں اُڑ رہا ہے تب بھی اس کے دھوکے میں نہ آؤ جب تک یہ نہ دیکھ لو کہ احکام شریعت اور حفظ حدود کے معاملے میں اس کا کیا حال ہے؟"
(البدایہ والنہایہ)

خوش مزاجی،

خوش مزاجی سے امن و سلامتی حاصل ہوتی ہے اور دوسروں کے دل میں خوش مزاجی جگہ بھی پیدا کرتی ہے۔ (ارسطو)

مہوش ڈوگر

جنگ میں،

جب اسماعیل سامانی نے خراسان فتح کرنے کے لیے لشکر کشی کی تو ایک فوج آگے روانہ کر دی۔ اس فوج کے سردار نے اسماعیل سے لکھ کر دریافت کیا۔
"جب ہم دشمن سے مقابلہ کریں تو کون سے ہتھیاروں سے کام لیں؟ اور جب لشکر آمنے سامنے ہوں تو ہم اپنے لشکر کی کس صورت سے حفاظت کریں؟"
امیر اسماعیل نے اس درخواست پر حکم لکھا۔
"دین سے بڑھ کر کوئی ہتھیار حفاظت کا ضامن اور انصاف سے زیادہ کوئی پناہ گاہ پائیدار نہیں ہے۔"

خوشی،

دُنیا میں خوشی حاصل نہیں ہو سکتی جب تک ہم دوسروں کو خوش نہ کریں۔ خوشی کا تعاقب کرنے والا خوشی نہیں پا سکتا ہے۔ یہ عطا ہے مالک کی۔ جو اس کی یاد اور اس کی مقدر کی ہوئی تقدیر پر راضی رہنے سے ملتی ہے۔ جو شے چلنے سے حاصل نہیں ہوتی وہ ٹھہرنے سے حاصل ہو جاتی ہے۔ جو دانے پیسے جمع کرنے

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

میں نہ پایا جائے، وہ خرچ کرنے میں ضرور پایا جائے گا۔ جسے سونے والا دریافت نہ کر سکے، اسے جاگنے والا ضرور دریافت کرے گا۔

(دل، دریا، سمندر۔ واصف علی واصف)

سردار،

احنف بن قیس اپنی قوم کے سردار بن گئے، حالانکہ وہ حسب نسب کے اعتبار سے ان پر فوقیت نہیں رکھتے تھے اور نہ ہی ماں باپ کے حوالے سے کوئی فوقیت حاصل تھی۔ کسی نے ان سے پوچھا۔

قوم کس قسم کے شخص کو اپنا سردار بناتی ہے؟"

فرمایا۔ "جس میں چار خوبیاں ہوں، وہ کسی رکاوٹ کے بغیر اپنی قوم کا سردار بن جاتا ہے۔

1۔ جس کا دل اسے قدم قدم پر ٹوکتا ہو۔
2۔ جس کا حسب نسب اس کی حفاظت کرتا ہو۔
3۔ جس کی عقل و دانش اس کی رہنمائی کرتی ہو۔
4۔ جس کی حیا اسے بُرے کاموں سے روکتی ہو۔

آسیہ جاوید۔ علی پور چٹھہ

تعریف میں مبالغہ،

ایک مرتبہ مامون کا مصاحب یحییٰ بن حسین مامون کی خدمت میں آیا اور اس کی تعریفیں کرنے لگا۔

اس کی مبالغہ آمیزی سن کر مامون نے کہا۔

"تعریف میں اتنا مبالغہ ٹھیک نہیں۔ نعمت کا شکر اس نعمت سے زیادہ ہو تو خوشامد اور چاپلوسی بن جاتا ہے اور کم ہو تو ادا کرنے والے کی ناقابلیت اور بےزبانی کہلاتا ہے۔ اس لیے بہتر یہ ہے درمیانہ راستہ اختیار کیا جائے۔"

یحییٰ نے کہا۔ "خدا کی قسم! یہ تعلیم میرے حق میں تمام انعاموں سے زیادہ قیمتی ہے۔"

غیبت کرنا جائز ہے،

شیخ سعدی فرماتے ہیں۔ "میں نے بزرگوں سے سنا ہے کہ دوسروں کے عیب گننا اور پیٹھ پیچھے برا کہنا بہت بڑا گناہ ہے۔ لیکن تین آدمی ایسے ہیں کہ ان کے عیب گننا اور غیبت کرنا جائز ہے۔

1۔ پہلا بے انصاف بادشاہ اس کی بے انصافی کا ذکر کرنا خلق خدا کو اس کے شر اور دھاندلی سے محفوظ رکھے گا۔

2۔ دوسرا بے حیا آدمی۔ کیونکہ وہ شرم و حیا کا پردہ پھاڑتا ہے، اس لیے اس کی بے حیائی پر پردہ ڈالنا بھی جائز نہیں۔

3۔ تیسرا کم تولنے والا دکان دار۔ اس کی بے ایمانی کو لوگوں کے سامنے ظاہر کر دینا چاہیے تاکہ وہ اس سے بچ کر رہیں۔

لاریب، ماہ زیب۔ چونیاں

نفیس جوابات،

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا۔

"یا امیر المومنین! آسمان اور زمین کے درمیان کیا ہے؟"

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ "قبول ہونے والی دعا۔"

پھر پوچھا گیا۔ "مشرق اور مغرب کے درمیان کیا کچھ ہے؟"

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ "سورج کی ایک دن، رات چلنے کی مسافت۔"

پھر پوچھا گیا۔ "پانی کا ذائقہ کیسا ہے؟"

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ "جو زندگی کا ذائقہ ہے۔"

عائشہ رانجھا۔ ڈسکہ

خالدہ جیلانی

کھلتا کسی پہ کیوں میرے دل کا معاملہ

پاکیزہ شاہ ــــــــ بہاول پور
عمر بھر کی چاہتوں کا خواب آنکھوں میں لیے زندگی
کیا تم بھی بچھڑ جاؤ گی اک دن دوستوں کی طرح

صفورہ حلیمی ــــــــ گجرات
جسم سے خون تک نچوڑ لیتا ہے
عشق جب ہجر اوڑھ لیتا ہے

شبنم شمشاد ــــــــ یزمان
کتابیں بالکل میری ذات جیسی ہیں
الفاظ بہت، مگر خاموش

زویا ــــــــ لاہور
فطرت، سوچ اور حالات میں تصادم ہے ورنہ
انسان کیسا بھی ہو دل کا برا نہیں ہوتا

سائرہ ــــــــ راولپنڈی
معلوم ہوتا ہے بھول گئے ہو شاید
یا پھر کمال کا صبر رکھتے ہو

گڑیا ــــــــ ٹنڈو آدم
اک دوجے کی ضد ہی رہے
ہم کبھی ہم نہ ہوئے

ساجی عاصم ــــــــ ٹنڈو آدم
ہے کوئی وکیل باکمال
جو ہارا ہوا عشق جتوا دے مجھ کو

رابعہ رشید ــــــــ حویلی لکھا
میرے صبر پر کوئی اجر کیا، میری دوپہر پہ یہ ابر کیوں
مجھے اوڑھنے دے اذیتیں میری عادتیں نہ خراب کر

نوشین اقبال نوشی ــــــــ گاؤں مدد مرجان
اب وہ منظر نہ وہ چہرے نظر آتے ہیں
مجھ کو معلوم نہ تھا خواب بھی مر جاتے ہیں
جانے کس حال میں ہیں کہ ہمیں دیکھ کے سب
ایک پل کے لیے رکتے ہیں گزر جاتے ہیں

عذرا ناصر، اقصیٰ ناصر ــــــــ کراچی
اک عمر ہے جو تیرے بغیر گزارنی ہے
اور اک پل ہے جو تیرے بنا گزرتا نہیں

ارم کمال ــــــــ فیصل آباد
یہ اور بات کہ اب چشم پوش ہو جائے
کبھی تو علم اسے بھی ہمارے حال کا تھا
محبتوں میں، میں قائل تھی لب نہ کھلنے کی
جواب ورنہ میرے پاس ہر اک سوال کا تھا

آسیہ جاوید ــــــــ علی پور چٹھہ
رونے سے ملال گھٹ گیا ہے
بادل تھا برس کے چھٹ گیا ہے

شفاعت بتول نین تارا ــــــــ جام پور
مسیحاؤں کو جب آواز دی ہے
پلٹ کر آ گئے ہر بار قاتل

فوزیہ شہزاد بٹ ــــــــ گجرات
ایک ہی مسئلہ میرا تا عمر حل نہ ہوا
نیند پوری نہ ہوئی، خواب مکمل نہ ہوا

ایس، آر مسکان ــــــــ جام پور
شہر دل کی بربادی کی اسے کیا خبر مسکان
وہ ایک مسافر تھا، آیا، ٹھہرا اور چل دیا

مینا بخاری، صبا نوشاہی ــــــــ ڈوگہ گجرات
پیاسی خشک مٹی سے کیا وعدہ نبھانا ہے
آسمان سے بادل ہم نے کھینچ لانا ہے
فقط پہرہ نہیں دینا ہم نے تاریک گلیوں میں
ہم نے سوئے ہوئے لوگوں کی قسمت کو جگانا ہے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

من کے موتی اور سنجھا کی

سوہائی ابرو سے ملاقات

شاہین رشید

آج کل شوبز میں دو ایک ہی نام کی فنکارائیں ناظرین کے دلوں میں گھر کیے ہوئے ہیں۔ دونوں کا نام ایک' دونوں کی فیلڈ ایک اور دونوں کے شوق بھی ایک ہی ہیں۔ ان کے نام میں صرف اتنا فرق ہے کہ ایک اپنا نام سوہائے لکھتی ہے اور دوسری اپنا نام "سوہائی" لکھتی ہے۔ آج ہم آپ کی ملاقات "سوہائی" سے کروا رہے ہیں۔ سوہائی کا پورا نام "سوہائی ابرو" ہے اور سوہائے کا پورا نام "سوہائے علی ابرو" ہے۔

سوہائی ابرو کا پہلا سیریل "سنجھا" تھا اور آج کل آپ انہیں "من کے موتی" میں دیکھ رہے ہیں۔

سانولی سلونی سوہائی ابرو سے ہم نے ملاقات کے دوران پوچھا۔

"کیسی ہو اور "من کے موتی" میں کام کرنا کیسا لگ رہا ہے؟"

"بالکل ٹھیک ہوں اور "من کے موتی" میں کام کرنا اچھا لگ رہا ہے۔ اچھا رول ہے اور ہے بھی جاندار۔"

"سنجھا سے زیادہ اچھا ہے کیا؟"

"سنجھا" کا رول اور "من کے موتی" کا رول مکمل طور پر مختلف ہے' وہ ایک گھر کی لڑکی کا رول تھا اور یہ ایک شہری لڑکی کا رول ہے اور میں چاہتی بھی یہی

ہوں کہ میرا کردار ہمیشہ پہلے کردار سے مختلف ہو اور اسی لیے میں کم کام کرتی ہوں مگر بہت مختلف کرتی ہوں۔"

"مگر ایسے مختلف رول تو سالوں میں ملتے ہیں یا لکھے جاتے ہیں۔"

"بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔ "سنجھا" چلا تھا 2012ء میں اور اب چل رہا ہے 2014ء تو آپ خود اندازہ لگائیں کہ میں اچھے رول کے لیے گیپ دے سکتی ہوں۔ درمیان میں میں نے سیریل میں نہیں بلکہ ایک دو ٹیلی فلمز میں کام کیا اور اس میں بھی میرے رول بہت اچھے اور مختلف تھے۔"

"من کے موتی" میں کیسے انتخاب ہوا؟"

"اس کے پروڈیوسر' ڈائریکٹر نے مجھے فون کیا اور کہا کہ آپ کے لیے ایک رول ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ یہ رول آپ ہی کریں' چنانچہ میں گئی' میں نے اپنا رول پڑھا تو مجھے اچھا لگا اور میں نے کام کرنے کی ہامی بھر لی۔"

"کہیں مشکل پیش آئی؟"

ہنستے ہوئے "میں نے اس سے زیادہ — مشکل رول کیے ہیں تب مجھے مشکل پیش نہیں آئی تو بھلا اس رول میں کیسے مشکل ہو سکتی تھی۔ کچھ بھی نہیں ہوا' سب کچھ بہت اچھا ہو گیا۔"

"اور مزید کیا مصروفیات ہیں؟"

"مزید مصروفیات بھی ہیں لیکن بتانے کا فائدہ نہیں کہ پتا نہیں کب آن ایئر آئے۔ مجھے یاد ہے کہ "سنجھا" 2011ء میں شروع ہوا اور آن ایئر 2012ء میں ہوا تو اب جن میں کام کر رہی ہوں پتا نہیں کب مکمل ہوں اور کب آن ایئر آئیں۔"

"تو اتنا ٹائم کیوں لگا "سنجھا" کے مکمل ہونے میں؟"

"اس کی لوکیشنز بہت مشکل تھیں اور بہت زیادہ تھیں اور ویسے بھی کسی نہ کسی وجہ سے لیٹ ہوتا رہا۔ لیکن شکر ہے کہ پورا ہوا اور لوگوں کو بے انتہا پسند بھی آیا۔"

"سنا ہے تم "سنجھا" کے کام کے دوران بیمار بھی ہو گئی تھیں؟"

"جی آپ نے بالکل ٹھیک سنا... میں اس کردار میں اتنی مگن ہو گئی تھی کہ میں نے اسے سر پر سوار کر لیا تھا تو بس بیمار پڑ گئی تھی اور میری یہ عادت ہے کہ جو بھی کردار مجھے ملتا ہے اس کی گہرائی میں چلی جاتی ہوں' بہت محنت کرتی ہوں اور پھر بیمار پڑ جاتی ہوں۔"

"کوئی کردار لیتے وقت خود فیصلہ کرتی ہو یا والدین سے اجازت لیتی ہو؟"

"میں اب اتنی میچور ہو گئی ہوں کہ اپنے فیصلے خود کر سکتی ہوں اور میرے والدین نے میری تربیت اس انداز میں کی ہے کہ ہم اپنے فیصلے خود کر سکتے ہیں۔ بے شک میں ان سے مشورہ ضرور لیتی ہوں لیکن فیصلہ میرا اپنا ہوتا ہے۔"

"تم نے اگرچہ کم کام کیا لیکن ایک دو سیریلز نے ہی تمہیں شہرت بھی بہت دی۔ کیا کہو گی اس بارے میں؟"

"جی میں بھی یہی کہتی ہوں کہ میرے کام سے زیادہ میری شہرت ہے۔ شاید میرے کردار پاورفل ہوتے

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہیں۔ آپ یقین کریں کہ ابھی بھی جب لوگ مجھ سے ملتے ہیں تو "سنجھا" کے حوالے سے ہی جانتے ہیں یا پھر "من کے موتی" کی بھی بات کرتے ہیں۔ تو ایک انجانی سی خوشی ہوتی ہے۔"

"ڈانس اور تھیٹر کو بھی ٹائم دیتی ہو۔۔۔ کچھ اس کے بارے میں بھی بتاؤ؟"

"ڈانس اور تھیٹر میرا جنون ہے اس کے بغیر تو میں زندہ ہی نہیں رہ سکتی، جس طرح لوگ کھانا کھائے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ اسی طرح میں ڈانس اور تھیٹر کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ ڈانس میں میرا اپنا گروپ ہے "نرت تال" کے نام سے۔ اس میں لائیو میوزیشن ہوتے ہیں اور میں لائیو پرفارمنس دیتی ہوں۔ تھیٹر میں میں نے ثناء کے ساتھ بھی کام کیا ہے۔"

"ڈانس سیکھا کس سے؟"

"شیما کرمانی صاحبہ سے۔ وہ تو میری استاد بھی ہیں اور میری گرو بھی اور میں ان کے پروگراموں میں بھی پرفارم کرتی ہوں۔ ان کے گروپ میں ہر عمر کی لڑکیاں اور خواتین ہیں جبکہ میرے گروپ میں سب ینگ لوگ ہیں۔"

"ڈانس اور تھیٹر تمہارا جنون ہے تو اداکاری جو ڈراموں میں ہوتی ہے اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"اداکاری ہے تو دلچسپ کام۔ مگر تھکن بھی بہت ہو جاتی ہے پھر وقت کی پابندی بھی نہیں ہوتی اور کئی کئی دن کام رکا بھی رہتا ہے جبکہ ڈانس پرفارمنس ہو یا تھیٹر وقت کی پابندی ہوتی ہے، وقت پر کام ختم بھی ہو جاتا ہے اور اچھا رسپانس بھی مل جاتا ہے اور دل کو تسلی بھی ہو جاتی ہے کہ ہم نے اچھا کیا ہے۔"

"کچھ اپنے بارے میں بتائیے؟"

"جی ضرور۔۔۔ میرا نام "سوہائی ابڑو" ہے اور میرے نام کا مطلب ہے طلوع آفتاب ہے۔ میرے والد نے میرا نام "سنجھا" ہی رکھنا تھا اور "سنجھا" کا مطلب غروب آفتاب ہوتا ہے مگر پھر انہیں معنی کے لحاظ سے یہ نام کچھ اداسی والا لگا تو انہوں نے میرا نام "سوہائی" رکھ دیا۔ میں 23 ستمبر 1993ء میں کراچی میں پیدا ہوئی۔ مجھ سے بڑی ایک بہن ہے۔ جس کا نام "سوہائے" ہے اور اس کا مطلب ہے خوب صورتی۔ وہ انگلینڈ میں اپنی تعلیم مکمل کرنے گئی ہے وہ انگریزی ادب میں بیچلر ہے۔ جبکہ میں اے لیول کے بعد گریجویشن کر رہی ہوں۔"

میرے والد کا تعلق حیدر آباد سندھ سے جبکہ والدہ کا تعلق "نوشہرو فیروز" کے ایک گاؤں "گذری گوٹھ" سے ہے۔ والد کا نام "خدا بخش ابڑو" ہے اور وہ گرافک ڈیزائنر ہیں۔ انہوں نے نیشنل کالج آف آرٹ لاہور سے گریجویشن کیا اور آج کل وہ ڈان گروپ آف نیوز پیپر سے وابستہ ہیں۔ جبکہ والدہ کا نام "عطیہ داؤد" ہے اور وہ ٹی وی ڈرامہ رائٹر ہیں اور ان کی ایک ٹیلی فلم "کون حسن آرا" بہت مقبول ہوئی تھی۔ والدہ خواتین کے مسائل پہ زیادہ لکھتی ہیں۔"

"والدین اپنی اولاد کے نام بہت سوچ بچار کے بعد اور معنی دیکھ کر رکھتے ہیں کہ شخصیت پہ اچھا اثر ہو تو ایسا ہوا؟"

"ظاہر ہے کہ وہ کچھ سوچ کر ہی رکھتے ہوں گے۔ مگر اچھا اثر ہوتا ہے یا نہیں۔ یہ تو جب انسان بڑا ہوتا ہے تب ہی پتا چلتا ہے میرے نام کا مطلب اچھا ہے "طلوع آفتاب" تو میرے ساتھ سب کچھ بہت اچھا ہو رہا ہے۔ جو کام کرتی ہوں اللہ تعالیٰ ترقی بھی دیتا ہے اور برکت بھی ڈالتا ہے۔"

"اپنے کام سے بور ہوتی ہیں؟"

"ارے نہیں۔۔۔ بالکل نہیں۔۔۔ جس کام کا شوق ہو بلکہ جنون ہو تو پھر اس کام سے کچھ بوریت نہیں ہوتی۔"

"ہم کتنے ہی ترقی یافتہ کیوں نہ ہو جائیں، ہمارے ملک میں "ڈانس" کرنے والوں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا جبکہ ڈانس شوق سے دیکھا جاتا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟"

"آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ ہمارے معاشرے کے عجیب لوگ ہیں۔ مجھے تو بچپن سے ہی ڈانس سیکھنے کا شوق تھا۔ میں کلاسیکل ڈانس دیکھتی تھی تو میرا بھی دل چاہتا تھا۔ تب میرے شوق کو دیکھتے ہوئے میرے والدین مجھے شیما کرمانی کے پاس لے کر گئے۔ شروع شروع میں میری دوستوں اور دیگر لوگوں نے بہت باتیں بنائیں اور یہ بھی کہا کہ جب تمہاری شادی ہو گی تو تمہارا میاں تمہیں ڈانسر ہونے کا طعنہ دے گا ۔۔۔ مجھے یہ باتیں بہت بری لگتی تھیں، مگر کسی کو جواب نہیں دیتی تھی۔ سوچتی تھی کہ اس سے شادی کروں گی جو میرے کام کو پسند کرتا ہو گا۔"

"بالکل۔۔۔ پھر کوئی ہے نظر میں؟"

ہنستے ہوئے ۔۔۔ "نہیں ابھی تو کوئی نہیں ہے۔ مگر شادی اپنی پسند سے کروں گی اور اپنی پسند میں اپنے والدین کو ضرور شامل کروں گی۔ وہ اتنے کھلے دل و دماغ کے مالک ہیں کہ میری پسند کو یقیناً پسند کریں گے۔"

"لوگوں کو دوسروں پر تنقید کرنے کی بہت عادت ہوتی ہے۔ شاید دنیا میں یہی کام بہت آسان ہے۔ کبھی ایسی تنقید ہوئی کہ دل دکھا ہو؟"

"جی بالکل ۔۔۔ دوسروں پر تنقید کرنا، نہیں برا کہنا لوگوں کو بہت آتا ہے، اور وہ یہ بھی نہیں سوچتے کہ ہماری باتوں سے کسی کا دل دکھ بھی سکتا ہے۔ "سنجھا" میں میری اداکاری کو تو بہت پسند کیا گیا لیکن یہ تنقید بھی کی گئی لڑکی سانولی ہے۔ کوئی گوری چٹی لڑکی ہونی چاہیے تھی۔ خیر میں ایسے لوگوں کی تنقید پہ کان نہیں دھرتی کیونکہ لوگوں کو معلوم ہی نہیں ہے کہ اصل خوب صورتی کیا ہوتی ہے اور نہ ہی انہیں یہ معلوم ہے کہ سانولے رنگ میں کتنی کشش ہوتی ہے۔ ہمارے یہاں تو لوگوں کو تعلیم کی اہمیت کا بھی نہیں پتا۔ پتا نہیں ہمارا ملک کب تعلیم کی اہمیت کو سمجھے گا۔ صرف فیس بک استعمال کرنے سے کوئی تعلیم یافتہ نہیں ہوتا نہ ہی کتابیں رٹ لینے سے ۔۔۔ اچھی تربیت بھی انسان کو باشعور بناتی ہے۔"

"اداکاری کو حقیقت کا رنگ دینے کے لیے کہاں تک جاتی ہو؟"

"کردار کی تہہ تک جاتی ہوں۔ تھری لڑکی کا کردار کرنے سے پہلے اس کی لوکیشنز پہ گئی، وہاں کی لڑکیوں کو دیکھا، ان کا اٹھنا بیٹھنا دیکھا ان کو تھوڑا فالو کیا پھر کام شروع کیا۔ پھر سین کو حقیقت کا رنگ دینے کے لیے اگر بھوکا رہنا پڑا تو بھوکی بھی رہی کہ چہرے سے نقاہت ظاہر ہو۔ مارنے والا سین تھا تو ریشم باجی سے (اداکارہ ریشم) کہتی تھی کہ آپ مجھے سچ مچ ماریں تاکہ لوگوں کو بھی اصل معلوم ہو اور میری اداکاری میں بھی حقیقت کا رنگ آئے۔"

"واقعی تمہاری پرفارمنس بہترین تھی۔ لوگ پہچان جاتے ہیں۔"

"بالکل جی۔۔۔ آج تک لوگ مجھے "سنجھا" کے نام سے جانتے ہیں۔ میں کہیں بھی جاتی ہوں تو لوگ کہتے ہیں "دیکھو دیکھو سنجھا جا رہی ہے" سچ میں، بہت خوشی ہوتی ہے لوگ اتنے ڈھیروں ڈھیر ڈرامے کرتے ہیں اور جگہ نہیں بنا پاتے اور میری ایک سیریل نے مجھے کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔"

"بے شک ۔۔۔ یہ بتاؤ کہ غصے کی تیز ہو یا نرم؟ کیونکہ غصہ تو ایک فطری عمل ہے۔"

"بالکل ایک فطری عمل ہے اور میں بھی اس فطری عمل سے گزرتی ہوں۔ مجھے جب غصہ آتا ہے تو بہت آتا ہے۔ جذباتی لڑکی ہوں۔ خود پر کنٹرول نہیں کر سکتی۔"

"طبیعتاً" حساس اور سنجیدہ ہو یا ہر وقت خوش رہنے والی لڑکی ہو۔"

"طبیعتاً" بہت حساس بھی ہوں اور سنجیدہ بھی ہوں۔ ہر وقت خوش نہیں رہتی، لیکن اگر کوئی خوشی کا موقعہ آتا ہے تو پھر کھل کر اظہار کرتی ہوں۔"

"تمہارے نام کا مطلب طلوع آفتاب ہے اور سورج گرم بھی بہت ہوتا ہے کیا خیال ہے؟"

"ہاں شاید نام کا اثر ہے۔ اس لیے مزاج کی تیز ہوں

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

یا پھر یہ مجھے ورثے میں ملا ہے کیونکہ میرے ددھیال سائیڈ میں یعنی والد کی فیملی میں سب غصے کے تیز ہیں شاید اس لیے مجھ میں بھی غصہ ہے یا پھر نام کا اثر ہو گا۔"

"گھریلو امور سے کتنا لگاؤ ہے؟"

"لگاؤ۔۔۔ کسی زمانے میں بہت تھا بہت کام کیا کرتی تھی۔ اب دل نہیں چاہتا کام کرنے کو۔۔۔ آتا سب کچھ ہے کیونکہ بچپن میں ہی امی نے سب کچھ سکھا دیا تھا۔ کبھی کبھی امی کی مدد ضرور کر دیتی ہوں۔ سارے گھر کی ذمہ داری امی نے اٹھائی ہوئی ہے انہوں نے گھر کو سنبھالا ہوا ہے۔۔۔ میری امی بہت ہمت والی ہیں۔ لکھتی بھی ہیں اور گھر کی بھی ساری ذمہ داری لی ہوئی ہے۔"

"کھانا پکانے سے لگاؤ نہیں ہے کھانے پینے سے لگاؤ ہے؟"

"نہیں بہت زیادہ لگاؤ نہیں ہے مل جائے تو ٹھیک ورنہ شور نہیں مچاتی۔ وقت پر نہیں کھاتی جب بھوک لگتی ہے تب کھاتی ہوں اور کم کھاتی ہوں کہ کہیں موٹی نہ ہو جاؤں ویسے تو ڈانس پریکٹس مجھے موٹا ہونے نہیں دیتی مگر پھر بھی خیال رکھتی ہوں اپنا۔"

"شاپنگ سے لگاؤ ہے۔۔۔ خرچ کرنے سے گھبراتی تو نہیں؟"

"اپنے اوپر خرچ کرنے سے گھبراتی ہوں لیکن اپنے گھر والوں پر خرچ کرتے وقت بہت خوش ہوتی ہوں اور شاپنگ سے لگاؤ ہے لیکن اپنی شاپنگ زیادہ تر انڈیا سے کرتی ہوں اور میرا اکثر انڈیا جانا ہوتا ہے۔ اپنے ملک میں آج کل جو فیشن چل رہا ہے وہ مجھے بالکل بھی پسند نہیں ہے۔"

"سیریل میں کام کرنا آسان لگتا ہے یا ٹیلی فلم میں؟"

"مجھے ٹیلی فلم میں کام کرنا اچھا لگتا ہے کیونکہ ایک سے ڈیڑھ گھنٹے کی ٹیلی فلم ہوتی ہے اور لوگ ایک ہی نشست میں بیٹھ کر دیکھ بھی لیتے ہیں جبکہ سیریل کے بارے میں تو آپ سب کو پتا ہی ہے کہ قسط وار ہوتا ہے اور قسط وار کے لیے انتظار کرنا اور ایک لمبے سیریل میں کام کرنا مشکل لگتا ہے۔"

"اور سب کاموں سے فارغ ہو کر کیا کرتی ہو؟"

"مجھے فارغ بیٹھنا اچھا نہیں لگتا۔ اس لیے میں جب فارغ ہوتی ہوں تو پھر ڈانس کی پریکٹس شروع کر دیتی ہوں یا میوزک سنتی ہوں اور لوک گیتوں پر مبنی میوزک اچھا لگتا ہے۔ آج کل کی فاسٹ میوزک اور آئٹم ڈانس والی میوزک مجھے بالکل بھی پسند نہیں ہے اور ابا نے بچپن سے ہی کلاسیکل میوزک سنائی تو پھر وہی اچھی لگنے لگی۔"

"زندگی کے بارے میں کیا سوچتی ہو؟"

"زندگی بہت خوب صورت تحفہ ہے اللہ کی طرف سے اور اگر اسے اپنی مرضی سے گزارا جائے تو یہ اور بھی خوب صورت لگنے لگتی ہے۔ ہمیں اللہ کے اس تحفے کی قدر کرنی چاہیے۔"

"آپ اپنی زندگی اپنی مرضی سے گزار رہی ہیں؟"

"جی بالکل۔ اپنی مرضی سے گزار رہی ہوں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ والدین نے ہماری تربیت اس انداز میں کی ہے کہ اب ہمارے بھٹکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ انہوں نے اعتماد اور بھروسا کرنا سکھایا ہے اپنا دفاع کرنا سیکھا ہے۔ ہم سب گھر میں ایک طرح سے دوستوں کی طرح رہتے ہیں اور میں جب بھی کوئی کام کرتی ہوں اپنے والدین کی مرضی اور رضامندی سے کرتی ہوں۔"

"اور کچھ کہنا ہے۔"

"نہیں جی۔۔۔ سب پوچھ لیا اور آپ نے میرا بہت اچھا انٹرویو کیا۔"

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے سوہائی ابرو سے اجازت چاہی۔

شعاع کے ساتھ

ادارہ

ثمینہ کوثر عطاری۔ ڈوگہ گجرات

1 ۔ رواں سال کے کیلنڈر کو دو سال پیچھے کی جانب موڑیں تو جناب! ہماری اور شعاع کی دوستی کی تاریخ نکل آئے گی ہمارے گاؤں میں شعاع بہت آسانی سے مل جاتا ہے۔ اس میں سیکھنے کے لیے بہت کچھ ہے اگر کوئی سیکھنا چاہے تو۔۔۔ زندگی کے تمام نشیب و فراز دکھ درد ذاتی مسائل الغرض ہر مسئلے کا حل شعاع میں موجود ہے۔ میرے امی ابو کو کوئی بھی ڈائجسٹ پسند نہیں اس لیے چھپا کے پڑھتی ہوں۔

2 ۔ صبح کا آغاز موبائل کے الارم سے ہوتا ہے۔ امی کی ڈانٹ صبح کے وقت مجھے کم ہی پڑتی ہے ہاں البتہ دوسرے بہن بھائیوں پہ امی کی یہ نوازش ضرور ہوتی ہے۔ تہجد کے بعد قرآن پاک پڑھتی ہوں پھر فجر پڑھ کے سپارہ پڑھنے والے بچوں کے آنے سے پہلے تسبیح وغیرہ پڑھتی ہوں پھر بچوں کو چھٹی دینے کے بعد بھائیوں کو ناشتا دیتی ہوں اور صفائیوں میں جت جاتی ہوں۔ سیکنڈ ٹائم کھانا میں بناتی ہوں۔ روٹیاں امی بناتی ہیں۔ کھانے کے ساتھ ساتھ بھائی سے آفس کی باتیں اور صبا "میری سنو" کی رٹ لگائے رکھتی ہے جو ہم سن کے بھی ان سنی کر دیتے ہیں۔

پرائیویٹ پڑھ رہی ہوں۔ رات کو ساڑھے نو تک پڑھائی پھر مونگ پھلی کی ٹک ٹک کے ساتھ تکیے کے نیچے سے شعاع نکال کے تب تک پڑھتی ہوں جب تک نیند کی دیوی مہربان نہ ہو۔

3 ۔ جی ہاں! ہر وہ کردار جس میں ہیروئن دل سے تو بہت محبت کرتی ہے سارے رشتے اسے بہت عزیز ہوتے ہیں لیکن زبان سے کچھ اور الفاظ ادا کرتی ہے کہ سامنے والا شک میں پڑ جائے کہ میں اس کے لیے کچھ ہوں بھی یا نہیں تب اظہار کرے۔۔۔ ایسے ہر کردار میں مجھے میری جھلک نظر آتی ہے۔ بہت حساس ہوں محبت اور کیئر کرنے والی ہوں۔ مذاق میں کبھی کبھی اپنے دل کی بات بھی کہہ دیتی ہوں۔ پسندیدہ تحریریں بہت سی ہیں۔ مثلاً "تم آخری جزیرہ ہو" چل رہی ہے اور "میرے ساحر سے کہو اب مجھے آزاد کرے" راحت جبیں کا "زرد موسم" نگہت سیما کی "زمین کے آنسو" نبیلہ عزیز کی "راحت جاں ہے تو" میمونہ خورشید کی "تیری راہ میں رل گئی وے" اس کے علاوہ ثمرہ بخاری کی ہر شوخ تحریر مجھے بہت پسند ہے۔ مجھے لگتا ہے جوادی اور نبیلی میرے آس پاس کہیں موجود ہیں۔

پسندیدہ رائٹرز رفعت سراج ہاجا ملک نبیلہ عزیز صائمہ اکرم سائرہ رضا مصباح نوشین نادیہ امین نمرہ احمد اور جمال سسٹرز مجھے بہت پسند ہیں۔ بہن بھائیوں کی نوک جھونک والی ہر کہانی میں مجھے اپنے گھر کی جھلک نظر آتی ہے۔

4 ۔ خوبیاں اور خامیاں زندگی کا لازمی جز ہیں۔ نادیہ کی زبانی میں بہت اچھی مقررہ ہوں اور محبت کرنے والی لڑکی ہوں اور خامی یہ کہ دل میں بات رکھنے والی ہوں چاہے جتنی بھی تکلیف ہو اظہار نہ کرنا میری خامی ہے۔ میری اپنی نظر میں خوبیاں یہ ہیں کہ سامنے والے کو تسخیر کرنا جانتی ہوں اجنبیوں پر اعتبار نہیں کرتی۔ دوسروں کے دکھوں پہ بے حد کڑھتی ہوں اور دعاؤں میں سب کو شامل کرتی ہوں۔ خامیاں مذاق بہت کرتی ہوں غصہ جلدی آتا ہے اور اکثر دوسروں کے حصے کی چیزیں کھا جاتی ہوں۔ (جو کچھ تمہارا ہے وہ ہمارا ہے)

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

صبا کا کہنا ہے کہ ہر ٹاپک پہ بول سکتی ہوں پر اس سے اچھا نہیں (ہاہاہا)۔

5 ۔ بارش مجھے دیکھنے کی حد تک پسند ہے البتہ میٹرک میں فرینڈز کے ساتھ اسکول کے لان میں بہت بھیگی تھی اب جب بھی بارش ہو میں ان دنوں کو بہت مس کرتی ہوں۔

6 ۔ اشعار مجھے بہت پسند ہیں پنجابی ہوں یا اردو مذہبی ہوں یا رومانٹک ۔

میں مذہبی اسکالر ہوں اس لیے اسلامی کتب پڑھنا بہت پسند ہے ' مثلاً " ہمارا اسلام ' اسرار خطابت '

مذہبی امور ' ضیا النبی ' سنت خیر الانام وغیرہ بہت پسند ہیں۔

7 ۔ ویسے تو بہت سے الفاظ ذہن میں گردش کر رہے ہیں پر ایک اقتباس سمیرا حمید کے ایک ناول سے۔

"ماں ایک ایسی تختی ہے جس پر اولاد اپنی مرضی سے کچھ بھی لکھتی ہے پر ماں صرف محبت لکھتی ہے۔"

اور یہ اقتباس تسنیم شریف کے ناول سے۔

"ہماری زندگیاں' محرومیوں سے عبارت ہیں۔ خوب صورتی انسانوں کی ہو یا رویوں کی ڈھونڈنے سے بھی مشکل سے ملتی ہے اور محبت ..... یہ تو شاید وہ نایاب جنس ہے جو ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی۔"

فاطمہ ..... کبیر والا

1 دن کا آغاز فجر کی اذانوں سے بھی کہیں پہلے ہوتا ہے۔ تہجد کے نوافل ادا کرتی ہوں۔ اس کے بعد قرآن پاک کی تلاوت اور پھر فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد سو جاتی ہوں' بھئی بیچلر لائف کے یہی تو مزے ہیں۔ امی اپنا اور ابو جی کا ناشتہ بنا کر بالترتیب اسکول و کالج سدھارتے ہیں ماہ دولت کیونکہ ایم اے کر کے فارغ ہیں سو ہماری صبح خوب پر سکون ہوتی ہے اور ویلے ہونے کا خوب فائدہ اٹھاتے ہیں ہم۔ پھر جناب دس بجے تک اٹھ کر اپنا' دادی اماں اور چاند کا ناشتہ بناتی ہوں اور ناشتہ کرتے ہوئے ساتھ ساتھ کوئی رسالہ یا کتاب پڑھنے لگتی ہوں اس طرح پندرہ منٹ میں ختم ہونے والا ناشتہ تقریباً" ایک گھنٹے پر محیط ہو جاتا ہے۔

بس جی بس! اب آپ مجھے کوئی انتہا درجے کی کاہل ست الوجود لڑکی مت سمجھ لیجئے گا۔ اس کے بعد میرے پیروں میں پہیے لگ جاتے ہیں اور بھاگ دوڑ شروع ہو جاتی ہے اور تب میری اوپر نیچے آنیاں جانیاں دیکھنے والی ہوتی ہیں۔ مشینی انداز میں صفائیاں' ڈسٹنگ' پوچھا اور برتن ۔۔۔ ماہ جبیں کر بارہ ایک تک فارغ۔ مگر ان سب کاموں میں ماہ دولت سر جھاڑ منہ پہاڑ ہو چکے ہوتے ہیں۔

صفائی کے بعد آج کیا پکائیں کا سوال خود سے پوچھتی کچن میں گھس اور سبزی کی ٹوکریاں لے کر چھت پر دادی اماں کے پاس آ جاتی ہوں پھر نرم گرم دھوپ سینکتے دو چار کنوؤں کا صفایا کرتے اور کچھ باتیں شاتیں کرتے سبزی بن جاتی ہے۔ اس میں دادی ماں بھی میری مدد کرتی ہیں۔ دو ڈھائی تک کھانا وغیرہ تیار ہوتا ہے میری اسٹوڈنٹس آنا شروع ہو جاتی ہیں کیونکہ ماہ دولت نے حال ہی میں اکنامکس جیسے **گلیمرس سبجیکٹ** میں ایم اے کیا ہے۔ (اکنامکس کے **گلیمرس سبجیکٹ** ہونے کا بھی مجھے شعاع کی ایک اسٹوری سے پتا چلا) عصر کی نماز ادا کرنے نیچے آئی تو چائے دم پر رکھ دی۔ نماز ادا ہونے تک چائے تیار' اپنا مگ لیا اور اوپر کو سدھاری اور پھر مغرب سے تھوڑا پہلے فارغ ہوئی۔ اس کے بعد عشاء تک باتیں شاتیں کیں۔ ریلیکس کیا۔ رات کو ہم کھانا نہیں بناتے' بس کچھ ہلکا پھلکا بنا لیتے ہیں۔ رات کو میں اپنے اور دادی کے مشترکہ کمرے میں آ جاتی ہوں اور پھر اپنی سلطنت میں اپنی اجارہ داری کے تحت کانوں میں ہینڈ فری لگائے سامنے کوئی رسالہ رکھے میں دانتوں میں دیر تک برش کرتی ہوں۔ اس کے بعد ہاتھ پاؤں اور چہرے کی کلینزنگ کرتی ہوں۔ فرینڈز سے موبائل ریچیٹ بھی ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ اس کے بعد ڈائری لکھتی ہوں ۔ کوئی کہانی شہانی پڑھتی ہوں پرانے رسالوں میں سے کوئی رومانٹک سی ڈھونڈ کے خواب اچھے اچھے آتے

ہیں نا۔ تقریباً" بارہ بجے سونے سے پہلے نائٹ کریم لگاتی ہوں۔ آنکھوں میں عرق گلاب ڈالتی ہوں اور سونے سے پہلے آخری کام سورۃ فلق اور سونے کی دعائیں درود شریف وغیرہ پڑھتی ہوں۔ میرا خیال ہے متوازن شخصیت وہی ہے جو دنیا اور آخرت دونوں کو ساتھ لے کر چلے۔ گھر کے کاموں میں کھو کر خاتون خانہ اپنے آپ کو بالکل بھول جاتی ہیں لیکن اپنے آپ کو اہمیت دیتے ہوئے لازمی اپنی ذات کے لیے بھی کچھ وقت نکالنا چاہیے کیونکہ ذمہ داریاں تو کبھی نہ ختم ہونے والی ہیں۔

2 شعاع کی بہت سی تحریریں ایسی ہیں جو دل پر نقش ہیں۔ خوبصورت یاد بن کر۔ پیر کامل میں سالار کا کریکٹر ایسا تھا جسے پڑھ کر دل الجھا کہ پاگل پن کی کوئی حد بھی ہے کہ صرف یہ دیکھنے کے لئے "اب کیا ہو گا؟" اپنے آپ کو اجل کے حوالے کر دے۔ اور ہر اس ہیروئن میں اپنی جھلک نظر آتی ہے جو عام سی شکل و صورت کی ہوتی ہے مگر بڑی سگھڑ' سلیقہ مند پورے خاندان والوں کی منظور نظر اور دوستوں کی نور نظر ہوتی ہے (آں آں)'

3 حضرت یوسف علیہ کا سچا قصہ آل ٹائم فیورٹ ہے۔ جب جب یہ قصہ پڑھتی ہوں تو جان گویا آنکھوں میں سمٹ آتی ہے تو دل قصے کے ساتھ ساتھ بہتا ہے۔ باقی شعاع کی بہت سی تحریریں لاجواب ہیں اور رسالوں سے نکل کر میرے مطالعے میں کتابی مجموعہ بھی شامل ہیں جنہیں وقتاً" فوقتاً" پڑھتی رہتی ہوں۔

4 ذات کی خامیاں' بھئی میری نظر میں خامیاں وہ ہوتی ہیں جو انسان دوسروں سے چھپاتا ہے' ظاہر ہونے سے ڈرتا ہے انہیں اسٹریٹ فارورڈ نہیں بتاتا۔ خود جانتا ہے پر مانتا نہیں' کیونکہ آدم کی اولاد دوسروں کی نظروں میں اپنے لئے ستائش اور پیار و محبت کی چمک ہی دیکھنا چاہتی ہے۔ باقی مجھے غصہ جلدی آ جاتا ہے' میں بہت جلد اعتماد کر لیتی ہوں وغیرہ وغیرہ جیسی خامیوں کو میں "اصل" خامیاں نہیں گردانتی۔ کیونکہ ہم سب میں سے کوئی یہ نہیں مانے گا کہ ہم جھوٹ بولتے ہیں (جو تمام برائیوں کی جڑ ہے) غیبت' بغض' حسد' کینہ' دل میں رکھتے ہیں۔ اور یقیناً" میں بھی اپنی اصل خامیاں نہیں بتاؤں گی۔ تو پھر خوبیاں کیا ہوں؟

حضرت علی کا قول ہے "جس نے میری تعریف میرے منہ پر کی اس نے گویا مجھے ہلاک کر دیا" سو منہ پر کی گئی تعریف کا فائدہ کوئی نہیں' اور پیٹھ پیچھے کی گئی تعریف کا علم نہیں۔

5 ساون میں اب تو ماہ دولت بڑی سگھڑ بنی کچن میں کچھ نہ کچھ بنا رہی ہوتی ہیں۔ مگر ایک المیہ ہے کہ جب پکوان تیار ہوتا ہے تو بارش ختم ہو چکی ہوتی ہے۔ چھاجوں چھاج مینہ برستے تو مدت سے نہیں دیکھا۔ بچپن کا زمانہ تھا اور ہم گاؤں میں تھے بہت تیز بارش تھی کچے صحن میں نہاتے ہوئے جانے میں پھسلی تھی یا کچھ اور مگر سب کزنز نے ایک دوسرے کو گھسیٹ گھسیٹ کر اور کیچڑ میں لوٹنیاں دے دے کر بھوت بنایا۔

6 لطیفے بہت سارے آتے ہیں مگر جگہ کی کمی ہے۔ اور اشعار بدلتے رہتے ہیں۔ کبھی کوئی شعر یاد ہوتا ہے تو کبھی کوئی۔ اور آج کل تو یہ کہتی رہتی ہوں

کیسی محبت کیسی چاہت ہم پر سب کچھ روشن تھا
یوں ہی ذرا سا شوق ہوا تھا آؤ دل برباد کریں

پسندیدہ کتاب قرآن پاک کے بعد سیرت نبی پر لکھی گئی مولانا ولی رازی کی "ہادی عالم" غیر مطبوعہ کتاب اس کے علاوہ نسیم حجازی کے تمام تاریخی ناولز۔

☼

سرورق کی شخصیت	
ماڈل ----------	شیزا
میک اپ ----------	روز بیوٹی پارلر
فوٹو گرافر ----------	موسیٰ رضا

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

گل آصفہ سہیل

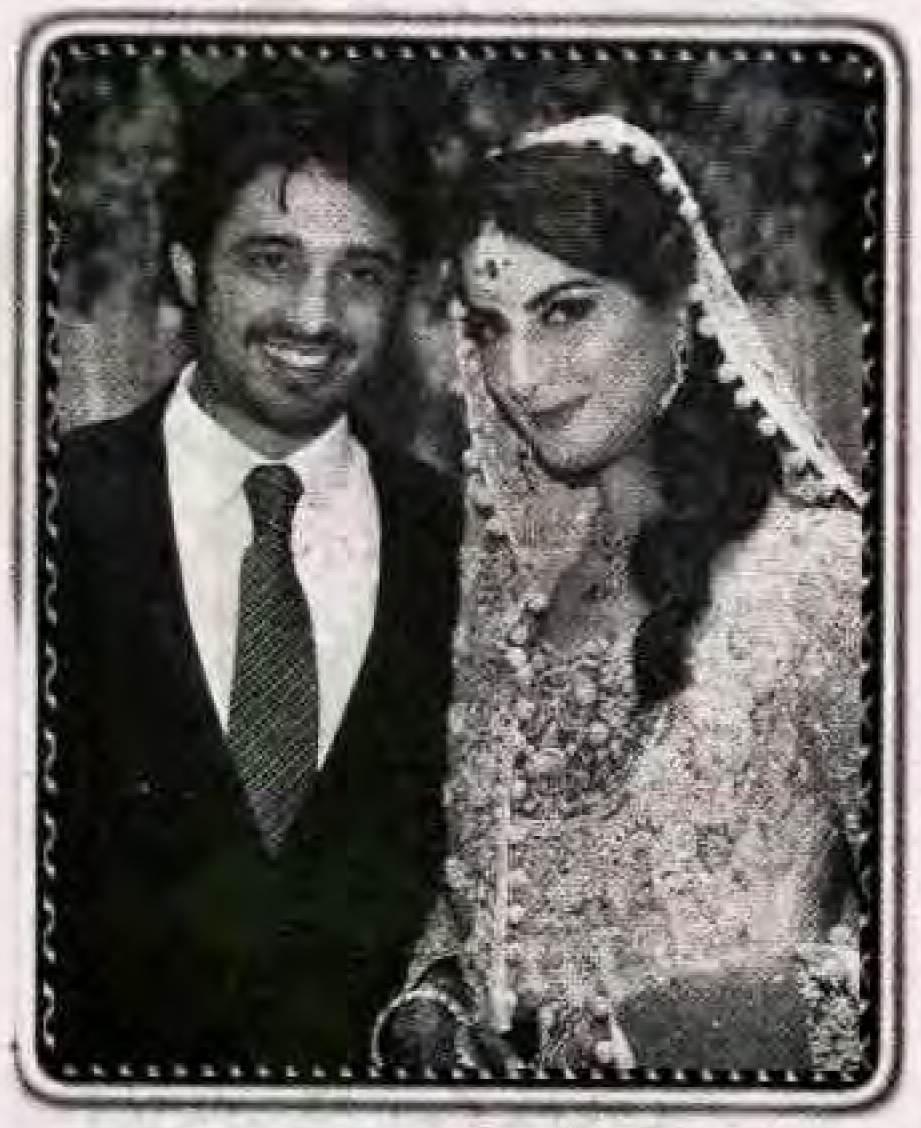

حادثہ

کچھ حادثے زندگی میں ایسے ہوتے ہیں جو ہر آنکھ کو اشک بار کر جاتے ہیں۔ پچھلے دنوں حیدر آباد سے کراچی آتے ہوئے ایک فنکار جوڑے کے ساتھ ہونے والے حادثے نے سب کو غم زدہ کر دیا ہم بات کر رہے ہیں بابر خان اور ثنا خان کی جن کی شادی کو ابھی فقط تین مہینے ہی ہوئے تھے کہ یہ حادثہ ہو گیا جس میں ثنا خان ہاسپٹل پہنچنے کے کچھ دیر بعد زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھیں اور بابر خان انتہائی نگہداشت میں زیر علاج ہیں۔ بابر خان نے "محمود آباد کی ملکائیں" کے ذریعے اپنی پہچان بنائی اور اس کے بعد بہت سے سیریلز میں کام کیا۔ جبکہ ثنا خان نے ماڈلنگ سے اپنے کیریر کا آغاز کیا اور پھر ٹی وی ڈراموں میں بھی کام کرنے لگی۔ ٹی وی سیریل "رخسار" میں بابر اور ثنا ایک ساتھ کام کر رہے تھے اور انہوں نے سیریل میں اپنا کام مکمل کرا دیا تھا۔ ثنا خان ایک خوش اخلاق لڑکی تھیں اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے سینئرز کی عزت کرنا بھی جانتی تھیں۔

بابر خان اور ثنا خان کی شادی انتہائی دھوم دھام سے ہوئی تھی اور دونوں ایک دوسرے کے ساتھ بہت خوش بھی تھے لیکن شاید ان کا ساتھ بس اتنا ہی تھا۔ ہم بابر خان کی صحت ثنا کی مغفرت کے لیے دعا گو ہیں۔

موقع

لیجیے جناب ایک مرتبہ پھر کومل رضوی کو اپنے پسندیدہ ملک (بھئی بھارت) کے ساتھ کام کرنے کا موقع مل رہا ہے اس بارے میں خبر ہے کہ کومل رضوی

ایک بھارتی ٹی وی چینل شو "امید لی نئی دلھن" میں شرکت کر رہی ہیں اس پروگرام کی ریکارڈنگ دبئی میں کی گئی ہے کومل رضوی کے علاوہ اس میں پاکستانی گلوکار علی ظفر بھی شریک ہیں بھارت کی اداکارہ یامی گوتم، گلوکار جاوید علی کے علاوہ بھی دیگر فنکار شامل ہیں اس پروگرام کے ابتدائی طور پر پانچ شوز ریکارڈ کیے جا میں گے۔ کومل رضوی نے اس سے پہلے انڈین چینلز پر اوریجنل ساؤنڈ ٹریک سوپ "مدھوبالا" میں گایا تھا۔

ہاں بھئی پاکستان میں تو ان کے گانے کسی کی سمجھ میں نہیں آتے شاید بھارت والوں کی سمجھ میں آجاتے ہیں۔)

معاوضہ

پی ٹی وی کے زمانے میں فنکاروں کو ٹیلنٹ کی بنیاد پر کاسٹ کیا جاتا تھا۔ اسی لیے ڈراموں کے معیار کا عالم یہ تھا کہ لوگوں کو آج بھی پی ٹی وی کے ڈراموں کے کردار ان کے ناموں کے ساتھ یاد ہیں جبکہ آج چینلز کی بھرمار کے ساتھ ساتھ ڈراموں کے معیار میں بھی بہت فرق پڑا ہے اب زیادہ تر فنکار پی آر اور ذاتی پسند اور ظاہری لک دیکھ کر لیے جاتے ہیں، اسی لیے وہ ڈرامے اور کردار چینل بدلنے کے ساتھ ہی ذہن سے بھی مٹ جاتے ہیں جبکہ جن کرداروں پر محنت کی جاتی ہے۔ وہ لوگوں کو یاد رہتے ہیں۔ نامور کامیڈین جاوید جو کہ اپنے چھوٹے قد کی وجہ سے جاوید کوڈو کے نام سے شہرت رکھتے ہیں کہتے ہیں کہ "چھوٹے قد کی وجہ سے فلموں میں معاوضہ نہیں ملتا اور ٹی وی ڈراموں میں بلاتے نہیں اپنی زندگی گزارنے کے لیے صرف اسٹیج کی آمدنی پر گزارا کرنا پڑ رہا ہے۔"

خوشی

جل بینڈ کے لیڈ سنگر گوہر ممتاز جو کہ گلوکاری کے ساتھ ساتھ ڈراموں میں بھی کام کر رہے ہیں (ہائیں! گلوکاری تو آتی نہیں اب اداکاری کی ٹانگ بھی توڑیں گے) اس ماہ انہیں اپنی زندگی کی ایک اہم خوشی ملی ہے۔ (نہیں بھئی ان کا کوئی گانا یا ڈراما ہٹ نہیں ہوا) یعنی ان کی شادی ہو گئی ہے۔ گوہر کی کچھ عرصہ قبل ماڈل انعم احمد کے ساتھ منگنی ہوئی تھی اب وہ دونوں رشتہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

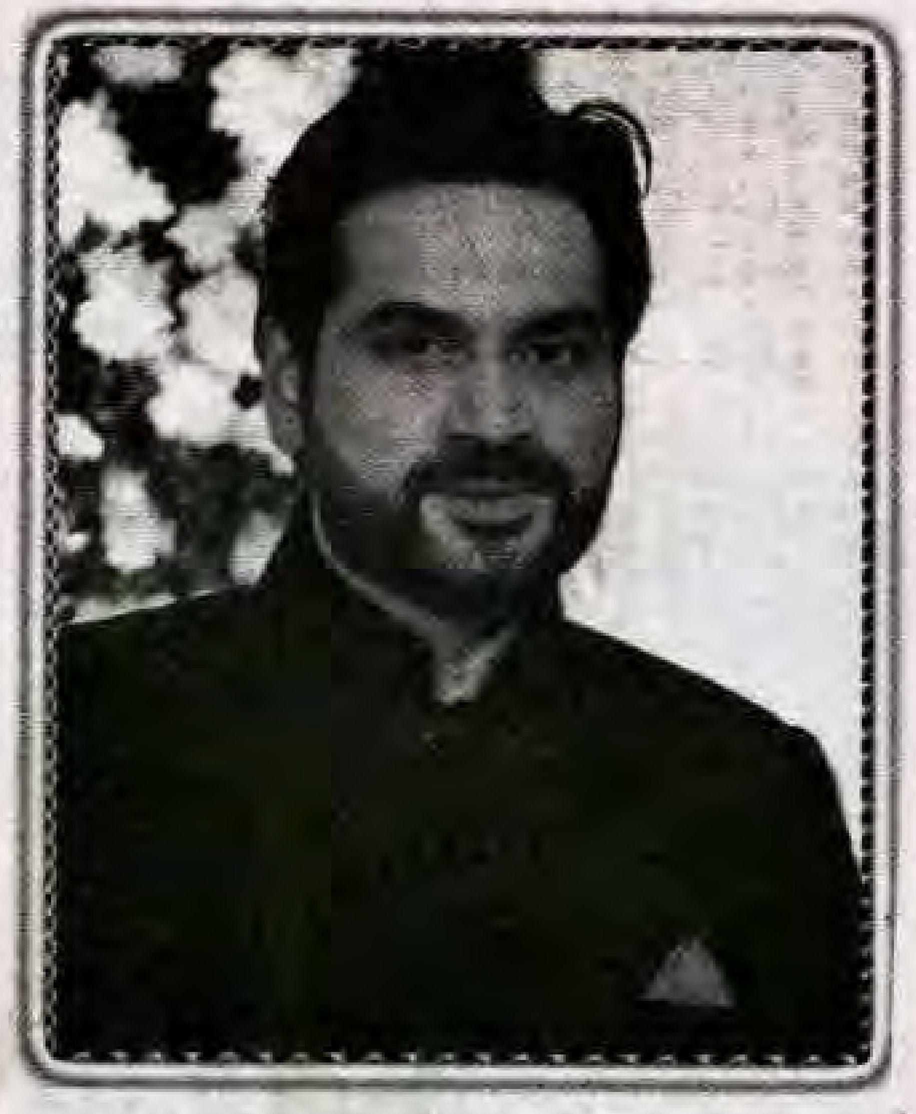

ازدواج میں منسلک ہو گئے ہیں ان کی شادی کی ساری تقریبات یعنی مہندی بارات اور ولیمہ بہت دھوم دھام سے ہوئیں اور گوہر ممتاز آج کل بہت خوش ہیں۔

امتحان

ہمایوں سعید منجھے ہوئے اداکار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بہترین پروڈیوسر بھی ہیں ان کے کریڈٹ پر بہت سے شاہکار ڈراما سیریل ہیں اور اب تو فلمیں بھی ہمایوں سعید کہتے ہیں کہ فلم "میں ہوں شاہد آفریدی" میں اداکارہ میرا کے ساتھ میرا کردار بہت عمدہ ہے (میرا کے ساتھ اور عمدہ کردار؟) فلم کے ایک سین کی عکس بندی کے دوران اٹھارہ فٹ لمبے اژدہے نے میرے جسم کو جکڑ لیا تھا اور میں کچھ خوفزدہ سا ہو گیا تھا اس سنسنی خیزی کو میں کبھی نہیں بھول سکوں گا یہ ایک حقیقت پر مبنی فلم یقیناً "لوگوں کو ضرور متاثر کرے گی" کیونکہ کسی بھی فنکار کی کامیابی ناظرین کی جانب سے ملنے والی پذیرائی ہے۔ فنکار کے لیے سلور اسکرین ایک ایسا امتحان ہے جس کی بنیاد پر اس کی صلاحیتوں کو تسلیم کیا جاتا ہے اور یہ محنت اور لگن کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ (تو آپ کا کیا مطلب ہے، جو فنکار فلم میں ناکام ہوئے وہ محنتی نہیں تھے؟)

اہمیت

گورنر ہاؤس پنجاب میں کلچرل جرنلسٹس فاؤنڈیشن آف پاکستان کی تقریب حلف برداری میں اداکار شان نے کہا کہ آج بھی وہ سارے اخبارات دیکھ کر آئے ہیں تصویر تو دور کی بات ہے کسی اخبار میں کسی پاکستانی اداکار کی سنگل کالم خبر بھی نہیں چھپی ہے۔ ایک خبر چھپی بھی ہے تو وہ کسی شوٹنگ پر کسی لڑائی جھگڑے کی یہ دیکھ کر دکھ ہوتا ہے کہ سب اخبارات بھارتی اداکاروں کی تصاویر اور خبروں سے بھرے ہوتے ہیں شان نے امید ظاہر کی کہ اگر پاکستانی اخبارات پاکستانی فنکاروں کو پروموٹ کریں گے تو شاید پاکستان فلم انڈسٹری دوبارہ اپنے قدم جما سکے۔ شان نے مزید کہا کہ اگر ہم اپنے ملک کے فنکاروں اور کھلاڑیوں کو اہمیت نہیں دیں گے تو دوسرا کوئی کیوں دے گا۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ دوسرے ملکوں کے فنکاروں کو اہمیت نہ دیں ضرور دیں انہیں بھی چھاپیں لیکن اپنوں کے ساتھ۔

امت الصبور

تاریخ کے جھروکوں سے

حورم سلطان کے ترکی سلطنت پر اثرات

ابراہیم کی موت کے بعد شہزادہ مصطفیٰ میں وہ صفات تھیں جو سلطنت کو سنبھال سکتی تھیں، لیکن شہزادہ مصطفیٰ زندہ رہتا تو حورم سلطان کا بیٹا بادشاہ نہیں بن سکتا تھا۔ اس لیے اس سازشی عورت نے شہزادہ مصطفیٰ کو خود اس کے باپ کے ہاتھوں مروا دیا۔ اپنے داماد رستم کو وہ وزیر اعظم بنوا چکی تھی۔ شہزادہ مصطفیٰ کے بعد اس کے لیے میدان صاف تھا، لیکن اس کے دونوں بیٹے ولی عہدی کے لیے آپس میں لڑتے رہتے تھے۔

بایزید ذہین اور قابل تھا جبکہ سلیم میں حورم کی صفات تھیں۔ والدہ سلطان شدید بیمار تھی اور حورم اس کے سامنے نہیں آتی تھی، لیکن اس کے باوجود اس نے دونوں بیٹوں کے متعلق صحیح اندازہ لگا لیا تھا۔ سلیم لیمو لگا کر چڑیاں پکڑتا ہے۔ بہت گھنا ہے۔ مجھ سے باتیں چھپاتا ہے۔ ضدی ہے۔

جب اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ صرف چند دن کی مہمان ہے تو اس نے ہمت کر کے سلیمان سے صاف صاف کہہ دیا۔

"سلیم بالکل اپنی ماں حورم جیسا ہے، لیکن بایزید دل کا بہت اچھا ہے۔ وہ ذہین اور سمجھ دار ہے، وہ بالکل تم پر گیا ہے۔"

سلیمان خاموشی سے سنتا رہا۔ اسے خاموش دیکھ کر والدہ سلطان نے اپنی بات دہرائی۔

"سلیمان! تمہاری ماں جو کچھ تم سے صاف صاف کہہ رہی ہے تم اس کا جواب نہیں دے رہے ہو، لیکن سنو میں تمہیں خبردار کر رہی ہوں۔ میرے الفاظ نہ بھولنا۔ بایزید اعتبار کے قابل ہے۔ سلیم سے مہربانی سے پیش آنا اس کا خیال رکھنا، لیکن اس پر کبھی اعتبار نہ کرنا۔"

لیکن حورم کی سازشوں نے سلطان کی عقل خبط کر دی تھی۔

شہزادہ مصطفیٰ جس میں آل عثمان کی تمام امتیازی خصوصیات موجود تھیں جو اپنے باپ کی طرح تلوار چلانے میں ماہر تھا۔ عوام اسے بے حد پسند کرتے تھے۔ حورم نے ایسی طرح جال بچھایا کہ سلیمان نے بدگمان ہو کر اسے قتل کرا دیا۔

لوگ کہتے تھے حورم ایک ساحرہ ہے اس نے سلطان پر جادو کر رکھا ہے۔ دربار کے لوگ حورم اور اس کے بچوں کو شدید ناپسند کرتے تھے، لیکن سلیمان کو اس سے اس قدر عشق تھا کہ وہ کچھ کہنے کی جسارت نہیں کر پاتے تھے۔

بوزبک نے لکھا ہے۔

"مصطفیٰ کو قتل کرانے کی ساری سازش روکسے لانا (حورم سلطان) کی تھی۔ اس نے رستم کے ذریعے خفیہ مراسلہ بھیج کر ابن سعود سے فتویٰ حاصل کیا۔ سلیمان نے دربار میں اپنے وفادار عہدے داروں کے ذریعے یہ افواہ پھیلائی کہ مصطفیٰ بغاوت پر آمادہ ہے ان افواہوں سے متاثر ہو کر سلطان سلیمان نے مصطفیٰ کو طلب کر لیا۔ روکسے لانا کا خیال تھا کہ مصطفیٰ اتنا بے وقوف نہیں کہ باپ کے حکم کی تعمیل کرے گا، لیکن مصطفیٰ کا دل صاف تھا۔ اس نے کہا۔

"اگر میری قسمت میں موت ہی لکھی ہے تو اس سے بڑھ کر کیا خوش نصیبی ہو گی کہ میں اپنے باپ کے ہاتھوں قتل ہوں۔" وہ اپنے باپ کے خیمے میں داخل ہوا۔ اس کے ساتھ صرف دو ساتھی تھے۔ خیمے میں تین گونگے بہرے شخص کمان ہاتھ میں لیے اس کا انتظار کر رہے تھے۔

مصطفیٰ کے دونوں ساتھیوں کو خیمے کے دروازے پر قتل کر دیا گیا۔ سلیمان باریک چلمن کے پیچھے سے مصطفیٰ کے قتل کا منظر دیکھ رہا تھا۔ مصطفیٰ کی لاش

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

قالین پر رکھ دی گئی اور فوج کے سپاہیوں کو اس کے قریب سے گزرنے کا حکم دیا گیا تاکہ وہ اس کی لاش دیکھ سکیں۔

اس کے بعد جو خبریں آئیں۔ روکسے لانا (حورم سلطان) نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی کہ سپاہیوں نے کس شدومد سے شہزادہ مصطفیٰ کا ماتم کیا اور کسی کو سزا نہیں دی گئی۔ تمام سپاہیوں نے اس روز کھانا نہیں کھایا' انہوں نے وزیراعظم رستم کو قتل کروینے کا مطالبہ کیا' لیکن رستم اپنی حفاظت کے لیے شہر کی جانب روانہ ہوچکا تھا۔

بروسہ کے قدیم شہر میں اس سے بدتر واقعات پیش آئے۔ وہاں مصطفیٰ کی بیوہ کو اندیشہ تھا کہ اس کے چار سالہ فرزند کی جان خطرے میں ہے۔ حورم نے ایک خواجہ سرا کے ذریعے یہ پیغام بھیجا کہ اسے حرم سرا میں طلب کیا گیا ہے۔ اس خواجہ سرا نے کسی نہ کسی طرح مصطفیٰ کے بچے کو ماں سے جدا کرکے قتل کردیا۔ جب اہل بروسہ کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو شہریوں نے قاتل کا تعاقب کیا' لیکن وہ بچ کر نکل گیا۔

مصطفیٰ کا دامن ہر غداری سے پاک تھا۔ اس نازک موقع پر اس نے بڑی عالی ہمتی کا مظاہرہ ——— کیا تھا مگر وہ اس سازش کا شکار ہوگیا جس کی ذمہ دار وہ روسی عورت روکسے لانا (حورم سلطان) تھی۔

حورم سلطان نے بڑی آسانی سے اپنے بیٹوں کے راستے سے اپنے سوتیلے بیٹے کو ہٹادیا' لیکن اس واقعہ کا آل عثمان کے مستقبل پر بڑا فیصلہ کن اور برا اثر پڑا اگر سلطنت عثمانیہ کو مصطفیٰ جیسے راہبر مل جاتے تو یہ تصور کرنا مشکل ہے کہ ترکوں کا مستقبل کتنا شاندار ہوتا۔

پہلا نتیجہ یہ ہوا کہ شہر میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ سلطان کے خلاف نہیں بلکہ روکسے لانا اور رستم کے خلاف چونکہ روکسے لانا (حورم سلطان) سلطان کی چہیتی ملکہ تھی۔ اس لیے کوئی اس کا نام نہیں لے سکتا تھا نہ اس پر الزام لگا سکتا تھا۔ اس لیے سارا غصہ رستم پر پلٹ گیا جو اس سازش میں برابر کا شریک اور اس عورت کا داماد تھا۔ ایک شاعر نے مصطفیٰ کے ماتم میں مرثیہ لکھا جو بہت جلد مقبول عام ہوگیا۔ یحییٰ البانوی پہلے عیسائی تھا بعد میں مسلمان ہوگیا۔ وہ سزا سے قطعاً "نہیں ڈرتا تھا۔

رستم جانتا تھا عوام میں اس کے خلاف کتنی نفرت ہے اس نے دیوان میں یحییٰ کو پکڑ کر بلوایا اور پوچھا۔

"تم نے یہ جرات کس طرح کی کہ میرے متعلق لکھا کہ شیطان کی طرح رستم کی رسی دراز ہے اور سلیمان کا تخت مصطفیٰ سے محروم ہوگیا۔"

حاضر دماغ شاعر نے کہا۔ "سب کی طرح میں نے سلطان کے فیصلے کے آگے سر جھکا دیا' سب کی طرح اس کے انجام پر میں بھی روتا ہوں۔"

رستم نے یحییٰ کے قتل کا حکم دیا' لیکن سلیمان نے شاعر کو سزا دینے کی اجازت نہ دی۔

سلطان سلیمان نے رستم کو وزارت عظمیٰ کے عہدے سے معزول کردیا۔ پھر سلطنت اس سے لے لی گئی اور رستم کو اس کے گھر میں نظربند کردیا گیا۔

مصطفیٰ کے قتل کا ایک نتیجہ یہ بھی نکلا کہ حورم کا مفلوج ——— بیٹا جو مصطفیٰ سے بہت محبت کرتا تھا اس کو مصطفیٰ کی موت کا ایسا شدید صدمہ ہوا کہ وہ بیمار پڑ گیا اور شاہی طبیب اس کی جان نہ بچا سکے۔ لیکن اس سے بھی زیادہ خطرناک بات یہ ہوئی کہ روکسے لانا کے دونوں بیٹوں سلیم اور بایزید میں اب رقابت کی آگ سلگنے لگی تھی اور چالاک روکسے لانا اس پر قابو نہیں پاسکتی تھی۔ وہ سلیم سے زیادہ محبت کرتی تھی جسے کوئی بھی پسند نہیں کرتا تھا۔ سلیم احمق اور شرابی تھا جسے اعصابی دورے پڑا کرتے تھے۔ حورم سلطان سلیمان کو مجبور کرتی تھی کہ وہ سلیم کو ولی عہد بنائے۔

سلیمان ان سارے معاملات کو سنبھال سکتا تھا' لیکن اس کی راہ میں مصطفیٰ کی روح حائل تھی۔ اس روح نے ایک جعلی شخص کی صورت اختیار کی اور مصطفیٰ کا بھیس بدل کر اناطولیہ کے قبیلوں کو بھڑکایا اس نے درویشوں کی مدد سے اچھی خاصی جمعیت اکٹھی کرلی۔ یہ شخص مصطفیٰ سے اس قدر مشابہ تھا کہ وہ فوجی افسر جو مصطفیٰ کو اس کی زندگی میں اچھی طرح

جانتے تھے۔ قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ یہ بالکل جیتا جاگتا مصطفیٰ ہے۔

کچھ عرصے بعد اس جعلی مصطفیٰ کا بھرم کھل گیا اور یہ گرفتار بھی ہوگیا' لیکن سلطان اب تک مصطفیٰ کی موت کے اثر سے باہر نہیں آیا تھا۔

وہ جب اپنے بچھونے کی توشک پر لیٹتا اور تنگ دریچے سے سرو صنوبر کے درختوں کے درمیان ستاروں کے نقشے دیکھتا تو اکیلے میں سلیمان کو اپنے بیٹے کا چہرہ نظر آتا۔ وہ کبھی اس کا ذکر نہ کرتا۔ اب وہ رات کو چراغ جلتا رہنے دیتا اور چراغ کی روشنی میں یحییٰ البانوی کا لکھا ہوا مرثیہ پڑھتا۔

"جھوٹے سازشی نے کیا چھپی ہوئی نفرت دکھائی جس کی وجہ سے ہمارے آنسو رکنے نہیں پاتے اور موت مصطفیٰ کے لیے کیا تحفہ لائی۔ اجنبیوں کی طرح وہ ایک منزل کی طرف چل پڑا۔"

سلطان اب ساٹھ سال کا ہوگیا تھا۔ اس کی ٹانگوں میں گٹھیا کی تکلیف تھی۔ جہاں کوئی مسئلہ ہوتا وہ خود موقع پر پہنچ کر تحقیقات نہ کرپاتا تو اس طرح صحیح واقعات اس کے علم میں نہ آتے۔

روکسے لانا (حورم سلطان) نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا۔ نئے وزیراعظم احمد کے خلاف روکسے لانا نے مواد اکٹھا کردیا۔ اس کام میں اس کے داماد رستم نے اس کی مدد کی۔ سلطان نے غصے کے عالم میں احمد کو قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ قتل کے بعد اسے اطلاع ملی کہ احمد بے قصور تھا تو وہ پچھتایا۔ یہ سب رستم کا کیا دھرا تھا' مگر اب کیا ہوسکتا تھا۔

سلطان حورم سرائے جاتا تو اس کی بیٹی مہماہ اس کی خوشامد کرتی اور روکسے لانا (حورم سلطان) اصرار کرتی کہ وزارت کے منصب پر رستم کو بحال کردیا جائے۔ رستم ہی اعتماد کے قابل ہے۔

ایک سال بعد سلطان نے ان کی بات مان لی اور رستم کو بحال کردیا۔

روکسے لانا بیمار رہنے لگی تھی۔

اس کے ان دونوں بیٹوں کے درمیان جو زندہ بچے تھے کھلم کھلا جنگ کے آثار تھے' روکسے لانا (حورم سلطان) اب بھی سلیمان کی منت کرتی تھی کہ ذہین اور قابل بایزید کے مقابلے میں کمزور سلیم کی حمایت کرے۔ لیکن اس زمانے میں سلیمان کا قطعی ارادہ یہی تھا کہ بایزید کو اپنا ولی عہد بنائے۔ اس کے سوا اور کوئی ایسا نہ تھا کہ ترک قوم کی سرداری کی اہلیت رکھتا ہو۔

پھر اندرونی تخت گاہ کے قریب ہی اپنے حجرے میں روکسے لانا نے وفات پائی۔

سلیمان نے اپنا غم ظاہر نہیں ہونے دیا۔ اپنی زندگی کا نصف حصہ اس نے اس عورت سے عشق کی حالت میں گزارا تھا۔ اس کا اثر بہت زیادہ قبول کرلیا تھا' ایک سے زیادہ بار اس کے ہاتھوں دھوکہ کھایا تھا۔

اس لیے اس کی موت کا خارجی حالات پر کوئی اثر نہ ہوا۔ چند سال پہلے شرع کے پابند ترک اس سے اس لیے نفرت کرتے تھے کہ وہ روسی تھی اور اس کا اثر بہت بڑھ گیا تھا۔ اب اس کے خلاف کسی طرح کا جذبہ باقی نہ رہا تھا۔ جامع سلیمانیہ کے عقب میں روکسے لانا کی قبر بنائی گئی تھی' سلطان نے عورتوں کے بازار کے قریب خاصکی خرم کے نام پر ایک چھوٹی سی مسجد کی تعمیر کا حکم دیا تھا اس مسجد کے ساتھ وقف کی آمدنی سے ایک مدرسہ اور ایک دارالمجانین وابستہ کردیا گیا۔

روکسے لانا کی بس اتنی ہی یادگار باقی رہ گئی' وہ جو اپنی زندگی میں اپنی نسوانی قوت ارادی کے زور سے سلطان کے مزاج پر حاوی تھی اور جو چیز حاصل کرلیتی تھی اسے پھر اپنے چنگل سے نکلنے نہ دیتی تھی۔ سلیمان بھی اس کا ذکر نہ کرتا۔ شاید وہ جانتا تھا اگر وہ زندہ رہ جاتی تو والدہ سلطان کی حیثیت سے سلیم کو کس دھڑے پر چلاتی۔ سلیمان یہ بھی جانتا ہوگا کہ اگر یہ صورت حال ہوتی تو سلطنت کی تقدیر زوال پذیر ہوجاتی۔

لیکن سلیمان کی رعایا نئے مصائب میں مبتلا ہورہی تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

مہپاہ کا شوہر رستم جسے حورم نے وزیر اعظم بنوایا تھا خود اپنی جیب گرم کرنے میں مصروف تھا وہ یہ سمجھتا تھا کہ جیسے جیسے عثمانیوں کی طاقت اور دولت بڑھتی جائے گی ویسے ویسے عثمانیوں کی سلطنت کی مدت اور اقتدار میں اضافہ ہوتا جائے گا اور کوئی اس کا مقابلہ نہ کرسکے گا۔

رستم کی نظروں کے سامنے کوئی طاقت ایسی نہ تھی جو ترکوں کی بری یا بحری طاقت کو شکست دے سکے۔ کسی طرح کا قحط کسی کی زراعت یا مویشیوں کو نقصان نہ پہنچا سکتا تھا۔ اس لیے ترکوں کو ڈر کس بات کا تھا۔

سلطان کو اندازہ تھا کہ اس کی قوم پر کیا مصیبت آنے والی ہے معمر سلطان اکیلا سوچا کرتا۔ وہ سمجھ نہ پاتا تھا کہ کس طرح اپنے اندیشے کا اظہار کرے۔ اس نے اپنا مافی الضمیر ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

"لکڑی کا مکان جل سکتا ہے۔ کچی اینٹوں کا مکان طوفان میں کمزور ہوجاتا ہے یا زلزلے کے جھٹکے سے گر جاتا ہے پتھر کا مکان باقی رہ جاتا ہے۔"

رستم نے جواب دیا۔ "آپ پتھر کی بہت سی پختہ عمارتیں بنوا چکے ہیں باوجود اس کے کہ ان پر بہت بڑی رقم خرچ ہوئی۔"

رستم کا ذہن اس طرح حساب لگاتا تھا کہ سال بھر کے خرچ سے زیادہ آمدنی خزانے میں وصول ہوجائے جب اس نے سلیمان کو یہ بتایا کہ مصر سے جہاں غلہ پیدا ہوتا تھا ٹیکس میں دوگنی آمدنی وصول ہوئی ہے تو سلطان کو غصہ آگیا۔ اس قدر محصول عائد کرنے کی وجہ سے مصر کے کسانوں کو بڑی مصیبت برداشت کرنی پڑی ہوگی' اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کسان طبقہ آئندہ سال اس مقدار میں چاول' دالیں اور اناج نہ اگاسکے گا۔

اس نے حکم دیا۔ "مصر کا محصول کم کرکے پھر اتنا ہی کردو جتنا پہلے تھا۔"

رستم مسکرا دیا۔ "ایک مرتبہ جو محصول مقرر کردیا جائے اس میں کمی کیونکر کی جاسکتی ہے؟" حالانکہ رستم کی وزارت کے زمانے میں سلطان کے صرف خاص کی آمدنی بیس لاکھ اشرفیاں تھیں اور خزانہ عامرہ میں اکہتر لاکھ اشرفیاں داخل کی جاتی تھیں' لیکن اخراجات اس قدر زیادہ بڑھتے جارہے تھے کہ اس سے زیادہ آمدنی کی ضرورت تھی۔

سلیمان نے رستم کو اس کی تو اجازت نہیں دی کہ عام رعایا سے پہلے سے زیادہ محصول وصول کیا جائے' لیکن اس نے رستم کو یہ اجازت دے دی کہ نئے عہدہ داروں پر محصول عائد کردیا جائے۔ بہت جلد یہ محصول ایک طرح کی بھاری رشوت بن گیا جو زیادہ تر وزیر کی جیب میں جاتا' لیکن اس کا کچھ نہ کچھ حصہ اور سب کے یہاں تک کہ دربانوں کے حصے میں بھی پہنچتا۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہی شخص جو رشوت دے سکتا' عہدے پر مامور رہ سکتا اور یہ نیا عہدہ دار اپنے تقرر کے بعد اپنی جیبیں اپنے ماتحتوں کو لوٹ کھسوٹ کے پوری کرتا اور اپنی کسر نکال لیتا۔

اپنے منظور نظر ماتحتوں کو جاگیریں بخشی جانے لگیں۔ جب ایک مرتبہ پرانے ترکوں کی دیانت داری ختم ہونے لگی تو پھر نئے قانونوں سے یہ مسئلہ حل نہ ہوسکا۔

سلیمان نے تمام زمینوں اور زمینداروں کا حساب کتاب رکھنے کی کوشش کی۔ یہ کام کئی سال تک جاری رہا لیکن مکمل نہ ہونے پایا۔

نظم و نسق کے بلا تنخواہ سپاہی کسانوں سے ان کی ملکیت کی چیزیں چھیننے چرانے لگے تھے۔ ذی اثر عہدہ داروں کو جو تحفے دیے جانے لگے تھے' ان میں بے حد اضافہ ہوگیا تھا۔

اجنبی اب کہنے لگے تھے۔ "اگر تمہارے ہاتھ میں کوئی تحفہ نہیں تو یہ لوگ تمہاری بات تک نہ سنیں گے۔"

سلیمان خود بھی کبھی کبھی چینی کا کوئی نادر ظرف' یا کوئی جگمگاتا ہوا ہیرا تحفتاً" قبول کرلیا کرتا تھا۔ اسے عرب نسل کے گھوڑوں اور ٹھنڈے ریشمی ملبوسات کی عادت سی پڑگئی تھی۔

رستم کی لوٹ کھسوٹ عروج پر تھی۔ حورم سلطان کی وجہ سے رستم کا حوصلہ بہت بڑھ گیا تھا۔ رستم کی املاک کا حساب لگایا گیا تو طرح طرح کے ذخیرے برآمد ہوئے۔ زمینوں' مویشیوں' پن چکیوں' غلاموں اور بے شمار روپیہ کے علاوہ وزیر کے قبضے سے قرآن پاک کے آٹھ سو نو نسخے برآمد ہوئے جن میں سے اکثر کی جلدیں جواہرات سے مرصع تھیں۔ زربفت کی گیارہ سو کلاہیں نکلیں' چھ سو زینیں نکلیں جو چاندی کے کام سے مزین تھیں۔ دو ہزار نو سو سدھے ہوئے جنگی گھوڑے تھے' اتنی ہی زرہیں تھیں' سونے سے مرصع خود تھے اور بیسوں رکاب کے جوڑے ایسے تھے جن پر سونے کا کام بنا ہوا تھا۔ بڑے بڑے جواہرات موتی اور زمرد جو تعداد میں بے شمار تھے۔

اوگیر بوزبک کا کہنا ہے کہ منحوس اور لالچی رستم سرائے کے باغوں کی ترکاریاں تک بیچ کھاتا تھا۔

ان زوال آمادہ قوتوں اور اس لالچ اور لوٹ کے مقابلے میں سلیمان نے مکتب کے تعلیم یافتہ عہدہ داروں میں بے نفسی اور دیانت داری کا میلان پیدا کرنے کی کوشش کی۔

بوزبک اس کا اقرار کرتا ہے۔ "یہ ترک اپنے لوگوں کو بھی محض ان کی قابلیت اور استعداد کی بنا پر جانچتے ہیں اور کسی بنیاد پر نہیں۔"

سلیمان بنفس نفیس فارغ التحصیل نوجوانوں کو خدا حافظ کہنے باب فرحت کے باہر جاتا۔ ایک مرتبہ جو نوجوان فارغ التحصیل ہوکر اس دروازے سے باہر نکلتا' پھر اندر نہ آنے پاتا۔ سلیمان ہر فارغ التحصیل نوجوان کو اپنے اصطبل سے ایک گھوڑا عطا کرتا' خلعت اور زاد سفر عنایت کرتا۔ ایک اطالوی نے یہ دیکھ کر اس کے متعلق تھا۔

"اس طرح سلطان ہر طرح کے آدمیوں میں وفاداری اور انعام و اکرام کے بیج بوتا ہے۔"

اگر روکسے لانا نے گل بہار کے بیٹے مصطفیٰ کو قتل کرانے کی سازش نہ کی ہوتی اور اگر اس کا اپنا بیٹا سلیم اتنا بزدل نہ ہوتا تو یہ واقعہ پیش نہ آتا۔ ترک اسے سلیم احمق کہتے تھے اور خوب جانتے تھے کہ وہ چھپ چھپ کر شراب پیتا ہے اور خوشامدیوں اور چاپلوسیوں میں گھرا رہتا ہے اس کی مصاحب یا کوئی گورنر نہیں بن پاتے ایسے حریص اور مطلبی لوگ جو اس قابل نہیں تھے کہ سلطان انہیں کوئی رتبہ بخشتا یا نظم و نسق سلطنت میں کوئی عہدہ عطا کرتا۔

بوزبک نے یہ افواہیں سن کر لکھا تھا۔ "سلیم بے حد بداخلاق ہے' اس نے کبھی کوئی کار خیر نہیں کیا اور کسی کو اپنا دوست نہیں بنایا۔"

سلیم تین چیزوں سے ڈرتا تھا' اپنے پیرانہ سال باپ کے غصے سے' طاقت ور گونگوں کے ہاتھ میں جو کمان کی تانت ہوتی اس سے' کیونکہ اس سے اس کا گلا گھونٹا جاسکتا تھا اور اپنے بھائی بایزید کی قابل محبت ذات سے جس کو لوگ سلطان سلیمان کی ہو بہو شبیہ کہا کرتے تھے۔ بزدل اعصابی انسان میں جس طرح کی مکاری اور ہوشیاری ہوتی ہے اسی طرح کی مکاری سلیم میں پائی جاتی تھی۔ اس نے اپنے باپ کو لکھا۔

"میں ایسی ہردل عزیزی حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتا جس کی وجہ سے عوام مجھے بہت زیادہ چاہنے لگیں اور مجھے اپنے والد سلطان عالی شان کا رقیب بننا پڑے۔" اس نے لکھا۔ "جہاں پناہ کی محبت کے سوا میرا کہیں اور ٹھکانا نہیں اور ہر شخص مجھ سے نفرت کرتا ہے۔"

قریب قریب ان ہی الفاظ میں روکسے لانا اپنے فربہ اندام بیٹے سلیم کی تائید اور طرفداری کیا کرتی تھی۔ اس کے جواب میں سلیمان نے اپنے آپ پر ترس کھانے والے بیٹے کو یہ کہہ کر ولاسا دیا کہ!

"زیادہ فکر نہ کرو اور احکام قرآنی کے بموجب زندگی بسر کرو۔" سلیم کی طرف سے اس کے خوشامدیوں اور سازشیوں نے جو خط لکھے' ان میں ایک اور خطرے کا اظہار کیا گیا۔ اس نے کہا کہ میں اپنی ذات کے لیے پریشان نہیں ہوں۔ مجھے اپنے والد ماجد کی زندگی کی فکر ہے۔ بایزید بھیس بدل کے قسطنطنیہ میں سرائے کے ینی چیریوں سے باتیں کرتا ہوا دیکھا گیا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جب سلطان سواری کے لیے برآمد ہوں سازشی ان پر تیروں کی بوچھاڑ کردیں۔"

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

لیکن وہ یہ نہ بھول سکا کہ بایزید نئی چیریوں میں مقبول ہوتا جارہا ہے اور نئی چیری سلیم کو "مصطبل کا بیل" کہنے لگے ہیں۔ سلیم کی یہ شکایت بھی صحیح تھی کہ سخت مزاج رستم اسے شرابی اور سلطنت کا نااہل سمجھتا تھا۔ رستم جس کی صحت کام کی کثرت کی وجہ سے گرتی جارہی تھی، بے شک یہی سمجھتا تھا اور اس کا کھلم کھلا اظہار کرتا تھا۔

حورم کے دونوں بیٹوں کے درمیان رقابت بہت بڑھ گئی تھی اور دوسروں ملکوں کے سفیر اس قدر غور سے اس صورت حال کا مشاہدہ کررہے تھے۔ سلیمان نے دونوں بیٹوں کو سلطنت کے دو صوبوں کا وزیر بنا کے ایک کو مشرق کی سرحد پر بھیجا اور ایک کو مغرب کی سرحد پر، تاکہ دونوں شہر کی افواہوں اور سازشوں سے

وہ بایزید کا امتحان کرنا چاہتا تھا، یا شاید اس نے زیادہ خطرناک صوبہ پر اسے اس لیے بھیجا تھا کہ وہ زیادہ طاقتور تھا۔ بایزید نے اس خدمت کو قبول کرنے سے فوراً" انکار کیا۔ بایزید کی شکایت کی اصل وجہ یہ تھی کہ سلیم کا تقرر میگنیشیا پر کیا گیا تھا، جہاں کی گورنری خود سلیمان نے ولی عہدی کے زمانے میں کی تھی۔ اس حکم سے معلوم ہوتا تھا کہ بایزید کے مقابلے میں سلیمان سلیم کی حمایت کررہا ہے۔

سلطان سلیمان کے بیٹوں کی عمر اب چالیس سال کے قریب تھی۔ اس کی اپنی عمر ستر سال کے قریب تھی، اور وہ تھک چکا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ کچھ عرصہ تک اور اس کے دونوں بیٹے زندہ رہیں اور خاموش رہیں تو اس اثناء میں ایک غیر شخصی طاقت اور زیادہ مضبوط ہوجائے گی اور اس کے بعد وہ سلطنت عثمانیہ کو سنبھال لے گی۔ شاید وہ سمجھتا تھا کہ رستم اور سوکولی جیسے مصاحب دماغ عہدہ دار خود بخود بایزید کا ساتھ دیں گے اور بایزید کو سلطان بنائیں گے۔

"میں اب اپنے فرمان میں کوئی تبدیلی نہیں کروں گا۔ جب تک زندہ ہوں میرے حکم کی تعمیل کرو۔ جو عدول حکمی کرے گا غدار سمجھا جائے گا۔" سلیمان نے بلا کسی جانب داری کے اپنے دونوں بیٹوں کو یہ حکم نامہ لکھ بھیجا۔ اس کے بعد خدا کو جو منظور ہوگا، وہی تم دونوں کے درمیان پیش آئے گا۔"

چارلس کی طرح سلیمان کسی خانقاہ میں زاویہ نشین نہ ہوسکتا تھا نہ اس کے لیے یہ ممکن تھا کہ سلطنت عثمانیہ کے دو حصے کرکے دونوں بیٹوں میں بانٹ دے۔ ایک ہی حکمران ہونا ضروری تھا اور سلطان کا مقصد ایک ہی تھا۔

سلیمان کا مقصد پورا ہوجاتا، لیکن اس میں لالہ موسیٰ کی چالاکی حائل تھی۔ اس کے دونوں بھائیوں کے درمیان نفرت پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

لالہ موسیٰ یکے بعد دیگرے دونوں بیٹوں کا اتالیق رہ چکا تھا اور ان کے طبائع سے خوب اچھی طرح واقف تھا۔ رستم نے اسے برطرف کردیا تھا۔ اس نے سلیم کے خوف کو اور ہوا دینی شروع کی۔ اسے سمجھانا شروع کیا کہ بایزید سلطان کا چہیتا ہے۔ لیکن اس نے کہا کہ اگر اسے اجازت ہو تو وہ بایزید اور سلطان کے درمیان ایسی آگ لگائے جو کسی طرح نہ بجھے۔ اس کے معاوضہ میں لالہ موسیٰ نے سلیم سے یہ وعدہ چاہا کہ جب آپ تخت نشین ہوں تو مجھے اپنا وزیر بنائیں۔

بڑی احتیاط اور بڑی محنت سے اس نے بایزید کو ورغلانا شروع کیا کہ سلیم اس کی جان کے درپے ہے اس سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ بایزید کو چاہیے کہ وہ اس احمق کو اس پر مجبور کرے کہ وہ کھلم کھلا مقابلے میں اس کے سامنے آئے۔ اگر اسے غصہ دلایا جائے تو وہ فوراً" لڑنے پر آمادہ ہوجائے گا۔ چنانچہ بایزید نے اس کے کہنے میں آکے اپنے بھائی سلیم کو زنانہ کپڑوں کا ایک جوڑا "تحفتاً" بھیجا۔

اب لالہ موسیٰ نے سلیم کو یہ مشورہ دیا کہ وہ یہ کپڑے ایک شکایت کے رقعے کے ساتھ سلطان سلیمان کے ملاحظے کے لیے پیش کرے۔ یہ جان کر کہ سلطان سلیمان فوراً" بایزید کو فہمائش کا خط لکھے گا اس نے کچھ قاتلوں کو بھیج کر سلطان کے قاصد کو راستے میں چپکے سے قتل کرادیا، اور خط ضائع کردیا گیا اور یہ

واردات بایزید کے صوبے میں کی گئی۔

سلطان نے دو اعلا ترین عہدہ داروں یعنی اپنے تیسرے اور چوتھے وزیر کو علی الترتیب میگنیشیا اور اماسیہ بھیجا، جہاں اس کے بیٹوں کی فوجیں آپس میں لڑنے کے لیے تیار ہوتی جارہی تھیں۔

بوزبک نے لکھا ہے۔ "بایزید کی تیاریوں کے متعلق سلطان کو یہ اندیشہ تھا کہ یہ خود اس کے اپنے خلاف بغاوت کی تیاری ہے۔ پھر بھی وہ بہت عرصہ تک اس معاملے کو خاموشی سے ٹالتا رہا۔ ہوشیار بوڑھا سلطان یہ نہیں چاہتا تھا کہ تنگ ہوکر بایزید کھلم کھلا بغاوت پر آمادہ ہوجائے۔"

بھائیوں کے درمیان خانہ جنگی روکنے کے لیے اس نے ایک بڑے ہی سخت گیر ثالث سوکولی کو روانہ کیا (اسی نے فرضی مصطفیٰ کو گرفتار کیا تھا) سوکولی اپنے ساتھ چالیس توپیں لیتا گیا۔ اس پر بایزید نے سرائے باب عالی کو کھلم کھلا یہ پیغام بھیجا۔

"میں ہر معاملہ میں اپنے والد ماجد سلطان المعظم کے فرمان کی تعمیل کرنے کو تیار ہوں، بجز اس قضیہ کے جو میرے اور میرے بھائی سلیم کے درمیان ہے۔"

اس کے بعد جو کچھ پیش آیا، وہ لالہ موسیٰ کی سازشی امیدوں سے بھی بڑھ چڑھ کر تھا۔ قونیہ کے جنوب میں بایزید کے ساتھیوں اور سلیم کی فوجوں میں جھڑپ ہوگئی۔ سلیم کے ساتھ سلیمان کا بھیجا ہوا دستہ بھی تھا جنہوں نے دیکھا ان کا یہ بیان ہے کہ مولانائے روم کی خانقاہ کے پاس سے گرم آندھی کا طوفان اٹھا اور اس سے بایزید کے ساتھیوں کا چہرہ جھلس گیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ خدا کی مشیت یہی تھی کہ چھوٹے بھائی کو جیت نصیب نہ ہو۔ سوکولی کی چالیس توپوں نے حملہ آوروں کو پیچھے ہٹادیا۔ لیکن بایزید نے ذاتی طور پر شجاعت کے بڑے جوہر دکھائے اور دونوں طرف کی فوجیں اس کی بہادری پر عش عش کرنے لگیں۔ بڑی فراخدلی سے اس نے اپنے باپ کو ایک خط لکھا جس میں اپنے قصور کا پورا پورا اعتراف کرکے اپنے آپ کو سلطان کی مرضی و منشاء پر چھوڑ دیا۔

اس خط سے سلیمان کے تذبذب اور شک کا خاتمہ ہوجاتا لیکن لالہ موسیٰ نے یہ خط راستے میں پکڑ لیا اور ضائع کردیا لیکن کسی نہ کسی طرح رستم کو اس واقعہ کی اطلاع ہوگئی اور رستم نے اس خطرناک صورت حال میں اتالیق لالہ موسیٰ کے قول و فعل کی نگرانی شروع کردی۔

لیکن اس اثناء میں ہراساں و پریشان بایزید نے پھر ایسی ہی جذباتی حرکت کی جیسے پہلے کی تھی۔ اس نے جو خط سلیمان کے نام لکھا تھا اس کا جواب نہ آیا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر عثمانی پرچم کے خلاف تلوار اٹھائی تھی۔ اب اگر سلیم کی عیاری سے اسے اس گستاخی کی سزا ملنے والی تھی تو اب اچھی طرح جم کر لڑنا ضروری تھا۔ اس کی طبیعت میں تذبذب قطعاً" نہ تھا۔ اس نے تیزی سے پہلے تو جتنا روپیہ ہوسکتا تھا امیر تاجروں سے قرض لے کر فراہم کیا اور یہ اعلان کیا کہ وہ اپنے پرچم تلے فوج اکٹھی کررہا ہے۔

بایزید کی اصلی کمزوری یہ تھی کہ اس نے وہ جرات شجاعت دکھائی جو اسے سلیمان سے ورثہ میں ملی تھی۔ وہ بڑا نڈر اور فیاض سردار تھا۔ بہت جلد اس کے اطراف بہت سے شورش پسند سردار اکٹھا ہوگئے، جیسے بھونچال میں خس و خاشاک۔ ترکمان اپنے ریوڑیوں کو چھوڑ کے اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے آن کر جمع ہوگئے۔ پہاڑوں کے چھاپہ مارنے والے کرد، اور مصطفیٰ مرحوم کے پرانے ساتھی۔ اس کے ساتھ بہت سے صاحب دماغ افسر بھی تھے جن کا یقین تھا کہ وہی عثمانی تخت و تاج کا سچا وارث ہے۔

اس کی بغاوت سے مشرقی سرحد پر آگ لگ گئی۔

حورم دنیا سے رخصت ہوچکی تھی لیکن اس کے دونوں بیٹوں کے درمیان لڑائی کرانے والے سازشی اسی طرح کی سازشیں کررہے تھے جو حورم نے شہزادہ مصطفیٰ کو مروانے کے لیے کی تھیں۔ یہ قدرت کی طرف سے گویا بدلہ تھا۔

(حورم کے دونوں بیٹوں کے درمیان اس کشمکش کا کیا نتیجہ نکلا۔ باقی واقعات آئندہ ماہ)

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

موسم کے پکوان

خالدہ جیلانی

بیف شاشلک رائس

اجزا :

بیف بوٹی	آدھا کلو
ٹماٹر، شملہ مرچ	چار، چار عدد
پیاز	چار عدد
کچری پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
لہسن ادرک پیسٹ	ڈیڑھ چائے کا چمچہ
فوڈ کلرز	ایک ایک چٹکی
دہی، مکھن	دو، دو کھانے کے چمچے
چاول	چار کپ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	حسب ضرورت

ترکیب :

گوشت میں کچری پاؤڈر، لہسن ادرک پیسٹ، نمک، دہی، باربی کیو مسالا ملا کر رکھ دیں۔ چار گھنٹے بعد تیل گرم کرکے مسالے سمیت گوشت ڈال کر ہلکی آنچ پر گلنے تک پکائیں۔ الگ پتیلی میں ایک کنی (رہ جائے) چاول ابال لیں پھر اس میں الگ الگ فوڈ کلرز (سبز، سرخ، زرد) چھڑک کر دم پر رکھ دیں۔ ٹماٹر اور شملہ مرچ کے بیج نکال کر کیوبز میں کاٹ لیں۔ پیاز کے آٹھ آٹھ ٹکڑے کرلیں۔ اسٹک میں باری باری ٹماٹر، شملہ پیاز اور بوٹی چڑھائیں۔ برش کی مدد سے مکھن لگائیں اور دس منٹ تک بھاپ میں رکھ کر گلالیں۔ چاولوں کو مکس کرکے ڈش میں نکالیں اور اس پر بیف شاشلک

اسٹک رکھ کر گرم گرم پیش کریں۔

بھوپالی ادرک گوشت

اجزا :

بغیر ہڈی کا گوشت	آدھا کلو
براؤن پیاز	ایک چوتھائی کپ
دہی	آدھا کپ
ادرک پیسٹ	ایک چائے کا چمچہ
ثابت ادرک	ایک بڑا ٹکڑا
گرم مسالا	ایک کھانے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	حسب ضرورت

ترکیب :

دہی میں براؤن پیاز، گرم مسالا اور نمک ملا کر گوشت پر اچھی طرح لپیٹ کر رکھ دیں۔ آدھے گھنٹے بعد گرم تیل میں دہی گوشت ڈال کر بھون لیں۔ ادرک پیسٹ، پسا زیرہ، سرخ کٹی مرچ اور نمک شامل کرکے ہلکی آنچ پر پکائیں۔ گوشت گل جائے تو بھون لیں۔ مسالا روغن چھوڑدے تو ڈش میں نکال کر کتری ہوئی ادرک اوپر ڈالیں اور چپاتی اور سلاد کے ساتھ پیش کریں۔

کڑاہی کباب مسالا

اجزا :

قیمہ	آدھا کلو
کارن فلور	تین کھانے کے چمچے
براؤن پیاز	آدھا کپ
مکھن	ایک کھانے کا چمچہ
ہرا مسالا، گرم مسالا	حسب ضرورت
نمک	حسب ذائقہ
تیل	حسب ضرورت

ترکیب :

قیمے کے ساتھ نمک، کارن فلور، ثابت دھنیا، زیرہ، ادرک ایک ٹکڑا اور گرم مسالا، سرخ مرچ، ہرا دھنیا، ہری مرچیں اور دو چمچے براؤن پیاز ڈال کر چوپر میں پیس لیں۔ پھر مکھن ملادیں۔ تھوڑی دیر رکھ کر مٹھی شیپ میں کباب بنائیں اور گہرے تیل میں تل کر الگ رکھ دیں۔ تیل گرم کرکے لہسن ادرک پیسٹ، سرخ مرچ اور نمک ڈال کر بھونیں۔ باقی براؤن پیاز بھی شامل کر دیں۔ ایک کپ پانی ڈال کر پکائیں۔ گاڑھا ہونے لگے تو بھونیں۔ مسالا یکجان ہو جائے، روغن اوپر آجائے تو ڈش میں نکال لیں۔ سارے کباب آہستہ آہستہ شوربے میں رکھ کر ڈش ہلائیں۔ ہرے دھنیے سے سجاوٹ کرکے پیش کریں۔

کاک ٹیل لب شیریں

اجزا :

دودھ	ایک کلو
کسٹرڈ	دو کھانے کے چمچے
مکس فروٹ	دو کپ
جیلی	ایک پیکٹ
کریم	ایک کپ
چینی	آدھا کپ

ترکیب :

دودھ میں ابال آجائے تو چینی ڈال دیں اور ہلکی آنچ کر دیں۔ جیلی جما کر کاٹ لیں۔ ٹھنڈے دودھ میں کسٹرڈ گھول کر ابلتے دودھ میں شامل کریں۔ چمچہ چلاتے رہیں۔ گاڑھا ہو جائے تو چولہا بند کردیں۔ کسٹرڈ ٹھنڈا ہو جائے تو کریم، کیوبز میں کٹے فروٹ (مکس فروٹ کاٹن بھی لے سکتی ہیں۔ اس صورت میں اس کا سیرپ نکال دیں) اور آدھی جیلی مکس کرکے تھوڑی دیر کے لیے فریج میں رکھ دیں۔ پیش کرتے وقت بقیہ جیلی اور کریم سے سجاوٹ کردیں۔

✡

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

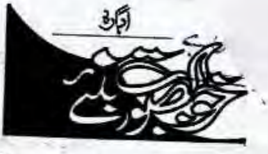

حسن وہی جو آنکھوں کو خیرہ کردے!

چہرے کی دلکشی اور نکھار کے لیے سب سے بنیادی چیز آپ کی جلد ہے' اگر جلد تروتازہ اور شگفتہ ہے تو خواہ آپ کا رنگ کم ہی کیوں نہ ہو' آپ اس میں منفرد نظر آئیں گی اور آپ کی صحت مند جلد پر ہر طرح کا میک اپ اور سنگھار اچھا لگے گا لیکن جلد کھردری اور داغ دار ہو تو آپ خواہ کتنا ہی سج سنور لیں' آپ کی شخصیت بے جان نظر آئے گی۔ لہٰذا اگر آپ ایک دلکش شخصیت کی مالک بننا چاہتی ہیں تو سب سے پہلے اپنی جلد پر توجہ دیں۔ یاد رکھیے! صرف اوپری جلد پر مہنگی کریمیں یا گھریلو ٹوٹکے استعمال کرکے آپ صحت مند جلد نہیں پاسکتیں' بلکہ اس کے لیے آپ کو اپنے جسمانی نظام کا اندرونی طور پر بھی خیال رکھنا ہوگا۔ اس کے لیے چند بنیادی نکتوں کو گرہ میں باندھ لیں۔

☆ اپنی غذا میں زیادہ تر سبزی اور پھل شامل کریں۔

☆ کچی سبزی کا استعمال جلد کے لیے مفید ہے۔

☆ روزانہ کم از کم بارہ گلاس پانی پئیں اور صبح نہار منہ ایک گلاس پانی کو اپنی عادت بنالیں۔

☆ زیادہ مرچ مسالے اور چکنائی والی غذا سے ہر ممکن اجتناب کریں۔

☆ دن بھر میں کم از کم دس منٹ گرمیوں میں اور آدھا گھنٹہ سردیوں میں دھوپ ضرور سینکیں (چہرہ چھپا کر) دھوپ جسمانی نظام کو فعال بناتی ہے۔ اسی طرح تازہ ہوا بھی بے حد ضروری چیز ہے۔ صبح اٹھ کر تازہ ہوا میں سانس لیں۔

☆ ٹماٹر' کھیرا' گاجر اور آلو جو بھی موسم کی سبزی ہو اس کا پیسٹ بنا کر ہفتے میں کم از کم ایک بار چہرے پر لگائیں۔ آدھے گھنٹے بعد تازہ پانی سے منہ دھولیں۔

☆ گلیسرین اور عرق گلاب میں چند قطرے لیموں کا عرق ڈال کر محلول بنا کر فریج میں رکھ لیں۔ روزانہ رات کو سونے سے پہلے چہرے پر لگائیں۔

☆ اگر جلد میں خشکی زیادہ ہے تو تازہ بالائی روز رات کو چہرے پر لگائیں اور صبح نیم گرم پانی سے منہ دھولیں۔

☆ چہرے پر داغ دھبے یا چھائیاں ہوں تو لیموں کا ٹکڑا لے کر دن میں ایک بار چہرے پر مساج کریں۔

☆ روزانہ رات کو ایک گلاس دودھ پئیں۔ اس سے آنکھوں کے حلقے کم ہوتے ہیں۔

☆ میک اپ زدہ چہرے کے ساتھ کبھی نہ سوئیں۔ سونے سے پہلے چہرہ کلینزنگ کریم یا لوشن سے صاف کرکے دھولیں۔

☆ دن میں کم از کم دو بار تازہ پانی منہ پر ڈالیں۔

یہ تمام نسخے آزمودہ ہیں۔ اگر آپ ان میں سے چند پر بھی عمل کرلیں تو ایک صحت مند جلد کی مالک بن سکتی ہیں۔ جلد کے معاملے میں لاپروائی ہرگز نہ برتیں۔ ایک بار جلد خراب ہوجائے تو اس کا علاج بڑا دشوار ہوتا ہے۔

تیس سال کی عمر کے بعد فیشل ضروری ہوجاتا ہے۔ لہٰذا مہینے میں کم از کم ایک بار فیشل ضرور کرائیں اگر پارلر جانا مشکل ہے تو گھر پر کسی اچھی سی کریم یا لوشن سے مساج کرکے ماسک لگالیں۔

اگر آپ کی عمر تیس سے کم ہے تو فیشل سے اجتناب کریں اور زیادہ میک اپ سے بچیں۔ اچھی غذا اور پانی کے ذریعے اپنی جلد کو خوب صورت بنائیں۔

WWW.PAKSOCIETY.COM